لااکراہ فی الدین (القرآن)

تحقیق الجہاد

مع

ضمیمہ جات

کریٹیکل ایکسپوزیشن آف دی پاپولر جہاد

جہادِ اسلامی کے بارے میں مستشرقین کے فکری مغالطوں کا علمی محاسبہ

مصنف: مولوی چراغ علی مرحوم

مترجم: مولوی غلام الحسنین صاحب پانی پتی
و
مولوی عبدالغفور صاحب رام پوری

تقدیم و تحقیق: محمد علی فارق

مکتبہ اخوت اُردو بازار لاہور

نام کتاب : تحقیق الجہاد

مصنف : مولوی چراغ علی مرحوم

مترجم : مولوی غلام الحسنین صاحب پانی پتی
و
مولوی عبدالغفور صاحب رام پوری

تقدیم و تحقیق : محمد علی فارق

ناشر : مکتبہ اخوت نزد مچھلی منڈی (بوہڑ)

اُردو بازار لاہور۔فون: 7235951
موبائل: 0333-4298184

مطبع : نیر اسد پرنٹرز لاہور

صفحات : 488

قیمت : عام ایڈیشن -/[illegible]

اعلیٰ ایڈیشن -/350

فہرست مضامین مقدمۂ تحقیق الجہاد

نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ
	تقدیم و تحقیق	
۱	کتاب تحقیق الجہاد کا مقصد	۱
۲	مسلمانوں پر ابتدائی ظلم و ستم	۲
//	مسلمانوں نے اگر ہتھیار اُٹھائے تو وہ حق بجانب تھے۔	//
۳	حالت جنگ کا آغاز۔	۳
۴	مسلمان اپنی حق تلفیوں کی تلافی کے لئے خاص وجوہ سے ہتھیار نہیں اُٹھا سکتے تھے	۳
۵	مسلمان مدینہ میں دیگر مشاغل میں مصروف ہونے کی وجہ سے نہیں چاہتے تھے کہ ابتداءً جنگ کرکے لڑائی کے جھگڑوں میں پڑیں۔ مگر دشمن کی طرف سے ان کو ہر وقت کھٹکا تھا۔	۴
۶	قریش نے اولاً مسلمانوں پر مدینہ تک پہنچ کر حملہ کیا اور مسلمانوں کا مکہ سے بچ نکلنا گوارا نہ کرسکے۔	۵
۷	حملہ آور قریش نے آنحضرتؐ کے ساتھ تین جنگیں کیں۔	۷
۷	یہ لڑائیاں محض دفاعی تھیں جتنے کہ مسلمانوں کے نقصانات کی تلافی یا ان کے حقوق قائم کرنے کے لئے بھی نہیں کی گئی تھی۔	۷
۸	بدر کی لڑائی جنگ دفاعی تھی۔	۸
//	دعویٰ مذکور کے دلائل۔	//
۹	قریش اور دیگر قبائل عرب کے حملوں اور اُن کی دھمکی دینے والی جمعیتوں کی وجہ سے آنحضرتؐ کو اتنی مُہلت نہ تھی کہ ان پر از خود حملہ کرنے کا خیال کریں	۱۱
۱۰	نواح مکہ میں قریش کا مسلح ہوکر مسلمان حاجیوں سے مقابلہ کرنا۔	۱۴
//	مکہ میں ملکی و مذہبی آزادی کا حق حاصل کرنے کی غرض سے جنگجو قریش کے خلاف آنحضرتؐ کا اعلان جنگ۔	۱۵
//	یہ جنگ جس کا اعلان کیا گیا تھا پیش نہیں آئی۔	۱۶

نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ	نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ
۱۱	قریش پھر مخالفت کے مرتکب ہوتے اور عہد شکنی کرتے ہیں۔	۱۶	۱۹	مکّہ میں اشاعت اسلام کا ایک مختصر سا خاکہ۔	۳۴
۱۱	صلح توڑنے والوں کے خلاف جنگ کا اعلان۔	۱۷	۲۰	مدینہ میں سرعت کے ساتھ اسلام کا پھیلنا۔	۳۸
۱۱	یہ جنگ واقع نہیں ہوئی۔	۱۷	۲۱	ہجرت کے بعد مکّہ میں مسلمانوں کی تعداد میں ترقّی۔	۴۲
۱۲	قریش کے علاوہ دیگر دشمنان اسلام کے ساتھ جنگ۔	۱۸	۲۲	بدامنی کی حالت اُن قبائل کے درمیان جو نواح مدینہ میں آباد تھے۔ مہلک اور خونریز جنگوں کا اشاعت اسلام میں سدّ راہ ہونا۔	۴۴
۱۳	دشمن جو آگے بڑھا چلا آتا تھا اُسکو روکنے کے لئے تبوک کی مہم جس میں کوئی جنگ واقع نہیں ہوئی۔	۱۹	۲۳	قبائل عرب کی اُن باہمی جنگوں کا ایک خاکہ جو آنحضرت کے زمانۂ حیات میں پیش آئیں۔	۴۴
۱۴	آنحضرت ؐ کی جنگوں کی تعداد۔	۲۱		وہ لڑائیاں جو آنحضرت ؐ کے زمانہ میں اُن قبائل کے درمیان ہوئیں جو عرب کے شمال اور وسط میں آباد تھے۔	۴۵
۱۵	آنحضرت ؐ کی جنگوں کی بابت مسٹر گین کی رائے	۲۴		اول قبل از بعثت	
؍؍	رائے مذکور کا ابطال۔	۲۵		دوم دوران بعثت میں	؍؍
۱۶	آنحضرت ؐ کی جنگوں کی بابت ایک اور خیال	۳۰	۲۴	مدینہ کے گرد و نواح کی قوموں میں ہجرت کے بعد اسلام کی اشاعت ۱ھ سے ۶ھ تک	۴۷
۱۷	اگر قافلے لوٹے بھی گئے تو بطور انتقام کے لُوٹے گئے۔	۳۲			
۱۸	جبر و اکراہ۔ جبراً مسلمان بنانے کا حکم نہیں دیا گیا اور نہ آنحضرت ؐ کے زمانہ حیات میں کسی کو زبردستی مسلمان بنایا گیا	۳۲			
۱۸	سرولیم کی رائے اور اس کا ابطال	۳۳			

نمبرفقرہ	مضمون	صفحہ
۲۵	جنوبی قبائل کے اسلام لانے میں مکہ سد راہ تھا	۴۸
۲۶	چھٹے سال میں بعض قبائل کا اسلام لانا	۴۹
۲۷	تفویض مکہ ۸ھ	۵۱
۲۸	اہل مکہ اسلام لانے پر مجبور نہیں کئے گئے تھے	۵۲
۲۹	۹ھ اور ۱۰ھ میں باقیماندہ کل کے کل قبائل کا اسلام لانا۔	۵۳
۳۰	۹ھ اور ۱۰ھ میں مختلف سفارتوں اور وفدوں کا آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہونا۔	۵۵
۳۱	فہرست اُن وفدوں کی جو قبول اسلام کی غرض سے ۹ھ اور ۱۰ھ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔	۵۶
۳۲	تمام اشخاص اور قبائل بغیر کسی جبر و اکراہ کے مسلمان ہوئے۔	۵۸
۳۳	تلقین اسلام کے لئے آنحضرتؐ کے گرد و پیش کے حالات مساعد نہ تھے۔	۶۳
۳۴	آنحضرتؐ کا مستحکم یقین اپنی نبوت پر اور آپ کی کامیابی آپ کو سچا پیغمبر ثابت کرتی ہے۔	۷۳
۳۵	آنحضرتؐ کی اصلاحوں کا حیرت انگیز اثر۔	۷۷
۳۶	آنحضرتؐ کی نسبت جھوٹے اتہامات۔	۸۹
۳۷	تعلیم محمدی پر مخالفین کے اعتراضات۔	۱۰۰
۳۷	(۱) آنحضرتؐ کی تمدنی اصلاحوں کا خاتم اور کامل ہونا۔	۱۰۰
"	(۲) قطعی احکام یا اوامر۔	۱۰۱
"	(۳) شریعت کی ظاہری رسوم۔	۱۰۲
"	(۴) قرآن کا عملی اخلاق	"
"	(۵) قرآن کا گرد و پیش کے حالات سے مناسبت نہ رکھنا۔	۱۰۳
۳۸	اعتراضات مذکورۂ بالا قرآن مجید پر عائد نہیں ہوسکتے۔	۱۰۴
۳۹	(۱) آنحضرتؐ کی تمدنی اصلاحیں خاتم اور کامل ہیں۔	۱۰۴
۴۰	(۲) قطعی احکام یا اوامر	۱۰۶
۴۰	(۳) شریعت کی ظاہری رسوم	۱۰۷
۴۰	حج۔	۱۰۷
۴۰	قبلہ۔	۱۰۸
۴۰	مقدار زکوٰۃ۔	۱۰۹
۴۰	روزے۔	۱۰۹
۴۰	عبادت و دعا وغیرہ کے طریقہ کا عدم تعین۔	۱۰۹

نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ
۴۰	ریاکاری اور ظاہرداری کی نماز اور زکوٰۃ وغیرہ عبادات پر زجر و توبیخ۔	۱۱۱
۴۰	عبادات کے لئے اوقات یا مقامات لازمی نہیں	۱۱۲
۴۰	وضو اور غسل۔	۱۱۴
۴۱	(۴) قرآن مجید میں اصولی اور عملی دو طرح کا اخلاق ہے۔	۱۱۵
۴۲	(۵) قرآن کا گرد و پیش کے حالات سے مناسبت رکھنا۔	۱۲۱
۴۳	نوع انسان کی تمام جماعتوں اور قوموں کے لئے قرآن مجید کا مناسب ہونا۔	۱۲۲
	نوٹ متعلق مقدمہ تحقیق الجہاد	۱۲۴
	شجرات انساب عرب۔	۱۲۵ تا ۱۲۸

فہرست مضامین تحقیق الجہاد
آنحضرت صلعم کی تمام جنگیں دفاعی تھیں۔

باب اوّل
کفار کا مسلمانوں کو اذیت دینا

نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ
۱	اہل مکہ کی مسلمانوں کو ابتدائی ایذا رسانی۔	۱
۲	اس ایذا رسانی کا ذکر قرآن مجید میں	۳
۳	توہین و تحقیر جس کی ایذا آنحضرتؐ نے برداشت کی۔	۴
۴	قریش کی ایذا رسانی اور ظلم و تعدی کا خلاصہ تاریخی حیثیت سے۔	۷
۵	ہجرت مدینہ	۱۰
۶	مکہ سے ہجرت کے بعد قریش کا مسلمانوں کو ایذا دینا	۱۱

باب دوم
اہل مکہ یا قریش

نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ
۷	سنہ ۲ھ میں قریش کا ایک سردار مدینہ کے قریب حملہ کرتا ہے۔	۱۳
۸	قریش مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے کوچ کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ مدافعت کے لئے آگے بڑھتے اور جنگ بدر میں فتح حاصل کرتے ہیں۔	۱۴
۹	ابوسفیان کا حملہ مدینہ پر سنہ ۳ھ میں۔	۱۴
۱۰	جنگ اُحد۔	۱۴
۱۱	آنحضرتؐ کے اقتدار پر اس شکست کا اثر	۱۴
۱۲	ابوسفیان نے مسلمانوں کو سال آئندہ ایک اور حملہ کی دھمکی دی۔	۱۵

نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ
۱۳	قریش ایک بڑی فوج سے مدینہ پر دوبارہ حملہ کرتے ہیں آنحضرت شہر کو بچاتے ہیں غنیم ہٹ جاتا ہے (جنگ خندق یا احزاب ۵ھ)	۱۶
۱۴	آنحضرت مسلمانوں کے ہمراہ عمرہ ادا کرنے کے لئے روانہ ہوئے، قریش نے آپ کا مقابلہ کیا، اور آپ مایوس ہو کر واپس آ گئے۔ ۶ھ	۱۷
۱۵	قریش کا نقض عہد اور اُن کا مغلوب ہونا۔	۱۸
۱۶	دو اَور قبیلوں نے بھی مسلمانوں پر حملہ کیا	۱۸

باب سوم
جنگوں کی دفاعی حیثیت

نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ
۱۷	آیات قرآنی جو جنگوں کی دفاعی حیثیت کی مؤید ہیں۔	۱۹
۱۸	آیات مذکورہ بالا سے کیا ثابت ہوتا ہے	۳۳
۱۹	مسلمانوں کا اپنے حملہ آوروں کے مقابلہ میں ہتھیار اُٹھانا حق بجانب تھا	۳۴
۲۰	ہجرت کے بعد جنگ کی ابتدا آنحضرت کی طرف سے نہیں ہوئی۔	۳۵
۲۱	قافلوں کی ادعائی مزاحمت کے واقعات کی تنقیح۔	۳۶
۲۲	حضرت حمزہ اور حضرت ابوعبیدہ کی مہمیں۔	۳۷
۲۳	ابواء، بواطہ اور عشیرہ کے غزوات۔	"
۲۴	واقعہ نخلہ۔	"
۲۵	بدر میں محمد (صلعم) صرف مدافعت کے لئے آئے تھے۔	۳۸
۲۶	ہجرت کے بعد اگر آنحضرت کی طرف سے جنگ میں سبقت ہوئی بھی ہو تو اُس کو انتقام سمجھنا مقتضائے انصاف ہے	۴۰

باب چہارم
یہود

نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ
۲۷	یہودیوں نے معاہدہ کو توڑ ڈالا۔	۴۲
۲۸	بنی قینقاع، بنی نضیر، بنی قریظہ، خیبری اور بنی غطفان۔	۴۲
۲۹	قبائل یہود کی بدعہدی اور دغا کا ذکر قرآن مجید میں۔	۴۳
۳۰	سعد بن معاذ کا فیصلہ۔	۴۷
۳۱	یہودیان خیبر کے مقابلہ میں دفاعی مہم۔	۴۷

باب پنجم
نصاریٰ یا رومی

نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ
۳۲	تبوک کی مہم جو سب سے پچھلی تھی۔	۴۹

نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ
٣٣	خاتمہ۔	٥٠

باب ششم
مذہبی مزاحمت

نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ
٣٤	آنحضرتؐ نے مذہبی مزاحمت کی ہرگز تعلیم نہیں دی۔	٥١
٣٥	یہ لڑائیاں کس معنے میں مذہبی لڑائیاں تھیں۔	٥٣
٣٦	جن آیتوں سے مذہبی مزاحمت پر استدلال کیا جاتا ہے، اُن کی تفسیر۔	٥٣
٣٧	سر ولیم میور کی رائے اور اُن کی لغزش	٥٦
٣٨	رائے مذکور پر مزید بحث۔	٥٨
٣٩	آنحضرتؐ کی جنگوں کا مقصد۔	٦٢

باب ہفتم
قرآن مجید کی نویں سوۃ یا سورۂ براۃ

نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ
٤٠	قرآن مجید کی نویں سورت کا ابتدائی حصہ صرف قریش سے متعلق ہے جنہوں نے نقض عہد کیا تھا۔	٦٣
٤٠	جو احکام اس سورت میں درج ہیں بوجہ مصالحت ہو جانے کے اُن پر عملدرآمد نہیں ہوا۔	//

باب ہشتم
قریش کے قافلوں کی ادّعائی مزاحمت

نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ
٤١	قریش کے قافلوں کی ادّعائی مزاحمتیں جن کی تعداد (٩) بیان کی جاتی ہے۔	٦٧
٤٢	اُن حالات میں جو آنحضرتؐ کے گردوپیش تھے قافلوں کی مزاحمت ناممکن تھی۔	٦٩
٤٣	قافلوں کی مزاحمت اگر وقوع میں آئی تو وہ بطور انتقام تھی۔	٧٠

باب نہم
ادّعائی خونریزیاں

نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ
٤٤	ادّعائی قتل و خونریزی کی مثالیں جو مخالف پیش کرتے ہیں۔	٧٢
٤٥	مسٹر پول کی رائے۔	٧٣

١۔ عصماء بنت مروان

نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ
٤٦	عصماء بنت مروان۔	٧٥
٤٧	عصماء کے قتل کی داستان قابل اعتبار نہیں	٧٦

٢۔ ابوعفک

نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ
٤٨	ابوعفک۔	٧٧

٣۔ کعب بن اشرف

نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ
٤٩	کعب بن اشرف۔	٧٩

نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ
۵۰	کعب کے قتل میں آنحضرت صلعم کی کوئی شرکت نہیں ہوسکتی تھی۔	۸۰
	۴۔ سفیان بن خالد ہذلی	
۵۱	سفیان بن خالد ہذلی۔	۸۲
۵۲	سفیان کا قتل متذکرہ بالا حق بجانب تھا	۸۳
	۵۔ ابو رافع	
۵۳	ابو رافع۔	۸۴
	۶۔ اُسیر بن زارم	
۵۴	اُسیر بن زارم۔	۸۶
	۷۔ اقدام قتل ابوسفیان بن حرب	
۵۵	اقدام قتل ابوسفیان	۸۷
۵۶	آئرونگ اور میور صاحبان کے اقوال اور اس امر میں مصنف کی آخری بحث۔	۸۸
	باب دہم	
	قیدیان جنگ وغیرہ کے قتل میں ادعائی بے رحمیاں	
۵۷	قیدیان جنگ کے ساتھ سلوک۔	۹۰
۵۸	قیدیان جنگ کی بابت قانون اقوام	۹۰
	ا۔ نضر بن حارث	
۵۹	نضر بن حارث کا قتل۔	۹۲
	۲۔ عقبہ بن ابی معیط	
۶۰	قتل عقبہ۔	۹۴
۶۱	ایک لڑائی کے قیدی مسمیٰ ابوعزہ کو بلا معاوضہ آزاد کیا گیا۔	۹۵
	۳۔ ابوعزہ شاعر (عمرو بن عبد اللہ)	
۶۲	ابوعزہ باغی ثابت ہوا اور قتل کیا گیا	۹۵
	۴۔ معاویہ بن مغیرہ	
۶۳	قتل معاویہ بن مغیرہ۔	۹۶
۶۴	قتل ابن مغیرہ کا حق بجانب ہونا۔	۹۶
	اقدام قتل اسیران بدر	
۶۵	اسیران بدر کی بابت سر ولیم میور کا غلط ترجمہ۔	۹۸
۶۶	قیدیوں کو آزاد کرنے کی وجہ سے قرآن میں آنحضرت صلعم پر کبھی عتاب نازل نہیں ہوا۔	۹۹
	اسیران جنگ کے ساتھ آنحضرت کا فیاضانہ سلوک	
۶۷	قرآن مجید حکم دیتا ہے کہ اسیران جنگ کو یا تو مفت چھوڑا جائے یا معاوضہ لے کر، مگر ان کو نہ قتل کیا جائے اور نہ غلام بنایا جائے۔	۱۰۰

نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ
	قتل بنی قریظہ	
۶۸	اہل مدینہ کے خلاف بنی قریظہ کی بغاوت شدید اور اُن کا قتل۔	۱۰۳
۶۹	تمام بنی قریظہ ہرگز قتل نہیں کیے گئے	۱۰۴
۷۰	بنی قریظہ کی عورتیں اور بچے فروخت نہیں کئے گئے۔	۱۰۵
۷۱	مقتولوں کی مبالغہ آمیز تعداد	۱۰۶
	باب یازدہم	
	بعض متفرق اعتراضات کا ابطال	
	۱۔ اُمّ قرفہ	
۷۲	اُمّ قرفہ کا قتل قزاقی کی وجہ سے۔	۱۰۸
	۲۔ قزاقان عرنہ	
۷۳	قزاقان عرنہ۔	۱۰۹
۷۴	باضابطہ انتظام مجلس کے نہ ہونے کی وجہ سے قطع عضو یا جلا وطنی کی سزا عارضی طور پر بجائے قید کے تجویز کی گئی تھی۔	۱۱۱
	۳۔ کنانہ بن الربیع کی عقوبت	
۷۵	کنانہ کی عقوبت۔	۱۱۲
	۴۔ ایک مُغنّیہ کا قتل	
۷۶	ایک مغنّیہ کا ادعائی قتل۔	۱۱۴
۷۷	آنحضرتؐ کا اپنے دشمنوں کے ساتھ فیاضانہ سلوک۔	۱۱۵
	۵۔ ابو بصیر عتبہ بن اسید بن جاریہ	
۷۸	آنحضرتؐ نے صلح حدیبیہ کے خلاف ابو بصیر کی کوئی حمایت نہیں کی۔	۱۱۷
	۶۔ مددگاران قریش جنہوں نے مدینہ کا محاصرہ کیا تھا، اُن کے جتھے کو توڑنے کے لئے نعیم بن مسعود کا تقرر	
۷۹	آنحضرتؐ نے دشمن کے کیمپ میں جھوٹی خبریں شائع کرنے کے لئے نعیم بن مسعود کو مقرر نہیں کیا تھا۔	۱۱۹
۸۰	قانون بین الاقوام کی بموجب جنگ میں دھوکے کی اجازت۔	۱۲۱
۸۱	مسٹر لیکی کا اخلاقی معیار۔	۱۲۳
	قتل یہود کی بابت ادعائی اجازت	
۸۲	ابن سنینہ کا قتل۔	۱۲۴
۸۳	سر ولیم میور کا قول۔	۱۲۶
	یہود بنی نضیر کی جلا وطنی	
۸۴	یہود بنی نضیر۔	۱۲۸

نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ
۸۵	پھل دار درخت نہیں کاٹے گئے۔	۱۲۹
	صلحنامہ حدیبیہ سے عورتوں کا کیا تعلق تھا	
۸۶	صلحنامہ حدیبیہ سے عورتوں کا تعلق۔	۱۳۰
۸۷	مسٹر سٹینلے کی رائے کی تائید۔	۱۳۱
۸۸	نکاح ایک مضبوط باہمی معاہدہ ہے۔	۱۳۳
	باب دوازدہم	
	جہاد متعارف	
۸۹	قرآن مجید صرف دفاعی جنگوں کا حکم دیتا ہے	۱۳۵
۹۰	شریعت اسلام اور جہاد۔	۱۳۷
۹۱	جہاد فرض عین کب ہوتا ہے۔	۱۳۸
۹۲	ہدایہ کا ایک قول اور اس کا ابطال۔	״
۹۳	اصول تفسیر قرآن۔	۱۴۰
۹۴	عام قانون یعنے فقہ اور اُسکے شارح۔	۱۴۱
۹۵	صاحب کفایہ کا قول۔	״
۹۶	شارح مذکور کے مزید اقوال۔	۱۴۲
۹۷	صاحب کفایہ کی رائے کا ابطال۔	۱۴۳
۹۸	سورہ نہم کی پانچویں آیت پر بحث۔	۱۴۴
۹۹	البقرہ ۲ کی آیت ۱۸۹ پر بحث۔	۱۴۵
۱۰۰	البقرہ ۲- آیت ۱۸۹- اور الانفال ۸- آیت ۶۰ میں جنگ دفاعی کا حکم ہے۔	۱۴۶
۱۰۱	یہ تمام احکام مختص الوقت اور مختص المقام تھے۔	״
۱۰۲	عینی کا قول اور اُس کا ابطال۔	۱۴۷
۱۰۳	سرخسی کا قول اور اس کا ابطال۔	۱۴۸

نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ
۱۰۴	ابن حجر کا قول۔	۱۵۰
۱۰۵	قول مذکور کا ابطال۔	״
۱۰۶	حلبی کا قول۔	۱۵۱
۱۰۷	حلبی کے قول کی غلطی۔	۱۵۳
۱۰۸	عینی کا ایک قول اور اُس کا رد۔	۱۵۴
۱۰۹	مضمون مذکور پر مزید بحث۔	۱۵۵
۱۱۰	جہاد کے متعلق دو حدیثیں اور اُن سے استدلال کی غلطی۔	״
۱۱۱	جہاد کے خلاف قدیم فقہاء کی رائیں۔	۱۵۶
۱۱۲	فقہاء مذکور کی سوانح عمری۔	۱۵۷
۱۱۳	یورپین مصنفوں کی غلطی۔	۱۵۹
۱۱۴	سر ولیم میور کا قول۔	۱۶۰
۱۱۵	اسلام، حملہ یا جنگ کی ابتدا کرنے والا نہیں ہے۔	۱۶۱
۱۱۶	مسٹر فریمین کا قول۔	۱۶۲
۱۱۷	پادری سٹیفنز کا قول۔	۱۶۴
۱۱۸	مسٹر باسورتھ اسمتھ کا قول۔	۱۶۵
۱۱۹	مسٹر جارج سیل کا قول۔	۱۶۶
۱۲۰	میجر آسبرن کا قول۔	۱۶۸
۱۲۱	میجر آسبرن کے قول کا ابطال۔	۱۷۱
۱۲۲	قرآن مجید کی نویں سورۃ (التوبہ)	۱۷۲
۱۲۳	پادری ویری کی رائے اور اُسکا رد	۱۷۳
۱۲۴	یہودیوں کی تاریخ سے ایک مثال	۱۷۴
۱۲۵	حضرت موسیٰ ع کے احکام متعلق جنگ	۱۷۵

نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ	نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ
۱۲۶	پادری ٹی پی ہیوز کا قول۔	۱۷۷	۱۳۰	عام قانون (فقہ مروجہ) کی ناقابل قبول رائے	۱۸۲
۱۲۷	لفظ "جہاد" کا مفہوم۔	۱۷۸	۱۳۱	سورۂ چہل وہشتم (فتح ۴۸) آیت ۱۶۔	
۱۲۸	سورۂ چہل وہفتم (محمد ۴۷) آیت ۵ پر بحث	۱۷۹		اور سورۂ چہل وہفتم (محمد ۴۷) آیات ۴ و ۵ پر بحث۔	۱۸۳
۱۲۹	ریورنڈ مسٹر ملکم میکال کا قول۔	۱۸۰			

فہرست مضامین ضمیمہ جات تحقیق الجہاد

ضمیمۂ اول

قرآن میں لفظ جہاد کس معنی میں آیا ہے، اور جنگ وجدل اس کا غلط مفہوم سمجھا گیا ہے۔

نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ	نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ
۱	لفظ جہاد یا جہد کے معنے جنگ یا کروسیڈ کے نہیں ہیں۔	۱۸۵	۱۱	قرآن کی وہ تمام آیات جن میں جہاد یا اس کے مشتقات آئے ہیں۔	۱۹۳
۲	جہاد وغیرہ کے معنے قدیم عربی زبان میں	۱۸۵	۱۲	ان آیات قرآنیہ کی توضیح وتشریح جن میں لفظ جہاد مذکور ہوا ہے	۲۰۲
۳	لفظ جہاد کے آخری یا اصطلاحی معنے	۱۸۶		۱۔ مکی سورتیں	
۴	قدیم عربی زبان اور عربی شعرا۔	۱۸۷			
۵	جہاد اور جہد کی تصریف اور گردان۔	۱۸۸	۱۳	۱۔ سورۂ لقمان ۳۱۔ آیت ۱۴۔	۲۰۲
۶	ان سورتوں اور آیتوں کے نام و اعداد جن میں یہ الفاظ آئے ہیں۔	۱۸۹	۱۴	۲۔ الفرقان ۲۵۔ آیات ۵۳ و ۵۴۔	۲۰۳
			۱۵	۳۔ الحج ۲۲۔ آیات ۷۶ و ۷۸۔	//
۷	قرآن میں ان الفاظ کے کیا معنے لئے گئے ہیں۔	//	۱۶	۴۔ النحل ۱۶۔ آیت ۱۰۸ و ۱۱۱	۲۰۴
			۱۷	۵۔ العنکبوت ۲۹۔ آیت ۵۔	۲۰۵
۸	جہاد کے اصطلاحی معنے۔	۱۹۰	۱۸	۶۔ العنکبوت ۲۹۔ آیت ۷۔	۲۰۶
۹	مسلمان شارحین وغیرہ۔	۱۹۱	۱۹	۷ // ۲۹۔ آیت ۶۹۔	//
۱۰	جہاد اپنے اصلی معنے سے بدل کر مذہبی جنگ کے مستبدل معنے میں کب سے لیا گیا ہے۔	۱۹۲	۲۰	۸۔ النحل ۱۶۔ آیت ۲۰۔	۲۰۷
			۲۱	۹۔ الفاطر ۳۵۔ آیت ۴۰۔	//

نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ
	۲- مدنی سورتیں	
۲۲	۱۰- البقرہ- ۲- آیت ۲۱۵-	۲۰۷
۲۳	۱۱- آل عمران ۳- آیت ۱۳۶-	۲۰۸
۲۴	۱۲- الانفال ۸- آیت ۷۳-	۲۰۹
۲۵	۱۳- 〃 ۸- آیت ۷۵-	۲۱۰
۲۶	۱۴- 〃 ۸- آیت ۷۶-	〃
۲۷	۱۵- الانعام ۶- آیت ۱۰۹-	۲۱۱
۲۸	۱۶- محمد ۴۷- آیت ۳۳-	〃
۲۹	۱۷- الصف ۶۱- آیت ۱۱-	〃
۳۰	۱۸- النساء ۴- آیت ۹۷-	〃
۳۱	۱۹- النور ۲۴- آیت ۵۲-	۲۱۲
۳۲	۲۰- التحریم ۶۶- آیت ۹-	۲۱۳
۳۳	۲۱- التوبہ ۹- آیت ۷۴-	〃
۳۴	۲۲- الممتحنہ ۶۱- آیت ۱-	۲۱۴
۳۵	حاطب کا قصّہ-	۲۱۵
۳۶	۲۳- الحجرات ۴۹- آیت ۱۵-	۲۱۶
۳۷	۲۴- التوبہ ۹- آیت ۱۶-	〃
۳۸	۲۵- ایضاً- آیت ۱۹-	۲۱۷
۳۹	۲۶- ایضاً- آیت ۲۰-	〃
۴۰	۲۷- ایضاً- آیت ۲۴-	〃
۴۱	۲۸- ایضاً- آیت ۴۱-	۲۱۸
۴۲	۲۹- ایضاً- آیت ۴۴-	〃
۴۳	۳۰- ایضاً- آیت ۸۲-	۲۱۹
۴۴	۳۱- ایضاً- آیت ۸۷-	〃

نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ
۴۵	۳۲- التوبہ ۹- آیت ۸۷-	۲۲۰
۴۶	۳۳- المائدہ- ۵- آیت ۳۹-	〃
۴۷	۳۴- 〃 - آیت ۵۸-	〃
۴۸	۳۵- 〃 - آیت ۵۹-	۲۲۱
۴۹	جہاد کے معنے جنگ پیدا کرنے کے نہیں ہیں-	〃
۵۰	قتل و قتال-	۲۲۱
۵۱	خاتمہ-	۲۲۲
	ضمیمۂ دوم	
	غلامی اور حرم بنانا جنگ کی لازمی خرابیاں	
۱	قرآن میں غلام اور حرم بنانے کی اجازت نہیں-	۲۲۳
۲	قرآن میں غلامی کے انسداد کی تدابیر	۲۲۴
۳	قیدیان جنگ میں سے ایک شخص بھی غلام نہیں بنایا گیا-	۲۲۷
۴	بنی قریظہ غلام نہیں بنائے گئے-	۲۲۸
۵	ریحانہ-	۲۳۲
۶	حضرت عمرؓ نے تمام عرب غلاموں کو آزادی بخش دی-	۲۳۳
۷	حرم بنانا-	۲۳۴
۸	ماریہ قبطیہ-	۲۳۶
۹	مقوقس کے ساتھ مراسلت-	۲۳۷

نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ
۱۰	ماریہ لونڈی نہیں تھی۔	۲۳۹
۱۱	ماریہ حرم نہیں تھی۔	〃
۱۲	ماریہ کے کوئی اولاد نہیں تھی۔	۲۴۰
۱۳	حفصہ اور ماریہ دونوں کے قصے جھوٹے ہیں۔	۲۴۳
۱۴	یہ واقعہ قدیم کتب سیر میں مذکور نہیں۔	۲۴۴
۱۵	سر ولیم میور کی سندیں غیر معتبر ہیں۔	〃
۱۶	اعلیٰ درجہ کے مفسرین و محدثین نے اس قصہ کی تغلیط کی ہے۔	۲۴۶
۱۷	قرآن سے اس قصہ کی تصدیق نہیں ہوتی۔	〃
۱۸	یہ قصہ کب وضع کیا گیا۔	۲۴۷
۱۹	واقعہ زینب۔	〃

نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ
۲۰	واقعہ زینب کی بے سروپائی۔	۲۴۸
۲۱	سر ولیم میور کے قیاسات صحیح دلائل پر مبنی نہیں۔	۲۴۹
۲۲	ترجمہ میں سر ولیم میور کی غلطی۔	۲۵۱
۲۳	زینب کے معاملہ میں کوئی مخصوص حق حاصل نہیں ہوا۔	۲۵۲
۲۴	اس غلط کہانی کے بیان کرنے کا سلسلہ مقاتل تک پہنچا ہے	۲۵۳
〃	عکرمہ۔	۲۵۴
〃	محمد بن یحییٰ۔	۲۵۵
۲۵	قتادہ کی قیاسی تشریح غیر معتبر ہے	〃
۲۶	دوسرے قیاسات۔	۲۵۶

ضمیمۂ سوم

مضمون	صفحہ
(الف) قریش مکہ کی ایذائیں سنہ ہجری کے دس سال قبل سے سنہ ۱ ہجری تک۔	۲۵۷
(ب) قریش کے اور نیز وہاں کے باشندوں کے حملے مدینے پر۔ سنہ ۱ ہجری	۲۵۸
(ج) حفاظتی لڑائیاں قریش اور دوسرے عربوں وغیرہ سے اور نیز ان کے چند حملوں کے حوالے۔ سنہ ۱ ہجری سے سنہ ۸ ہجری تک۔	۲۵۸
(د) متفرق لڑائیاں وغیرہ۔	〃

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدیم و تحقیق

بارے دنیا میں رہو غمزدہ یا شاد رہو
ایسا کچھ کر کے چلو یاں' کہ بہت یاد رہو

مصنف کے مختصر حالاتِ زندگی

نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی مرحوم (۱۸۴۵ء......۱۸۹۵ء) ان لوگوں میں سے تھے جو اپنے بل بوتے پر آپ کھڑے ہوئے اور اپنی محنت سے دنیا میں قابل رشک مقام حاصل کیا' انہوں نے ابتداء میں ایک معمولی منشی کی طرح دفتر میں ملازمت کی اور اپنی لیاقت اور محنت سے اعلیٰ رتبے پر پہنچ گئے۔ ان کی تعلیم بہت معمولی درجے کی ہوئی تھی لیکن لگا تار مطالعہ اور محنت کی بدولت انہوں نے وہ فضیلت حاصل کی جو بڑے بڑے ڈگری یافتہ اور صاحبان دستار فضیلت کو میسر نہیں ہوئی۔

ان کے آباء واجداد سری نگر (کشمیر) کے رہنے والے تھے' ان کے دادا ایک مدت تک پنجاب میں ملازم رہے اور وہاں سے میرٹھ آئے اور پھر وہیں آباد ہو گئے۔ مولوی چراغ علی مرحوم کے والد مولوی محمد بخش میرٹھ میں ملازم ہوئے' بعد ازاں ان کا تبادلہ سہارنپور ہو گیا جہاں وہ کلکٹر کے دفتر میں ہیڈ کلرک تھے۔ سہارنپور میں یہ محمد بخش کرانی کے نام سے مشہور تھے' کرانی کا لفظ اس زمانے میں انگریزی کلرکوں کے لیے بجائے بابو کے استعمال ہوتا تھا چنانچہ کرانی خانہ منشی خانہ کو کہتے تھے جہاں کلرک کام کرتے تھے، چونکہ مولوی محمد بخش انگریزی دان تھے اور کسی قدر انگریزی لباس بھی پہنتے تھے لہٰذا لوگ ان کو کرانی کہنے لگے۔

۱۸۴۹ء میں مولوی محمد بخش محکمہ بندوبست میں داخل ہوئے اور رفتہ رفتہ عہدہ مہتممی بندوبست پر سرفراز ہوئے اور صوبہ پنجاب کے مختلف اضلاع میں مامور رہے۔

مولوی محمد بخش نے عین عالم جوانی میں جب کہ ان کی عمر غالباً پینتیس سال سے زائد نہ تھی۔ ۱۸۵۶ء میں انتقال فرمایا۔ مرحوم نے چار بیٹے چھوڑے جن میں سب سے بڑے مولوی چراغ علی تھے اور اس وقت ان کی عمر بارہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ مولوی محمد بخش مرحوم کا مقبرہ اب تک میرٹھ میں موجود ہے۔

مولوی محمد بخش کے انتقال کے بعد ان کے سب اہل وعیال یعنی ان کی والدہ بیوی اور چاروں بچے (چراغ علی۔ ولایت علی۔ عنایت علی اور منصب علی میرٹھ واپس آ گئے۔

تعلیم و ملازمت

مولوی چراغ علی نے اپنی دادی اور والدہ کے زیر سایہ میرٹھ میں تعلیم پائی لیکن یہ تعلیم بالکل معمولی تھی اور سوائے معمولی اردو فارسی اور انگریزی کے نہ کسی اور علم کی تحصیل کی اور نہ کوئی امتحان پاس کرنے پائے۔ اسی زمانہ میں کمشنری گورکھ پور میں ضلع بستی نیا نیا قائم ہوا تھا وہاں کے خزانے کی منشی گری پر جس کی تنخواہ بیس روپیہ تھی مرحوم کا تقرر ہوا۔ مطالعہ کتب اور لکھنے پڑھنے کا شوق انہیں ابتدا سے تھا۔ سرکاری کام کے بعد باقی تمام وقت وہ لکھنے پڑھنے میں صرف کرتے تھے۔ چنانچہ پادری عمادالدین کی کتاب تاریخ محمدی کے جواب میں آپ کا رسالہ تعلیقات اسی زمانہ کا لکھا ہوا ہے۔ علاوہ اس کے منشور محمدی، مخبر صادق لکھنو وغیرہ میں بھی ان کے اکثر مضامین شائع ہوئے۔ اسی زمانے میں مولوی محمد زکریا صاحب سہارن پور سے بستی میں محکمہ انجینئری میں مقرر ہو کر آئے اور چونکہ مولوی صاحب کے تعلقات ان سے اور ان کے خاندان سے قدیم تھے لہٰذا دونوں صاحب ایک ہی جگہ رہنے سہنے لگے۔ کچھ دنوں بعد مولوی محمد زکریا صاحب بستی کی خدمت سے مستعفی ہو کر لکھنو چلے گئے اور وہاں ان کا ایک اچھی خدمت پر تقرر ہو گیا وہاں سے انہوں نے مولوی چراغ علی کو اطلاع دی کہ آپ کے والد کے محسن گوراوسلی یہاں جوڈیشنل کمشنر ہیں۔ اگر آپ یہاں آئیں اور ان سے ملیں تو اغلب ہے کہ کوئی معقول خدمت مل جائے۔ چنانچہ اس اطلاع پر غالباً ۱۸۷۲ یا ۱۸۷۳ء میں مولوی چراغ علی لکھنو گئے اور مسٹر گوراوسلی سے ملے۔ اتفاق سے اس وقت جوڈیشنل کمشنری میں عارضی طور پر ڈپٹی منصری

کی جگہ خالی تھی لہٰذا اس وقت ان کا تقرر اسی خدمت پر ہو گیا۔ کچھ دنوں بطور قائم مقام رہے بعد میں مستقل ہو گئے تھوڑے عرصہ کے بعد سیتا پور میں تبادلہ ہو گیا۔

سر سید سے ملاقات

مولوی چراغ علی کا میلان طبع شروع سے مذہب کی طرف تھا انہوں نے ہمیشہ یا تو عیسائی معترضین کے جواب لکھے یا مذہب اسلام کی حقانیت ظاہر کی۔ چونکہ اس عالم کا یہ قانون ہے کہ قوی ترشے اپنے سے کم قوی کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ اس لیے مولوی چراغ علی بھی خود بخود سر سید مرحوم کی طرف جھکے اور وحدت ذوق، سر سید سے ان کے تعارف کا باعث ہوئی۔ اگر چہ اب تک ملاقات کی نوبت نہیں آئی تھی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ خط و کتابت شروع ہو گئی تھی ادور تہذیب الاخلاق میں بھی ان کے بعض مضامین شائع ہوئے تھے۔ چنانچہ جب سر سید لکھنو تشریف لائے تو مولوی صاحب مرحوم ان سے ملنے کے لیے سیتا پور سے لکھنو گئے۔ کچھ عرصہ بعد جب ریاست حیدر آباد سے کچھ کام ترجمہ وغیرہ کا سر سید کے پاس آیا تو انہوں نے مولوی چراغ علی کو اس کام کے سرانجام دینے کے لیے منتخب کیا اس بنا پر ۱۸۷۶ء میں مولوی چراغ علی رخصت لے کر علی گڑھ گئے اور کئی مہینے سر سید کے پاس رہ کر اس کام کو بکمال خوبی انجام دیا۔ جس کا معاوضہ بھی ریاست سے ان کو ملا۔ اس کے ایک سال بعد (۱۸۷۷ء) میں نواب سر سالار جنگ اعظم نے بتوسط مولوی مہدی علی (نواب محسن الملک) مرحوم سر سید سے ایک لائق شخص طلب کیا۔ سر سید نے مولوی چراغ علی کو منتخب کیا اور وہ حیدر آباد چلے آئے۔ جہاں وہ عہدہ اسسٹنٹ ریونیو سیکرٹری (مددگار معتمد مالگواری) پر بمشاہرہ چار سو روپیہ مامور ہوئے۔ معتمد مالگواری اس وقت نواب محسن الملک مولوی مہدی علی مرحوم تھے۔ کچھ عرصہ بعد وہاں ہی صوبہ داری پر مامور ہوئے، پھر نواب محسن الملک مرحوم کے چلے جانے پر معتمد مال وفنانس مقرر ہوئے۔

مطالعہ کا شوق

مرحوم کو مطالعہ میں بے حد شغف تھا۔ گویا یہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا یہاں تک کہ کھانا کھاتے وقت بھی کتاب سامنے رہتی تھی۔ اور وقتاً فوقتاً نشان کرتے جاتے تھے۔ رات کو تین چار گھنٹے سے زیادہ نہیں سوتے تھے۔ آرام کرسی پر پڑھتے پڑھتے سو گئے' اس کے بعد پلنگ پر جا لیٹے اور پڑھنے لگے اتنے میں سو گئے۔ کچھ دیر کے بعد میز پر جا کر لکھنے لگے۔ مسٹر محبوب علی (سپرنٹنڈنٹ مدرسہ حرفت وصنعت اورنگ آباد فرزند مرحوم) اپنی والدہ کی زبانی یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ فرماتی تھیں کہ میری ایک ڈیوٹی یہ بھی تھی کہ رات کو ان کے سینے پر سے کتاب اٹھا کر رکھوں' ورنہ کتاب کے جلد پٹھے سب ٹوٹ کے رہ جاتے۔ تین چار گھنٹے سونے میں اور ایک آدھ گھنٹہ ہوا خوری میں تو البتہ جاتا تھا ورنہ باقی تمام وقت کام میں اور خاص کر مطالعہ کتب اور تالیف وتصنیف میں صرف ہوتا۔ کتابوں کا بہت شوق تھا اور بہت سی عمدہ عمدہ کتابیں جمع کی تھیں۔ ان کا کتب خانہ قابل دید تھا اور اس میں بہت کم ایسی کتابیں تھیں جو ان کی نظر سے نہ گزری ہوں' یا جن پر ان کے نشان یا نوٹ نہ ہوں' مطالعہ میں انہیں ایسی محویت رہتی تھی کہ کچھ ہو جائے انہیں خبر تک نہ ہوتی تھی۔ مولوی سید تصدق حسین صاحب مہتمم کتب خانہ آصفیہ جن کو علاوہ قدیم تعلقات کے ایک مدت تک شب و روز مرحوم کی صحبت میں رہنے کا اتفاق ہوا، مرحوم کے ملازم کلو کی زبانی فرماتے تھے کہ مرحوم کا جو بنگلہ ہے اس میں ڈرائنگ روم کے سامنے ایک شہ نشین ہے۔ اس کے نیچے تہ خانہ بنا ہوا ہے جس میں کاڑ کباڑ اور ڈیرے خیمے پڑے رہتے تھے۔ ایک روز مولوی صاحب مرحوم اس شہ نشین پر بیٹھے کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے کہ اتفاق سے تہ خانہ میں آگ لگ گئی اور دھواں نکلنا شروع ہوا۔ ملازموں نے بہتیرا شور وغل مچایا کہ آگ لگی۔ مگر حضرت کو کچھ خبر نہیں' غرض آگ لگی اور بجھ بھی گئی' مگر آپ جس طرح کتاب پڑھ رہے تھے پڑھتے رہے اور یہ بھی خبر نہ ہوئی کہ کیا تھا اور کیا ہوا۔

تحقیق و تفتیش

"تحقیق و تفتیش کا یہ عالم تھا کہ وہ جس مضمون کا خیال کرتے اس کی تہ تک پہنچتے اور اس کے مالہ و ماعلیہ کے سراغ میں پتے پتے اور ڈالی ڈالی پھرتے' اور پتال تک کی خبر لاتے۔ اپنی کتاب کے واسطے سامان جمع کرنے کے لیے کتابوں کے دفتر چھان ڈالتے' اور بعض اوقات ایسے ایسے مقامات سے خوشہ چینی کرتے جہاں دوسروں کا خیال بھی نہ پہنچتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جس مضمون پر انہوں نے قلم اٹھایا دوسروں کے لیے بہت کم گنجائش چھوڑی ہے۔ ان کی تصانیف پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مطالعہ کس قدر وسیع تھا اور مواد فراہم کرنے کے لیے انہوں نے کس قدر محنت اور مشقت اٹھائی ہے۔"

وفات

مرحوم کو ذیابیطس کی شکایت تو پہلے ہی سے تھی' اب اسی کے اثر سے ایک گلٹی دہنی کنپٹی اور گردن کے درمیان دائرہ کے نیچے نمودار ہوئی' ڈاکٹر ہیران کے فیملی ڈاکٹر تھے اور ڈاکٹر لاری مشہور سرجن و سابق ناظم محکمہ طبابت سرکار عالی کی یہ رائے ہوئی کہ عمل جراحی کیا جائے۔ اس وقت تک مرحوم بالکل تندرست اور صحیح معلوم ہوتے تھے اور سرکاری کام میں برابر مصروف تھے۔ چنانچہ حسب مشورہ باہمی ڈاکٹر لاری نے نشتر دیا۔ اس کے بعد صحت میں یکبارگی فرق آ گیا اور ضعف طاری ہو گیا۔ بعد ازاں دو تین بار پھر نشتر کیا گیا اور ہر بار حالت خراب ہوتی گئی اور زہر آلود خون پھیلتا گیا۔ حالانکہ یہ زخم بہت نازک ہو گیا تھا اور پکے پھوڑے سے زیادہ اس میں تکلیف ہوتی تھی' لیکن جب ڈاکٹر زخم صاف کرتا اور اسے اندر باہر سے صاف کر کے دھوتا تھا' تو مولوی صاحب خاموش اسی طرح بیٹھے رہتے تھے' کیا مجال جو زبان سے اف نکل جائے' یا تیور سے کسی قسم کی درد یا تکلیف کا اظہار ہو' چونکہ حالت ناقابل اطمینان تھی لہٰذا مولوی صاحب اور ان کے اعزہ واحباب کی یہ رائے قرار پائی کہ بمبئی

جا کر علاج کیا جائے۔ چنانچہ روز سہ شنبہ بتاریخ ۱۱ جون ۱۸۹۵ء مرحوم مع اہل وعیال کے بمبئی تشریف لے گئے۔ وہاں بڑے بڑے حاذق ڈاکٹروں نے علاج کیا۔ مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا' حالت بہت خراب ہو چکی تھی' زہر آلود خون جسم میں پھیل گیا تھا۔ حکیموں اور ڈاکٹروں کی حذاقت اور چارہ سازی دھری رہ گئی اور حکمت وتدبیر کچھ کارگر نہ ہوئی۔ وہ وقت جو ٹلنے والا نہیں ہے اور جس سے کوئی جان دار بچ نہیں سکتا آ خر آ پہنچا۔ پندرہویں جون روز شنبہ صبح کے آٹھ بجے سے تنفس شروع ہو گیا اور گیارہ بجتے بجتے دارفنا کا مسافر زندگی کی پچاس منزلیں طے کر کے راہی ملک بقا ہوا۔ انا لله وانا اليه راجعون۔

كل من عليها فان ويبقى وجه ربك ذو الجلال والاكرام

مرحوم بمبئی کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

سرسید کا تعزیت نامہ

مرحوم کی وفات پر تمام اردو انگریزی اخبارات میں اظہار افسوس وملال کیا گیا تھا لیکن یہاں ہم بخوف طوالت صرف سرسید کا نامہ الم جو اس دردناک خبر کے سنتے ہی انہوں نے تہذیب الاخلاق میں لکھا تھا درج کرتے ہیں۔

"افسوس! ہزار افسوس! صد ہزار افسوس! کہ پندرہویں جون ۱۸۹۵ء کو نواب اعظم یار جنگ "مولوی چراغ علی نے بمقام بمبئی چار ہفتہ کی بیماری میں انتقال کیا۔ ان کا خط خود ان کے ہاتھ کا "لکھا ہوا مورخہ نہم جون مقام حیدر آباد سے ہمارے پاس آیا تھا' جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ "تین ہفتہ سے بیمار ہوں' ڈاڑھ کے نیچے ایک گلٹی نکلی ہے' ڈاکٹروں نے اس اندیشہ سے کہ مغز میں ورم نہ ہو جائے کلورفارم کا عمل کر کے کاٹا اور بعد میں پھر دوبارہ کلوفارم کا عمل کیا۔ بہت ہی کمزور ہو گیا ہوں' کھاتا پیتا نہیں' چلنا پھرنا موقوف' مگر اب زخم بھرتا چلا آتا ہے اور ارادہ ہے کہ تبدیل آب وہوا کے لیے بمبئی جاؤں۔ اس کے بعد بارہویں جون کا بمبئی سے انہیں کا بھیجا ہوا تار ہمارے پاس آیا کہ میں بمبئی آ گیا ہوں۔ افسوس کہ

پندرہویں تاریخ کو جب کہ ہم بعض کاغذات ان کے نام روانہ کر رہے تھے اور خیر و عافیت چاہ رہے تھے' اسی وقت انہوں نے بمبئی میں انتقال کیا۔

''مولوی چراغ علی مرحوم ایک بے مثل اور مرنج و مرنجان شخص تھے' ہمارے کالج کے ٹرسٹی اور بہت بڑے معاون تھے' حیدر آباد میں سالار جنگ اعظم نے ان کو بلایا تھا' اس زمانے سے اس وقت تک متعدد انقلابات حیدر آباد میں ہوئے اور پارٹیاں بھی قائم ہوئیں مگر ان کو بجز اپنے کام کے کسی سے کچھ کام نہ تھا۔ ان کو بجز اپنے کام یا علمی مشغلے کے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ حیدر آباد میں یا دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔''

علوم میں مہارت

''متعدد علوم میں نہایت اعلیٰ درجہ کی دستگاہ تھی۔ عربی علوم کے عالم تھے۔ فارسی نہایت عمدہ جانتے تھے اور بولتے تھے' عبری و کالڈی میں نہایت اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔ لیٹن اور گریک بقدر کارروائی جانتے تھے۔ اعلیٰ درجہ کے مصنف تھے۔ انگریزی زبان میں بھی انہوں نے کتابیں تصنیف کی ہیں۔ مذہب اسلام کے ایک فلاسفر حامی تھے۔ ہمارے بڑے دوست تھے۔ ایسی خوبیوں کے شخص کا انتقال کرنا ایسے زمانہ میں کہ ان کی عمر کچھ زیادہ نہ تھی' نہایت افسوس اور رنج کے لائق ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ افسوس ہے کہ وہ مضمون اور لاحل سوال کا جواب جو انہوں نے تہذیب الاخلاق میں لکھنا چاہا تھا' ناتمام رہ گیا اور اب امید نہیں کہ کوئی شخص اس لاحل سوال کو حل کرے گا۔''

(از تہذیب الاخلاق علی گڑھ' سلسلہ سوم جلد دوم۔ مطبوعہ یکم محرم الحرام ۱۳۱۳ ہجری)

مرحوم کی وفات پر سید محمود (خلف سر سید) نے بھی جو فارسی صنائع میں تاریخ کی صنعت کو بہت پسند کرتے تھے۔ یہ تاریخ نکالی۔

حیف چراغ علی از دنیا نہاں شد (۱۸۹۵ء)

مولانا حالی نے خود بھی دس اشعار پر مشتمل ایک نظم فارسی زبان میں لکھی جس میں

مرحوم کی عمر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا۔

حیف دنیا رابہ پنجاہ سا لگی کردہ وداع
بزم مارا بزم ماتم باز گردانید و رفت

افسوس دنیا کو پچاس سال کی عمر میں الوداع کہا، ہماری بزم کو سوگوار بنایا اور چلے گئے۔

العلوم الجدیدہ والاسلام

مرحوم کے متعدد علمی اور تحقیقی رسائل و تصانیف میں تحقیق الجہاد کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے، جس کا مفصل تعارف آئندہ اوراق میں پیش کیا جارہا ہے تاہم ان کی سب سے زیادہ قابل قدر اور بے نظیر کتاب العلوم الجدیدہ والاسلام ہے جسے وہ اپنی آخری عمر میں لکھ رہے تھے اور جس کا ابتدائی حصہ تہذیب الاخلاق سلسلہ جدید کی جلد دوم کے ابتدائی پرچوں میں چھپ چکا تھا لیکن افسوس ہے کہ ان کی بے وقت موت نے اس بے نظیر کتاب کو پورا نہ ہونے دیا۔ یہ کتاب درحقیقت مصنف نے سرسید مرحوم کے ایک سوال کے جواب میں لکھنی شروع کی تھی۔ اس کی پوری حقیقت ظاہر کرنے کے لیے ہم یہاں سرسید مرحوم کا وہ خط نقل کرتے ہیں جس میں انہوں نے اس تصنیف کے موضوع پر بحث کی ہے۔

''نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی صاحب کو جو مضمون لکھنا ہے وہ نہایت ہی مشکل اور نہایت دل چسپ اور نہایت مفید و کار آمد ہے۔ ابھی تک انہوں نے صرف تمہید ہی تمہید لکھی ہے۔ فلسفہ کے طرفداروں اور مخالفوں کا حال لکھا ہے۔ ان کے نام اور ان کا زمانہ بتایا ہے۔ پھر علمائے اسلام میں جو بڑے بڑے فلسفی گزرے ہیں ایک ایک کو گنایا ہے۔ اس کے بعد اب وہ اصل مضمون کی تحریر پر متوجہ ہوں گے۔ جس کو ہمارے ناظرین اخبار پڑھ کر امید ہے کہ تعجب کریں گے۔ نواب اعظم یار جنگ درحقیقت ایک لاحل سوال حل کرنے پر مستعد ہوئے ہیں۔ معلوم نہیں کہ ہمارے ناظرین پرچہ کو اس کا کہ وہ کیا سوال ہے خیال ہے یا نہیں اس لیے ہم سوال کو بطور یاددہانی کے اس مقام پر چھاپتے ہیں تاکہ ان کو معلوم ہو کہ

کیسا مشکل لاحل سوال ہے اور اس کا جواب جو ہو وہ کیسا قابل توجہ اور ہماری قوم کے لیے فائدہ مند ہوگا۔ مدت سے یہ سوال کیا گیا ہے اور آج تک کسی نے اس کا جواب نہیں دیا۔ خدا کرے کہ نواب صاحب ممدوح پورا اور قابل تشفی جواب دیں۔ سوال مذکور یہ ہے۔

''اکثر لوگوں کی رائے میں یہ مسلم ہے کہ یورپین علوم وفنون کی تعلیم عقائد اسلام سے برگشتگی پیدا کرتی ہے اور ان کی رائے میں اس کا علاج ان علوم کے ساتھ دینی علوم کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم دینا ہے۔ اگر یہ رائے صحیح ہے تو یورپین علوم وفنون کے ان مسائل اور ان کے دلائل کو جو اس برگشتگی کا باعث ہیں بیان کرنا چاہیے اور ان کتب دینیہ اور ان مقامات کا نشان دینا ضروری ہے جن کے تعلیم میں داخل کرنے سے اس برگشتگی کی روک ہو سکے مع اس بیان کے کہ کس وجہ سے وہ کتابیں اور مقامات روک ہو سکیں گی۔ اگر یہ رائے صحیح نہیں تو جہاں تک مفصل اور دلیل سے اس کی عدم صحت کا بیان ممکن ہو بیان کیا جائے۔''

(تہذیب الاخلاق جلد دوم نمبر ۲ مطبوعہ یکم ذیقعدہ ۱۳۱۲ء)

اس کے بعد سرسید مرحوم نے اس کتاب کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ

''جس سوال کا جواب نواب اعظم یار جنگ بہادر کو لکھنا ہے۔ اس جواب کے قبل انہوں نے بہت سی تمہیدات قائم کی ہیں۔ ہم سے لوگ دریافت کرتے ہیں کہ اصل سوال کا جواب کب آئے گا۔ واضح ہو کہ نواب صاحب ممدوح کا ایک خط ہمارے پاس آیا ہے۔ اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ ان کے جواب کے مضامین کی ترتیب کیونکر ہے۔ ہم اس خط کو جہاں تک کہ ترتیب مضامین سے متعلق ہے ذیل میں چھاپتے ہیں۔

انتخاب خط

وہ لکھتے ہیں کہ ''چھٹی صدی تک کے حکمائے اسلام کی فہرست بھیج دی گئی ہے (جو چھپ بھی گئی ہے) اس کے بعد تھوڑا سا ذکر اس انقلاب عظیم کا ہے جو ایشیائی اسلامی دنیا میں چنگیز خاں کی طرف سے ہوا اور اس کی وجہ سے تصنیف و تعلیم علوم حکمیہ بند ہو گئی۔ اس

کے بعد حال کے زمانہ تک کے اہل حکمت و منطق کی فہرست مختصر سی ہے۔ اس کے بعد تصنیفات یعنی کتب مصنفہ علوم حکمیہ و معقولات کا بیان ہے۔ اس کے بعد اسلام میں مختلف فرقے پیدا ہونے کا ذکر ہے اور معتزلہ اور دیگر متکلمین کے اسماء مذکور ہوئے ہیں۔ اس کے بعد کتب علم کلام و عقائد کی تفصیل ہے۔ ان سب کے بعد اب اصل بحث آتی ہے کہ علم کلام و عقائد کے رو سے کون کون سا مسئلہ حکماو فلاسفہ کے خلاف ہے اور انہیں مسائل کے متعلق علوم جدیدہ میں ان کی تائید ہوتی ہے یا مخالفت اور بتایا گیا ہے کہ علوم جدیدہ ان مسائل اختلافیہ میں علم کلام کی تائید میں ہیں اور علم کلام کے ذکر سے قبل یہ میں لکھنا بھول گیا ہوں کہ علوم دینیہ کیا کیا ہیں اور وہ کہاں تک فلسفہ و حکمت کے اعتراضات کی تردید کر سکتے ہیں؟ فقہ و تفسیر و حدیث حکماء کے مقابلہ میں کچھ کارآمد نہیں ہیں اور اس غرض سے علم کلام ایجاد کیا گیا تھا مگر اب وہ بھی مفید و کارآمد نہیں رہا۔ آخیر پر اس سوال کا جواب ہے جو اس مضمون کی ابتدا میں تھا۔ اس کے بعد میں کچھ اس کا ذکر ہوگا کہ اب تک اس قسم کی کتابیں جن میں تطبیق بین الحکمۃ والاسلام ہوتی ہے کیا کیا تصنیف ہوئیں اور آئندہ کس قسم کی کتابیں تصنیف ہونی چاہئیں۔ غرض کہ یہ ایک مختصر سی کیفیت اور فہرست مضامین رسالہ ہے جو آپ کی اطلاع کے لیے عرض کی گئی۔ والسلام" (تہذیب الاخلاق جلد دوم نمبر ۳ مطبوعہ یکم ذی الحج ۱۳۱۲ء)

مرحوم اس پایہ کے شخص تھے کہ ان کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں میں کسی کی یہ ہمت نہ ہوئی کہ اس سوال کے جواب پر قلم اٹھائے۔"(۱)

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگنِ عشق
ہے مکرر لب ساقی پر صلا تیرے بعد

ا۔ مولوی چراغ علی مرحوم کے مذکورہ حالات زندگی، مولوی عبدالحق صاحب بی اے (علیگ) کی تحریروں سے اخذ کر کے نئے انداز سے ترتیب دیئے گئے ہیں۔

تحقیق الجہاد کا تعارف

زیر نظر کتاب جہاد اسلامی کے بارے میں مستشرقین کے فکری مغالطوں کی قلعی کھولنے کے لیے انگریزی زبان میں ۱۸۸۴ء میں لکھی گئی۔ اس ضخیم کتاب میں یہ بحث اس شرح و بسط اور تحقیق و تدقیق کے ساتھ کی گئی ہے کہ آج تک کسی نے اس مسئلہ پر اس خوبی کے ساتھ بحث نہیں کی تھی۔ تمام بڑے بڑے یوروپین مصنفین مثلاً سر ولیم میور' ڈاکٹر اسپرنگر' ماکس ڈاڈ۔ ہیو۔ سیل' ڈاکٹر سیموئیل گرین' باسورتھ اسمتھ وغیرہ نے جو اس بحث پر تحریریں لکھی ہیں' ان کے اقوال نقل کر کے ان پر تنقید کی ہے اور ان کی غلطیاں دکھائی ہیں۔ مرحوم کی یہ کتاب درحقیقت نہایت قابل قدر ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب دنیا میں اپنی نوعیت اور طرز کی ایک ہی کتاب ہے۔ کتاب ایک مقدمہ، بارہ ابواب اور تین ضمیمہ جات پر مشتمل ہے۔

قرآن اور تلوار

فاضل مصنف نے مقدمہ کتاب میں ان تمام اعتراضات اور اتہامات کا ذکر کیا ہے جو مخالفین کی طرف سے جہاد اسلامی اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر لگائے جاتے ہیں اور پھر ان کے مدلل اور مسکت جوابات بھی نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ دے دیئے ہیں، جن کی تفصیل کتاب اور ضمیمہ جات میں درج کی گئی ہے۔ مصنف کہتے ہیں کہ "اس کتاب کو شائع کرنے سے ان کا مقصد خاص یہ ہے کہ یورپین اور عیسائی مورخوں کے دلوں سے اسلام کی بابت اس عام اور غلط خیال کو دور کیا جائے کہ محمد ﷺ نے قریش اور دیگر قبائل عرب اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ جو جنگیں کیں وہ حصول فتح، استیصال نیز جبراً مسلمان بنانے کے لیے تھیں، آپؐ نے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں تلوار لے کر لوگوں سے زبردستی اپنی رسالت کو منوایا" وہ قارئین کو توجہ دلاتے ہیں کہ:

قریش کے ساتھ جنگوں کی نوعیت

"جب قریش نے دیکھا کہ ستم رسیدہ مسلمان اپنے وطن کی تمام جائداد اور زمین چھوڑ کر ایک دور دراز شہر (مدینہ) میں چلے گئے جہاں وہ بغیر جنگی مہم کے پہنچ نہ سکتے تھے اور محمدؐ جن کو گرفتار کرنے کے لیے انہوں نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا، ان کے ہاتھ نہ آئے، اور نیز جب انہوں نے سنا کہ مدینہ میں مسلمانوں کی بڑی آؤ بھگت اور خاطر و مدارات ہوئی ہے، وہاں ان کو مذہبی آزادی مل گئی ہے، اور وہ اہل مدینہ کی برادرانہ نصرت کا حظ اٹھا رہے ہیں تو وہ اپنی اس خونخوارانہ عداوت کو جو مہاجرین سے تھی ضبط نہ کر سکے۔ قریش کی مخالفت کی آگ پہلے ہی بھڑک اٹھی تھی، ان کی سخت گیری اور ظلم و تعدی کی نوبت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ جب ۶۱۵ء میں گیارہ مسلمانوں کی ایک جماعت نے ابی سینا کی طرف ہجرت کی تو ان کی گرفتاری کے لیے تعاقب کیا۔ پھر دوبارہ ۶۱۶ء میں جب قریش کا ظلم و ستم پہلے سے زیادہ ہو گیا اور تقریباً سو مسلمانوں کی ایک جماعت مکہ سے ہجرت کر کے ابی سینا کو چلی گئی تو قریش نے شاہ ابی سینا کو اپنے سفیر بھیجے کہ ان تارکان وطن کو ہمارے حوالے کر دیا جائے۔

۶۲۲ء کی تیسری اور عظیم الشان ہجرت میں مسلمانوں کے بچ نکلنے پر قریش آگ بگولا ہو ہی رہے تھے، لہٰذا اس امر کے باور کرنے کی ہر ایک وجہ موجود ہے کہ انہوں نے مہاجرین پر تعدی کرنے کے لیے ہر قسم کی پرزور اور معاندانہ تدابیر قدرتی طور پر ضرور اختیار کی ہوں گی۔

مکہ سے مسلمانوں کی عام ہجرت کے دوسرے سال قریش نے ایک ہزار قوی جوانوں کی ایک بڑی فوج فراہم کر کے مسلمانان مدینہ پر چڑھائی کرنے کی غرض سے کوچ کیا۔

چونکہ مدینہ، مکہ سے دو سو پچاس میل یا دو سو بارہ میل ہے، اس لیے غنیم کی حملہ آور فوج آٹھ منزل سفر کر کے مقام بدر پر پہنچی۔ جہاں سے مدینہ تین یا چار منزل ہے۔

آنحضرت ﷺ صرف تین سو مسلمانوں کو لے کر جن میں بہ نسبت مہاجرین کے انصار زیادہ تر تھے، قریش کے مقابلہ میں مدافعت کے لیے مدینہ سے نکلے اور بدر کی مشہور جنگ مدینہ سے کوئی تیس ہی میل کے فاصلہ پر واقع ہوئی۔ اس میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہ جنگ محض دفاعی تھی اور اس بات کو سب تسلیم کرتے ہیں۔

قریش نے مسلمانوں کے خلاف مدینہ میں تین جنگیں کیں۔ پہلی لڑائی جو جنگ بدر کے نام سے موسوم ہے، مدینہ سے تیس میل کے فاصلہ پر ہوئی تھی اور قریش مکہ سے چل کر دو سو بیس میل تک چڑھ آئے تھے۔

دوسری لڑائی جس کو جنگ احد کہتے ہیں، مدینہ سے ایک میل کے فاصلہ پر ہوئی تھی یعنی غنیم مکہ سے روانہ ہو کر ڈھائی سو میل تک چڑھا چلا آیا تھا۔

تیسری جنگ احزاب تھی جس میں قریش نے دس ہزار جوانوں کی فوج جمع کی تھی۔ شہر کا کئی روز تک محاصرہ رہا اور مسلمان مدینہ کی چار دیواری کے اندر ہی اندر مدافعت کرتے رہے۔ کیونکہ غنیم مدینہ کی چار دیواری تک چڑھ آیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے مابین صرف یہی تین لڑائیاں ہوئیں اور ہر ایک لڑائی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدافعت کی۔ آپ نے نہ تو انتقام لینے کے لیے قریش پر حملہ کیا اور نہ اس لیے کہ بزور شمشیر ان کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے۔

یہ تینوں لڑائیاں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نقصانات کی تلافی یا ان حقوق کے قائم کرنے کے لیے جو خطرے میں پڑے ہوئے تھے، نہیں کی تھیں بلکہ صرف ظلم کے دفعیہ کے لیے اور بطور حفاظت خود اختیاری کے یہ حق آپ کو حاصل تھا۔ اگر آنحضرتؐ اور مسلمان مکہ پر حملہ کر کے وہیں قریش کے ساتھ جنگ و جدال کرتے تو بھی جو نقصانات مسلمانوں کی جان و مال کو اہل مکہ کے ہاتھوں پہنچے تھے ان کی تلافی کے لیے آپ کا جنگ کرنا حق بجانب ہوتا۔ یہ وہی مسلمان تھے جن کو قریش مذہب کی وجہ سے اذیتیں پہنچا رہے تھے۔ جن کو گھروں سے جلا وطن کر دیا تھا اور خانہ کعبہ کے حج سے بھی روک دیا تھا۔ جس لڑائی کی

وجوہ مصنفانہ ہوں۔مثلاً بے جا ظلم و تعدی کو روکنا یا دفع کرنا یا کسی حق کو قائم کرنا۔وہ ہر ایک مذہبی،اخلاقی،یا ملکی قانون کی رو سے جائز ہے۔‘‘

مہمات رسولؐ کی تعداد اور سیرت نگار

جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت لکھی ہے یا آپ کے غزوات کے حالات قلم بند کیے ہیں،انہوں نے آپ کی مہموں کی تعداد شمار کرنے میں مسامحت کی ہے۔انہوں نے مختلف مہموں کے نام اور احوال درج کیے ہیں مگر نہ تو عقلی تنقید کا با قاعدہ لحاظ رکھا ہے اور نہ ان اصول درایت کی پابندی کی ہے جن پر روایت کی شہادت کو پرکھتے ہیں۔اس لیے وہ مہموں کے قصے بیان کر دیتے ہیں۔بلا لحاظ اس امر کے کہ ان میں سے کون سے سچے ہیں اور کون سے جھوٹے۔مورخین نے بہت سی مہمیں شمار کی ہیں۔جن کی تائید میں فی الحقیقت کوئی معتبر شہادت موجود نہیں۔بعض تو بالکل ہی بے بنیاد ہیں اور بعض کو غلطی سے جنگی مہم کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔مورخین یورپ غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ لفظ غزوات کے معنی ہیں ’’لوٹ مار کی مہمیں‘‘

۱۔دوستانہ عہد نامے مرتب کرنے کے لیے وکلا کا روانہ کرنا۔

۲۔تلقین اسلام کے لیے دعاۃ اسلام کا بھیجنا۔

۳۔سرداران ممالک غیر کے پاس سفیروں کی روانگی

۴۔تجارتی مہمات

۵۔حاجیوں کے قافلے

۶۔قزاقوں کی جمعیت کو منتشر یا متنبہ کرنے کی کارروائی۔

۷۔یا دشمن کی حرکات کی نگہداشت کے لیے فوج کا روانہ کرنا۔

۸۔خبریں لانے کے لیے جاسوسوں کا بھیجنا۔

۹۔یا دشمن سے لڑنے یا اس کو روکنے کے لیے فوج کو بھیجنا یا لے جانا۔

غرض کہ ان تمام قسم کی مہموں کو ''غزوات، سرایا، یا بعوث'' کے نام سے موسوم کر دیا گیا ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمات کی تعداد میں اول تو مورخین نے ناواجب مبالغہ سے کام لیا اور ہر جنگی مہم یا عزم سفر کو جس کا حال معتبر یا غیر معتبر روایتوں میں ان کے واقع ہونے کے عرصہ دراز کے بعد درج ہوا ہے۔ کتب تواریخ میں قلم بند کیا اور ان کی تنقید کے لیے اپنے دماغوں کو ذرا بھی تکلیف نہیں دی۔

دوم انہوں نے تمام اسلامی مشنوں، نیابتوں، سفارتوں، حجاج کے سفروں اور تجارتی مہموں کو ''غزوات'' اور ''سرایا'' کی فہرست میں شامل کر دیا جن کا ترجمہ آج کل یورپین مورخین نے ''لوٹ مار'' کی مہمیں یا فوج کا بغرض جنگ روانہ کرنا کیا ہے۔

مورخین عرب و یورپ دونوں نے یہاں تک دعویٰ کیا ہے کہ ستائیس مہمیں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکردگی میں واقع ہوئیں اور چوہتر مہمیں ایسے اشخاص کی ماتحتی میں پیش آئیں جن کو آنحضرت ﷺ نے سردار بنا کر بھیجا تھا۔ پس اس حساب سے کل ۱۰۱ مہمیں ہوئیں۔

یہ تعداد ابن سعد کاتب الواقدی نے لکھی ہے۔ (دیکھو قسطلانی جلد ششم صفحہ ۳۸۶)

ابن اسحاق نے بھی خاص آنحضرتؐ کی مہمات کی تعداد تو ستائیس ہی بیان کی ہے مگر جو مہمیں آپ کے حکم سے دیگر اشخاص کی ماتحتی میں واقع ہوئیں، ان کی تعداد صرف اڑتیس (دیکھو ابن ہشام۔ ص ۹۷۲۔۹۷۳)

ابو یعلی نے جابرؓ سے جو آنحضرت ﷺ کے صحابی تھے، ایک روایت کی ہے۔ جابر کا بیان ہے کہ صرف اکیس مہمیں پیش آئی تھیں۔ مگر زید بن ارقمؓ جو سب سے زیادہ مستند راوی ہے، قدیم ترین روایات میں جو بخاری نے کتاب المغازی میں جمع کی ہیں۔ ان کی تعداد میں کمی کرتا ہے اور کتاب مذکور میں دو جگہ غزوات کی تعداد انیس بیان کرتا ہے جس میں سب قسم کی مہمیں شامل ہیں۔ جن میں وہ آنحضرتؐ کے ساتھ تھا۔ مہموں کی یہ تعداد جو بیان ہوئی

ہے یعنی ستائیس (۲۷)۔ اکیس (۲۱)۔ انیس (۱۹)۔ سترہ (۱۷)۔ ان میں صرف آٹھ، یا نو ایسی ہیں جن میں واقعی جنگ واقع ہوئی پچھلی تعداد جو سب سے کم ہے وہ بھی قابل اعتماد نہیں ہے۔ اصل مہمیں حسب ذیل ہیں۔

ا۔ بدر	۴۔ خیبر
۲۔ احد	مکہ
مریسیع	۵۔ حنین
۳۔ احزاب	طائف
قریظہ	

بنی مصطلق کے ساتھ بمقام مریسیع جنگ واقع ہونے کی کوئی معتبر شہادت نہیں ہے۔ بنی قریظہ کے ساتھ بھی کوئی لڑائی نہیں ہوئی کیونکہ ان کا معاملہ صرف جنگ احزاب کا سلسلہ تھا اور اس لیے جداگانہ نمبر کی ضرورت نہیں۔ مکہ میں کوئی جنگ نہیں ہوئی وہ صلح سے مسلمانوں کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ رہی جنگ طائف وہ مثل اوطاس کے جنگ حنین کا ایک جزو تھا۔ جو لوگ جنگ سے فرار کر گئے تھے ان کو گرفتار کرنے کے لیے طائف کا محاصرہ کیا گیا تھا۔ کیونکہ انہوں نے وہاں پناہ لی تھی اور بعدازاں محاصرہ بھی ہٹا لیا گیا۔ اس طرح منجملہ نو کے صرف پانچ مہمیں باقی رہ جاتی ہیں جن پر میں نے نمبر لگا دیئے ہیں۔ ان مہموں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو اور اپنے پیروؤں (مسلمانوں) کو بچانے کے لیے دشمنوں سے جنگ کی ہے۔ یہ پانچوں مہمیں بھی جنگ کے نام سے موسوم کیے جانے کی مستحق نہیں ہیں۔ فن جنگ کی رو سے باعتبار نتائج کے ان کو خفیف سی لڑائیاں یا معمولی مناقشے کہا جا سکتا ہے۔ دشمن کا نقصان بدر میں انچاس (۴۹)، احد میں بیس (۲۰)۔ احزاب میں تین (۳)۔ خیبر میں ترانوے (۹۳) اور حنین میں بھی ترانوے (۹۳) تھا۔ مگر پچھلے دونوں عددوں میں شبہ ہے اور مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی طرف کا نقصان علی الترتیب چودہ (۱۴)، چوہتر (۷۴)،

پانچ[۵] انیس[۱۹] اور سترہ[۱۷] تھا۔ ان جنگوں میں کل اموات مسلمانوں کی طرف ایک سو انتیس اور دشمنوں کی طرف سے دو سو اٹھاون ہوئیں۔ یہ تعداد مسلمانوں کے نقصان سے ٹھیک دو چند ہے اور مشتبہ معلوم ہوتی ہے اسی وجہ سے اس کو صحیح تسلیم کرنے میں احتیاط سے کام لینا چاہیے۔''

مقدمہ میں مستشرقین کے چھ اعتراضات نقل کیے گئے ہیں، ایک تو آنحضرت ﷺ کے اخلاق و معاشرت کے متعلق اور پانچ اعتراضات آپ کی پیش کردہ تعلیم کے بارے میں۔

رسالت مآب ﷺ کی معاشرتی زندگی کے متعلق تمام اعتراضات کا تحقیقی جواب مصنف نے نہایت خوبی سے دیا ہے، جناب ماریہ قبطیہؓ اور جناب زینبؓ کے متعلق اعتراضات کی اصل حقیقت بے نقاب کرنے کے لیے ایک ضمیمہ الگ لکھا ہے۔

آپ کی تعلیمات پر کیے جانے والے پانچوں اعتراضات کے جوابات اختصار کے ساتھ مقدمہ ہی میں دے دیئے گئے ہیں۔

پہلا باب

کفار کی طرف سے مسلمانوں کو اذیتیں دینا

اس باب میں بتایا گیا ہے کہ ''پیغمبر اسلام اور آپؐ کے پیروؤں کے ساتھ جس بداندیشی اور کینہ توزی کا اظہار کیا گیا اس کی بابت قرآن مجید کافی شہادت دیتا ہے جو اس زمانے کے حالات کے متعلق ایک معتبر تاریخی حیثیت رکھتا ہے، ابتدائی مسلمانوں پر نہ صرف اس وجہ سے ظلم کیا جاتا تھا کہ وہ بت پرستی کا مذہب ترک کر کے دینِ توحید کو اختیار کرتے جاتے تھے بلکہ ان کو شکنجۂ عقوبت میں کسنے اور ان کے ساتھ دوسری قسم کی بدسلوکی عمل میں لانے کی ایک وجہ یہ تھی کہ ان کو دوبارہ اسی مذہب کی طرف راغب کیا جائے جس کو وہ ترک کر چکے تھے، قرآنی آیات کے حوالے سے مصنف نے بتایا ہے کہ وہ ظلم وہ اذیتیں اور

وہ تکلیفیں جو ابتدائی مسلمانوں کو پیش آئی تھیں ان کی وجہ سے وہ اس بات پر مجبور ہوئے کہ اپنے عیال و اطفال اور اپنے مال و اسباب ظالموں کے قبضہ میں چھوڑ کر اپنے گھر سے نکل بھاگیں، انہوں نے اس طریقہ کو بت پرستی کی طرف رجوع کرنے سے بہتر سمجھا اور وہ اس سچے خدائے واحد پر پختہ ایمان رکھتے تھے جس پر یقین اور توکل رکھنے کی پیغمبرؐ نے ان کو تعلیم دی۔''

''اگر چہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام ابتدائی مسلمان جو بچ کر نکل سکتے تھے، سوائے ان کے عیال و اطفال، عورتوں بچوں اور ان ضعیف مسلمانوں کے جو مکہ کو نہیں چھوڑ سکتے تھے، ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تھے، تاہم اہل مکہ یعنی قریش نے ان مہاجرین کا پیچھا نہ چھوڑا اور ان پر حملے کرنے سے باز نہ رہے۔ انہوں نے ان بچوں اور کمزور مسلمانوں سے جو مکہ میں پیچھے رہ گئے تھے، بدسلوکی کرنی شروع کی۔ (النساء۴ آیات ۷۷۔۹۹۔۱۰۰) مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکال دیا اور ان کو مکہ مین حج کے لیے واپس آنے کی اجازت نہ دی (البقرہ۲۔آیت ۲۱۴) اہل مکہ نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کا عزم مصمم کر کے مدینہ کے علاقہ پر حملہ کیا اور جنگ بدر جنگِ احد، جنگ خندق یا جنگ احزاب یہ لڑائیاں درحقیقت مدینہ ہی کے قریب پیش آئی تھیں، للہذا محض مدافعت کی غرض سے مسلمانوں کو مجبوراً ہتھیار اٹھانے پڑے۔''

دوسرا باب

ہجرت کے بعد قریش کی مخالفانہ روش

اہل مکہ یا قریش کی اس مخالفانہ روش کے بارے میں ہے جو ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کے بارے میں اختیار کی گئی۔ اس میں جنگ بدر، جنگ احد، جنگ احزاب اور حنین کی مہمات کا پس منظر بیان کیا گیا ہے۔

تیسرا باب

جنگ کی ابتداء، قرآن کی روشنی میں

جنگوں کی دفاعی حیثیت کے بارے میں ہے اس باب میں اس امر کو ثابت کیا گیا ہے کہ ''جولوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ جنگ کی ابتداء کرنے والے یا اپنی لڑائیوں میں انتقام لینے والے تھے یا یہ کہ آپؐ نے لوگوں سے زبردستی دین قبول کرانے کے لیے جنگ کی تھی ان کی رائے سراسر غلط اور واقعات کے خلاف ہے۔''

اس باب میں قرآنی آیات کے حوالہ جات سے اپنے مذکورہ موقف کی مضبوطی کی وضاحت کی گئی ہے جس میں درج ذیل باتوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔

۱۔ جن پر ظلم کیا گیا ہے ان کو ظالموں کے خلاف جنگ کی اجازت دی گئی ہے۔ (سورۃ الحج آیت ۴۰)

۲۔ اگر اللہ تعالیٰ مظلوموں کے ذریعے ظالموں کو نہ ہٹاتا تو نصاریٰ کے صومعے اور گرجا گھر، یہودیوں کے معابد اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے مسمار ہو جاتیں۔ (سورۃ الحج آیت :۴۱)

۳۔ جو مسلمانوں سے جنگ کرتے ہیں صرف ان سے جنگ کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اس میں بھی زیادتی نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (سورۃ البقرہ آیت :۱۹۰)

۴۔ جب فتنہ یعنی دین کے لیے جبر نہ رہے تو جنگ بھی ختم (سورۃ البقرہ، آیت ۱۹۱)

۵۔ جن مشرکوں نے مسلمانوں سے عہد کر کے اس کو توڑ دیا ہے ان سے بریت کا اظہار کیا گیا ہے اور ان سے چار ماہ (اشھر حرم) کی مہلت کے بعد جنگ کا حکم دیا گیا ہے لیکن یہ بھی ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہے۔ نہ کہ ان کو زبردستی مسلمان بنانے کے لیے چنانچہ جس آیت میں یہ کیا گیا ہے اس سے اگلی آیت میں ہے کہ ''اگر مشرکوں میں سے کوئی شخص تم

سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے (اور نہ مانے تو) پھر اس کو اس کی امن کی جگہ پہنچا دو (نہ کہ اسے قتل کر دو یا زبردستی ہمنوا بناؤ) (سورۃ توبہ آیت ۱ تا ۵)

مصنف کہتے ہیں کہ جب اہل مکہ نے عہد نامہ حدیبیہ کو توڑ ڈالا تو ظالموں کو سزا دینا لازم ہو گیا، سورۃ توبہ کی آیات میں انہی حالات کا ذکر ہے مگر خوش قسمتی سے قبل از اختتام معیاد معینہ قریش مطیع ہو گئے اور مکہ بغیر خونریزی کے فتح ہو گیا اور جنگ کی نوبت ہی نہ آئی۔

چوتھا باب

یہودِ مدینہ کی عہد شکنی

مصنف لکھتے ہیں کہ:

"آنحضرتؐ نے مدینہ پہنچتے ہی اول یہودیوں سے صلح کا معاہدہ کیا۔ جس سے ان کی مذہبی آزادی اور ان کے مال و متاع اور حقوق کی نگہداشت کا ذمہ لیا گیا تھا۔ معاہدہ میں یہ شرط قرار پائی تھی کہ اگر کسی فریق پر حملہ کیا جائے تو دوسرے فریق کو اس کی امداد کے لیے آنا ہو گا۔ جو لوگ اس معاہدہ میں شریک ہوں ان سب پر لازم ہو گا کہ مدینہ کو مقام متبرک سمجھیں اور معاہدے کے پابند رہیں۔ مگر یہودیوں نے عہد شکنی اور بغاوت کی۔ انہوں نے محاصرہ مدینہ (یوم خندق) کے زمانہ میں دشمن کو مدد دی۔ اور شہر کی مخالفت میں خیانت و دغا کے مرتکب ہوئے۔"

یہودیوں میں سب سے پہلے اشخاص بنی قینقاع تھے۔ جنہوں نے عہد شکنی کر کے بدر اور احد کی لڑائیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی۔

بنی نضیر نے اپنا معاہدہ جو آنحضرتؐ کے ساتھ کیا تھا، احد کی شکست کے بعد توڑا۔ انہوں نے آپ کے قتل کی سازش بھی کی تھی۔ وہ جلاوطن کر دیئے گئے اور ان میں سے بعض خیبر میں جا کر آباد ہو گئے۔ بنی قریظہ نے آنحضرت کی اطاعت سے منحرف ہو کر دشمن کے

ساتھ عہد و پیمان کر لیا۔ جب کہ قریش اور بدوی قبائل نے جنگ خندق کے موقع پر مدینہ کا محاصرہ کیا تھا۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے ان کا محاصرہ کیا اور وہ سعد بن معاذ کے فیصلہ پر راضی ہو گئے۔ جس نے قتل کا فتویٰ ان پر جاری کیا تھا۔

یہودیان خیبر (جن میں بنی نضیر شامل تھے) اور بنی غطفان نے جو تھوڑا عرصہ پہلے جنگ خندق میں قریش کے ساتھ مدینہ کے محاصرے میں شامل تھے۔ آنحضرتؐ کے خلاف سازش کی اور آپ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ یہ لوگ بنی فزارہ اور دیگر بدوی قبائل کو اپنی لوٹ مار میں شریک ہونے کی ترغیب دیتے رہتے تھے۔ اور مدینہ پر حملہ کرنے میں بنی سعد بن بکر کے ساتھ شامل ہو گئے وہ بمقام خیبر مطیع اور باجگوار ہو گئے اور بعوض اس حفاظت کے جس کی ذمہ داری ان کے لیے کی گئی تھی، انہوں نے جزیہ دینا قبول کیا۔"

پانچواں باب

رومی اور تبوک کی مہم

اس باب میں بتایا گیا ہے کہ:

"آنحضرت کی سب سے پچھلی مہم تبوک کی مہم تھی اور یہ بھی محض دفاعی تھی۔ شام سے آنے والے مسافر اور تاجر یہ خبر لائے تھے کہ شام کی سرحد پر رومیوں کی طرف سے بڑی فوج جمع ہوئی ہے۔ انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ شاہنشاہ یونان ہرقل یعنی قیصر روم نے جو اس وقت حمص میں مقیم تھا، فوج کو ایک سال کی تنخواہ پیشگی دے دی ہے تاکہ سپاہی ایک طولانی مہم کے لیے ساز و سامان۔ بخوبی درست اور تیار کر سکیں۔ صحرائے شام کے قبائل بنی لخم، بنی جذام، بنی عاملہ، اور بنی غسان رومی نشانوں (جھنڈوں) کے ارد گرد جمع ہو رہے تھے اور مقدمۃ الجیش (ہراول) پہلے سے بمقام بلقاء موجود تھا۔

آنحضرتؐ نے اس خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لیے فی الفور عزم کیا جب آپ سرحد پر

شام کے قرب و جوار میں بمقام تبوک پہنچے تو آپ نے کسی فوج کو مقابلہ کے لیے نہ پایا۔ اس خطرے کا جس کے پیش آنے کا اندیشہ تھا، کوئی نشان موجود نہ تھا، اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مع اپنی فوج کے مدینہ کو مراجعت فرمائی۔ یہ واقعہ ہجرت کے نویں سال پیش آیا تھا۔ پیغمبر اسلامؐ کے تمام غزوات کا بیان اس پر ختم ہو جاتا ہے۔

باب ششم

مذہبی مزاحمت

اس باب میں مصنف لکھتے ہیں ''ان لوگوں نے بڑی غلطی کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ''مسلمانوں کا ایک عام فرض جس کی پابندی ان کے لیے لازمی قرار دی گئی تھی یہ ہے کہ وہ کافروں پر خدائی انتقام نازل کرنے کا وسیلہ بنیں، ان کو قتل کیا جائے تاوقتیکہ وہ جزیہ ادا نہ کریں۔ جزیہ ادا نہ کرنے کی صورت میں ان کو کچھ تکلیف نہ دی جائے یہاں تک کہ وہ خود ہی جہنم میں داخل ہو جائیں۔'' اور بقول ولیم میور آپؐ کے مدنی زمانہ میں ''مذہبی مزاحمت نے آزادی کی جگہ، اور زبردستی نے ترغیب کی جگہ لے لی، اسلام کا امتیازی نشان اب یہ کلمہ ہو گیا کہ جہاں پاؤ کافروں کو قتل کرو۔ خدا کی راہ میں لڑو یہاں تک کہ مخالفت کچلی جائے اور دین صرف اللہ ہی کا ہو جائے۔''

مصنف نے سر ولیم میور کے اپنے بیانات میں تضاد کی نشاندہی کرتے ہوئے قرآنی آیات کے حوالہ سے اس بات کو اجاگر کیا ہے کہ مدینہ میں بھی وہی پالیسی رہی ہے جو پالیسی مکہ میں تھی، لا اکراہ فی الدین (دین میں کسی قسم کا کوئی جبر نہیں) (سورۃ بقرہ آیت: ۲۵۷) رسول اللہ آیات کو پہنچانے والے (مبلغ) تھے۔ زبردستی منوانے والے نہ تھے۔ (آل عمران آیت: ۱۹، النور آیت ۵۳)

''اگر آنحضرتؐ قیام مدینہ کے بعد قریش اور ان کے مددگاروں کے متواتر حملوں

سے اپنی جان بچانے میں غفلت کرتے تو ظن غالب تھا کہ آپ مع اپنے پیرووں کے (معاذ اللہ) نابود ہو جاتے، پس وہ اپنی جان بچانے کے لیے نیز اپنی اخلاقی اور مذہبی آزادی کی حفاظت کی غرض سے لڑتے تھے۔"

باب ہفتم

سورۃ براۃ اور یورپین مورخ

اس باب میں سرولیم اور جے ڈبلیو ایچ سٹابرٹ کے ان اعتراضات کی قلعی کھولی گئی ہے جوانہوں نے سورۃ براۃ کی چند آیات کے حوالہ سے کیے ہیں، مصنف لکھتے ہیں کہ:

"جہاں تک مجھے علم ہے تقریباً تمام یورپین مورخ اس دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں کہ اس سورۃ کی ابتدائی آیتوں کا اعلان آنحضرتؐ نے ۹ھ کے آخر میں کیا تھا مگر حقیقت امر یہ ہے کہ اشہر حرم کے آغاز سے پہلے ۸ھ میں غالباً بماہ شعبان ان کا اعلان ہو چکا تھا۔

"نظر بوجوہ ان آیات کے نزول کا سب سے زیادہ مناسب موقع ومحل وہی ہے جب کہ قریش اوران کے مددگاروں نے ۸ھ میں صلح نامہ حدیبیہ کو توڑا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مکہ باہمی مصالحت سے مفتوح ہوگیا۔ بہت سے مسلمان مفسر اس امر میں متفق الرائے ہیں، لہٰذا یہ آیتیں جن میں عہد شکنوں اور حملہ آوروں کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھانے کا حکم ہے اور نیز یہ حکم ہے کہ جہاں کہیں وہ ملیں خواہ حرم کے اندر یا باہر ان کو تہ تیغ کیا جائے، مگر ان آیات کی تعمیل کی نوبت اس لیے نہیں آئی کہ قریش نے مسلمانوں سے مصالحت کر لی تھی۔

باب ہشتم

ادعائی مزاحمت

قریش کے قافلوں کی ادعائی مزاحمت کے متعلق ہے اس میں مورخین یورپ کے اس

دعویٰ کا جائزہ لیا گیا ہے جس کے مطابق ہجرت کے کچھ عرصہ بعد مسلمانوں نے قریش کے متعدد قافلوں کو جو ملک شام کی طرف آمدورفت رکھتے تھے، مزاحمت کر کے تاخت وتاراج کیا، تمام ادعائی یورشوں کا ذکر کرنے کے بعد اصل صورت حالات کو واضح کیا گیا ہے۔

باب نہم

ادعائی خوں ریزیاں

اس باب میں مصنف لکھتے ہیں کہ:

بعض مجرم، جن سے اسلامی جمہوریت کے خلاف سخت بغاوت کا جرم سرزد ہوا تھا قتل کیے گئے۔ ان مجرموں کا قتل اور قتل عہد کی بعض دیگر مثالیں جو معتبر شہادتوں پر مبنی نہیں ہیں۔ ان کی بابت آنحضرتؐ کے بعض یورپین تذکرہ نویس بیان کرتے ہیں کہ یہ خونریزیاں آپ کی منظوری و پسندیدگی یا آپ کی مسامحت اور چشم پوشی کی بدولت وقوع میں آئی ہیں۔ ان کی تعداد پانچ یا چھ ہے اور ان کو خونریزی (یا خفیہ قتل) کے نام سے اس لیے موسوم کیا گیا ہے کہ ان قیدیوں کے مقدمہ کو نہ تو کسی جج اور جوری (پنچایت) کے ذریعہ سے، تحقیقات کی گئی اور نہ کسی باضابطہ کورٹ مارشل (جنگی عدالت) کے ذریعہ سے، ان ملزم اشخاص کے لیے یا تو پرائیویٹ (شخصی وذاتی) عداوت کی وجہ سے سزائے موت تجویز کی گئی تھی، یا سلطنت کے خلاف سخت بغاوت کی وجہ سے جو ایک ناقابل معافی جرم ہے۔ مگر جیسا کہ میں اس کے بعد ثابت کروں گا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ قتل کی زیر بحث صورتوں کی بابت آنحضرت نے اپنی پوری رضامندی ظاہر کی تھی، یا یہ کہ ان کا ارتکاب آپ کی براہ راست ترغیب اور منظوری سے عمل میں آیا تھا۔

قتل کی یہ ادعائی مثالیں حسب ذیل اشخاص کے متعلق ہیں اور جن کی تعداد سات ہے۔

ا۔عصماء بنت مروان۔ایک یہودی عوت۔

۲۔ابوعفک۔ایک یہودی

۳۔کعب بن اشرف۔ایک یہودی شاعر

۴۔سفیان بن خالد ہذلی۔

۵۔ابورافع۔ایک یہودی جس کا پورا نام سلام بن ابی الحقیق نضری ہے جو کعب بن اشرف کے قتل کے بعد یہود خیبر کا سردار بنا تھا۔

۶۔اسیر بن زارم

۷۔ابوسفیان کے قتل کا اقدام۔

اس کے بعد مصنف نے مذکورہ ساتوں افراد کے قتل کا پس منظر اور پیش منظر بیان کر کے اپنے دعویٰ کو ثابت کیا ہے۔

باب دہم

قیدیان جنگ کے قتل میں ادعائی بے رحمی

مصنف لکھتے ہیں کہ "بعض جنگ کے قیدیوں کو قوانین جنگ کے موافق ان کے جرم کی پاداش میں قتل کی سزادی گئی تھی جس کے وہ مستحق تھے۔چند یورپین مورخ جنہوں نے آنحضرت کی سیرت لکھی ہے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان قیدیوں کا قتل بے رحمانہ تھا اور کفر اور پولیٹیکل مخالفت کے سوا ان کا کوئی جرم نہ تھا۔

مقتول اشخاص حسب ذیل تھے۔

ا۔نضر بن حارث

۲۔عقبہ بن ابی معیط

۳۔ابوعزہ شاعر

۴۔ معاویہ بن مغیرہ

مصنف نے مذکورہ چاروں اشخاص کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اس کی تاریخی حیثیت کا ناقدانہ جائزہ لیا ہے اور قانون بین الاقوام اور قانون جنگ کی رو سے کیے گئے اقدامات پر بودے اعتراضات کی قلعی کھولی ہے۔

اس باب میں اسیران بدر کے ساتھ کیے گئے سلوک پر ولیم میور کے اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے اور اسیران جنگ کے ساتھ آنحضرتؐ کے فیاضانہ سلوک کو اجاگر کیا گیا ہے۔ نیز مدینہ کے قرب و جوار میں رہنے والے ایک یہودی قبیلہ بنی قریظہ کے قتل کے اسباب ومحرکات کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے اور اس بارے میں مستشرقین کی مبالغہ آرائیوں اور غلط بیانیوں کو بے نقاب کیا گیا ہے۔

گیارھواں باب

متفرق اعتراضات

یہ باب بعض متفرق اعتراضات کے ابطال کے لیے وقف کیا گیا ہے۔ اس میں ایک عورت ام قرفہ (فاطمہ بن ربیعہ) جو قزاقوں کی ایک بڑی جماعت کی سرغنہ ہونے کی حیثیت سے مشہور تھی۔ اس کے بے رحمانہ قتل کی حکایت کا جائزہ لیا گیا ہے۔ نیز قزاقان عرنہ، کنانہ بن ربیع کی عقوبت، ایک مغنیہ کا قتل، ابوبصر عتبہ بن اسید ابن جاریہ، مددگاران قریش جنہوں نے مدینہ کا محاصرہ کیا تھا ان کے جتھے کو توڑنے کے لیے نعیم بن مسعود کا تقرر، قتل یہود کے بارے میں ادعائی اجازت، یہود بنی نضیر کی جلاوطنی اور صلح نامہ حدیبیہ کا عورتوں سے کیا تعلق تھا؟ کے بارے میں محققانہ بحث کی گئی ہے۔

بارہواں باب

جہاد متعارف

اس باب میں جہاد متعارف کے عنوان سے مستشرقین کی ان غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے جن کے وہ اس بارے میں مرتکب ہوئے ہیں، مصنف لکھتے ہیں:

"تقریباً تمام مسیحی اور عام اسلامی مصنفوں کا خیال یہ ہے کہ مذہبی جنگ میں سبقت کرنی ایک اسلامی عقیدہ ہے اور یہ کہ زبردستی مسلمان بنانے یا جزیہ وصول کرنے کی غرض سے قرآن مجید ایسی لڑائیوں کی اجازت دی ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید نے کسی ایسے اصول کی تلقین نہیں کی اور آنحضرتؐ نے بھی اس کی تعلیم نہیں دی اور نہ اس کا وعظ فرمایا۔ آپ کا مشن (پیغمبری کا کام) یہ نہیں تھا کہ جنگ وجدال کی جائے یا بزور شمشیر لوگوں کو مسلمان بنایا جائے یا ان سے جزیہ وصول کیا جائے یا ان لوگوں کو جو اسلام قبول نہ کریں نیست ونابود کر دیا جائے۔ آپ کی رسالت کا مقصد صرف یہ تھا کہ اہل عرب کے دلوں کو خدائے واحد کی سچی عبادت کے نور سے منور کیا جائے۔ ان کو نیکی اختیار کرنے اور بدی سے باز رہنے کی ہدایت کی جائے اور اس مقصد کو آپ نے صداقت اور راست بازی سے پورا کیا۔ یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو سخت تکلیفیں پہنچائی گئیں، وہ وطن سے بے وطن کیے گئے، ان پر حملہ کیا گیا، ان کے ساتھ جنگ کرنے میں پیش قدمی کی گئی اور یہ کہ آنحضرتؐ اور آپ کے اصحاب نے دشمنوں کے حملوں کی مدافعت اپنے کانشنس (اعتقاد) کی آزادی، مسلمانوں کی جان کی حفاظت اور مذہبی آزادی حاصل کرنے کی غرض سے کی، غنیم کی بہت زیادہ جمعیت کا اپنی قلیل تعداد سے مقابلہ کیا۔ دفاعی عہدنامے کر کے جنگ کے مقصد اعظم کو حاصل کیا۔ یعنی یہ کہ مسلمانوں کو مکہ اور مدینہ میں رہنے کے لیے آزادی مل جائے، کوئی ان کو ستائے نہیں اور ان کو مسجد الحرام (خانہ کعبہ) میں

آزادانہ آمدورفت رکھنے اور اپنے مذہبی اعمال کو بے روک ٹوک ادا کرنے کی اجازت حاصل ہو جائے۔ یہ جملہ امور بالکل جدگانہ اور غیر متعلق ہیں اور مضمون زیر بحث یعنی جہاد متعارف سے ان کا تعلق نہیں ہے۔

پہلا ضمیمہ

قرآن میں لفظ جہاد کا اصل مفہوم؟

کتاب کو مکمل کرنے کے بعد مصنف نے ایک مفصل ضمیمہ لکھا ہے جس کا عنوان ہے ''قرآن میں لفظ جہاد کس معنیٰ میں آیا ہے اور جنگ و جدل اس کا غلط مفہوم سمجھا گیا ہے۔
مصنف لکھتے ہیں:

''مشہور لفظ ''جہاد'' یا ''جہد'' جو قرآن کی متعدد آیات میں آیا ہے اور جس کے معنیٰ عیسائی اور مسلمان دونوں نے کفار کے ساتھ خصومت یا جنگ و جدل کے لیے ہیں نہ تو اس کے معنیٰ قدیم عربی زبان میں، نہ علمائے ادب کے نزدیک، لڑائی، قتال، خصومت یا جنگ کے ہیں، اور نہ قرآن میں کبھی اس مفہوم پر اس کا اطلاق ہوا ہے۔ عربی زبان میں جنگ و پیکار کے لیے الفاظ حرب و قتال استعمال کیے جاتے ہیں۔
لفظ ''جہد یا جاھد'' کے معنیٰ ہیں، ایک شخص نے کوشش یا محنت کی یا اپنا زور اور کوشش و لیاقت خرچ کی بحطاکشی کی یا غیر معمولی مشقت اٹھائی۔ مثلاً جاھد فی الامر کے معنیٰ ہیں اس نے خوب کوشش کی اور اپنی لیاقت و طاقت سے پورا کام لیا۔ ''جھاداً'' حاصل مصدر ہے۔ یعنی مشقت، محنت، تکلیف، ماندگی، تھکان۔ جوہری جو اہل لغت میں بڑا نامور شخص ہے اور جس کی کتاب میں قدیم عربی زبان کے معنیٰ اور مفہوم بھی بیان کیے گئے ہیں اپنی صحاح میں لکھتا ہے کہ:

''جاھد فی سبیل الله جھادۃ وجھاداً'' اور نیز ''اجتھد'' اور ''جاھد'' کے معنیٰ

ہیں اس نے زور لگایا اور جفاکشی کی۔

فیومی مصنف مصباح المنیر، جس میں اس نے قدیم عربی معنیٰ اور محاورات کے الفاظ بکثرت درج کیے ہیں۔ لکھتا ہے۔

"جاھد فی سبیل اللہ جھادا" اور اجتھد فی الامر کے معنیٰ ہیں، اس نے اللہ کے کام میں اپنی طاقت اور کوشش سے پورا پورا کام کیا۔

اور یہ جو جہاد کے معنیٰ دشمن سے لڑنے کے ہوگئے ہیں یہ صرف متاخرین نے لیے ہیں اور اصطلاحی معنیٰ کہلاتے ہیں۔

دوسرا ضمیمہ

جنگ کی لازمی خرابیاں......غلامی اور حرم بنانا

مصنف لکھتے ہیں:

''قرآن پر یہ غلط اتہام لگایا گیا ہے کہ اس میں اسیران جنگ کو غلام بنانے کی اجازت دی گئی ہے اور فاتحین کو قیدی عورتوں سے ہم آغوشی کا اختیار دیا گیا ہے یا بالفاظ دیگر قیدی عورتیں عین میدان جنگ میں حرم بنالی جاتی ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں ان دعوؤں کے ثبوت میں کوئی ایک جملہ بھی موجود نہیں ہے۔ سر ولیم میور اپنی کتاب ''سیرۃ محمدی'' میں قرآن مجید کی ایک آیت بھی پیش نہ کر سکے جس میں اسیران جنگ کو غلام یا باندی بنا لینے کی اجازت دی گئی ہو اور نہ وہ ان متعدد لڑائیوں میں سے کسی ایک لڑائی میں بھی کوئی ایسی مثال پیش کر سکے۔''

اتنا تو صحیح ہے کہ قرآن میں غلاموں کا ذکر موجود ہے۔ لیکن آئندہ اا ،کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ قرآن میں ہر طرح کی اخلاقی، قانونی، مذہبی اور ملکی تدابیر سے اس کے قلع قمع کی کوشش کی گئی ہے۔ غلاموں کو آزاد کرنا اخلاقی حیثیت سے زہد اور راستبازی کا کام بتایا

گیا ہے۔قانوناً غلاموں کے آزاد کیے جانے کا حکم ہے۔ بشرطیکہ وہ فدیہ دینے کو راضی ہوں۔قتل خطاء کی سزا میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ غلام آزاد کیے جائیں۔طلاق ناجائز کے کفارہ میں بھی ان کی آزادی کا حکم دیا گیا۔وہ بیت المال کے روپے سے فدیہ دے کر آزاد کیے جاسکتے تھے۔وہ ایمان لغو (یعنی بیہودہ قسموں کے کفارہ میں رہا کیے جاتے تھے۔)

یہ وہ تدبیریں تھیں جو اس زمانہ کی موجودہ اور مروجہ غلامی کے موقوف کرنے کے لیے اختیار کی گئی تھیں۔لیکن قرآن نے آئندہ انسداد غلامی کی غرض سے اس کی جڑ میں ایسی کلہاڑی ماری کہ اس کا قلع قمع ہوگیا اور اس سرچشمہ ہی کو مسدود کردیا۔سورہ محمد میں قیدیان جنگ کے بارہ میں یہ صاف اور صریح حکم دیا گیا ہے کہ وہ یا تو احساناً چھوڑ دیں یا فدیہ لے کر۔اس سے نہ تو آئندہ ان کے غلام بنانے کی اجازت رہی اور نہ قتل کرنے کی۔

۱۔ فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب ۔ حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق۔

''اے مسلمانو! جب لڑائی میں کافروں سے تمہاری مڈبھیڑ ہو تو ان کی گردنیں مار چلو یہاں تک کہ جب خوب اچھی طرح ان کا زور توڑ لو تو ان کی مشکیں کس لو۔''

۲۔ فامامنا بعد واما فداء حتی تضع الحرب اوزارھا۔

''پھر قید کیے پیچھے یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دیا۔دو یا فدیہ لے کر یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے۔'' (محمد ۴۷۔آیۃ:۵)

یہ آیتیں نہایت صراحت سے آئندہ انسداد غلامی کا ایک دائمی فرمان ہیں اس میں اور کسی تصریح کی ضرورت نہیں ہے۔علاوہ بریں اس کے بعد حین حیات رسول مقبول ﷺ کا اسی پر عملدرآمد رہا۔

اس ضمیمہ میں مصنف نے جناب ماریہ قبطیہؓ اور جناب زینبؓ کے متعلق ان تمام مصنوعی قصوں کی حقیقت کھولی ہے جو غیر ثقہ روایات کی بنیاد پر بیان کیے جاتے ہیں۔

مصنف لکھتے ہیں:

ماریہ قبطیہؓ

''اب میں ماریہ قبطیہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں، جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ رسولؐ اللہ کی ایک حرم اور لونڈی تھی، اگرچہ وہ ان قیدیوں کی فہرست میں داخل نہیں ہے۔ جو غلام بنائے گئے تھے۔ سر ولیم میور کے قول کے مطابق ''مصر کے رومی حاکم نے رسول اللہ کو لکھا تھا کہ میں آپ کی خدمت میں دو نا کتخدا لڑکیاں بھیج رہا ہوں، جو قبطیوں میں بڑی شریف اور معزز ہیں۔'' مصنف موصوف نے فوراً ان لڑکیوں کو لونڈیوں کا خطاب دے دیا ہے۔ اور ان کو عیسائی حاکم کی طرف سے ایک عجیب تحفہ لکھا ہے۔ حالانکہ نہ تو وہ قیدی تھیں اور نہ لونڈیاں اور نہ اس حاکم کے خط میں ان الفاظ سے ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ رسولؐ کے سوانح نگاروں نے اس کو کس طرح لونڈی یا حرم بنا دیا۔ اول تو مجھے اس میں ہی بہت کچھ شبہ ہے کہ مقوقس حاکم مصر نے رسولؐ اللہ کو دو لڑکیاں بھیجی بھی تھیں۔ اگر بالفرض بھیجی بھی تھیں تو ان میں ماریہ بھی تھی یا نہیں۔ دوسرے یہ صحیح نہیں کہ وہ امہ تھیں۔ تیسرے یہ کہ وہ رسول اللہ کی حرم تھی اور چوتھے یہ کہ اس سے آپ کے کوئی بیٹا پیدا ہوا تھا۔ اور پانچویں سب سے آخری بات یہ ہے کہ یہ مشہور کہانی جس کا یورپین مصنفین نے غل مچا رکھا ہے صرف ایک مصنوعی قصہ ہے۔''

مصنف مزید لکھتے ہیں کہ:

''اول تو یہ بات کہ رسول اللہؐ نے مصر کے حاکم مقوقس کو ایک خط بھیجا اور اس کے جواب میں اس نے آپ کے پاس دوسرے تحائف کے ساتھ ماریہ قبطیہ بھیجی، یہ واقعہ ان احادیث میں مذکور نہیں جو مستند محدثین نے روایت کی ہیں۔''

دوسرے فرض کرو کہ حاکم مصر نے رسولؐ اللہ کو دوسرے تحائف کے ساتھ دو لڑکیاں بھیجی تھیں مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ لونڈیاں تھیں اور نہ تاریخ سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ لڑائی میں گرفتار ہوئی تھیں اور اگر اسیران جنگ میں بھی شمار کر لیا جائے تو ان کے

لونڈی ہونے کی سند نہیں ملتی۔

''تیسرے اگر فرض کرلیا جائے کہ ماریہ قبطیہ ایک لونڈی تھی تو اس کا ثبوت کیا ہے؟ یہ وضاعین حدیث کی کارستانیوں کا کرشمہ ہے اور اس بارے میں یورپین مورخین بھی غلط راستہ اختیار کرتے ہیں کہ وہ ہمیشہ لونڈیوں اور جنگ کے قیدیوں کو حرم لکھ دیتے ہیں۔''

''زمانہ رسول کے تذکرہ نویسوں نے اپنی کتابوں میں تین عورتوں کو ماریہ کے نام سے موسوم کیا ہے ان میں سے ایک کو آپ کے گھر کی لونڈی بتایا ہے۔ دوسری وہ لڑکی ہے جس کی کنیت ام رباب تھی اور تیسری ماریہ قبطیہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایک ہی ماریہ تھی اور یہ ممکن ہے کہ وہ رسول اللہ کے خانگی کام کرنے والی ہو۔ تذکرہ نویسوں نے علیحدہ علیحدہ ان کے حالات لکھے ہیں اور انہیں مستقل تین افراد بنا دیا ہے اور ان میں سے ایک کو حرم ٹھہرا دیا ہے۔ کیونکہ ان کے خیال میں کوئی گھر بغیر ایک حرم کے پورا گھر ہی نہیں ہوسکتا تھا۔ سوانح نویس اکثر اس غلطی میں پڑ گئے ہیں کہ جب وہ کسی خاص فرد کے مختلف واقعات لکھتے ہیں تو تعدد واقعات کی نسبت سے وہ انہیں افراد بھی متعدد تصور کر لیتے ہیں۔ ان تینوں ماریاؤں میں سے ایک بھی لونڈی نہ تھی۔ یہ فقط ایک قیاس ہے، یا یوں کہو کہ حدیثوں میں گہرا مغالطہ ڈال دینے کے لیے ماماؤں کو غلام یا لونڈیوں میں شامل کر دیا ہے۔

چوتھے ایک اور لطف کی بات ہے کہ جنہوں نے ماریہ کو ایک لونڈی یا حرم بنا دیا ہے انہوں نے یہ ایک بڑا غضب کیا ہے کہ اس کا ایک خیالی بیٹا بھی فرض کرلیا ہے۔ رسول اللہ کے بیٹوں کی تعداد اور ان کے ناموں کی نسبت جو سب کے سب خردسالی میں راہی عالم بقا ہوگئے تھے، احادیث مختلف البیان ہیں۔ بعض احادیث میں تو ایک ہی لڑکے کے مختلف نام بیان کیے گئے ہیں اور بعض مصنفین نے یہ کیا ہے کہ جس قدر نام تھے اسی قدر لڑکے مان لیے ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ کے صرف ایک بیٹا ہو جس کا نام ابراہیم تھا۔ لیکن یہ کہنا کہ وہ ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوا تھا یہ صرف ایک ظنی بات ہے۔ اس قصہ کا یہ حصہ ابن سعد کی

روایتوں کا ایک تتمہ ہے۔ جن پر میں نے پیراگراف نمبر ۹ اور ۱۱ میں جرح وقدح کی ہے۔ ابن سعد سے بواسطہ عمر بن عاصم اور قتادہ ایک اور روایت بھی مروی ہے۔ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے ایک بیٹا ابراہیم نام ایک قیدی عورت کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ ابو حاتم نے جو علم الرجال کا بہت بڑا عالم اور نقاد گزرا ہے۔ عمر بن عاصم پر اعتراض کیا ہے اور قتادہ (متوفی ۱۱۷ھ) کی روایت اس واقعہ کی ہم عصر شہادت نہیں ہوسکتی۔ گویا وہ جو کچھ بیان کرتا ہے اس کی شہادت نہیں دیتا۔ اسی روایت کے ہم پایہ ابن سعد کی دو اور حدیثیں بھی ہیں۔ یعنی زہری (متوفی ۱۲۴ھ) اور مکحول (متوفی ۱۱۸ھ) کی روایتیں جو رسول اللہ کے ہم عصر نہ تھے، بلکہ تابعین کے درجہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ اگر ابراہیم زندہ رہتا تو تمام قبطیوں پر سے فدیہ معاف کر دیا جاتا۔ اور اگر ابراہیم کی حیات وفا کرتی تو اس کے ماموؤں سے کبھی کوئی غلام نہ بنایا جاتا۔ لیکن وہ یہ نہیں بیان کرتے کہ ابراہیم کون تھا۔

<u>پانچویں سب سے آخر میں</u> اس بدنما بہتان کی حقیقت کھولنا چاہتا ہوں جو رسول اللہ کے دشمنوں نے آپ پر لگایا ہے بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ماریہ کے ساتھ خلوت میں تھے، کہ یکایک حفصہؓ آ گئیں اور آپ کو بری طرح آڑے ہاتھوں لیا اور ڈرایا کہ یہ واقعہ آپ کی تمام بیبیوں میں مشتہر کردوں گی۔ آپؐ نے بخوف بدنامی اور ناراض بی بی کو منانے کے لیے ان کی منت وسماجت کی کہ وہ کسی سے اس کا ذکر نہ کریں اور نیز یہ وعدہ کیا کہ میں آئندہ ماریہ سے کوئی تعلق نہ رکھوں گا لیکن آخر کار آپ نے ایک خاص وحی منگا کر اس سے گلو خلاصی حاصل کی۔ (بحوالہ: التحریم آیت ۱) سر ولیم میور لکھتے ہیں:

''زینب کے واقعہ کی طرح اس وقت بھی پیغمبر نے ایک خاص وحی آسمان سے منگائی اور اس سے یہ اجازت حاصل نہ ہوئی کہ وہ حسب وعدہ ماریہ سے علیحدگی اختیار کریں۔''

آیت مذکور حسب ذیل ہے:

یاایها النبی لم تحرم مآ احل الله لك تبتغی مرضاۃ ازواجك

واللہ غفور و رحیم۔

''اے پیغمبر جو چیزیں خدا نے تمہارے لیے حلال کی ہیں تم ان کو اپنی بیبیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیوں حرام کرتے ہو۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

یہ صرف ایک مصنوعی قصہ ہے، کبھی وجود پذیر نہیں ہوا اور نہ قرآن میں اس واقعہ کا ذکر ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ سر ولیم میور نے اس مسئلہ میں اپنے تمام اصول استناد کو چھوڑ دیا ہے اور عربی سیر نویسوں میں سے ابن اسحاق، واقدی کاتب واقدی اور زہری کسی ایک کا بھی حوالہ نہیں دیا۔ یہ واقعہ ان مصنفین میں سے کسی ایک نے بھی بیان نہیں کیا اور نہ احادیث بخاری و مسلم اور ترمذی میں اس واقعہ کا کہیں پتہ چلتا ہے۔

اخیر میں چاہتا ہوں کہ سرسری طور پر اس واقعہ پر روشنی ڈالوں جو سر ولیم میور نے جناب زینبؓ کی نسبت لکھا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

قصہ زینبؓ

''اتفاقاً ایک روز پیغمبر کی عاشقانہ نظر زینبؓ کے حسن پر پڑ گئی۔ وہ زید کی بی بی تھیں، زید آپ کے متبنّیٰ تھے۔ لیکن جو آگ زینب کے حسن و جمال سے آپ کے دل میں بھڑک چکی تھی وہ فرو نہ ہوئی۔ اور بالآخر آپ نے وحی نازل کرا کر زینبؓ سے شادی کر لی۔''

یہ قصہ ابتدا سے انتہا تک بالکل غلط ہے۔ رسول اللہ زینب کو بچپن سے جانتے تھے، وہ آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور آپ نے ہی زید سے ان کی شادی کی تھی۔ جس وقت زید نے زینب کو طلاق دی تو ان کی عمر پینتیس سال کی تھی اور وہ غالباً اس وقت اس قابل نہیں ہوسکتی تھیں کہ کسی غیر آدمی کو اپنا فریفتہ بنا سکیں۔ اگر وہ خوب صورت اور دل کش ہوتیں تو زید کبھی ان کو نہ چھوڑتے۔ اس قصہ کے کسی جزو کی نسبت کوئی تاریخی ثبوت موجود نہیں ہے۔

قرآن میں جہاں اس واقعہ کا ذکر ہوا ہے، وہاں مطلق ان کہانیوں کا پتہ نہیں چلتا جو بعد میں گھڑ لی گئی ہیں کہ رسول اللہ زید کے گھر گئے اور اتفاقاً ایک کواڑ کے کھلنے پر آپ نے زینبؓ کی صورت دیکھ لی۔ یا یہ کہ ہوا سے زینب کے کمرے کا پردہ اٹھ گیا اور ان کے برہنہ بدن پر آپ کی نظر جا پڑی۔

اگر ان کہانیوں اور نیز چند اور مختلف بیانات کو جو بالکل ماریہ کے قصے کے مشابہ ہیں۔ قصہ گویوں اور دشمنان اسلام کی دیدہ و دانستہ افترا پردازیاں نہ بھی کہا جائے، جنہیں یورپین مصنفین نے واقعات کا لباس پہنا دیا ہے۔ تو بھی میرے نزدیک اتنا یقینی ہے کہ وہ ابتدا میں صرف ایسے قیاسات تھے جن کی وجہ سے قرآں میں کچھ ذکر کرنے کی ضرورت معلوم ہوئی۔

قرآں کے وہ الفاظ جن پر ان کہانیوں کی بنیاد ہے یہ ہیں:

واذ تقول للذی انعم اللہ علیه وانعمت علیه امسک علیك زوجك واتق اللہ و تخفی فی نفسك مااللہ مبدیه وتخشی الناس واللہ احق ان تخشه۔ (التحریم ٦٩۔ آیت : ٣٧)

”اے پیغمبر! اس بات کو یاد کرو کہ تم اس شخص کو سمجھاتے تھے (یعنی زید بن حارثہ) جس پر اللہ نے اپنا انعام کیا، اور تم بھی اس پر (یہ سمجھا کر) احسان کرتے رہے کہ اپنی بی بی زینب کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور اس کو چھوڑ نہیں اور تم اس کو اپنے دل میں چھپاتے تھے جس کو آخر کار اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تم اس معاملہ میں لوگوں سے ڈرتے تھے اور خدا اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔“

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ نے زید کو یہ سمجھایا تھا کہ وہ اپنی بی بی کو طلاق نہ دیں اس کے باوجود کہ اس زمانہ کی رسوم کے مطابق عرب میں طلاق دینا بہت آسان کام تھا۔

”محمد بن یحییٰ بن حبان (متوفی ۱۲۱ھ) نے بھی آنحضرتؐ کے زینب زید کے مکان

میں گرویدہ ہونے کا واقعہ بیان کیا ہے لیکن اس کی کوئی سند دی نہیں ہے۔ وہ کوئی ہم عصر راوی نہیں تھا۔ اس لیے اس کی روایت غیر معتبر اور اصطلاح میں مرسل ہے۔

یہ تمام نادانی کی بناوٹی کہانیاں، ناشائستہ افسانے اور ہتک آمیز توہینی قیاسات قتادہ کی اس غلط توضیح پر مبنی ہیں جو اس نے ان الفاظ:

وتخفی فی نفسك ماالله مبديه (الاحزاب ۳۳۔ آیت ۳۷)

''اور تم اس کو اپنے دل میں چھپاتے تھے، جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا۔''

کی کی ہے۔ قتادہ (المتوفی ۱۱۷ھ) نے قیاس کیا کہ پیغمبر اسلام نے یہ خواہش چھپا رکھی تھی کہ زید زینب کو طلاق دے۔ لیکن تمام دوسرے مصنفین نے قتادہ کے اس طرح گمان کرنے پر الزام لگایا ہے۔ اس قیاس کی آیت کے کسی لفظ یا کسی ہم عہد بیان یا شہادت سے تائید نہیں ہوتی۔ قتادہ کی اس تعبیر کا بطلان خود آنحضرت کے ان الفاظ سے ہوتا ہے جو زید کو کہے گئے ہیں اور جو اسی آیت میں ہیں کہ:

امسك عليك زوجك واتق الله (الاحزاب ۳۳۔ آیت ۳۷)

''اپنی بی بی کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر۔''

اس بات کے متعلق کہ آنحضرت نے اپنے دل میں کون سی بات چھپا رکھی تھی، بہت سے قیاسات قائم کیے گئے ہیں، قتادہ کا گمان تو ابھی بیان کر دیا گیا ہے۔ ایک دوسرا قیاس یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کو معلوم تھا کہ زید اپنی بی بی کو طلاق دیں گے۔ لیکن اس کو پوشیدہ رکھ کر آپ نے زید کو ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ ایک تیسرا گمان یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے یہ بات اپنے دل میں چھپائی کہ اگر زید باوجود آپ کی نصیحت کے زینب کو طلاق دیں گے تو آپ ان سے نکاح کرلیں گے۔ یہ قیاسات بالکل دوراز کار اور بے ڈھنگے ہیں۔ لیکن یہ بات قرین قیاس ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے مخالفین کی بدگوئی کے اندیشے سے زید اور زینب کے خانگی مناقشات اور باہمی ناموافقت کو عام لوگوں پر ظاہر نہ ہونے دیا تھا۔ یہی وہ راز عظیم ہے جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے جو بار بار مخالفین کی طرف سے پیش کی جاتی ہے۔''

ضمیمہ سوم میں مصنف نے کتاب میں پیش کیے گئے حوالہ جات کی درجہ بندی کی ہے۔

تحقیق الجہاد کے بعد الجہاد فی الاسلام

مجھے امید ہے کہ گزشتہ صفحات میں پیش کیے گئے کتاب کے تعارف سے قارئین درج ذیل حقائق تک پہنچنے میں کوئی دقت محسوس نہیں کریں گے۔

ا۔ رسالت مآبؐ نے قریش و دیگر قبائل عرب اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ جو جنگیں کیں وہ حصول فتح، استیصال اور جبراً مسلمان بنانے کے لیے نہ تھیں۔

۲۔ آنحضرتؐ نے جنگ میں ابتداء نہیں کی بلکہ بے پناہ مصیبتیں جھیلنے کے بعد دشمنوں کی دشمنی سے اپنے آپ کو بچانے اور قوت کو قوت سے دفع کرنے کے لیے ہتھیار اٹھائے اور وہ ہر ایک قانون اور انصاف کی رو سے حق بجانب تھے۔

۳۔ آپ کی جنگی مہمات کی نوعیت اور تعداد بیان کرنے میں اکثر سیرت نگاروں نے مسامحت کی ہے اور ان کے بیان کرنے میں عقلی تنقید اور اصول درایت کا لحاظ نہیں رکھا۔

۴۔ مستشرقین نے لفظ جہاد کا مفہوم جنگ و پیکار لے کر اس کا غلط اطلاق کیا ہے، عربی زبان میں جنگ و پیکار کے لیے حرب اور قتال کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔

۵۔ قرآن پر غلط اتہام لگایا گیا ہے کہ اس میں اسیران جنگ کو غلام بنانے کی اجازت دی گئی ہے اور فاتحین کو قیدی عورتوں سے ہم آغوشی کا اختیار دیا گیا ہے۔

۶۔ قرآن میں پہلے سے موجود غلاموں کا ذکر تو موجود ہے لیکن آئندہ کسی کو غلام بنانے کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ پہلے سے موجود غلام اور لونڈیوں کو اخلاقی، قانونی، مذہبی اور ملکی تدابیر سے ذہنی اور سماجی طور پر آزاد افراد سے ہم آہنگ کرنے کے لیے احکام دیے گئے اور قرآن نے سب سے اول نکاح کو عورت اور مرد کے ملاپ کا قانونی و شرعی ذریعہ ٹھہرایا ہے اور یہ تاکید کی گئی ہے کہ موجودہ لونڈیوں سے نکاح کرو، سورۃ نساء اور سورۃ نور میں صراحتہً اس کا ذکر موجود ہے اور سورۃ مائدہ میں تو صاف صاف حرم بنانے کی ممانعت کی گئی ہے۔

۷۔غلام اور لونڈیاں بنانے کے بڑے ذریعہ یعنی اسیران جنگ کے بارے میں سورۃ محمد آیت ۴ میں صاف اور صریح طور پر کہا گیا ہے کہ یا تو احساناً چھوڑ دیں یا فدیہ لے کر، اس سے نہ تو آئندہ ان کو غلام بنانے کی اجازت رہی اور نہ قتل کرنے کی۔

الجہاد فی الاسلام کی تدوین کے محرکات

مولوی چراغ علی مرحوم کی زیر نظر کتاب ۱۸۸۴ء میں لکھی گئی، اس کے بعد اس موضوع پر ایک ضخیم کتاب الجہاد فی الاسلام مرحوم سید ابوالاعلیٰ مودودی نے لکھی ہے۔ اس وقت میرے پیش نظر اس کتاب کا چھٹا ایڈیشن ہے جسے مرحوم کے صاحبزادے حسین فاروق مودودی نے اگست ۱۹۷۳ء میں شائع کیا، کتاب کے بارے میں عرض ناشر کے عنوان سے وہ لکھتے ہیں۔

''یہ کتاب مصنف نے ۲۳ سال کی عمر میں لکھنی شروع کی تھی اور تین سال کی محنت شاقہ کے بعد انہوں نے اسے مکمل کیا۔ پہلی مرتبہ اس کی اشاعت ۱۹۳۰ء میں دارالمصنفین، اعظم گڑھ (یو۔ پی۔ انڈیا) سے ہوئی تھی۔ جس وقت یہ منظر عام پر آئی تو علامہ اقبال مرحوم نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ جہاد کے موضوع پر ایسی محققانہ اور غیر معذرت خواہانہ کتاب اردو تو کیا، دوسری کسی زبان میں بھی نہیں لکھی گئی۔ ابتداءً اس کا محرک یہ ہوا تھا کہ ۱۹۲۶ء میں جب سوامی شردھانند کے قتل پر سارے ہندوستان میں ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا اور اسلام پر چاروں طرف سے حملے ہونے لگے، تو ایک روز مولانا محمد علی جوہر مرحوم نے اپنی تقریر میں کہا کہ کاش کوئی بندۂ خدا اس وقت اسلامی جہاد پر ایسی کوئی کتاب لکھے جو مخالفین کے سارے اعتراضات والزامات کو رفع کر کے جہاد کی اصل حقیقت دنیا پر واضح کر دے۔ مصنف نے مولانا کی زبان سے یہ بات سن کر اپنے دل میں خیال کیا کہ وہ بندۂ خدا میں ہی کیوں نہ ہوں، چنانچہ اسی وقت انہوں نے یہ کام شروع کر دیا۔ اس کی تالیف میں جس وسیع پیمانے پر انہوں نے علمی تحقیقات اور ذہنی کاوش کی ہے، اس کا اندازہ کتاب کو پڑھنے والا ہر شخص خود کر سکتا ہے۔''

کتاب کے دیباچہ میں مرحوم مودودی صاحب لکھتے ہیں۔

''میں ایک عرصہ سے اس ضرورت کو محسوس کر رہا تھا، مگر احساسِ ضرورت سے بڑھ کر عمل کی جانب کوئی اقدام نہ کر سکتا تھا، کیونکہ اس کام کے لیے بڑی فرصت درکار تھی اور فرصت ہی ایک ایسی چیز ہے جو کسی اخبار نویس کو میسر نہیں آتی۔

لیکن دسمبر ۱۹۲۶ء کی آخری تاریخوں میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے مجھے مشکلات سے قطع نظر کر کے اقدامِ عمل پر مجبور کر دیا۔ یہ واقعہ شدھی کی تحریک کے بانی سوامی شردھانند کے قتل کا واقعہ تھا۔ جس سے جہلاء اور کم نظر لوگوں کو اسلامی جہاد کے متعلق غلط خیالات کی اشاعت کا ایک نیا موقع مل گیا، کیونکہ بدقسمتی سے ایک مسلمان اس فعل کے ارتکاب کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا اور اخبارات میں اس کی جانب یہ خیالات منسوب کیے گئے تھے کہ اس نے اپنے مذہب کا دشمن سمجھ کر سوامی کو قتل کیا ہے اور یہ کہ اس نیک کام کے کرنے سے وہ جنت کا امیدوار ہے۔ حقیقت کا علم تو خدا کو ہے، مگر منظر عام پر جو کچھ آیا وہ یہی واقعات تھے۔ ان کی وجہ سے عام طور پر اسلام کے دشمنوں میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ انہوں نے علمائے اسلام کے اعلانات اور اسلامی جرائد اور عمائد ملت کی متفقہ تصریحات کے باوجود اس واقعہ کو اس کی طبعی حدود تک محدود رکھنے کے بجائے تمام امتِ مسلمہ کو بلکہ خود اسلامی تعلیمات کو اس کا ذمہ دار قرار دینا شروع کر دیا اور علانیہ قرآن کریم پر اس قسم کے الزامات عائد کرنے لگے کہ اس کی تعلیم مسلمانوں کو خونخوار و قاتل بناتی ہے، اس کی تعلیم امن وامان اور سلامتی کے خلاف ہے اور اس کی تعلیم نے مسلمانوں کو ایسا متعصب بنا دیا ہے کہ وہ ہر کافر کو گردن زدنی سمجھتے ہیں اور اسے قتل کر کے جنت میں جانے کی امید رکھتے ہیں۔ بعض دریدہ دہنوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ دنیا میں جب تک قرآن کی تعلیم موجود ہے، امن قائم نہیں ہو سکتا، اس لیے تمام عالم انسانی کو اس تعلیم کے مٹانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ان غلط خیالات کی نشر و اشاعت اس کثرت کے ساتھ کی گئی کہ صحیح الخیال لوگوں کی عقلیں بھی چکرا گئیں اور گاندھی جیسے شخص نے، جو ہندو قوم میں سب سے بڑے صائب

الرائے آدمی ہیں، اس سے متاثر ہو کر بتکرار اس خیال کا اظہار کیا کہ۔

"اسلام ایسے ماحول میں پیدا ہوا ہے جس کی فیصلہ کن طاقت پہلے بھی تلوار تھی اور آج بھی تلوار ہے۔"

اگر چہ یہ تمام خیالات کسی تحقیق اور علمی تفحص پر مبنی نہ تھے، بلکہ "طوطی" کی طرح وہی سبق دہرایا جا رہا تھا جو "استادِ ازل" نے سکھا رکھا تھا، مگر ایک غیر معمولی واقعہ نے ان اوہام میں حقیقت کا رنگ پیدا کر دیا تھا جس سے ناواقف لوگ آسانی کے ساتھ دھوکا کھا سکتے تھے۔ چونکہ ایسی عام بدگمانیاں اشاعتِ اسلام کی راہ میں ہمیشہ حائل ہوتی ہیں، اور ایسے ہی مواقع ہوتے ہیں جن میں اسلام کی صحیح تعلیم کو زیادہ صفائی کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ غبار چھنٹ جائے اور آفتابِ حقیقت زیادہ روشنی کے ساتھ طلوع ہو، اس لیے میں نے فرصت کا انتظار چھوڑ کر اپنے اسی قلیل وقت میں جو ترتیب اخبار سے باقی بچتا تھا، پیش نظر مضمون کی تحریر و تسوید کا کام شروع کر دیا اور ساتھ ہی ساتھ اخبار "الجمعیۃ" کے کالموں میں اس کی اشاعت بھی شروع کر دی۔ ابتداءً محض ایک مختصر مضمون لکھنے کا ارادہ تھا مگر سلسلہ کلام چھڑنے کے بعد بحث کے اس قدر گوشے سامنے آتے چلے گئے کہ اخبار کے کالموں میں ان کا سمانا مشکل ہو گیا۔ اس لیے مجبوراً ۲۳۔۲۴ نمبر شائع کرنے کے بعد میں نے اخبار میں اس کی اشاعت بند کر دی اور اب اس پورے سلسلہ کو مکمل کر کے کتابی صورت میں پیش کر رہا ہوں۔"

"میں تمام ان غیر مسلم حضرات سے، جو تعصب کی بناء پر اسلام سے اندھی دشمنی نہیں رکھتے، درخواست کرتا ہوں کہ اس کتاب میں اسلام کی اصلی تعلیمِ جنگ کا مطالعہ کریں اور اس کے بعد بتائیں کہ انہیں اس تعلیم پر کیا اعتراض ہے۔ اگر اس کے بعد بھی کسی شخص کو کچھ شک باقی ہو تو میں اسے رفع کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔" (ص ۱۷۔۱۸)

چھ سو صفحات کی اس کتاب کے سات ابواب ہیں۔ جن کے عنوانات یہ ہیں (۱) اسلامی جہاد کی حقیقت (۲) مدافعانہ جنگ (۳) مصلحانہ جنگ (۴) اشاعتِ اسلام اور

تلوار (۵) اسلامی قوانین صلح و جنگ (۶) جنگ دوسرے مذاہب میں (۷) جنگ تہذیب جدید میں۔

کتاب کے چوتھے باب جس کا عنوان ہے اشاعت اسلام اور تلوار کے آخری ڈھائی صفحات کا عکس پیش کیا جا رہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

الجہاد فی الاسلام

سید ابوالاعلیٰ مودودی

اِدارۂ ترجمان القرآن اِچھرہ۔ لاہور

لگا دے گا۔

اسلام کی اشاعت کا بھی تقریباً یہی حال ہے۔ اگر اسلام صرف چند عقائد کا مجموعہ ہوتا او اللہ کو ایک کہنے، رسالت کو برحق ماننے، یوم آخر اور ملائکہ پر ایمان لانے کے سوا انسان سے وہ کوئی اور مطالبہ نہ کرتا تو شاید شیطانی طاقتوں سے اس کو کچھ زیادہ جھگڑنے کی نوبت نہ آتی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ صرف ایک عقیدہ ہی نہیں بلکہ ایک قانون بھی ہے۔ ایسا قانون جو انسان کی عملی زندگی کو اوامر و نواہی کی بندشوں میں کسنا چاہتا ہے اس لیے اس کا کام صرف پند و موعظت ہی سے نہیں چل سکتا بلکہ اسے نوکِ زبان کے ساتھ نوکِ سنان سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔ اس کے عقائد سے سرکش انسان کو اتنا بُعد نہیں ہے جتنا اس کے قوانین کی پابندی سے انکار ہے۔ وہ چوری کرنا چاہتا ہے اور اسلام اسے ہاتھ کاٹنے کی دھمکی دیتا ہے۔ وہ زنا کرنا چاہتا ہے اور اسلام اسے کوڑوں کی مار کا حکم سناتا ہے۔ وہ سود کھانا چاہتا ہے اور اسلام اس کو فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ کا چیلنج دیتا ہے۔ وہ حرام و حلال کی قیود سے نکل کر نفس کے مطالبات پورے کرنا چاہتا ہے اور اسلام ان قیود سے باہر نفس کے کسی حکم کی پیروی نہیں کرنے دیتا۔ اس لیے نفس پرست انسان کی طبیعت اس سے متنفر ہوتی ہے اور اس کے آئینۂ قلب پر گناہ گاری کا ایسا زنگ چڑھ جاتا ہے کہ اس میں صداقتِ اسلام کے نور کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۳ برس تک عرب کو اسلام کی دعوت دیتے رہے، وعظ و تلقین کا جو مؤثر سے مؤثر انداز ہو سکتا تھا اسے اختیار کیا، مضبوط دلائل دیے، واضح حجتیں پیش کیں، فصاحت و بلاغت اور زورِ خطابت سے دلوں کو گرمایا، اللہ کی جانب سے محیر العقول معجزے دکھائے، اپنے اخلاق اور اپنی پاک زندگی سے نیکی کا بہترین نمونہ پیش کیا اور کوئی ذریعہ ایسا نہ چھوڑا جو حق کے اظہار و اثبات کے لیے مفید ہو سکتا تھا، لیکن آپؐ کی قوم نے آفتاب کی طرح آپؐ کی صداقت کے روشن ہو جانے کے باوجود آپؐ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حق ان کے سامنے خوب ظاہر ہو چکا تھا۔ انھوں نے بِرَأْيِ الْعَيْنِ دیکھ لیا تھا کہ جس راہ کی طرف ان کا ہادی انھیں بلا رہا ہے وہ سیدھی راہ ہے۔ [illegible] انھیں

اس راہ کو اختیار کرنے سے روک رہی تھی کہ ان لذتوں کو چھوڑنا انھیں ناگوار تھا جو کافرانہ بے قیدی کی زندگی میں انھیں حاصل تھیں۔ لیکن جب وعظ و تلقین کی ناکامی کے بعد داعئ اسلام نے ہاتھ میں تلوار لی اور الاکل ماثرۃ اودم اومال یدعی فھو تحت قدمی ھاتین[1] کا اعلان کرکے تمام موروثی امتیازات کا خاتمہ کر دیا، عزت و اقتدار کے تمام رسمی بتوں کو توڑ دیا، ملک میں ایک منظم اور منضبط حکومت قائم کر دی، اخلاقی قوانین کو بزور نافذ کرکے اُس بدکاری و گناہ گاری کی آزادی کو سلب کر لیا جس کی لذتیں ان کو مدہوش کیے ہوئے تھیں اور وہ پُرامن فضا پیدا کر دی جو اخلاقی فضائل اور انسانی محاسن کے نشوونما کے لیے ہمیشہ ضروری ہوا کرتی ہے تو دلوں سے رفتہ رفتہ بدی و شرارت کا زنگ چھوٹنے لگا، طبیعتوں سے فاسد مادّے خود بخود نکل گئے، روحوں کی کثافتیں دُور ہو گئیں اور یہی نہیں کہ آنکھوں سے پردہ ہٹ کر حق کا نور صاف عیاں ہو گیا، بلکہ گردنوں میں وہ سختی اور سروں میں وہ نخوت باقی نہیں رہی جو ظہورِ حق کے بعد انسان کو اس کے آگے جھکنے سے باز رکھتی ہے۔

عرب کی طرح دوسرے ممالک نے بھی جو اسلام کو اِس سرعت سے قبول کیا کہ ایک صدی کے اندر چوتھائی دنیا مسلمان ہو گئی تو اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ اسلام کی تلوار نے ان پردوں کو چاک کر دیا جو دلوں پر پڑے ہوئے تھے، اُس فضا کو صاف کر دیا جس کے اندر کوئی اخلاقی تعلیم پنپ نہیں سکتی، اُن حکومتوں کے تختے الٹ دیے جو حق کی دشمن اور باطل کی پشت پناہ تھیں، اُن بدکاریوں کا استیصال کر دیا جو دلوں کو نیکی و پرہیزگاری سے دور رکھتی ہیں، اُن عادلانہ اخلاقی قوانین کو نافذ کیا جو آدمی کو حیوانیت کے درجہ سے نکال کر انسان بنا دیتے ہیں اور پھر اسلام کو عملی پیکر میں پیش کرکے دنیا پر ثابت کر دیا کہ انسان کی اخلاقی و مادّی اور روحانی ترقی کے لیے اس سے بہتر کوئی اور دستورِ عمل نہیں ہو سکتا۔ پس جس طرح

---

[1] یعنی ہر موروثی امتیاز، ہر خون کا دعویٰ (جس کی بنا پر ایک قبیلہ یا خاندان دوسرے قبیلے یا خاندان سے انتقام لینے کا مدّعی ہو) اور ہر مال کا دعوٰے (جو پرانی جاہلیت کے غلط رواجوں پر قائم ہو) [illegible] نہیں)۔

۱۷۵

یہ کہنا غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے لوگوں کو مسلمان بناتا ہے، اسی طرح یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اسلام کی اشاعت میں تلوار کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ حقیقت ان دونوں کے درمیان ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلام کی اشاعت میں تبلیغ اور تلوار دونوں کا حصہ ہے، جس طرح ہر تہذیب کے قیام میں ہوتا ہے۔ تبلیغ کا کام تخم ریزی ہے اور تلوار کا کام قلبہ رانی۔ پہلے تلوار زمین کو نرم کرتی ہے تاکہ اس میں بیج کو پرورش کرنے کی قابلیت پیدا ہو جائے، پھر تبلیغ بیج ڈال کر آبپاشی کرتی ہے تاکہ وہ پھل حاصل ہو جو اس باغبانی کا مقصودِ حقیقی ہے۔ ہم کو دنیا کی پوری تاریخ میں کسی ایسی تہذیب کا نشان نہیں ملتا جس کے قیام میں ان دونوں عناصر کا حصہ نہ ہو۔ تہذیب کی کسی خاص شکل کا کیا ذکر ہے، خود تہذیب کا قیام ہی اس وقت تک ناممکن ہے جب تک قلبہ رانی اور تخم پاشی کے یہ دونوں عمل اپنا اپنا حصہ ادا نہ کریں۔ کوئی شخص جو انسانی فطرت کا رمز شناس ہے اس حقیقت سے ناآشنا نہیں ہے کہ جماعتوں کی ذہنی و اخلاقی اصلاح کے سلسلہ میں ایک وقت ایسا ضرور آتا ہے جب کہ قلب و روح کو خطاب کرنے سے پہلے جسم و جان کو خطاب کرنا پڑتا ہے۔

قارئین کرام الجہاد فی الاسلام کے ڈھائی صفحات کا عکس آپ نے ملاحظہ فرمایا، اس کے درج ذیل الفاظ پر دوبارہ غور فرمائیں کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۳ برس تک عرب کو اسلام کی دعوت دیتے رہے، وعظ و تلقین کا جو موثر سے موثر انداز ہو سکتا تھا اسے اختیار کیا، مضبوط دلائل دیے، واضح حجتیں پیش کیں، فصاحت و بلاغت اور زورِ خطابت سے دلوں کو گرمایا، اللہ کی جانب سے محیر العقول معجزے دکھائے، اپنے اخلاق اور اپنی پاک زندگی سے نیکی کا بہترین نمونہ پیش کیا اور کوئی ذریعہ ایسا نہ چھوڑا جو حق کے اظہار و اثبات کے لیے مفید ہو سکتا تھا، لیکن آپ کی قوم نے آفتاب کی طرح آپ کی صداقت کے روشن ہو جانے کے باوجود آپ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حق ان کے سامنے خوب ظاہر ہو چکا تھا۔ انہوں نے برای العین دیکھ لیا تھا کہ جس راہ کی طرف ان کا ہادی انہیں بلا رہا ہے وہ سیدھی راہ ہے۔ اس کے باوجود صرف یہ چیز انہیں اس راہ کو اختیار کرنے سے روک رہی تھی کہ ان لذتوں کو چھوڑنا انہیں ناگوار تھا جو کافرانہ بے قیدی کی زندگی میں انہیں حاصل تھیں۔ لیکن جب وعظ و تلقین کی ناکامی کے بعد داعی اسلام نے ہاتھ میں تلوار لی اور الاکل ماثرۃ او دم او مال یدعی فھو تحت قدمی ھاتین (۱) کا اعلان کر کے تمام موروثی امتیازات کا خاتمہ کر دیا، عزت و اقتدار کے تمام رسمی بتوں کو توڑ دیا، ملک میں ایک منظم اور منضبط حکومت قائم کر دی، اخلاقی قوانین کو بزور نافذ کر کے اس بدکاری و گناہ گاری کی آزادی کو سلب کر لیا

ا۔ یعنی ہر موروثی امتیاز، ہر خون کا دعویٰ (جس کی بنا پر ایک قبیلہ یا خاندان دوسرے قبیلے یا خاندان سے انتقام لینے کا مدعی ہو) اور ہر مال کا دعویٰ (جو پرانی جاہلیت کے غلط رواجوں پر قائم ہو) میرے ان قدموں کے نیچے ہے (یعنی اس کے لیے سر اٹھانے کا اب کوئی موقع نہیں۔)

جس کی لذتیں ان کو مدہوش کیے ہوئے تھیں اور وہ پُر امن فضا پیدا کردی جو اخلاقی فضائل اور انسانی محاسن کے نشوونما کے لیے ہمیشہ ضروری ہوا کرتی ہے تو دلوں سے رفتہ رفتہ بدی و شرارت کا زنگ چھوٹنے لگا، طبیعتوں سے فاسد مادے خود بخود نکل گئے، روحوں کی کثافتیں دور ہوگئیں اور یہی نہیں کہ آنکھوں سے پردہ ہٹ کر حق کا نور صاف عیاں ہوگیا، بلکہ گردنوں میں وہ سختی اور سروں میں وہ نخوت باقی نہیں رہی جو ظہور حق کے بعد انسان کو اس کے آگے جھکنے سے باز رکھتی ہے۔

''عرب کی طرح دوسرے ممالک نے بھی جو اسلام کو اس سرعت سے قبول کیا کہ ایک صدی کے اندر چوتھائی دنیا مسلمان ہوگئی تو اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ اسلام کی تلوار نے ان پردوں کو چاک کردیا جو دلوں پر پڑے ہوئے تھے۔''

کیا مودودی مرحوم نے یہاں تلوار کو فیصلہ کن طاقت کے طور پر پیش نہیں فرمایا؟ تبلیغ کے بارے میں تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ موثر سے موثر طریقہ اس کے لیے اختیار کیا گیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے محیر العقول معجزے دکھانے کے باوجود وعظ و تلقین ناکام رہی اور اسلام کی تبلیغ ان پردوں کو چاک نہ کرسکی جو دلوں پر پڑے ہوئے تھے۔ آخر اسلام کی تلوار نے ان کو چاک کیا۔

یہاں مرحوم مودودی صاحب کے وہ الفاظ ایک مرتبہ پھر پڑھ لیں جن میں انہوں نے کہا ہے کہ جہاد کے بارے میں ''غلط خیالات کی نشر و اشاعت اس کثرت کے ساتھ کی گئی کہ صحیح الخیال لوگوں کی عقلیں بھی چکرا گئیں اور گاندھی جیسے شخص نے جو ہندو قوم میں سب سے بڑے صاحب الرائے آدمی ہیں، اس سے متاثر ہو کر بتکرار اس خیال کا اظہار کیا کہ:

''اسلام ایسے ماحول میں پیدا ہوا ہے جس کی فیصلہ کن طاقت پہلے بھی تلوار تھی اور آج بھی تلوار ہے۔''

اب اس کا فیصلہ اہل نظر قارئین کو کرنا چاہیے کہ مودودی صاحب کے الفاظ ''لیکن جب وعظ و تلقین کی ناکامی کے بعد داعی اسلام نے ہاتھ میں تلوار لی'' سے گاندھی کے خیال کی تردید ہوتی ہے یا تائید؟''

مودودی صاحب کی کتاب تفہیمات جلد اول میں جہاد فی سبیل اللہ پر ایک تقریر

الجہاد فی الاسلام کے مصنف کی ایک تقریر بعنوان جہاد فی سبیل اللہ جو ۱۳۔ اپریل ۱۹۳۹ء کو یوم اقبال کے موقع پر ٹاؤن ہال لاہور میں کی گئی تھی۔ مصنف کی کتاب تفہیمات جلد اول میں مسلسل شائع ہو رہی ہے، اس وقت میرے پیش نظر کتاب کا ایڈیشن اکتوبر ۲۰۰۰ء ہے۔ اس کے صفحہ ۴۷، جہاں سے تقریر کا آغاز ہو رہا ہے اور صفحہ ۹۱ کا عکس پیش کیا جا رہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

بعض معرکۃ الآرا مسائل اسلامی کی تشریح و توضیح

سید ابوالاعلیٰ مودودی

اسلامک پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
۱۳-ای شاہ عالم مارکیٹ، لاہور (پاکستان)

جہاد فی سبیل اللہ

عموماً لفظ "جہاد" کا ترجمہ انگریزی زبان میں (Holy War) "مقدس جنگ" کیا جاتا ہے اور اس کی تشریح و تفسیر مدتہائے دراز سے کچھ اس انداز میں کی جاتی رہی ہے کہ اب یہ لفظ "جوشِ جنون" کا ہم معنی ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کے سنتے ہی آدمی کی آنکھوں میں کچھ اس طرح کا نقشہ پھرنے لگتا ہے کہ مذہبی دیوانوں کا ایک گروہ ننگی تلواریں ہاتھ میں لیے۔ ڈاڑھیاں چڑھائے، خونخوار آنکھوں کے ساتھ اللہ اکبر کے نعرے لگاتا ہوا چلا آرہا ہے، جہاں کسی کافر کو پاتا ہے پکڑ لیتا ہے اور تلوار اس کی گردن پر رکھ کر کہتا ہے کہ بول لا الٰہ الا اللہ ورنہ ابھی سر تن سے جدا کر دیا جاتا ہے۔ ماہرین نے ہماری یہ تصویر بڑی فنکاریوں کے ساتھ بنائی ہے اور اس کے نیچے موٹے حرفوں میں لکھ دیا ہے کہ

بوٗ تے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے

لطف یہ ہے کہ اس تصویر کے بنانے والے ہمارے وہ مہربان ہیں جو خود کئی صدیوں سے انتہا درجہ کی غیر مقدس جنگ (UNHOLY WAR) میں مشغول ہیں۔ ان کی اپنی تصویر یہ ہے کہ دولت و اقتدار کے بھوکے ہر قسم کے اسلحہ سے مسلح ہو کر قزاقوں کی طرح ساری دنیا پر پل پڑتے ہیں اور ہر طرف تجارت کی منڈیاں، خام پیداوار کے ذخیرے، نو آبادیاں بسانے کے قابل زمینیں اور معدنیات کی کانیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں تاکہ اپنے نفس کی کبھی نہ بجھنے والی آگ کے لیے ایندھن فراہم کریں۔ ان کی جنگ خدا کی راہ میں نہیں بلکہ پیٹ کی راہ میں ہے، ہوس اور نفسِ امارہ کی راہ میں ہے۔ ان کے نزدیک کسی قوم پر حملہ کرنے کے لیے بس یہ کافی وجہِ جواز ہے کہ

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۔ (النساء: ۷۵) مانگتے ہیں کہ خدایا ہمیں اس بستی سے نکال جس کے کارفرما ظالم ہیں۔

علاوہ بریں قومی وملکی تقسیمات کے باوجود انسانی تعلقات و روابط کچھ ایسی عالمگیری اپنے اندر رکھتے ہیں کہ کوئی ایک مملکت اپنے اصول ومسلک کے مطابق پوری طرح عمل نہیں کرسکتی جب تک کہ ہمسایہ ممالک میں بھی وہی اصول ومسلک رائج نہ ہو جائے۔ لہٰذا مسلم پارٹی کے لیے اصلاحِ عمومی اور تحفظِ خودی، دونوں کی خاطر یہ ناگزیر ہے کہ کسی ایک خطہ میں اسلامی نظام کی حکومت قائم کرنے پر اکتفا نہ کرے بلکہ جہاں تک اس کی قوتیں ساتھ دیں، اس نظام کو تمام اطرافِ عالم میں وسیع کرنے کی کوشش کرے وہ ایک طرف اپنے افکار ونظریات کو دنیا میں پھیلائے گی اور تمام ممالک کے باشندوں کو دعوت دیگی کہ اس مسلک کو قبول کریں جس میں ان کے لیے حقیقی فلاح مضمر ہے۔ دوسری طرف اگر اس میں طاقت ہو گی تو وہ لڑ کر غیر اسلامی حکومتوں کو مٹا دے گی اور ان کی جگہ اسلامی حکومت قائم کریگی۔

یہی پالیسی تھی جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد خلفائے راشدین نے عمل کیا۔ عرب، جہاں مسلم پارٹی پیدا ہوئی تھی، سب سے پہلے اسی کو اسلامی حکومت کے زیر نگیں کیا گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف کے ممالک کو اپنے اصول ومسلک کی طرف دعوت دی، مگر اس کا انتظار نہ کیا کہ یہ دعوت قبول کی جاتی ہے یا نہیں، بلکہ قوت حاصل کرتے ہی رومی سلطنت سے تصادم شروع کر دیا۔ آنحضرت کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ پارٹی کے لیڈر ہوئے تو انہوں نے روم اور ایران دونوں کی غیر اسلامی حکومت پر حملہ کر دیا اور پھر حضرت عمرؓ نے اس حملہ کو کامیابی کے آخری مراحل تک پہنچا دیا۔ مصر وشام اور روم وایران کے عوام اول اول اس کو عرب کی امپیریلیسٹ پالیسی سمجھے۔ انہوں نے خیال کیا کہ جس طرح پہلے ایک قوم دوسری قوموں کو غلام بنانے کے لیے نکلا کرتی تھی اسی طرح اب بھی ایک قوم اسی غرض کے لیے نکلی ہے۔ اس غلط فہمی کی بنا پر لوگ قیصر وکسریٰ کے جھنڈے

تفہیمات جلد اول کی مذکورہ تقریر الگ پمفلٹ بعنوان ''جہاد فی سبیل اللہ'' میں

یہی تقریر جہاد فی سبیل اللہ کے عنوان سے پمفلٹ کی شکل میں الگ شائع کی جارہی ہے، میرے پیش نظر اس کا ایڈیشن دسمبر ۲۰۰۱ء ہے، اس کا صفحہ نمبر ۳ جہاں سے تقریر کا آغاز ہورہا ہے اور صفحہ نمبر ۲۴ تا ۲۶ کا عکس پیش کیا جارہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

جہادِ فی سبیل اللہ

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

6-کورٹ سٹریٹ، لوئر مال روڈ، لاہور

3

جہاد فی سبیل اللہ

(یہ ایک تقریر ہے جو ۱۳ اپریل ۱۹۳۹ء کو یوم اقبال کے موقع پر ٹاؤن ہال لاہور میں کی گئی تھی)

عموماً لفظ "جہاد" کا ترجمہ انگریزی زبان میں (Holy War) "مقدس جنگ" کیا جاتا ہے، اور اس کی تشریح و تفسیر مدتہائے دراز سے کچھ اس انداز میں کی جاتی رہی ہے کہ اب یہ لفظ "جوشِ جنوں" کا ہم معنی ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کو سنتے ہی آدمی کی آنکھوں میں کچھ اس طرح کا نقشہ پھرنے لگتا ہے کہ مذہبی دیوانوں کا ایک گروہ ننگی تلواریں ہاتھ میں لیے، ڈاڑھیاں چڑھائے، خونخوار آنکھوں کے ساتھ اللہ اکبر کے نعرے لگاتا ہوا چلا آرہا ہے۔ جہاں کسی کافر کو دیکھ پاتا ہے پکڑ لیتا ہے اور تلوار اس کی گردن پر رکھ کر کہتا ہے کہ بول لا الٰہ الا اللہ ورنہ ابھی سر تن سے جدا کر دیا جاتا ہے۔ ماہرین نے ہماری یہ تصویر بڑی قلم کاریوں کے ساتھ بنائی ہے اور اس کے نیچے موٹے حرفوں میں لکھ دیا ہے کہ:

؎ بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے

لطف یہ ہے کہ اس تصویر کے بنانے والے ہمارے وہ مہربان ہیں جو خود کئی صدیوں سے انتہا درجہ کی غیر مقدس جنگ (Unholy War) میں مشغول ہیں۔ ان کی اپنی تصویر یہ ہے کہ دولت اور اقتدار کے بھوکے ہر قسم کے اسلحہ سے مسلح ہو کر قزاقوں کی طرح ساری دنیا پر پل پڑے ہیں اور ہر طرف تجارت کی منڈیاں، خام پیداوار کے ذخیرے، نو آبادیاں بسانے کے قابل

عالمگیر انقلاب

اس بحث سے آپ پر یہ بات واضح ہو گئی ہو گی کہ اسلامی جہاد کا مقصود (Objective) غیر اسلامی نظام کی حکومت کا مٹا کر اسلامی حکومت قائم کرنا ہے اسلام یہ انقلاب صرف ایک ملک یا چند ملکوں میں نہیں بلکہ تمام دنیا میں برپا کرنا چاہتا ہے۔ اگر چہ ابتداءً مسلم پارٹی کے ارکان کا فرض یہی ہے کہ جہاں جہاں وہ رہتے ہوں وہاں کے نظام حکومت میں انقلاب پیدا کریں لیکن ان کی آخری منزل مقصود ایک عالمگیر انقلاب *(World Revolution)* کے سوا کچھ نہیں ہے کوئی انقلابی مسلک جو قومیت کے بجائے انسانیت کی فلاح کے اصول لے کر بیٹھا ہو، اپنے انقلابی مطمح نظر کو کبھی ایک ملک یا ایک قوم کے دائرے میں محدود نہیں کر سکتا۔ بلکہ وہ اپنی فطرت کے عین اقتضاء ہی سے مجبور ہے کہ عالمگیر انقلاب کو اپنا مطمح نظر بنائے۔ حق جغرافی حدود کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔ اس کا مطالبہ یہ ہے کہ میں اگر کسی پہاڑ یا دریا کے اس پار حق ہوں تو اس پار بھی حق ہی ہوں۔ نوع انسانی کے کسی حصہ کو بھی مجھ سے محروم نہ رہنا چاہیے انسان جہاں بھی ظلم و ستم کا اور افراط و تفریط کا تختۂ مشق دبنا ہوا ہے وہاں اس کی مدد کے لیے پہنچنا میرا فرض ہے اسی تخیل کو قران ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا۔ (النساء:۷۵)

"تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم خدا کی راہ میں ان مردوں، عورتوں اور بچوں کے لیے نہیں لڑتے جنہیں کمزور پا کر دبا لیا گیا ہے اور جو دعائیں مانگتے ہیں کہ خدایا ہمیں اس بستی سے نکال جس کے کار فرما ظالم ہیں۔"

علاوہ بریں قومی اور ملکی تقسیمات کے باوجود انسانی تعلقات و روابط کچھ ایسی عالمگیری اپنے اندر رکھتے ہیں کہ کوئی ایک مملکت اپنے اصول و مسلک کے مطابق پوری طرح عمل نہیں کر سکتی جب تک کہ ہمسایہ ممالک میں بھی وہی اصول و مسلک رائج نہ ہو جائے۔ لہٰذا مسلم پارٹی کے لیے اصلاح عمومی اور تحفظِ خودی دونوں کی خاطر یہ ناگزیر ہے کہ کسی ایک خطہ میں اسلامی نظام کی حکومت قائم کرنے پر اکتفانہ کرے۔ بلکہ جہاں تک اس کی قوتیں ساتھ دیں اس نظام کو تمام اطراف میں وسیع کرنے کی کوشش کرے۔ وہ ایک طرف اپنے افکار و نظریات کو دنیا میں پھیلائے گی اور تمام ممالک کے باشندوں کو دعوت دے گی کہ اس مسلک کو قبول کریں جس میں ان کے لیے حقیقی فلاح مضمر ہے۔ دوسری طرف اگر اس میں طاقت ہو گی تو وہ لڑ کر غیر اسلامی حکومتوں کو مٹا دے گی اور ان کی جگہ اسلامی حکومت قائم کرے گی۔

یہی پالیسی تھی جس پر رسول اللہ ﷺ نے اور آپؐ کے بعد خلفائے راشدین نے عمل کیا۔ عرب، جہاں مسلم پارٹی پیدا ہوئی تھی۔ سب سے پہلے اسی کو اسلامی حکومت کے زیر نگیں کیا گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اطراف کے ممالک کو اپنے اصول و مسلک کی طرف دعوت دی۔ پھر جب ان کے برسر اقتدار لوگوں نے اس دعوتِ اصلاح کو رد کر دیا تو آپؐ نے ان کے خلاف جنگی کاروائی کا تہیہ کر لیا۔ غزوۂ تبوک اسی سلسلہ کی ابتداء تھی۔

آنحضرتؐ کے بعد جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پارٹی کے لیڈر ہوئے تو انہوں نے رُوم اور ایران دونوں کی غیر اسلامی حکومتوں پر حملہ کیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے اس حملے کو کامیابی کے آخری مراحل تک پہنچادیا۔ مصر و شام اور روم و ایران کے عوام اوّل اوّل اس کو عرب قوم کی امپیریلسٹ پالیسی سمجھے۔ انہوں نے خیال کیا کہ جس طرح پہلے ایک قوم دوسری قوم کو غلام بنانے کے لیے نکلا کرتی تھی اسی طرح اب بھی ایک قوم اُسی غرض کے لیے نکلی ہے۔ اس غلط فہمی کی بنا پر یہ لوگ قیصر و کسریٰ کے جھنڈے تلے مسلمانوں سے لڑنے کے لیے نکلے۔ مگر جب ان پر مسلم پارٹی کے انقلابی مسلک کا حال کھلا، اور جب انہیں معلوم ہوا کہ یہ جفاکارانہ قوم پرستی (Aggressive Nationalism) کے علمبردار نہیں ہیں۔ بلکہ قومی اغراض سے پاک ہیں، اور محض ایک عادلانہ نظام قائم کرنے آئے ہیں، اور ان کا مقصد در حقیقت ان ظالم طبقوں کی خداوندی کو ختم کرنا ہے جو قیصریت و کسرویت کی پناہ میں ہم کو تباہ و برباد کر رہے ہیں، تو ان کی اخلاقی ہمدردیاں مسلم پارٹی کی طرف جھک گئیں۔ وہ قیصر و کسریٰ کے جھنڈے سے الگ ہوتے چلے گئے۔ اور اگر مارے باندھے سے فوج میں بھرتی ہو کر لڑنے آئے بھی تو بے دلی سے لڑے۔ یہی سبب ہے ان حیرت انگیز فتوحات کا جو ابتدائی دَور میں مسلمانوں کو حاصل ہوئیں، اور یہی سبب ہے اس کا کہ اسلامی حکومت قائم ہونے کے بعد جب ان ممالک کے باشندوں نے اسلامی نظامِ اجتماعی کو عملاً کام کرتے ہوئے دیکھا تو وہ خود اس بین الاقوامی پارٹی میں شریک ہوتے چلے گئے اور خود اس مسلک کے علمبردار بن کر آگے بڑھے تاکہ دوسرے ملکوں میں بھی اس کو پھیلادیں۔

جہاد فی سبیل اللہ کے متعلق تفہیمات جلد اول میں بیان کی گئی رسول اللہ اور خلفائے راشدینؓ کی پالیسی

اب تفہیمات جلد اول کے صفحہ ۹۱ کی درج ذیل عبارت دوبارہ مطالعہ فرمائیں۔

''یہی پالیسی تھی جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد خلفائے راشدین نے عمل کیا۔ عرب، جہاں مسلم پارٹی پیدا ہوئی تھی، سب سے پہلے اسی کو اسلامی حکومت کے زیر نگیں کیا گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف کے ممالک کو اپنے اصول و مسلک کی طرف دعوت دی، مگر اس کا انتظار نہ کیا کہ یہ دعوت قبول کی جاتی ہے یا نہیں، بلکہ قوت حاصل کرتے ہی رومی سلطنت سے تصادم شروع کر دیا۔ آنحضرت کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ پارٹی کے لیڈر ہوئے تو انہوں نے روم اور ایران دونوں کی غیر اسلامی حکومت پر حملہ کر دیا اور پھر حضرت عمرؓ نے اس حملہ کو کامیابی کے آخری مراحل تک پہنچا دیا۔''

اس عبارت کو پمفلٹ بعنوان جہاد فی سبیل اللہ کے صفحات ۲۵ اور ۲۶ پر درج ذیل عبارت سے بدل دیا گیا ہے۔

پمفلٹ جہاد فی سبیل اللہ میں بیان کی گئی رسول اللہؐ اور خلفائے راشدین کی پالیسی

''یہی پالیسی تھی جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپؐ کے بعد خلفائے راشدین نے عمل کیا۔ عرب، جہاں مسلم پارٹی پیدا ہوئی تھی۔ سب سے پہلے اسی کو اسلامی حکومت کے زیر نگیں کیا گیا۔ اس کے بعد رسول اللہؐ نے اطراف کے ممالک کو اپنے اصول و مسلک کی طرف دعوت دی۔ پھر جب ان کے برسر اقتدار لوگوں نے اس دعوتِ اصلاح کو رد کر دیا تو آپؐ نے ان کے خلاف جنگی کارروائی کا تہیہ کر لیا۔ غزوہ تبوک اسی سلسلہ کی ابتداء تھی۔ آنحضرتؐ کے بعد جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پارٹی کے لیڈر ہوئے تو انہوں نے روم اور ایران دونوں کی غیر اسلامی حکومتوں پر حملہ کیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے اس حملے کو کامیابی کے آخری مراحل تک پہنچا دیا۔''

اس تبدیلی کی ضرورت کا احساس کب ہوا؟ اور کس نے یہ تبدیلی کی ہے؟ اس کا جواب فراہم کرنا مذکورہ کتاب اور پمفلٹ شائع کرنے والے ادارہ ہی کی ذمہ داری ہے۔

الجہاد فی الاسلام اور اسیران جنگ کو غلام اور لونڈیاں بنانے کی اجازت

اسیران جنگ کے بارے میں قرآن حکیم کی سورۃ محمد میں صاف طور پر کہا گیا ہے کہ ان کو غلام نہیں بنایا جا سکتا، آزاد کرنے کی دو صورتیں بیان کی گئی ہیں، احساناً یا فدیہ لے کر۔ مودودی مرحوم نے اس مسئلہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، ان کے نزدیک ''اسلام نے اسیران جنگ کو لونڈی غلام بنا کر رکھنے کی اجازت دی ہے، اس کے لیے ان کی مذکورہ کتاب الجہاد فی الاسلام کے صفحات ۲۵۳، ۲۵۴ اور ۲۵۵ کا عکس پیش کیا جارہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

الجہاد فی الاسلام

سید ابو الاعلیٰ مودودی

اِدارۂ ترجمان القرآن، اچھرہ۔ لاہور

غلامی کا مسئلہ

اس سلسلہ میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام نے اسیرانِ جنگ کو لونڈی غلام بنا کر رکھنے کی جو اجازت دی ہے اور جنگ میں پکڑی ہوئی عورتوں کے ساتھ تمتع کو جائز رکھا ہے اس کی کیا اصلیت ہے؟ اور اگر یہ مسئلہ فی الواقع اسلام میں موجود ہے تو یہ کہاں تک اُس اسپرٹ کے مطابق ہے جو اسیرانِ جنگ کے متعلق فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً کے قانون میں پیش کی گئی ہے؟ معترضین نے اس سوال کو جس رنگ میں پیش کیا ہے اور اسلام کے بعض وکیلوں نے اس کا جو جواب دیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں نے مسئلہ کی حقیقت اور اس کے مالہٗ وما علیہ پر پوری طرح غور نہیں کیا۔ یہ واقعہ ہے کہ اسلام میں "سبی" (یعنی اسیرانِ جنگ کو غلام بنانے) کا قاعدہ موجود ہے اور یہ بھی واقعہ ہے کہ سبایا کو غلام بنا کر رکھنے اور لونڈیوں سے تمتع کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ لیکن اس کی علت اور اصلیت کو سمجھنے کے لیے چند مقدمات کو ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔

اولاً، اُس عہد میں اسیرانِ جنگ کے تبادلہ کا دستور نہ تھا۔ جب مسلمانوں کے آدمی دوسری قوموں کے پاس قید ہوتے تو غلام بنا کر رکھ لیے جاتے تھے۔ لہٰذا مسلمانوں کے لیے بھی اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ دشمن قوموں کے جو لوگ گرفتار ہو کر آئیں انھیں وہ غلام بنا کر رکھ لیں۔ تاہم جہاں کہیں تبادلہ کا موقع آیا ہے مسلمانوں نے اس کو خوشی کے ساتھ منظور کیا ہے۔ فتح الباری میں علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ "اگر مسلمانوں کے پاس مشرکین کے قیدی ہوتے اور مشرکین کے پاس مسلمانوں کے قیدی ہوتے اور وہ اپنے اپنے قیدیوں کو چھڑانے پر اتفاق ہو جاتا تو اس کا بندوبست کر لیا جاتا تھا۔"[1] امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ اگر دشمن مسلمان اسیروں سے اپنے اسیروں کا تبادلہ کرنے پر راضی ہو تو تبادلہ کر لینا چاہیے۔[2] خود رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے تبادلۂ اُساریٰ کا ثبوت ملتا ہے۔ مسلمؒ، ابو داؤدؒ اور ترمذیؒ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت

---

[1] ج ۶۔ ص ۱۰۱۔

[2] فتح القدیر، ج ۴، ص ۳۰۶

صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مسلمانوں کے بدلہ میں ایک دفعہ مشرکین کے ایک آدمی کو رہا کیا۔ ایک اور موقع پر آپ نے ایک گرفتار شدہ لڑکی اہلِ مکہ کو دے کر ان سے دو مسلمان رہا کرائے۔

ثانیاً، بعض اوقات لڑائیوں میں ایک شہر کے مردوں کا اکثر حصہ کام آجاتا تھا، بلکہ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ ایک بستی کے تمام ہتھیار اٹھانے کے قابل آدمی قتل ہو جاتے تھے۔ ایسی حالت میں لاوارث عورتوں اور بچوں کی پرورش کا انتظام اس کے سوا اور کسی صورت سے نہ ہو سکتا تھا کہ خود فاتح قوم اس کی ذمہ داری اپنے سر لے۔ اور جب یہ کام فاتحین ہی کو کرنا تھا تو عورتوں کی حفاظت اور سوسائٹی میں ان کی وقعت قائم رکھنے کے لیے اس سے بہتر صورت اور کیا ہو سکتی تھی کہ مسلمان مردوں کو ان سے ازدواجی تعلق قائم کرنے کی اجازت دے دی جاتی۔[1] اس

---

[1] جنگ میں جو عورتیں اسلامی فوج کے قبضہ میں آئیں ان کے بارے میں اسلامی قانون کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) جب تک حکومت یہ فیصلہ نہ کرلے کہ آیا ان کو فدیہ لے کر چھوڑنا ہے یا اُنھیں مبادلہ میں دینا ہے یا لونڈیاں بنا کر فوج میں تقسیم کر دینا ہے، اُس وقت تک وہ حراست میں رہیں گی۔ اس دوران میں کوئی سپاہی اگر ان میں سے کسی عورت کے ساتھ شہوانی تعلق قائم کرے تو یہ زنا ہے۔ جس کی وہی سزا اسے دی جائے گی جو اسلام میں زنا کے لیے مقرر ہے۔

(۲) جب حکومت یہ فیصلہ کرلے گی کہ ان کو لونڈیاں بنانا ہے تو وہ انھیں باقاعدہ تقسیم کرے گی اور قانونی طور پر ایک ایک عورت کو ایک ایک شخص کی ملکیت میں دے گی۔

(۳) اس طرح جو عورت کسی شخص کی مِلک میں دی جائے اس کے ساتھ اس کا مالک اُس وقت تک مباشرت کرنے کا حق نہیں رکھتا جب تک اسے ایک مرتبہ ایامِ ماہواری نہ آجائیں یا اگر وہ حاملہ ہو تو اس کا وضع حمل نہ ہو جائے۔ اس سے پہلے مباشرت کرنا حرام ہے۔

(۴) اُس عورت کے ساتھ مباشرت کرنے کا حق صرف اسی شخص کو ہوگا جس کی مِلک میں وہ دی گئی ہو۔ کوئی دوسرا آدمی اگر اسے ہاتھ لگائے گا تو وہ زنا کا مجرم ہوگا جس کی سزا اسلام میں جو کچھ ہے سب جانتے ہیں۔

(۵) کوئی سپاہی مذکورۂ بالا قاعدہ کے سوا اگر کسی دوسری صورت سے دارالحرب میں دشمن قوم کی عورتوں کے ساتھ شہوت رانی کرے گا تو وہ مجرم ہوگا اور اس کی سزا پائے گا۔

(م) (م)

تفسیر انوار النجف اور اسیران جنگ

اس سلسلہ میں شیعہ مسلک کی مشہور تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف جو علامہ حسین بخش جاڑا (ضلع ڈیرہ اسماعیل خان) کی تالیف ہے، سے سورۃ محمد کی آیت نمبر ۴ کی تفسیر کا عکس بھی پیش خدمت ہے۔ تاکہ قارئین کو اس بارے میں شیعہ مسلک سے بھی آگاہی حاصل ہو جائے۔

اشاعت سوم ۱۹۹۲ء حقوق الطبع محفوظ ہ

شیعیان پاکستان خصوصاً ذاکرین و واعظین کے لئے نادر پیش کش

المجلد الثالث عشر (۱۳)

من تفسیر

انوار النجف

فی

اسرار المصحف

از قلم حقیقت رقم

حجۃ الاسلام والمسلمین آیۃ اللہ علامہ حسین بخش جاڑا مجتہد العصر

بانی ــــــــ جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

ناشر مکتبہ انوار النجف دریا خان ضلع بھکر

رجسٹریشن ۴۲/۴

ہدیہ ۷۵/ روپے

يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ④ فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ

خدا بیان کرتا ہے لوگوں کے لئے مثالیں — پس جب تم ملاقات کرو (جنگ میں) کافروں سے پس ان کی

الرِّقَابِ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً

گردنیں اڑاؤ یہاں تک کہ جب ان پر غالب آجاؤ تو ان کو مضبوط طور پر قیدی کر لو پھر یا تو احسان کرکے چھوڑ دیا فدیہ قبول کرکے رہا

حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۚ ذٰلِكَ ۛ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ

کر دیہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے (بند ہو جائے) یہ بات (یاد رکھو) اور اگر اللہ چاہتا تو خود ان سے انتقام لے لیتا لیکن (وہ چاہتا

لِّيَبْلُوَا۟ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ⑤

ہے) کہ تمہیں بعض کو بعض سے آزمائے اور جو لوگ قتل کئے گئے اللہ کی راہ میں تو ان کے اعمال کو ہرگز وہ ضائع نہ کرے گا

بعد گردوش ہو گیا تو خدا نے ان کا نور سلب کر لیا اور ان کو ایسی تاریکیوں میں چھوڑا کہ کچھ نہیں دیکھ پاتے وہ گونگے بہرے اور اندھے ہیں کہ نہیں رجوع کرتے۔

بالھم۔ بال کا معنی دل بھی ہوتا ہے اور اس کا معنی حال اور شان بھی ہوتا ہے اور یہاں دوسرا معنی مراد ہے۔ اور اس کی جمع کبھی نہیں آتی۔

اَثْخَنْتُمُوْهُمْ۔ اثخان زیادہ قتل کرنا دشمن کو زیر کرنا اور ان پر شدت کرنا۔ اس جگہ مقصد یہ ہے کہ تم جب سختی اور زیادہ قتل کی وجہ سے دشمن پر غالب آجاؤ اور ان کو زیر کر لو کر وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائیں تو ان کو اپنی قید و گرفت میں لے لو۔

فَاِمَّا مَنًّا۔ یہاں مَنًّا اور فِدَاءً مفعول مطلق ہیں۔ اور ان کا عامل وجوبا محذوف ہے۔ یعنی تَمُنُّوْنَ مَنًّا اور تُفْدُوْنَ فِدَاءً قاعدہ یہ ہے کہ جہاں مفعول مطلق جملہ سابقہ کے مضمون کی تفصیل واقع ہو وہاں اس کا عامل وجوبا محذوف ہوا کرتا ہے۔ اور کفار قیدیوں کے متعلق آئمہ طاہرین علیہم السلام کی جانب سے ہدایت اس طرح وارد ہے کہ قیدیوں کی دو قسمیں ہیں (۱) ایک وہ جو لڑائی کے دوران گرفتار ہوں ان کے متعلق امام کو اختیار ہے کہ ان کو قتل کر دے یا ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے یعنی دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں یا اس کا عکس اور ان کو چھوڑ دے کہ آخر مر جائیں۔ اور اس صورت میں نہ من جائز ہے اور نہ فدا جائز ہے (۲) دوسرے وہ قیدی جو جنگ ختم ہو جانے کے بعد گرفتار کئے جائیں تو ان میں امام کو اختیار ہے کہ من کرے یعنی ازراہ احسان ان کو چھوڑ دے یا فداء قبول کرے۔ یعنی مال یا مسلمان قیدیوں کے بدلے میں چھوڑ دے یا ان کو غلام بنا کر رکھے یا ان کو قتل کر دے۔ پس من و فدا یا استرقاق و قتل میں سے امام جو حکم دے اس کی اطاعت ضروری ہے۔

اَوْزَارَهَا۔ یہ وزر کی جمع ہے جس کا معنی ہے بوجھ اور اس جگہ آلات جنگ مراد ہیں۔

الکتب پر قرآن کے مہیمن ہونے کا مفہوم؟

اس مرحلہ پر مرحوم مودودی صاحب کی تفسیر تفہیم القرآن سے سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۴۸ کا وہ حصہ مع ترجمہ وحواشی پیش کیا جاتا ہے جس میں قرآن حکیم کی ایک خصوصیت اس کا ''پچھلی کتابوں'' پر مہیمن ہونا بتایا گیا ہے۔

وانزلنا الیک الکتب بالحق مصدقا لما بین یدیه من الکتب و مهیمنا علیه فاحکم بینهم بمآ انزل الله.

پھر اے محمدؐ! ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب بھیجی جو حق لے کر آئی ہے اور الکتاب میں سے جو کچھ اس کے آگے موجود ہے اس کی تصدیق کرنے (۷۸) والی اور اس کی محافظ و نگہبان (۷۹) ہے۔ لہٰذا تم خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو۔

۷۸۔ یہاں ایک اہم حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ اگرچہ اس مضمون کو یوں بھی ادا کیا جاسکتا تھا کہ ''پچھلی کتابوں'' میں سے جو کچھ اپنی اصلی اور صحیح صورت پر باقی ہے، قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ''پچھلی کتابوں'' کے بجائے ''الکتاب'' کا لفظ استعمال فرمایا۔ اس سے یہ راز منکشف ہوتا ہے کہ قرآن اور تمام وہ کتابیں جو مختلف زمانوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئیں، سب کی سب فی الاصل ایک ہی کتاب ہیں۔ ایک ہی ان کا مصنف ہے، ایک ہی ان کا مدعا اور مقصد ہے، ایک ہی ان کی تعلیم ہے اور ایک ہی علم ہے جو ان کے ذریعہ سے نوعِ انسانی کو عطا کیا گیا۔ فرق اگر ہے تو عبارات کا ہے جو ایک ہی مقصد کے لیے مختلف مخاطبوں کے لحاظ سے مختلف طریقوں سے اختیار کی گئیں۔ پس حقیقت صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ یہ کتابیں ایک دوسرے کی مخالف نہیں، مؤید ہیں، تردید کرنے والی نہیں، تصدیق کرنے والی ہیں۔ بلکہ اصل حقیقت اس سے کچھ بڑھ کر ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ سب ایک ہی ''الکتاب'' کے مختلف ایڈیشن ہیں۔

۷۹۔ اصل میں لفظ ''مُھَیْمِن'' استعمال ہوا ہے۔ عربی میں ھیمن یھیمن ھیمنۃ کے معنی محافظت، نگرانی، شہادت، امانت، تائید اور حمایت کے ہیں۔ ھیمن الرجل الشیء یعنی آدمی نے فلاں چیز کی حفاظت و نگہبانی کی۔ ھیمن الطائر علی فراخہ۔ یعنی پرندے نے اپنے چوزے کو اپنے پروں میں لے کر محفوظ کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ لوگوں سے کہا انی داعٍ فھیمنوا یعنی میں دعا کرتا ہوں تم تائید میں آمین کہو۔ اسی سے لفظ ھیمان ہے جسے اردو میں ہمیانی کہتے ہیں، یعنی وہ تھیلی جس میں آدمی اپنا مال رکھ کر محفوظ کرتا ہے۔ پس قرآن کو ''الکتاب'' پر مہیمن کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے ان تمام برحق تعلیمات کو جو پچھلی کتبِ آسمانی میں دی گئی تھیں، اپنے اندر لے کر محفوظ کر دیا ہے۔ وہ ان پر نگہبان ہے اس معنی میں کہ اب ان کی تعلیماتِ برحق کا کوئی حصہ ضائع نہ ہونے پائے گا۔ وہ ان کا مؤید ہے اس معنی میں کہ ان کتابوں کے اندر خدا کا کلام جس حد تک موجود ہے قرآن سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ وہ ان پر گواہ ہے اس معنی میں کہ ان کتابوں کے اندر خدا کے کلام اور لوگوں کے کلام کی جو آمیزش ہوگئی ہے قرآن کی شہادت سے اس کو پھر چھانٹا جاسکتا ہے، جو کچھ ان میں قرآن کے مطابق ہے وہ خدا کا کلام ہے اور جو قرآن کے خلاف ہے وہ لوگوں کا کلام۔

یہاں مودودی صاحب کے ان الفاظ پر دوبارہ غور فرمائیں کہ "وہ (قرآن) ان پر گواہ ہے اس معنی میں کہ ان کتابوں کے اندر خدا کے کلام اور لوگوں کے کلام کی جو آمیزش ہوگئی ہے قرآن کی شہادت سے اس کو پھر چھانٹا جا سکتا ہے، جو کچھ ان میں قرآن کے مطابق ہے وہ خدا کا کلام ہے اور جو قرآن کے خلاف ہے وہ لوگوں کا کلام۔"

قرآن اور روایات

کیا یہ بات قابل غور نہیں کہ جس قرآن کی شہادت سے پچھلی آسمانی کتابوں کو چھانٹا جاسکتا ہے، اس قرآن کی شہادت سے ہم اپنی روایات کو نہیں چھانٹ سکتے؟ کیا پورے قرآن میں سے اسیران جنگ کو غلام بنانے اور قتل کرنے کے بارے میں کوئی ایک آیت بھی پیش کی جاسکتی ہے؟

علامہ شبلیؒ کی رائے جناب ماریہ قبطیہؓ کے بارے میں

جناب ماریہ قبطیہؓ کے بارے میں پہلے علامہ شبلی نعمانیؒ کی کتاب سیرت النبیؐ جلد اول میں سے درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

"عزیز مصر (مقوقس) کو آپؐ نے جو خط لکھا تھا اس کے جواب میں اس نے عربی زبان میں یہ خط لکھا۔"

لمحمد بن عبدالله من المقوقس عظيم القبط سلام عليك اما بعد فقد قرات كتابك وفهمت ماذكرت فيه وما تدعوا اليه وقد علمت انّ نبيا بقي وكنت اظن ان يخرج من الشام و

ا۔ ہم نے جاریہ کا ترجمہ لڑکی کیا ہے؟ عربی میں جاریہ لڑکی کو بھی کہتے ہیں اور لونڈی کو بھی ارباب سیرت ماریہ قبطیہ کو لونڈی کہتے ہیں۔ لیکن مقوقس نے جو لفظ ان کی نسبت لکھا ہے یعنی کہ "مصریوں میں بڑی عزت ہے۔" یہ لونڈیوں کی شان میں استعمال نہیں کیے جاسکتے۔

قداكرمت رسولك وبعثته اليك بجاريتين، لهما مكان من القبط عظيم و كسوة واهديت اليك بغلة لتركبها و السلام عليك.

''محمد بن عبداللہ کے نام مقوقس رئیس قبط کی طرف سے سلام علیک کے بعد، میں نے آپ کا خط پڑھا اور اس کا مضمون اور مطلب سمجھا، مجھ کو اس قدر معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والے ہیں، لیکن میں یہ سمجھا تھا کہ وہ شام میں ظہور کریں گے، میں نے آپ کے قاصد کی عزت کی اور دو لڑکیاں بھیجتا ہوں۔ جن کی قبطیون (مصر کی قوم) میں بہت عزت کی جاتی ہے، اور میں آپ کے لیے کپڑا اور سواری کا ایک خچر بھیجتا ہوں۔''

بااین ہمہ عزیز مصر اسلام نہیں لایا، دو لڑکیاں جو بھیجی تھیں ان میں ایک ماریہ قبطیہ تھیں جو حرم نبوی میں داخل ہوئیں، دوسری سیرین تھیں جو حضرت حسان کے ملک میں آئیں، خچر کا نام دلدل تھا جس کا ذکر اکثر حدیث کی کتابوں میں آتا ہے، جنگ حنین آپ میں اسی پر سوار تھے، طبری نے لکھا ہے کہ ماریہ اور سیرین حقیقی بہنیں تھیں اور حضرت حاطب ابن بلتعہ جن کو آنحضرت ﷺ نے مقوقس کے پاس خط دے کر بھیجا تھا، ان کی تعلیم سے دونوں خواتین خدمتِ نبوی میں پہنچنے سے پہلے اسلام قبول کر چکی تھیں، اس واقعہ کو اس حیثیت سے دیکھنا چاہیے کہ یہ خواتین لونڈیاں نہ تھیں اور اسلام قبول کر چکی تھیں، اس لیے آنحضرت ﷺ نے ماریہؓ سے نکاح کیا ہوگا، نہ کہ لونڈی کی حیثیت سے وہ آپ کے حرم میں آئیں۔

رسول اللہ کی لونڈیوں اور حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بارے میں مودودی صاحب کی تحقیق

اب علامہ شبلیؒ کے بعد مرحوم مودودی صاحب کی تفسیر تفہیم القرآن سے سورۃ احزاب کی آیت ۵۰ کے حاشیہ کا ایک عکس ملاحظہ کریں۔

تفہیم القرآن

سورۃ الاحزاب

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی

ادارہ ترجمان القرآن، اچھرہ - لاہور

تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿٤٩﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ

تو تمہاری طرف سے ان پر کوئی عدت لازم نہیں ہے جس کے پورے ہونے کا تم مطالبہ کر سکو۔ لہٰذا انہیں کچھ مال دو اور بھلے طریقے سے رخصت کر دو۔[۸۶]

اُسے نبی، ہم نے تمہارے لیے حلال کر دیں تمہاری وہ بیویاں جن کے مہر

زبان پر لانا بھی پسند نہیں کرتا۔ اب آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ جو لفظ حقیقۃً اس فعل کے لیے وضع کیا گیا ہو اُسے کوئی معاشرہ شادی بیاہ کے لیے۔۔۔ واستعارے کے طور پر استعمال کرے۔ اس معنی کو ادا کرنے کے لیے تو دنیا کی ہر زبان میں مہذب الفاظ ہی استعمال کیے گئے ہیں نہ کہ فحش الفاظ۔

جہاں تک قرآن اور سنت کا تعلق ہے، ان میں نکاح ایک اصطلاحی لفظ ہے جس سے مراد یا تو مجرد عقد ہے، یا پھر وطی بعدِ عقد۔ لیکن وطی بلا عقد کے لیے اس کو کہیں استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ اس طرح کی وطی کو تو قرآن اور سنت زنا اور سفاح کہتے ہیں نہ کہ نکاح۔

[۸۶] یہ ایک منفرد آیت ہے جو غالباً اُسی زمانے میں طلاق کا کوئی مسئلہ پیدا ہو جانے پر نازل ہوئی تھی، اس لیے پچھلے سلسلۂ بیان اور مابعد کے سلسلۂ بیان کے درمیان اس کو رکھ دیا گیا۔ اس ترتیب سے یہ بات خود مترشح ہوتی ہے کہ یہ تقریر ماسبق کے بعد اور تقریر مابعد سے پہلے نازل ہوئی تھی۔

اس آیت سے جو قانونی احکام نکلتے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

۱ - آیت میں اگرچہ "مومن عورتوں" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے بظاہر یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ کتابی عورتوں کے معاملہ میں قانون وہ نہیں ہے جو یہاں بیان ہوا ہے، لیکن تمام علماء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ معنی یہی حکم کتابیات کے بارے میں بھی ہے یعنی کتابی عورت سے بھی کسی مسلمان نے نکاح کیا ہو تو اس کی طلاق، اس کے مہر، اس کی عدت اور اس کو متعۂ طلاق دینے کے جملہ احکام وہی ہیں جو مومن عورت سے نکاح کی صورت میں ہیں۔ علماء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں مخصوص طور پر صرف مومن عورتوں کا ذکر جو کیا ہے اس سے مقصود دراصل اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ مسلمانوں کے لیے مومن عورتیں

۴۷

أَزْوَاجَكَ الّٰتِیْٓ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ مِمَّآ

تم نے ادا کیے ہیں۸۹؎ اور وہ عورتیں جو اللہ کی عطا کردہ لونڈیوں میں سے تمہاری ملکیت میں آئیں اور

میں طلاق واقع ہو جائے گی۔ ابُوبکر جصاص نے یہی رائے حضرت عمرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابراہیم النخعی، مجاہد اور عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ سے بھی نقل کی ہے۔

سُفیان ثوری اور عثمان البَتّی کہتے ہیں کہ طلاق صرف اُسی صورت میں پڑے گی جب کہ کہنے والا یوں کہے کہ "اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اس پر طلاق ہے"۔

حسن بن صالح، لَیث بن سعد اور عامر الشعبی کہتے ہیں کہ اس طرح کی طلاق عمومیت کے ساتھ بھی پڑ سکتی ہے بشرطیکہ اس میں کسی نوع کی تخصیص ہو۔ مثلاً آدمی نے یُوں کہا ہو کہ "اگر میں فلاں خاندان، یا فلاں قبیلے، یا فلاں شہر یا ملک یا قوم کی عورت سے نکاح کروں تو اس پر طلاق ہے"۔

ابن ابی لیلیٰ اور امام مالک اُوپر کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے مزید شرط یہ لگاتے ہیں کہ اس میں مدّت کا بھی تعیّن ہونا چاہیے۔ مثلاً اگر آدمی نے یُوں کہا ہو کہ "اگر میں اِس سال یا آئندہ دس سال کے اندر فلاں عورت یا فلاں گروہ کی عورت سے نکاح کروں تو اس پر طلاق ہے"۔ تب یہ طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں۔ بلکہ امام مالکؒ اس پر اتنا اضافہ اور کرتے ہیں کہ اگر یہ مدّت اتنی طویل ہو جس میں اس شخص کا زندہ رہنا متوقع نہ ہو تو اس کا قول بے اثر رہے گا۔

۸۹؎ یہ دراصل جواب ہے اُن لوگوں کے اعتراض کا جو کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دوسرے لوگوں کے لیے تو بیک وقت چار سے زیادہ بیویاں رکھنا ممنوع قرار دیتے ہیں، مگر انہوں نے خود یہ پانچویں بیوی کیسے کر لی۔ اس اعتراض کی بنیاد یہ تھی کہ حضرت زینبؓ سے نکاح کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیویاں موجود تھیں۔ ایک، حضرت سَودہؓ جن سے ۳ سنہ قبلِ ہجرت میں آپؐ نے نکاح کیا تھا۔ دوسری، حضرت عائشہؓ جن سے نکاح تو ۳ سنہ قبلِ ہجرت میں ہو چکا تھا مگر ان کی رخصتی شوال ۱ سنہ ھ میں ہوئی تھی۔ تیسری، حضرت حفصہؓ جن سے شعبان ۳ سنہ ھ میں آپؐ کا نکاح ہُوا۔ اور چوتھی حضرت اُمِّ سَلَمہؓ جنہیں حضورؐ نے شوال ۴ سنہ ھ میں زوجیت کا شرف عطا فرمایا۔ اس طرح حضرت زینبؓ آپؐ کی پانچویں بیوی تھیں۔ اس پر کفار و منافقین جو اعتراض کر رہے تھے اُس کا جواب اللہ تعالیٰ یہ دے رہا ہے کہ اے نبیؐ، تمہاری یہ پانچوں بیویاں جنہیں مہر دے کر تم اپنے نکاح میں لائے ہو، ہم نے تمہارے لیے حلال کی ہیں۔ دوسرے الفاظ

۷۵

اَفَاۤءَ اللّٰہُ عَلَیۡکَ وَ بَنٰتِ عَمِّکَ وَ بَنٰتِ عَمّٰتِکَ وَ بَنٰتِ خَالِکَ وَ بَنٰتِ خٰلٰتِکَ الّٰتِیۡ ہَاجَرۡنَ مَعَکَ ۫ وَ امۡرَاَۃً مُّؤۡمِنَۃً اِنۡ وَّہَبَتۡ نَفۡسَہَا لِلنَّبِیِّ اِنۡ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنۡ یَّسۡتَنۡکِحَہَا ۚ

تمہاری وہ چچازاد اور پھوپھی زاد اور ماموں زاد اور خالہ زاد بہنیں جنہوں نے تمہارے ساتھ ہجرت کی ہے، اور وہ مومن عورت جس نے اپنے آپ کو نبیؐ کے لیے ہبہ کیا ہو اگر نبی اسے نکاح میں لینا چاہے۔[۸۶]

میں اس جواب کا مطلب یہ ہے کہ عام مسلمانوں کے لیے چار کی قید لگانے والے بھی ہم ہی ہیں اور اپنے نبی کو اس قید سے مستثنیٰ کرنے والے بھی ہم خود ہیں۔ اگر وہ قید لگانے کے ہم مجاز تھے تو آخر اس استثناء کے مجاز ہم کیوں نہیں ہیں۔

اس جواب کے بارے میں یہ بات پھر ملحوظِ خاطر رہنی چاہیے کہ اس سے مقصود کفار و منافقین کو مطمئن کرنا نہیں تھا بلکہ اُن مسلمانوں کو مطمئن کرنا تھا جن کے دلوں میں مخالفینِ اسلام وسوسے ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ انہیں چونکہ یقین تھا کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کے اپنے الفاظ میں نازل ہُوا ہے۔ اس لیے قرآن کی ایک محکم آیت کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ نبی نے چار بیویوں کے عام قانون سے اپنے آپ کو خود مستثنیٰ نہیں کر لیا ہے بلکہ یہ استثناء کا فیصلہ ہمارا کیا ہُوا ہے۔

[۸۶] پانچویں بیوی کو حضورؐ کے لیے حلال کرنے کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضورؐ کو چند مزید اقسام کی عورتوں سے بھی نکاح کی اجازت عطا فرمائی:

۱۔ وہ عورتیں جو اللہ کی عطا کردہ لونڈیوں میں سے آپؐ کی ملکیت میں آئیں۔ اس اجازت کے مطابق حضورؐ نے غزوۂ بنی قریظہ کے سبایا میں سے حضرت ریحانہؓ، غزوۂ بنی المصطلق کے سبایا میں سے حضرت جُوَیریہؓ، غزوۂ خیبر کے سبایا میں سے حضرت صفیہؓ اور مُقوقِس مصر کی بھیجی ہوئی حضرت ماریہ قبطیہؓ کو اپنے لیے مخصوص فرمایا۔ ان میں سے مقدم الذکر تین کو آپؐ نے آزاد کر کے ان سے نکاح کیا تھا، لیکن حضرت ماریہؓ سے بربنائے مِلکِ یمین تمتع فرمایا، ان کے بارے میں یہ ثابت نہیں ہے کہ آپؐ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کیا ہو۔

۲۔ آپؐ کی چچازاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد اور خالہ زاد بہنوں میں سے وہ خواتین جنہوں نے ہجرت میں آپؐ کا ساتھ دیا ہو۔ آیت میں آپؐ کے ساتھ ہجرت کرنے کا جو ذکر آیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ہجرت کے سفر میں آپؐ کے

اس آیت کے حواشی میں مرحوم مودودی صاحب نے رسول اللہؐ کی لونڈیوں اور خاص کر حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بارے میں اپنی تحقیق پیش کی ہے، لکھتے ہیں:

"وہ عورتیں جو اللہ کی عطا کردہ لونڈیوں میں سے آپؐ کی ملکیت میں آئیں، اس اجازت کے مطابق حضور نے غزوہ بنی قریظہ کے سبایا میں سے حضرت ریحانہؓ، غزوہ بنی المصطلق کے سبایا میں سے حضرت جویریہؓ، غزوہ خیبر کے سبایا میں سے حضرت صفیہؓ اور مقوقس مصر کی بھیجی ہوئی حضرت ماریہ قبطیہؓ کو اپنے لیے مخصوص فرمایا۔ ان میں سے مقدم الذکر تین کو آپؐ نے آزاد کر کے ان سے نکاح کیا تھا لیکن حضرت ماریہؓ سے بر بنائے ملک یمین تمتع فرمایا۔ ان کے بارے میں یہ ثابت نہیں کہ آپؐ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کیا ہو۔"

القرآن المبین تفسیر المتقین میں سے جناب ماریہ قبطیہؓ کے متعلق ایک روایت

تفہیم القرآن کے بعد ایک شیعہ عالم جناب امداد حسین کاظمی کی تفسیر، القرآن المبین (تفسیر المتقین) کے صفحہ ۴۵۵ کا عکس جو جناب ماریہ قبطیہؓ کے متعلق ہے۔ ملاحظہ کرنے سے پہلے اس تفسیر کے تعارف اور اس کی سائنسی دور میں ضرورت واہمیت کے بارے میں مولف کی درج ذیل عبارت کا مطالعہ فرمالیں، لکھتے ہیں۔

"یہ پتھر اور دھات کا زمانہ نہیں، بلکہ ایٹمی اور ہائیڈروجنی دوروں سے گذر کر سپتنکی (Sputnick) دور میں داخل ہو چکا ہے حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ چاند پر جھنڈا بھی گاڑا جا چکا ہے۔ سائنسی اختراعات اور ایجادات نے لوگوں کے قلوب واذہان پر کافی اثر ڈال رکھا ہے اور مغربیت کی سائنسی رنگ آمیزیاں ان کے قلب ودماغ پر گہرے نقوش بنا چکی ہیں۔ لوگ دین سے بیگانہ ہو رہے ہیں قرآن مجید کو ایک ناقابل عمل دقیانوسی خیالات کی حامل کتاب جو محض اس زمانہ کے جو جہال عرب کے لیے کافی تھی سمجھ کر اسے پس پشت ڈال رہے ہیں۔ اس لیے ضرورت تھی کہ اس زمانہ کے ابھرتے ہوئے تقاضوں کو پورا کرنے اور اس کے عام اصولوں کو زمانے کے بدلتے ہوئے حالات پر منطبق کرنے کے لیے قرآن مجید کا ایک ایسا

عام فہم بامحاورہ ترجمہ بصاف، سادہ، آسان اور نہایت سلیس اردو زبان میں کر دیا جاتا۔ جو منشاء و مفہوم خداوندی سے بھی ہٹنے نہ پاتا اور اس کی تائید اور تفسیر اقوال و فرمائشات معصومین علیہم السلام سے کی جاتی تاکہ وثوق سے کہا جا سکے کہ یہی وہ ترجمہ اور تفسیر ہے۔ جو زمانہ حاضرہ کی ضرورت اور معصومین علیہم السلام کے بیان کے عین مطابق ہے۔ چنانچہ ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے مخلص احباب کے اصرار بلیغ پر خاکسار نے اس بار عظیم کو اپنے نحیف و نزار کاندھوں پر اٹھایا اور خالق کائنات رب ذوالمنن کی عنایات بے غایات اور چہاردہ معصومین علیہم کی تائیدات سے میں اس کار سترگ اور امر بزرگ سے سبکدوش ہو گیا۔ و الحمد علی احسانہ۔"

اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ۗ

اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا بڑی حکمت والا ہے۔ یقیناً وہ لوگ جنہوں نے بہتان لگایا وہ تم ہی میں سے ایک گروہ

لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ۗ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ

ہے۔ تم اسے اپنے لئے برا نہ سمجھو۔ بلکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ ان میں سے ہر شخص کے لئے جو کچھ

مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ

گناہ کا اس نے کمایا وہی ہے۔ اور جس نے ان میں سے گناہ کا بڑا حصہ اٹھایا اس کے لئے بڑا

عَظِيْمٌ ﴿۱۱﴾ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ

عذاب ہے۔ جب تم نے اسے سنا تھا تو کیوں نہ مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے آپ میں اچھا

بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ

گمان کیا۔ اور (کیوں نہ) کہہ دیا کہ یہ تو کھلا ہوا بہتان ہے۔ وہ اس پر کیوں نہ چار

بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ

گواہ لائے۔ پس جب وہ چار گواہ نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی

اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ

جھوٹے ہیں۔ اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور دنیا و آخرت میں اس کی

فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ

رحمت نہ ہوتی۔ تو جس بات کو تم نے پھیلایا تھا اس کے سبب سے ضرور تمہیں ایک بہت

عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ

بڑا عذاب پہنچ جاتا۔ جبکہ اس (بہتان) کو اپنی زبانوں پر لیتے جاتے تھے۔ اور اپنے مونہوں سے وہ کچھ بیان کرتے

مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ

تھے جس کا تمہیں کوئی علم نہ تھا۔ اور تم اسے ہلکی سی بات سمجھتے تھے۔ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک

عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ

بڑی بات تھی۔ اور جب تم نے اسے سنا تھا تم نے کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمارے لئے مناسب نہیں کہ ہم اس کے

نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ

متعلق بات کریں۔ (اے اللہ) تو پاک ہے یہ تو ایک بہت بڑا بہتان ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے

سلہ افک مبین:

تفسیر صافی ص ۳۰۳ پر بحوالہ الجوامع منقول ہے۔ اس تہمت کا سبب یہ ہوا کہ حضرت عائشہؓ نے غزوۂ بنی المصطلق میں اپنا گلے کا ہار گم کر دیا۔ اور وہ اسی وقت گم ہوا جب آپ قضائے حاجت کے لئے گئیں۔ پھر وہ اس کی تلاش میں گئیں۔ ان کے چلے جانے کے بعد ان کا ہودہ اونٹ پر سوار کر دیا گیا۔ یہ خیال کر کے کہ حضرت عائشہؓ ہودہ ہی میں بیٹھی ہیں (چونکہ حضرت عائشہ کا وزن بہت ہلکا تھا۔ اس لئے احساس نہ ہو سکا کہ وہ ہودہ میں بیٹھی ہیں یا نہیں)۔ قافلہ کوچ کر گیا۔ جب حضرت عائشہؓ بعد تلاش اپنے مقام پر واپس آئیں تو معلوم ہوا کہ قافلہ کوچ کر گیا ہے البتہ صفوان قافلہ کے پیچھے رہ گیا تھا جب وہ اس مقام پر آیا اور حضرت عائشہؓ کو پہچانا، تو انہیں اپنے اونٹ پر سوار کرا لیا۔ اور خود پیدل چلا۔ لشکر جب پہنچا جو مقام قائم الظہیرہ پہنچ چکا تھا۔

یہ تفسیر قمی میں ہے کہ عامہ کی روایت تو یہ ہے کہ یہ آیت حضرت عائشہؓ کے بارے میں نازل ہوئی تھی جب کہ انہیں غزوۂ بنی المصطلق میں اتہام لگایا گیا تھا۔

لیکن خاصہ کی روایت یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ماریہ قبطیہ کے بارے میں نازل ہوئی اور اس الزام کے متعلق جو حضرت عائشہ نے انہیں لگایا تھا چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب حضرت ابراہیم فرزند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت رنج ہوا۔ تو حضرت عائشہ نے کہا کہ آپ رنج کس کا کرتے ہیں۔ وہ تو جریج (قبطی) کا بیٹا تھا پس آنحضرت صلعم نے حضرت علی علیہ السلام کو بھیجا اور جریج کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ حضرت علی تلوار لیکر گئے ۔۔۔ جریج قبطی باغ کے اندر چار دیواری میں تھا۔ حضرت علی علیہ السلام نے باغ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ جریج دروازہ کھولنے آیا۔ مگر حضرت علی علیہ السلام کے چہرہ پر غضب کے آثار دیکھ کر اس نے دروازہ نہ کھولا اور پچھلے پاؤں پلٹ گیا۔ حضرت علی علیہ السلام دیوار پر چڑھ گئے اور باغ میں اتر گئے اور اس کے پیچھے چلے جریج پیٹھ پھیر کر بھاگا۔ پھر جب اسے خوف ہوا کہ حضرت نے آ لیا تو کھجور کے ایک درخت پر چڑھ گیا حضرت بھی درخت پر چڑھ گئے جب اس کے قریب پہنچے تو اس نے اپنے آپ کو درخت سے گرا دیا جس سے اس کا ستر کھل گیا۔ اس وقت معلوم ہوا کہ اس کے پاس نہ مرد کی علامت ہے اور نہ عورت کی۔ حضرت علیؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پلٹ آئے۔ اور عرض کی یا رسول اللہ! جب حضور مجھے کسی کام کے لئے مقرر فرماتے ہیں۔ تو میں اس میں مشغول ہو جاتا ہوں جیسے گرم کی ہوئی کیل اون میں اترتی چلی جاتی ہے۔ اب حکم دیجئے کہ میں اس کام کو انتہا تک پہنچا دیا کروں یا تحقیق سے بھی کام لیا کروں؟ آپ نے فرمایا نہیں! تحقیق سے بھی کام لیا کرو۔ عرض کی۔ کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ اس (جریج قبطی) کے پاس نہ مرد کی علامت ہے نہ عورت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: خدا کا شکر ہے جس نے ہم اہلبیتؑ سے بدی اور بدنامی کو دور رکھا۔

جناب کاظمی صاحب سورۃ النور کی آیت ۱۱ اور ۱۲ کے تحت روایات میں بیان کیے گئے واقعہ افک کے حوالہ سے ''افک مبین'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

''تفسیر صافی ۳۴۸ پر بحوالہ الجوامع منقول ہے کہ اس تہمت کا سبب یہ ہوا کہ حضرت عائشہؓ نے غزوہ بنی المصطلق میں اپنا گلے کا ہار گم کر دیا اور وہ اس وقت گم ہوا جب آپ قضا حاجت کے لیے گئیں۔ پھر وہ اس کی تلاش میں گئیں۔ ان کے چلے جانے کے بعد ان کا ہودہ اونٹ پر سوار کر دیا گیا۔ یہ خیال کر کے کہ حضرت عائشہؓ ہودہ ہی میں ہوں گی (بوجہ کمسنی حضرت عائشہ کا وزن بہت ہلکا تھا۔ اس لیے احساس نہ ہو سکا کہ وہ ہودہ میں بیٹھی بھی ہیں یا نہیں) قافلہ کوچ کر گیا۔ جب حضرت عائشہؓ بعد تلاش اپنے مقام پر واپس آئیں تو معلوم ہوا کہ قافلہ تو کوچ کر گیا ہے البتہ صفوان قافلہ کے پیچھے رہ گیا تھا۔ جب وہ اس مقام پر آیا اور حضرت عائشہؓ کو پہنچانا، تو انہیں اپنے اونٹ پر سوار کرا لیا اور خود مہار تھامے لشکر تک پہنچا جو مقام قائم الظہیر ہ پہنچ چکا تھا۔

اور تفسیر قمی میں ہے کہ عامہ کی روایت تو یہ ہے کہ یہ آیت حضرت عائشہؓ کے بارے میں نازل ہوئی تھی جب کہ انہیں غزوہ بنی المصطلق میں اتہام لگایا گیا تھا۔

لیکن خاصہ کی روایت یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ماریہ قبطیہ کے بارے میں نازل ہوئی اور اس الزام کے متعلق جو حضرت عائشہؓ نے انہیں لگایا تھا۔ چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب حضرت ابراہیم فرزند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت رنج ہوا تو حضرت عائشہ نے کہا کہ آپ رنج کس کا کرتے ہیں۔ وہ تو جریج (قبطی) کا بیٹا تھا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو بھیجا اور جریج کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ حضرت علی تلوار لے کر گئے۔ جریج قبطی باغ کے اندر چار دیواری میں تھا۔ حضرت علی علیہ السلام نے باغ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ جریج دروازہ کھولنے آیا۔ مگر حضرت علی علیہ السلام کے چہرہ پر غضب کے آثار دیکھ کر اس نے دروازہ نہ کھولا اور پچھلے پاؤں پلٹ گیا۔ حضرت علی علیہ السلام دیوار پر چڑھ گئے اور باغ میں اترے

اوراس کے پیچھے چلے، جریح پیٹھ پھیر کر بھاگا۔ پھر جب اسے خوف ہوا کہ حضرت نے آلیا تو کھجور کے ایک درخت پر چڑھ گیا۔ حضرت بھی درخت پر چڑھ گئے۔ جب اس کے قریب گئے تو اس نے اپنے آپ کو درخت سے گرا دیا جس سے اس کا ستر کھل گیا۔ اس وقت معلوم ہوا کہ نہ اس کے مرد کی علامت ہے اور نہ عورت کی۔ حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پلٹ آئے اور عرض کی یارسول اللہ! جب حضور مجھے کسی کام کے لیے مقرر فرماتے ہیں تو میں اس میں مشغول ہو جاتا ہوں جیسے گرم کی ہوئی کیل اون میں اترتی چلی جاتی ہے۔ اب حکم دیجئے کہ میں اس کام کو انتہا تک پہنچا دیا کروں یا تحقیق سے بھی کام لیا کروں؟ آپ نے فرمایا نہیں! تحقیق سے بھی کام لیا کرو۔ عرض کی کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ اس (جریح قبطی) میں نہ مرد کی علامت ہے نہ عورت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا۔ خدا کا شکر ہے جس نے ہم اہلیت سے بدی اور بدنامی کو دور رکھا۔"

کیا یہی وہ ترجمہ وتفسیر ہے جو منشاء ومفہوم خداوندی سے ہٹا ہوا نہیں ہے؟ اور معصومین علیہم السلام کے بیان کے عین مطابق ہے؟

ناموس پیغمبرؐ کے منافی ہونے کی وجہ سے اس روایت کی نسبت کسی بھی امام کی طرف کرنا درست نہیں ہوسکتا۔

مولوی چراغ علی مرحوم نے جناب ماریہ قبطیہؓ کے بارے میں روایات کا جائزہ کتاب کے ضمیمہ نمبر۲ میں لیا ہے، جس کی ایک جھلک پچھلے صفحات میں بھی پیش کی جاچکی ہے۔

جناب مودودی صاحب اور جناب کاظمی صاحب کی تفسیری روایات کے مطالعہ کے بعد آپ تحقیق الجہاد کے مواد کے معیار اور اس کے مصنف کی محنت کا اندازہ بہتر طور پر کر سکیں گے۔

کتاب کا ترجمہ ۱۹۱۲ء میں مولوی غلام الحسنین صاحب پانی پتی نے کیا، صرف ضمیمہ جات کا ترجمہ مولوی عبدالغفور صاحب رامپوری نے کیا۔

ضمیمہ نمبر۲ میں جہاں جناب ماریہ قبطیہ کا ذکر ہے۔ایک جگہ مترجم یا پروف ریڈر نے سہواً مصنف کے مفہوم کو نفی کے بجائے اثبات میں بیان کر دیا ہے مصنف کے انگریزی میں الفاظ یہ تھے۔

(1) I have great doubts regarding the truth of the story that Mokowkas the Governor had sent two maids to Mohammad, and taking it for granted they were so sent, that one of them was the alleged Maria; (2) it is not a fact that she was a slave; (3) nor a concubine-slave of the Prophet; (4)nor she as such bore a son to him; (5) and lastly, the notorious scandal about her much talked of by European writers is a mere calumny and a false story."

اس کا ترجمہ درج ذیل الفاظ میں کیا گیا۔

''اول تو مجھے اس میں ہی بہت کچھ شبہ ہے کہ مقوقس حاکم مصر نے رسول اللہؐ کو دو لڑکیاں بھیجی بھی تھیں۔ اگر بالفرض بھیجی بھی تھیں تو ان میں ماریہ بھی تھی یا نہیں۔ دوسرے یہ صحیح نہیں کہ وہ امہ تھیں۔ تیسرے یہ کہ وہ رسول اللہؐ کی حرم نہ تھی اور چوتھے یہ کہ اس سے آپ کے کوئی بیٹا پیدا نہیں ہوا تھا۔ اور پانچویں سب سے آخری بات یہ ہے کہ یہ مشہور کہانی جس کا یورپین مصنفین نے غل مچا رکھا ہے صرف ایک مصنوعی قصہ ہے۔''

''اب اگر سے تھا'' تک کی مذکورہ عبارت کو درج ذیل عبارت سے بدل دیا گیا ہے۔

''اگر بالفرض بھیجی بھی تھیں تو ان میں ماریہ بھی تھی یا نہیں! دوسرے یہ خلاف حقیقت ہے کہ وہ لونڈی تھی، تیسرے یہ کہ وہ رسول اللہ کی مِلک یمین تھی اور چوتھے یہ کہ اس طرح اس سے آپؐ کے کوئی بیٹا پیدا ہوا تھا۔''

یہاں ملک یمین انگریزی الفاظ Concubine-Slave کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

مذکورہ انگریزی لفظ کا مفہوم ریڈرز ڈائجسٹ کی ڈکشنری میں درج ذیل بتایا گیا ہے۔

Concubine(1) A Woman who Cohabits with and is

supported by a man with out being maried to him.

(2) In certain Polygamious socities, a secondary wife, usually of inferier legal and social status.

(Reader digist Great Illustrated Dictionary, London page:365.)

(۱) وہ عورت جو کسی شخص کے زیر کفالت رہ کر بغیر شادی کیے اس سے خلوت اختیار کرتی ہو۔

(۲) تعدّدِ ازدواج والے معاشروں میں دوسرے درجہ کی بیوی، عام طور پر قانونی اور سماجی لحاظ سے کم رتبہ والی۔

قارئین کرام کو اب اس نتیجہ پر پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں ہونی چاہیئے کہ مستشرقین کو فکری مغالطوں کی عمارت تعمیر کرنے کے لئے بنیادی سامان کہاں سے دستیاب ہوتا ہے؟

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ با من ہرچہ کرد آں آشنا کرد

(میرے نالہ و فریاد کا باعث بیگانے نہیں (اپنے ہیں) کیونکہ میرے ساتھ جو کچھ بھی کیا اپنوں نے کیا)۔

محمد علی فارق
(اگست ۲۰۰۳ء، لاہور)

تبصرہ

نوشتۂ

مولانا عبدالحق صاحب بی۔اے (علیگ)

واشنگٹن آئرونگ، امریکہ کے ایک مشہور مصنف اور ادیب نے آنحضرت صلعم کی بھی لائف لکھی ہے۔ اس کے پہلے ہی صفحہ پر آنحضرت ص کی ایک تصویر دی ہے جس کے ایک ہاتھ میں قرآن، اور دوسرے ہاتھ میں تلوار ہے۔ یہ تصویر مصنف کے اصلی خیال کا فوٹو ہے۔ جس کی پہلے سے یہ رائے ہو وہ ایک ایسے بڑے مصلح اور نبی اور بنی نوع انسان کے محسن کی لائف کیا خاک لکھے گا۔ اور یہ کچھ آئرونگ ہی پر موقوف نہیں، یورپ میں یہ خیال عام طور پر پھیلا ہوا ہے اور پولٹیکل وجوہ نے وہی کام کیا ہے جو بھس میں چنگاری کرتی ہے۔ بدقسمتی سے مسلمانوں اور عیسائیوں میں صدیوں سے جنگ و جدل چلی آ رہی ہے اور اگرچہ یہ جنگ و جدل ملکی ہے، لیکن اس نے اپنے ساتھ مذہب کو بھی مان لیا ہے۔ تلوار والے تو تلوار سے کام لیتے ہیں اور اہل قلم اپنے دل کی بھڑاس یوں نکالتے ہیں۔ غرض یہ منحوس جنگ ایسی ٹھنی کہ ختم ہونے کو نہیں آتی۔ کمزور کا قاعدہ ہے کہ جب ہاتھ سے کام نہیں نکلتا تو زبان سے کام لیتا ہے۔ عیسائیوں کو شکستیں کیا ہوئیں کہ اُنہوں نے مسلمانوں کو بدنام کرنا شروع کیا۔ اور بدنام بھی کیسا کچھ کہ تسمہ لگا نہ رکھا۔ جس زمانہ میں آنحضرت ص کی شہرت ہوئی تو روما کے ایک پوپ نے آنحضرت ص کے حالات دریافت کرنے کے لئے ایک مشن عرب کو بھیجا۔ معلوم نہیں وہ مشن عرب پہنچا یا نہیں پہنچا، مگر جو رپورٹ اس نے لکھ کر بھیجی وہ کذب و افترا کی ایک پوٹ ہے۔ سچ نام کو نہیں۔ اور ایسی ایسی باتیں اور

واقعات تصنیف کئے ہیں کہ الف لیلہ بھی اس کے سامنے مات ہے۔ اور افسوس کہ یہ رسم اب تک جاری ہے، کوئی دن ایسا نہیں جاتا کہ کوئی نہ کوئی کتاب یا اخبار یا ان میں کوئی ایسا مضمون شائع نہ ہوتا ہو جس سے مسلمانوں کی دل آزاری نہ ہوتی ہو۔ اگر وہ تمام کتب و تحریرات جمع کی جائیں جو عیسائیوں اور خاص کر اہل یورپ نے اسلام بانی اسلام اور اہل اسلام کے خلاف لکھے ہیں، تو وہ ایک ایسا بڑا انبار کذب و افترا، دروغ و بہتان کا ہوگا کہ روز ٹرو ٹائمز اس کے ایک صفحہ کی برابری بھی نہیں کرسکتے۔ بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو کامیابی ہوئی آناً فاناً، اور کامیابی پیدا کرتی ہے حسد، اور خصوصاً جب عیسائی اُن کے آگے ہر جگہ ناکامیاب اور پسپا ہوتے گئے، تو حسد کی آگ اور بھڑک اُٹھی اور بغض و کینہ کی کوئی انتہا نہ رہی۔ یہ سارا فساد اسی کا ہے۔ گو اس وقت یورپ کی تہذیب و شائستگی اور سائنس کا آفتاب عین نصف النہار پر ہے، مگر تعصب کے جراثیم رگ رگ اور ریشے ریشے میں کچھ ایسے سرایت کرگئے ہیں اور گوشت پوست میں کچھ ایسے پیوست ہوگئے ہیں کہ تیز سے تیز شعاعیں بھی انہیں ہلاک نہیں کرسکتیں۔ آج کل اسے مذہبی تعصب نہیں کہتے، بلکہ یہ تعصب ایک دوسری ہولناک اور مکروہ صورت میں ظاہر ہوا ہے، جس کے کاٹے کا منتر نہیں۔ اسے پالٹیکس یا ڈپلومیسی کہتے ہیں۔ اس کے لئے ہماری زبان میں کوئی لفظ نہیں، اور ہو کہاں سے، ہمارے ہاں یہ سیاسی چالبازیاں اور عیاریاں تھیں کہاں، جو لفظ ہوتا۔ اگرچہ صدہا انقلاب ہوگئے، حالات بدل گئے، جو آگے تھے وہ پیچھے اور جو پیچھے تھے وہ آگے ہوگئے، مگر افسوس ابھی تک دلوں میں کدورت وہی چلی آتی ہے۔ درد جاتا رہا مگر کسک باقی ہے۔ سانپ کبھی کا نکل گیا، مگر یہ کم بخت ابھی تک لکیر پیٹے جاتے ہیں۔ اور کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ کچھ کے بہر بچھو کا نہ دیتے ہوں +

اسلام کی ترقی اشاعت کو، جو بجلی کی رَو کی طرح تمام عالم میں دوڑ گئی، عیسائی دیکھ

دیکھ کر حیران و ششدر رہتے تھے۔ اور جب وہ اپنے نبی علیہ السلام کے حالات عہد جدید میں پڑھتے تھے تو اُن کی حیرت اَور بھی بڑھ جاتی تھی۔ حضرت عیسےٰ وعظ کرتے کرتے اس دُنیا سے اُٹھ گئے مگر اپنی قوم پر کچھ اثر نہ ڈال سکے۔ یہاں تک کہ اُن کے حواریوں کی یہ حالت تھی کہ پتا کھڑکا اور بندہ بھڑکا۔ خطرے کے نام سے بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔ اور یہاں کی یہ حالت تھی کہ جو لوگ اسلام لائے، اُنہوں نے ہر طرح کی صعوبتیں، اذیتیں اور ظلم سہے، گھر بار چھوڑا، بال بچے چھوڑے، مگر مذہب نہ چھوڑا۔ یہاں تک کہ اپنے مذہب کے لئے جانیں تک قربان کر دیں۔ وہ بُت جو گھروں میں خُدا بنے بیٹھے تھے اور جو یہودیوں کی کوشش سے نکلے نہ عیسائیوں کی سعی سے، انہیں وہ خود بخود پھینک پھینک کر اسلام میں داخل ہونے لگے *

اس غیر معمولی ترقی اور اثر کو دیکھ دیکھ کر عیسائی حیران ہیں کہ یہ کیا معاملہ ہے جو کوئی نبی نہ کر سکا وہ پیغمبر اسلام سے کیونکر ہو گیا۔ بس اس پر سے یہ قیاس کر لیا کہ رسول اللہ صلعم نے اسلام بجبر پھیلایا، اور اپنے ذہنوں میں وہ تصویر کھینچ لی، جو آئر ونگ واشنگٹن نے اپنی کتاب کے پہلے صفحہ پر دی ہے۔ حالانکہ یہ واقعہ ہے اور ایسا کھلا واقعہ ہے کہ جس کے لئے مزید تحقیقات یا پُرانے کھنڈروں یا قدیم کتبوں یا بھوج پتروں کی تلاش کی ضرورت نہیں ہے، کہ اسلام کبھی آنحضرت کے زمانہ میں یا اس کے بعد بجبر یا بزور شمشیر نہیں پھیلایا گیا، بلکہ جس رواداری، مسالمت اور اعتدال کے ساتھ مسلمانوں نے دُنیا پر حکومت کی اور جو فیاضانہ برتاؤ اُنہوں نے غیر اقوام کے ساتھ روا رکھا، دُنیا میں اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی[1] مجھے اس کے متعلق اس مختصر مقدمہ میں کسی شہادت کے پیش کرنے

---

[1] اس مضمون کی پوری بحث کے لئے دیکھو ابو الفتح بن ابی الحسن السامری الیہودی کی تاریخ آباء الیھود بزبان عربی مطبوعہ گوتھ ۱۸۶۵ء صفحہ ۱۸۰۔ جس میں مصنف نے صاف صاف لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم نے اور آپ کے صحابۂ کرام نے مذہب کے متعلق کبھی کسی پر جبر و اکراہ نہیں کیا۔ اور نہ کبھی عہد شکنی کی *

کی ضرورت نہیں ہے، اس پر دفتر کے دفتر لکھے جا سکتے ہیں، اور ان واقعات سے ہماری اور غیروں کی تاریخیں بھری پڑی ہیں۔ اور جسے مذہبی پہلو سے اس مسئلہ کو دیکھنا ہو تو اس کتاب کا مطالعہ کرے۔

معترضین کو جہاد کا حربہ ایسا مل گیا ہے کہ اسے جا و بیجا ہر موقع پر پیش کر دیتے ہیں۔ گویا اسے مسلمانوں کی طرف سے نفرت پیدا کرانے کے لئے ایک بیچا بنا رکھا ہے۔ اور یہ ایک ایسا ڈراؤنا اور خوفناک لفظ ہو گیا ہے کہ اہل یورپ اسے سن کر اس طرح چونک اُٹھتے ہیں جیسے کبھی نپولین کے نام سے وہاں کے تاجدار سہم جایا کرتے تھے۔ لیکن کیا درحقیقت یہ لفظ ایسا خوفناک ہے؟ جہاد کیا ہے؟ اپنی حفاظت کے لئے ہاتھ پیر ہلانا اور حتی المقدور کوشش کرنا۔ کب؟ جب جان و مال، ننگ و ناموس اور مذہب پر آ بنے۔ کون قانون ہے جو اس کی اجازت نہیں دیتا، اور کونسا انسان ہے جو ایسے وقت اپنی حفاظت نہیں کرتا۔ مدافعت اور اپنی حفاظت ایک قدرتی فعل ہے اور بڑے بڑے انسان سے لے کر ادنےٰ سے ادنےٰ کیڑے مکوڑے تک وقت پڑے پر اپنی حفاظت اور مدافعت میں سعی کرتے ہیں۔ اسلام نے کہیں بجبر یا بزور شمشیر کسی کو مسلمان بنانے کی اجازت نہیں دی اور نہ آنحضرت صلعم نے کبھی ایسا کیا نہ کسی دوسرے کو ایسا کرنے کا حکم دیا۔ جن لوگوں نے آنحضرت م کے حالات کا مطالعہ کیا ہے اُنہیں معلوم ہے کہ ابتدائی تیرہ سال آپ پر کیسی مصیبت کے گزرے ہیں۔ قریش نے اُن کے ساتھ کیا کیا نہ کیا۔ طرح طرح سے آپ کی توہین و تحقیر کی، جسمانی، مالی اور رُوحانی صدمے پہنچائے، ادائے نماز سے روکا، یہاں تک کہ تھوکا، کوڑا کرکٹ اور گندگی ڈالی، آپ کی گردن میں آپ ہی کے عمامے کا پھندا ڈال کر کعبہ سے باہر نکال دیا، تلقین و تعلیم سے باز رکھا اور ہر قسم کی اذیتیں اور صعوبتیں پہنچائیں۔ آپ کے پیرووں پر بڑے بڑے ظلم توڑے، اور کوئی دقیقہ اُن کے ستانے اور اُن کی زندگی تلخ کرنے کا اُٹھا نہ رکھا۔ آپ کے اور تمام مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیں اور ایک

جتھا قائم کیا اور آمد و رفت، میل جول اور تمام تعلقات باہمی قطع کر دئیے۔ آخر انہیں مایوس و مجبور ہو کر اپنے وطن مالوفہ کو خیرباد کہنا پڑا، اور آوارۂ وطن ہو کر مکہ سے دور جاکر پناہ لی۔ مگر ظالموں نے وہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا اور پہلے سے زیادہ ظلم و تعدی پر آمادہ ہو گئے اور فوجیں لے لے کر حملہ آور ہوئے۔ اس پر بھی اگر آنحضرت صلعم خاموش و صبر و تحمل کئے بیٹھے رہتے تو وہ اپنے فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی کرتے۔ اس وقت آپ کا فرض عین تھا کہ اپنے تئیں اور اپنے رفقاء کو ہلاکت سے بچاتے اور یہی کیا، اور یہی کرنا چاہیئے تھا۔ اور ایسا کرنا بدرجۂ مجبوری تھا کیونکہ سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا۔ اس لئے آنحضرت صلعم کے تمام غزوات دفاعی تھے۔

اس مسئلہ پر جس شرح و بسط اور تحقیق و تدقیق کے ساتھ مولوی چراغ علی مرحوم نے اس کتاب میں بحث کی ہے آج تک کسی نے اس پر ایسی غائر نظر نہیں ڈالی تھی۔ اس زمانہ میں جبکہ جدید خیالات اور جدید فلسفہ ہمارے ملک میں گھر کرتا جاتا ہے اور اسلام اور اہل اسلام پر نئے نئے اور دل آویز طریقوں سے حملے کئے جا رہے ہیں اور مسلمان انہیں پڑھ پڑھ اپنے اعتقادات و خیالات میں ڈانواں ڈول ہو رہے ہیں، ایک ایسی محققانہ کتاب کی بے حد ضرورت تھی۔ نئے تعلیم یافتہ تو خیر نشانہ ملامت ہیں ہی، مگر اُن پُرانے علماء کا کیا کیا جائے جو اپنے کلام سے (خواہ وہ کسی نیت سے ہو) معترضین کی تائید کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک عالم محدث کو، جنہوں نے علوم دینی کو اُردو میں شائع کرکے اسلام کی بڑی خدمت ادا کی ہے اور خاص کر کل صحاح ستہ کا اُردو میں ترجمہ فرما کر ہند کے اہل اسلام پر احسان کیا ہے، جب کوئی صحیح حدیث نہ ملی تو اپنی طرف سے ایک حاشیہ اس مضمون کا جڑ دیا کہ رسول کریم کے غزوات محض لُوٹ مار یا قتل و غارت کی غرض سے تھے[1]

[1] مولانا وحید الزمان وقار نواز جنگ بہادر نے اپنے ترجمہ صحیح بخاری الموسوم بہ تیسیر الباری میں تحریر فرمایا ہے کہ

میں نہیں جانتا کہ اسے کیا کہا جائے۔ بہر حال ایسی حالت میں مولوی چراغ علی مرحوم کی کتابیں پیاسے کے لئے آبِ حیات، مریض کے لئے نوشدارو اور مار گزیدہ کے لئے تریاق کا کام دیں گی۔ مرحوم اس ضرورت کو بہت پہلے سمجھ چکے تھے اور جبکہ مقلد و غیر مقلد، سنی و شیعہ تو تو مَیں مَیں میں مصروف تھے وہ ایک ایسی عظیم الشان خدمت اپنے دین و ملت کی ادا کر رہے تھے کہ اس کی مثال اُن کے بعد پھر نظر نہ آئی۔ بعض مدعیان حمایت دین و ملت کی آنکھیں اب کھلی ہیں۔ اور دن ڈھلے پر ایک جدید علم کلام کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں اور اس کے متعلق مشورے اور کمیٹیاں ہو رہی ہیں، لیکن انہیں خبر نہیں کہ مدت ہوئی اس کی بنیاد سر سید رح ڈال چکے اور مولوی چراغ علی مرحوم اس کی تکمیل بھی کر چکے۔ اور خبر کیوں نہیں، شاید اس کا اعتراف کرتے شرماتے یا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اعتراف کرو یا نہ کرو چلنا اُسی نقش قدم پر پڑے گا۔ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بناؤ، مگر بنیاد وہی ہوگی۔

مولوی صاحب مرحوم کا طریقۂ تحریر سب سے الگ اور نرالا ہے۔ وہ کبھی جوش میں آکر فصاحت کے دریا نہیں بہاتے، دوسروں کو الزام نہیں دیتے، عبارت کی رنگینی یا لطائف ادبی کا خیال نہیں کرتے اور ناظرین کے جذبات کو اشتعال دے کر اپنی بات نہیں منواتے۔ وہ نفس معاملہ کو نہایت ٹھنڈے دل اور غور سے دیکھتے ہیں، اس کے متعلق تمام واقعات جمع کرتے ہیں، اور سوائے قرآن پاک اور افعال و اعمال آنحضرت صلعم کے کسی دوسری چیز کو اپنے استدلال کی بنیاد نہیں رکھتے۔ ان کا مطالعہ ایسا وسیع، اُن کی نظر ایسی غائر اور اُن کی تحقیق ایسی گہری اور اُن کی منطق ایسی مستحکم

حاشیہ: "ابواء ایک گاؤں ہے جحفہ سے مدینہ کی جانب ۲۳ میل پر۔ بواط ایک پہاڑ کا نام ہے ینبوع کے "قریب۔ عشیرہ بھی ایک مقام یا ایک قبیلہ ہے ان تینوں جہادوں میں آنحضرت م بدر کی جنگ سے پہلے تشریف "لے گئے تھے۔ اور غرض آپ کی یہ تھی کہ قریش کا قافلہ لوٹ لیں۔ مگر قافلہ نہ ملا" (دیکھو کتاب مذکور مطبوعہ "احمدی لاہور ۱۳۲۲ھ سولھواں پارہ صفحہ اول حاشیہ نمبر ۲)۔

ہوتی ہے کہ جس مضمون پر وہ قلم اُٹھاتے ہیں پھر کسی دوسرے کے لئے ایک لفظ کی گنجائش نہیں چھوڑتے۔ ان کا زور جذبات انسانی پر نہیں بلکہ استدلال عقلی پر ہے۔ وہ جذبات کو اُبھار کر جوش میں لانا نہیں چاہتے کیونکہ یہ ناپا مدار ہے، بلکہ از راہ تحقیق وہ مضمون کو اس پہلو سے پیش کرتے ہیں کہ اگر پڑھنے والا غور سے پڑھے تو اس کی صداقت اس طرح ذہن نشین ہو جائے کہ پھر اُس کا نقش نہ مٹ سکے۔ وہ شاعر نہیں، محقق ہیں۔ وہ فسانہ نگا نہیں منطقی ہیں۔ وہ واقعات اور اصل حقیقت سے بحث کرتے ہیں، تخیل و بلند پروازی سے کام نہیں لیتے۔ وہ اپنی تائید میں شاہان اسلام کے تاریخی واقعات اور فقہا کی رائیں پیش نہیں کرتے بلکہ آیات قرآنی اور افعال و اعمال رسول صلعم کو سند گردانتے ہیں وہ کسی الزام یا اعتراض کو الزامی جواب دے کر یا لفظی ہیر پھیر سے ٹالتے نہیں بلکہ جرأت کے ساتھ اس کا مقابلہ کرتے اور زور سے اس کی تردید کرتے ہیں۔ اور یہی طریقہ اُن کی تصانیف میں پایا جاتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان کی تصانیف تعلیم و تحقیق دین اسلام کا ایک ایسا بے بہا مجموعہ ہیں کہ اُن کو غور سے پڑھنے کے بعد حقیقت و حقانیت دین اسلام پر اس قدر عبور ہو جاتا ہے کہ سالہا سال کی محنت اور صدہا کُتب کے مطالعہ سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس میں ذرا شبہ نہیں کہ مرحوم نے اسلام کی ایسی بڑی خدمت کی ہے کہ ہم سب کو اُن کا بہت شکر گزار اور ممنون ہونا چاہیے۔ یہ بڑی[۱] خوش قسمتی کی بات ہے کہ مولوی عبداللہ خاں صاحب ان کی کتابوں کا ترجمہ کرا کر اور بڑی محنت سے ان کے مضامین ڈھونڈھ

[۱] مولوی عبداللہ خاں نے اس سے پہلے مولوی چراغ علی صاحب مرحوم کی کتاب "ریفارمز انڈر مسلم رول" کا ترجمہ "اعلم الکلام فی ارتقاء الاسلام" کے نام سے شائع کیا جس میں مسلمانوں کے سیاسی قانون تمدنی اصلاحات کے امکان پر بحث کی ہے۔ اور اس کے ساتھ میرا لکھا ہوا (۸۰) صفحہ کا ایک مقدمہ شامل ہے جس میں مرحوم مصنف کے حالات و تصنیفات کا خوب مفصل تذکرہ ہے۔ علاوہ اس کے مثلاً "تہذیب الکلام فی حقیقۃ الاسلام" دفع الزام از غزوات اسلام / تعلیقات بر ابطال غلامی مصنفہ سرسید مرحوم وغیرہ وغیرہ و دیگر تصانیف جن کی تعداد (۴۵) سے زائد ہے زیر تدوین ہیں۔ جو وقتاً فوقتاً شائع کی جائیں گی۔

ڈھونڈھ کر (جو اَب تک طبع نہیں ہوئے تھے) ترتیب دے رہے اور شائع کرا رہے ہیں۔ اب لوگوں کو معلوم ہوگا کہ جن موتیوں کی تلاش میں بڑے بڑے شناور غواصی کر رہے ہیں مرحوم اُن سے بہت پہلے پرو چکے ہیں۔ یہ کہنا کچھ مبالغہ نہ ہوگا کہ آیندہ اسلام پر جو کچھ کہا جائے گا وہ زیادہ تر مرحوم کی خوشہ چینی ہوگی، خواہ کوئی اعتراف کرے یا نہ کرے، خواہ ان کی کتابوں کا حوالہ دے یا نہ دے۔

اس کتاب میں مرحوم نے کمال تحقیق سے کام لیا ہے اور اس مضمون کے مختلف پہلوؤں کی اس خوبی سے بحث کی ہے کہ پڑھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ مضمون کس قدر وسیع ہے۔ اور فاضل مصنف کی جانفشانی، دماغ سوزی اور انتہائے تلاش کا حال کھلتا ہے۔

اس کا ترجمہ مولوی خواجہ غلام الحسنین صاحب (مترجم فلسفۂ تعلیم ہربرٹ اسپنسر) نے کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ بہت بامحاورہ صاف اور شگفتہ ہے۔

پبلیشر نے بھی اس کتاب پر بہت محنت کی ہے جا بجا ایسے حوالوں کا اضافہ کیا ہے جو مصنف کی نظر سے رہ گئے تھے اور بجائے ایک آدھ کے کئی کئی حوالے ہو گئے ہیں، جس سے مصنف کے خیال کو بہت تائید ملتی ہے۔ بعض حوالے جو انگریزی کتاب میں غلط چھپ گئے تھے اُن کی بھی تصحیح کی ہے۔ عربی اسماء اعلام کی جیسی کچھ مٹی انگریزی کتابوں میں خراب ہوتی ہے وہ ظاہر ہے، ان ناموں کی صحت میں بڑی احتیاط کی گئی ہے۔ کہنے کو تو یہ معمولی سا کام ہوتا ہے لیکن در اصل اس میں بڑی محنت اُٹھانی پڑتی ہے اور بہت وقت صرف کرنا پڑتا ہے۔ یہ کام ایسا مشکل ہے کہ بعض مترجمین تو اس مشکل سے ڈر کر ترجمے ہی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ مولوی عبد اللہ خاں صاحب کا ممنون ہونا چاہیئے کہ اول تو انہوں نے ایک بےنظیر کتاب کا انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کرایا اور اس کی صحت اور چھپائی میں خاص طور سے محنت کی۔ ہمیں اُمید ہے کہ یہ کتاب ہر لحاظ سے مقبول ہوگی۔

عبد الحق

مقبرۂ رابعہ دورانی۔ اورنگ آباد۔ ۶ فروری سنہ ۱۹۱۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

تحقیق الجہاد

کتاب تحقیق الجہاد کا مقصد۔

۱۔ اس کتاب (تحقیق الجہاد) کے شائع کرنے سے میرا خاص مقصد یہ ہے کہ یوروپین اور عیسائی مؤرخوں کے دلوں سے اسلام کی بابت اس عام اور غلط خیال کو دور کیا جائے کہ "محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے قریش و دیگر قبائل عرب اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ جو جنگیں کیں۔ وہ حصول فتح۔ استیصال اور نیز جبراً مسلمان بنانے کی غرض سے تھیں۔ آپ نے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں تلوار[۱] لے کر لوگوں سے اپنی رسالت کو زبردستی منوایا[۲]۔" میں یقین کرتا ہوں کہ میں نے اس کتاب میں بہ وجوہات

[۱] ڈوزی لکھتا ہے کہ:۔
"فتح مکہ کے بعد جو قبیلے اب تک بت پرست ہیں انہیں معلوم ہو گیا کہ مخالفت اب بے سود ہے۔ اور
"ایک نیست و نابود کر دینے والی جنگ کی دھمکی نے اُن سے اسلام قبول کروا دیا جس کی تلقین محمد کے
"جنرل ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لے کر کرتے تھے۔
یہ مضمون مولوی عبدالحق صاحب کے قلمی مسودہ سے لیا گیا ہے جس کو انہوں نے انگریزی سے اُردو کیا ہے (عبداللہ خان)

[۲] "اب آنحضرت ص کی حیثیت اس درجہ پر پہنچ گئی تھی کہ آپ حکم الٰہی کی تعمیل کرانے کا ذریعہ ہو سکتے تھے۔ اور اس کے ساتھ ہی جو لوگ مذہب حق کے قبول کرنے سے منکر تھے اُن پر کامیابی کے ساتھ اس کے (دیکھو صفحہ ۲)

کافی یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ نہ تو محمد (صلعم) کی لڑائیاں حملہ آوری کی حیثیت رکھتی تھیں۔ اور نہ آپ نے **ایمان** کے معاملہ میں کسی طرح کے جبر و اکراہ سے کبھی کام لیا۔

مسلمانوں پر ابتدائی ظلم و ستم۔

۲- آنحضرت م کی تمام جنگیں **دفاعی** تھیں۔ جو لوگ آپ کے معاملہ میں دلچسپی رکھتے تھے اُن پر اور آپ پر بھی وقتاً فوقتاً سخت ظلم و ستم ہوتے رہے اور وہ خونخوار اور ناخدا ترس قریش کے ہاتھوں مکہ میں ایک قسم کی عام اذیت میں مبتلا تھے۔ جو لوگ کمزور اور بے یار و مددگار رہتے۔ اُن کو ترکِ وطن کر کے ملک **ابی سینا** (حبشہ) کی طرف جو ایک عیسائی سلطنت تھی۔ دو دفعہ ہجرت کرنی پڑی مگر غضبناک قریش نے وہاں بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اگرچہ یہ تعاقب بے فائدہ تھا۔ جو لوگ مکہ میں پیچھے رہ گئے تھے۔ وہ طرح طرح کی ذلتوں اور تکلیفوں میں مبتلا اور تمام مذہبی و تمدنی آزادی سے محروم تھے۔ کیونکہ وہ قریش کے ادنے معبودوں کو چھوڑ کر محمد (صلعم) کے صرف **خدائے واحد** پر ایمان لائے تھے۔ اور صدق دل سے آپ کی رسالت کے معتقد تھے۔

مسلمانوں نے اگر ہتھیار اُٹھائے تو وہ حق بجانب تھے

آنحضرت م اور آپ کے معتقدین کو **قانون قدرت** اور **قانون بین الاقوام** کی رو سے ہر قسم کا حق حاصل تھا کہ اپنے وطن میں **فتنہ** (فساد و اذیت) کے رفع کرنے اور حریت کے ملکی حقوق اور **مذہبی آزادی** حاصل کرنے کی غرض سے اپنے ظالموں سے اُسی جگہ جنگ کریں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ماننے کا دباؤ ڈال سکتے تھے" (سیرت محمدی از سر ولیم میور صفحہ ۱۱۱ مطبوعہ لندن ۱۸۸۷ء طبع جدید)

(۱) "جو مذاہب آنحضرت م کے چاروں طرف لوگوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ اُن میں زیادہ تر خالص مذہب (اسلام) میں پیغمبرِ اسلام نے اول اول مذہبی آزادی کی تاکید کی تھی۔ مگر رفتہ رفتہ اُس کی جگہ زبردستی ہونے لگی۔ اب کوئی آنحضرت م پر ظلم نہیں کرتا بلکہ وہ خود اوروں پر ظلم کرتے ہیں۔ آپ ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں قرآن لے کر مختلف اقوام کے پاس جاتے ہیں اور تین باتوں میں سے کسی ایک بات کے ماننے پر زور دیتے ہیں۔ یعنے اسلام لائیں۔ جزیہ ادا کریں۔ یا موت گوارا کرلیں" (محمد و دین محمدی از مسٹر باسورتھ اسمتھ صفحہ ۱۳۷- طبع دوم)۔

۲- جب مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے نکل گئے۔ اُس وقت اُن پر قریش نے از سرِ نو جو

حالت جنگ کا آغاز

جو ظلم و ستم شروع کئے وہ ایسے عداوت کے کام تھے۔ جو اعلان جنگ کے مرادف تھے۔ اُس وقت سے فریقین کے درمیان حالتِ جنگ کا آغاز ہوا۔ مکہ کے عربوں میں نہ تو کوئی باضابطہ سلطنت تھی۔ اور نہ اس بات کی تمیز تھی کہ فلاں شخص یا فلاں مال کسی قوم یا جماعت سے تعلق رکھتا ہے یا محض شخصی یا انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ سلطنت میں کوئی باقاعدہ فوج نہ تھی۔ اور جو موجود تھی وہ مستقل طور پر منضبط نہ تھی اور اس کے لئے کوئی ایسی خارجی علامت (وردی وغیرہ) مہیا نہیں کی گئی تھی جس سے اُس کو فوراً شناخت کر سکیں۔

مکہ میں سلطنت کی صورت یہ تھی کہ ہر قبیلہ کا بزرگ یا شیخ اپنے قبیلہ پر حکومت کرتا تھا۔ اور سرداران قریش بلکہ خود اہالی مدینہ، جب ضرورت پیش آتی فوج کا کام دیتے تھے۔ اور اسی لئے مخالفت یا حالت جنگ کے آغاز کے ساتھ ہی قریش یا باشندگان مکہ کا ہر فرد بشر مسلمانوں کا قومی دشمن تھا۔ اور اس بات کا سزاوار تھا کہ اس کی ذات کے ساتھ دشمن کا سا سلوک اور اس کے مال کے ساتھ دشمن کے مال کا سا برتاؤ کیا جائے۔ بجز اُن اشخاص کے جو جنگوں میں شریک ہونے کے قابل نہ ہوں۔ یا درحقیقت جنگ میں شامل ہونے سے باز رہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو جائز تھا کہ دشمن کے اُن قافلوں کو جو مکہ سے چل کر مدینہ کے قریب سے گزریں۔ دھمکائیں یا ان کو تاخت و تاراج کریں۔ اور اگر ممکن ہو تو مکہ تک پہنچ کر قریش پر حملہ کریں۔

۴- مگر چونکہ پیغمبر (صلعم) اور مہاجرین جن لوگوں میں آپ مقیم ہوئے تھے انہوں نے

مگر مسلمان اپنی حق تلفیوں کی تلافی کے لئے خاص وجوہ سے ہتھیار نہیں اُٹھا سکتے تھے۔

صرف مدینہ میں ان کی حفاظت و حمایت کا عہد کیا تھا۔ اس لئے مہاجرین اپنے حملہ آوروں یعنے قریش کے مقابلہ میں اپنی قومیت اور مذہبی آزادی کے حقوق

کی حمایت میں تو ہتھیار اٹھا ہی نہیں سکتے تھے۔ چہ جائیکہ منکروں کو جبراً مسلمان بنانے کے لیے ہتھیار اُٹھائیں یہ تو کسی طرح بھی ممکن نہ تھا۔ پس اُنہوں نے اس امر کو ترجیح دی کہ امن و امان سے مدینہ میں زندگی بسر کریں۔ اور بشرطِ امکان بغیر کسی بیرونی فتنہ وفساد کے اپنے اس نئے مذہب کی برکتوں کا لطف اُٹھائیں۔

۵۔ درحقیقت اتنی مُدت تک مکہ میں ایسے ایسے بھاری ظلم اُٹھانے کے بعد آخر کار مسلمانوں کو مدینہ میں ایک امن کی جگہ ملی تھی جہاں اُن کو از سرِ نو مخالفت شروع کرنے اور دوبارہ جنگ کے خطروں میں پڑنے کی خواہش باقی نہیں رہی تھی۔ بلکہ وہ اپنی جان بچا کر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے بعد امن و امان کی زندگی بسر کرنے سے بہت خوش تھے۔ اہل مدینہ نے پیغمبر (صلعم) کو صرف حملہ سے بچانے کا عہدو پیمان کیا تھا نہ کہ قریش پر چڑھائی کرنے میں شریک ہونے کا آنحضرت ؐ اور آپ کے معتقدین جو آپ کے ساتھ ہجرت کرکے مدینہ چلے آئے تھے۔ اُن کی توجہ اسلامی عقائد کے **وعظ و تلقین** میں مہاجرین اور اہل مدینہ کے درمیان رشتہ **اُخوّت** قائم کرنے میں نماز کے لئے ایک **مسجد** تعمیر کرنے میں مہاجرین کے لئے **مکانات** مہیا کرنے میں۔ یہودیان مدینہ اور گرد و نواح کے دیگر قبائل **بنی ضمرہ** (مکہ کا ایک قبیلہ تھا) اور **بنی مدلج** (بنی کنانہ کا ایک قبیلہ جو قریش کے رشتہ دار تھے) کے ساتھ **عہدو پیمان** کرنے میں کہ وہ مسلمانوں کے دشمنوں سے کچھ سرو کار نہ رکھیں۔

> مسلمان مدینہ میں دیگر مشاغل میں معروف ہونے کی وجہ سے نہیں چاہتے تھے کہ ابتداءً جنگ کرکے لڑائی کے جھگڑوں میں پڑیں۔

> مگر دشمن کی طرف سے اُن کو ہر وقت کھٹکا تھا۔

[۶] قریش کے پیش آنے والے حملہ کے **خطرہ** کی روک تھام کرنے میں[۱] جنہوں نے ایسے موقعوں پر پہلے بھی

---

[۱] النور۔ ۲۴۔ آیت ۵۴۔

مسلمانوں کا تعاقب کیا تھا۔ اور ان تمام کاموں سے بڑھ کر مسلمانوں کے لئے، جو اب ایک آزاد جماعت یا جمہوریت کی حیثیت جلد جلد اختیار کرتے جاتے تھے، بعض مذہبی و ملکی آئین منضبط کرنے میں مصروف تھی۔ ایسی حالتوں میں یہ بات قریب قریب ناممکن تھی کہ آنحضرت ؐ یا آپ کے پیرو اپنے کینہ توز دیرینہ دشمنوں پر حملہ کرنے کا خیال کریں یا کسی کو زبردستی مسلمان بنانے کے لئے ہتھیار اٹھائیں؟

قریش نے اولاً مسلمانوں پر مدینہ تک پہنچ کر حملہ کیا اور مسلمانوں کا کہ سے بچ نکلنا گوارا نہ کرسکے۔

۶۔ جب قریش نے دیکھا کہ ستم رسیدہ مسلمان اپنے وطن کی تمام جائداد اور زمین چھوڑ کر ایک دور دراز شہر (مدینہ) میں چلے گئے۔ جہاں وہ بغیر جنگی مہم کے پہنچ نہ سکتے تھے۔ اور محمد (صلعم) جن کو گرفتار کرنے کے لئے انہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔ اُن کے ہاتھ نہ آئے۔ اور نیز جب اُنہوں نے سُنا کہ مدینہ میں مسلمانوں کی بڑی آؤبھگت اور خاطر و مدارات ہوئی ہے۔ وہاں اُن کو مذہبی آزادی مل گئی ہے اور وہ اہل مدینہ کی برادرانہ نصرت کا حظ اُٹھا رہے ہیں۔ تو وہ اپنی اُس خونخوارانہ عداوت کو جو مہاجرین سے تھی ضبط نہ کرسکے۔ قریش کی مخالفت کی آگ پہلے ہی بھڑک اُٹھی تھی۔ اُن کی سخت گیری اور ظلم و تعدی کی نوبت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ جب ۶۱۵ء میں گیارہ مسلمانوں کی ایک جماعت نے ابی سینا کی طرف ہجرت کی تو اُنہوں نے اُن کی گرفتاری کے لئے تعاقب کیا پھر دوبارہ ۶۱۶ء میں جب قریش کا ظلم و ستم پہلے سے زیادہ ہوگیا۔ اور تقریباً سو مسلمانوں کی ایک اور جماعت مکہ سے ہجرت کر کے ابی سینا کو چلی گئی تو قریش نے شاہ ابی سینا کو اپنے سفیر بھیجے کہ ان تارکانِ وطن کو ہمارے حوالے کر دیا جائے۔

۶۲۲ء کی تیسری اور عظیم الشان ہجرت میں مسلمانوں کے بچ نکلنے پر قریش

آگ بگولا ہو ہی رہے تھے۔ لہٰذا اس امر کے باور کرنے کی ہر ایک وجہ موجود ہے کہ انہوں نے مہاجرین پر تعدی کرنے کے لئے ہر قسم کی پُرزور اور معاندانہ تدابیر قدرتی طور پر ضرور اختیار کی ہوں گی[1]۔

مکہ سے مسلمانوں کی عام ہجرت کے دوسرے سال قریش نے ایک ہزار قوی جوانوں کی ایک بڑی فوج فراہم کر کے مسلمانانِ مدینہ پر چڑھائی کرنے کی غرض سے کوچ کیا۔ چونکہ مدینہ، مکہ سے دو سو پچاس میل یا بارہ میل ہے۔ اس لئے غنیم کی حملہ آور فوج آٹھ منزل سفر کر کے مقام بدر پر پہنچی۔ جہاں سے مدینہ تین یا چار منزل ہے۔ آنحضرتؐ صرف تین سو مسلمانوں کو لے کر۔ جن میں بہ نسبت مہاجرین کے انصار زیادہ تر تھے قریش کے مقابلہ میں مدافعت کے لئے مدینہ سے نکلے اور بدر کی مشہور جنگ مدینہ سے کوئی تیس ہی میل کے فاصلہ پر واقع ہوئی۔ اس میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہ جنگ محض دفاعی تھی۔ اور اس بات کو سب تسلیم کرتے ہیں۔

---

[1] سر ولیم میور کا خیال ہے کہ قریش صبر و تحمل کرتے تھے۔ مگر قریش کے سابقہ طریق عمل سے صاحب موصوف کی رائے کی تائید نہیں ہوتی۔ کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کو سخت اذیتیں دی تھیں اور مہاجرین کا تعاقب کیا تھا۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ:۔

"محمد (صلعم) اور ابو بکرؓ کو اپنے اپنے قبیلوں پر بھروسہ تھا کہ وہ ان کے عیال و اطفال کو قریش کی بدسلوکی سے محفوظ رکھیں گے۔ مگر قریش نے اُن کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی اور نہ کسی قسم کی تکلیف دی اُن کو حراست میں رکھنے کی کوئی خفیف سی خفیف کوشش نہیں کی گئی۔ اگرچہ یہ بات غیر معقول نہ تھی کہ وہ اُن کے عیال و اطفال کو بطور یرغمال کے حراست میں رکھ لیتے تاکہ مسلمان مدینہ سے اُن پر کوئی مخالفانہ حملہ نہ کرسکیں" (سیرت محمدی از سر ولیم میور۔ جلد دوم صفحہ ۲۶۵)۔

"قریش نو مسلمانوں کا ایک عظیم الشان تعاقب اور اُن پر حملہ کرنے والے تھے اور کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ محمد (صلعم) اور ابو بکرؓ کے عیال و اطفال کو بطور یرغمال کے حراست میں رکھیں۔ جب کہ انہیں یہ خیال بھی نہ آسکتا تھا کہ مسلمان جنگ کی ابتدا کریں گے کیونکہ وہ اپنی جان بچا کر نکل جاتے اور بے خلل و غش زندگی بسر کرنے سے نہایت خوش تھے۔ اور اس حالت کو غنیمت سمجھتے تھے"۔

سورۂ (حج ۲۲) آیات ۳۹-۴۲ جو اصل کتاب کے فقرہ (۱۷) میں نقل کی گئی ہیں جنگ بدر کے بعد **مدافعت** کے طور پر ہتھیار اٹھانے کی بابت سب سے پہلے نازل ہوئی ہیں۔

۷۔ قریش نے مسلمانوں کے خلاف مدینہ میں تین جنگیں کیں۔ پہلی لڑائی جو **جنگ بدر** کے نام سے موسوم ہے۔ مدینہ سے تیس میل کے فاصلہ پر ہوئی تھی۔ اور قریش **مکہ** سے چل کر دو سو بیس میل تک چڑھ آئے تھے۔

حملہ آور قریش نے آنحضرت ؐ کے ساتھ تین جنگیں کیں۔

دوسری لڑائی جس کو **جنگ اُحد** کہتے ہیں۔ مدینہ سے ایک میل کے فاصلہ پر ہوئی تھی۔ یعنے غنیم **مکہ** سے روانہ ہو کر ڈھائی سَو میل تک چڑھا چلا آیا تھا۔

تیسری۔ **جنگ اَحزاب** تھی جس میں قریش نے دس ہزار جوانوں کی فوج جمع کی تھی۔ شہر کا کئی روز تک محاصرہ رہا۔ اور مسلمان **مدینہ** کی چار دیواری کے اندر ہی اندر **مدافعت** کرتے رہے۔ کیونکہ **غنیم** مدینہ کی چار دیواری تک چڑھ آیا تھا۔ آنحضرت ؐ اور قریش کے مابین صرف یہی تین لڑائیاں ہوئیں۔ اور ہر ایک لڑائی میں آنحضرت ؐ نے **مدافعت** کی۔ آپ نے نہ تو انتقام لینے کے لئے قریش پر حملہ کیا۔ اور نہ اس لئے کہ بزور شمشیر اُن کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے ÷

یہ تینوں لڑائیاں بھی آنحضرت ؐ نے اپنے نقصانات کی تلافی یا اُن حقوق کے قائم کرنے کے لئے جو خطرہ میں پڑے ہوئے تھے نہیں کی تھیں بلکہ صرف ظلم کے دفعیہ کے لئے اور بطور حفاظتِ خود اختیاری کے یہ حق آپ کو حاصل تھا۔ اگر آنحضرت ؐ اور مسلمان **مکہ** پر حملہ کر کے وہیں قریش کے ساتھ جنگ و جدل کرتے تو بھی جو نقصانات مسلمانوں کی جان و مال کو اہل مکہ کے ہاتھوں پہنچے تھے۔ ان کی تلافی کے لئے۔ آپ کا جنگ کرنا حق بجانب ہوتا یہ وہی مسلمان تھے جن کو قریش مذہب کی وجہ سے اذیتیں پہنچا رہے تھے۔ جن کو گھر دل سے جلاوطن کر دیا تھا۔ اور **خانہ کعبہ** کے حج سے بھی روک دیا تھا۔ جس لڑائی کی وجوہ

یہ لڑائیاں محض دفاعی تھیں حتی کہ مسلمانوں کے نقصانات کی تلافی یا ان کے حقوق قائم کرنے کے لئے بھی نہیں کی گئی تھیں۔

منصفانہ ہوں مثلاً بیجا ظلم وتعدی کو روکنا یا دفع کرنا یا کسی حق کو قائم کرنا۔ وہ ہر ایک مذہبی اخلاقی یا ملکی قانون کی رو سے جائز ہے ۔

۸۔ سر ولیم میور۔ جو ظالم و جابر قریش کے بڑے حامی ہیں۔ اُن کی یہ راے ہے کہ

بدر کی لڑائی جنگ دفاعی تھی

جنگ بدر "خود محمد (صلعم) کی طرف سے ہوئی تھی"[1] اور یہ کہ آنحضرت ص کا ارادہ تھا کہ قریش کے قافلہ پر جو بسر کردگی ابوسفیان ملک شام سے واپس آرہا تھا۔ یکایک بلا اطلاع حملہ کریں۔ اور یہ کہ آپ اس کو لوٹنے کے لئے مدینہ سے باہر نکلے تھے۔ ابوسفیان نے اپنی مدد کے لئے قریش کی ایک فوج طلب کی۔ اور اس طرح جنگ بدر کا آغاز ہوا۔ میں نے اصل کتاب کے فقرہ ۵۵ و ۵۶ میں اس امر کے ثابت کرنے کے لئے کہ یہ بیان غلط ہے۔ دلائل بیان کئے ہیں۔ بس بمختصر تحریرات یعنے قرآن مجید ہی سے یہ بتاؤں گا کہ آنحضرت ص کا قصد نہ تو قافلہ پر حملہ کرنے کا تھا۔ اور نہ آپ اس غرض سے مدینہ سے باہر نکلے تھے ۔

دعوئے مذکور کے دلائل۔

اول۔ الانفال ۸۔ آیات ۵ و ۶[2] سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا ایک گروہ جنگ بدر کے موقع پر آنحضرت ص کے مدینہ سے باہر جانے سے ناخوش تھا۔ اگر مال دار قافلوں کو لوٹنا اُن کا مقصد ہوتا۔ جیسا کہ عام طور پر کیا جاتا

---

[1] دیکھو سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۲۵۵ کا فٹ نوٹ۔ یہ نوٹ کتاب مذکور کی طبع جدید سے حذف کر دیا گیا ہے۔ دیکھو صفحہ ۲۱۷۔

[2] اصل آیتیں یہ ہیں:-

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِن بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ ۝ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنظُرُونَ ۝ (الانفال ۸۔ آیات ۵ و ۶۔)

یعنے "(اے پیغمبر) جس طرح تمہارے پروردگار نے تم کو حق پر گھر سے نکلنے پر آمادہ کیا اور درحقیقت مسلمانوں کا ایک گروہ اس بات سے ناخوش تھا انہوں نے حق ظاہر ہونے کے بعد حق بات میں تم سے جھگڑا کیا گویا اُن کو موت کی طرف ڈھکیلا جاتا ہے۔ جس کو وہ دیکھ رہے ہیں۔" (الانفال ۸۔ آیات ۵ و ۶)۔

(صاحب تفسیر بیضاوی نے ان دونوں آیتوں کی تفسیر میں نہایت دلچسپ و مدلل بحث کی ہے ناظرین کتاب ہذا اسکو ملاحظہ فرماویں)

ہے تو مسلمانوں کے ایک گروہ کی ناخوشی کے لئے کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تھی۔ جن پر بار ہا یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ قریش کے ساتھ مخالفانہ روش رکھتے تھے اور جنگ و جدل اور مال غنیمت کے بڑے حریص تھے۔ اور یہ حرص نمایاں طور پر اعراب میں پائی جاتی ہے۔ حقیقتِ واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت نے مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے کی ضرورت پر اور اس نتیجہ پر جو غالباً پیش آنے والا تھا۔ آنحضرتؐ سے بحث کی انہوں نے فصیل شہر کے اندر محصور رہ کر **مدافعت** کو ترجیح دی +

یہ دلیل اس دعوے کے خلاف ہے کہ "آنحضرتؐ مع اپنے معتقدین کے قافلہ کو لوٹنے کے لئے روانہ ہوئے تھے اور قریش اس کو بچانے کے لئے آئے تھے"!

دوم۔ اسی سورۃ (الانفال ۸) کی آیت ۴۲[1] سے ثابت ہوتا ہے کہ تینوں گروہ مسلمان، قریش کی فوج، اور قافلہ محض اتفاق سے مقام بدر کے قریب ایک دوسرے کے مقابل میں آکر خیمہ زن ہو گئے تھے۔ یہ دلیل ان لوگوں کے خلاف ہے جو یہ کہتے ہیں۔ کہ "آنحضرتؐ بمقام بدر اسی ارادہ سے آئے تھے کہ وہاں جا کر قافلہ کو لوٹیں[2]"۔ درحقیقت آنحضرتؐ نے مقام بدر پر نہ تو قافلہ ہی کے لوٹنے کا پہلے سے ارادہ کیا تھا اور نہ قریش کی فوج سے مقابلہ کرنے کا۔ آپؐ مع اپنے اصحابؓ کے صرف مدافعت کے طور پر دشمن کو روکنے کے لئے آئے تھے جو آگے بڑھا چلا آتا تھا +

---

[1] اصل آیت یہ ہے:۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا (الانفال ۸۔ آیت ۴۲)۔

یعنی "یہ وقت تھا کہ تم (میدان جنگ) کے قریب کے سرے پر تھے اور وہ (کفار) پہلے سرے پر۔ اور قافلہ تم سے نیچے کی طرف کو (دریا کے کنارہ پر) تھا اور اگر تم نے آپس میں (لڑائی کا) وعدہ کیا ہوتا تو تم سے ضرور وقت کی پابندی میں فرق پڑ جاتا مگر (دیکھا) ایک ایک دوسرے سے مٹ بھیڑ ہو گئی) تاکہ خدا کو جو کچھ کرنا منظور تھا اس کو پورا کر دے"۔ (الانفال ۸۔ آیت ۴۲)۔

[2] دیکھو میور صاحب کی سیرت محمدی طبع جدید صفحہ ۲۲۶۔

سوم۔ اسی سورۃ کی ساتویں آیت[1] سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس وقت فریقین محض اتفاقاً ایک دوسرے کے قریب خیمہ زن ہو گئے تھے، اُسی وقت اور اُسی جگہ مسلمانوں نے فوج قریش سے جنگ کرنے کی بجائے، بطورِ انتقام یا بغرض تلافی نقصانات قافلہ پر حملہ کرنا چاہا تھا یہ دلیل میرے اس دعوے کی تائید میں ہے کہ "قافلہ پر حملہ کرنے کا پہلے سے کوئی منصوبہ نہ تھا"۔

چہارم۔ اسی آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ "آنحضرت صلعم کا ارادہ قافلہ پر حملہ کرنے کا نہ تو مدینہ سے باہر نکلنے سے پہلے تھا۔ جیسا کہ بعض جاہل آدمی کہتے ہیں۔ اور نہ بمقام بدر دشمن کی فوج سے آمنا سامنا ہونے کے بعد ہی آپ کا ایسا ارادہ ہوا۔

پنجم۔ سورۃ (الانفال ۸) آیت ۷۲[2]۔ جس میں جنگ بدر کے قیدیوں کا ذکر ہے۔ صاف صاف بتاتی ہے کہ اہل مکہ نے قید ہونے سے پہلے مسلمانوں کے ساتھ دغا کی تھی۔ اور بصراحت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وہ مسلمانانِ مدینہ پر ابتداءً حملہ کرنے کی غرض سے مکہ سے چلے تھے۔

ششم۔ سورۂ توبہ ۹۔ آیت ۱۳[3]۔ جس میں ایک واقعہ مابعد یعنی قریش کے صلح

---

[1] اصل آیت یہ ہے:-

وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ۝ (الانفال ۸۔ آیت ۷)۔

یعنی "اور یاد کرو جب خدا نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ دو جماعتوں میں سے ایک تمہارے ہاتھ آ جائے گی۔ اور تم یہ چاہتے تھے۔ کہ جس جماعت میں قوت نہیں ہے وہ تمہارے ہاتھ آئے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ تھا کہ اپنے کلمات سے حق کو قائم کرے اور کافروں کے پچھلے حصہ کو قطع کرے"۔ (الانفال ۸۔ آیت ۷)۔

[2] اصل آیت یہ ہے:-

وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ (الانفال ۸۔ آیت ۷۲)۔

یعنی "اور اگر وہ تمہارے ساتھ دغا کرنا چاہیں تو پہلے بھی اللہ کے ساتھ دغا کر چکے ہیں پس اُس نے تم کو اُن پر قابو دیا۔ اور اللہ علیم اور حکیم ہے"۔ (الانفال ۸۔ آیت ۷۲)۔

[3] اصل آیت یہ ہے:- (دیکھو صفحہ ۱۱)

حدیبیہ کی عہد شکنی کا ذکر ہے۔ بصراحت تمام اُن پر اس امر کا الزام لگاتی ہے کہ انہوں نے ہی پہلے حملہ کیا تھا اور وہی پہلے جنگ کے لئے چڑھ کر آئے تھے۔ چونکہ جنگ بدر سے پہلے قریش نے مسلمانوں پر نہ تو کوئی حملہ کیا تھا اور نہ کوئی جنگ کی تھی۔ اس لئے میں یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ بدر کی لڑائی میں قریش حملہ آور تھے۔

۹۔ مگر چونکہ قریش اور عرب کے دیگر مخالف قبائل ہر سال آنحضرت ﷺ پر حملہ کرتے اور دق کرتے رہتے تھے۔ اس لئے آپ کو اتنی مہلت نہ تھی کہ اپنے خطرہ میں پڑے ہوئے حقوق قائم کرنے، یا مسلمانوں کے نقصانات کی تلافی کرنے، یا ان مظالم کا تدارک کرنے کے لئے جو آپ کی ذات پر کئے گئے تھے، اپنے دشمنوں یعنے قریش سے جنگ کرنے کی غرض سے حملہ کریں۔ اور بُت پرستی کو زبردستی ترک کرانے یا اپنی رسالت کو جبرًا منوانے کے لئے ہتھیار اُٹھانے کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔

> قریش اور دیگر قبائل عرب کے حملوں اور اُن کی دھمکی دینے والی جمیعتوں کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو اتنی مہلت نہ تھی کہ اُن پر از خود حملہ کرنے کا خیال کریں۔

مکہ سے ہجرت کے بعد پہلے سال میں قریش کے غیظ و غضب کی وجہ سے مسلمان ہر دم خطرے میں تھے۔ اور جب آنحضرت ﷺ قرب و جوار کے قبائل سے اس امر کے معاہدے کر رہے تھے کہ وہ مسلمانوں کے دشمنوں سے کچھ واسطہ نہ رکھیں۔ اُس وقت کُرز بن جابر[1] نے جو اعراب قریش میں سے تھا مدینہ پر حملہ کیا۔

دوسرے[2] سال قریش نے بمقام بدر جنگ کی۔ اور اس کے بعد ختم سال کے قریب انہوں نے مدینہ پر ایک خفیف سی چڑھائی کی۔ بنی نضیر نے اہل مدینہ کے ساتھ یہ بدعہدی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰)

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اَتَخْشَوْنَهُمْ (التوبہ ۹۔ آیت ۱۳)

یعنے "تم اُن لوگوں سے کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنے عہدوں کو توڑا۔ اور رسول کے نکال دینے کا ارادہ کیا، اور انہوں نے ہی پہلی دفعہ تم سے جنگ شروع کی کیا تم اُن سے ڈرتے ہو"۔ (التوبہ ۹۔ آیت ۱۳)۔

[1] ابن ہشام مطبوعہ یورپ صفحہ ۴۲۳ ۔ التنبیہ والاشراف مطبوعہ یورپ صفحہ ۲۵۲ ۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۹۶۔

کی کہ دشمن کو خبریں پہنچائیں۔ اور اس کو دعوت دی۔

تیسرے سال کے شروع میں **بنی سلیم** اور **بنی غطفان** کے خانہ بدوش قبیلوں نے جو نجد کے میدانوں میں رہتے تھے اور قریش اور وہ ایک ہی نسل سے تھے دو دفعہ تاخت و تاراج کی غرض سے مدینہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ باندھا۔ اُسی زمانہ میں مدینہ کے قریب **جنگ احد** میں مسلمانوں نے قریش سے شکست کھائی۔ اس واقعہ کا پیغمبر اسلام (عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ) کے اقتدار پر بڑا اثر پڑا۔ اور آپ کے فتح مند غنیم نے یہ دھمکی دی کہ ہم سال آیندہ بھی اسی قسم کا حملہ کریں گے۔

چوتھے سال کے شروع ہوتے ہی بہت سے **بدوؤں** اور نیز قبیلۂ **بنی نضیر** کے یہودیوں کی عداوت کا جوش نمایاں ہوا۔ اور مختلف مقامات میں آنحضرت ؐ کے خلاف کارروائی کرنے اور مدینہ کی شکست سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے بڑی بڑی جمعیتیں ترتیب دی گئیں۔ قریش کو جو فتح اُحد میں حاصل ہوئی اس کی تکمیل کے لئے **بنی اسد** اور **بنی لحیان** کے قبیلے مجتمع ہوئے۔ بالآخر یہ سخت غم انگیز سانحہ سے کم نہیں پیش آیا۔ کہ مقام **رجیع**[1] اور **بیر معونہ**[2] میں داعیانِ اسلام قتل کئے گئے۔ ختم[3] سال پر اہل مدینہ کو یہ مبالغہ آمیز خبر ملی کہ غنیم نے جیسا کہ سال گزشتہ وعدہ کیا تھا۔ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے **مکہ** میں بڑی بڑی تیاریاں کی ہیں۔ (سورۂ آل عمران ۳۔ آیت ۱۶۷)۔

پانچویں[ھ] سال بنی **غطفان** کے بعض قبائل **ذات الرقاع** میں مشتبہ ارادوں سے جمع ہو رہے تھے۔ اور **دومۃ الجندل** کے قریب قزاقوں کی جماعتوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کی دھمکی دی۔ **بنی خزاعہ** کی ایک شاخ **بنی مصطلق** نے جواب تک

---

[1] ابن ہشام صفحہ ۶۳۸۔ التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۴۶۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۸۔

[2] ابن ہشام صفحہ ۶۴۸۔ التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۴۶۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۳۱۔

[3] تفسیر بیضاوی جلد اول صفحہ ۱۸۷ مطبوعہ لیپ۔

آنحضرت ؐ کے طرفدار تھے۔ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے قریش کے ساتھ شامل ہونے کی غرض سے ہتھیار اُٹھائے ختم سال پر قریش نے بدوی (صحرانشین) قبائل[1] کی ایک بہت بڑی جمعیت کے ساتھ شامل ہو کر مدینہ کی طرف کوچ کیا۔ اور بہت دن تک اس کا محاصرہ رکھا۔

جب مدینہ کا محاصرہ کیا گیا تو بنی قریظہ آنحضرت ؐ سے جدا ہو کر قریش کی فوج کے ساتھ جا ملے۔

چھٹے سال کے شروع میں بنی فزارہ کے سردار عیینہ نے مدینہ پر حملہ کیا[2]۔

ایک مدینہ کے قافلہ کو جس کا سردار زید بن حارثہ تھا بنی فزارہ[3] نے گرفتار کر کے لوٹ لیا۔ ماہ ذیقعدہ میں (جو عربی قمری سال کا گیارھواں مہینہ ہے) جبکہ تمام عرب اور بالخصوص حرم مکہ میں جنگ و جدل ممنوع تھا چونکہ آنحضرت ؐ اور آپ کے اصحاب کو بیت اللہ اور گردونواح کے مقامات مقدسہ کی زیارت کا شوق تھا۔ اور حج جس کو بچپن سے اپنی قومی و مذہبی زندگی کا ایک نہایت ضروری جزو سمجھتے تھے اس میں شامل ہونے کا قصد تھا۔ مزیدبراں اپنے گھروں اور بال بچوں کے دیکھنے کے لئے۔ جن سے اُن کو جبراً اور ظلماً جدا کیا گیا تھا۔ اُن کے دلوں میں ایک قوی خواہش موج زن تھی۔ لہٰذا بجائے حج کے صرف عمرہ[4] ادا کرنے کی غرض سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ اُن کا خیال یہ تھا کہ جب ہم حاجیوں کے لباس میں روانہ ہونگے جس سے کسی لڑائی وغیرہ کا اندیشہ نہیں ہوسکتا

---

[1] بنی اشجع۔ مُرّہ۔ فزارہ۔ سلیم۔ سعد۔ اسد اور بنی غطفان کے چند قبائل۔ وادی القریٰ اور خیبر کے یہودی۔

[2] ذوالقصہ میں مسلمانوں کی ایک جماعت قتل کی گئی (التنبیہ للمسعودی صفحہ ۲۵۲ طبع یورپ) دحیہ (عینی جلد ۸ صفحہ ۳۲۶ طبع قسطنطنیہ) جس کو آنحضرت ؐ نے قیصر روم کے پاس بھیجا تھا۔ اس کا تمام مال و متاع واپسی کے وقت بنی جذام نے وادی القریٰ سے پرے لوٹ لیا۔

[3] خیبر کے یہودی۔ بنی فزارہ اور بنی سعد بن بکر اور دیگر قبائل اعراب کو مدینہ پر چڑھائی اور لوٹ مار کی ترغیب دے رہے تھے۔

[4] ابن ہشام صفحہ ۷۴۰۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۵۲۔

تو قریش قومی عقیدہ کے ہر ایک معاہدہ کی رُو سے **اخلاقاً** اس امر کے پابند ہوں گے کہ ہم کو نہ ستائیں اور آنحضرت ؐ نے بھی ان سے امن و امان کے ساتھ **مکّہ** میں داخل ہونے کا نیز وعدہ کیا تھا۔ مگر قریش نے مسلّح ہو کر مسلمانوں کو **مکہ** کی طرف بڑھنے سے روکا۔ حالانکہ اُن کا مقصد نیک تھا (یعنی زیارت بیت اللہ کا ارادہ تھا) اور ان کی وضع بھی حاجیوں کی سی تھی۔ یوں بھی اُن کی طرف سے لڑائی کا گمان نہیں ہو سکتا تھا۔ بالآخر آنحضرت ؐ اور قریش کے درمیان ایک **عہدنامہ**[1] بمقام **حدیبیہ** لکھا گیا۔ اس عہدنامہ کی **شرائط** گو بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں۔ مگر فی الحقیقت یہ ایک فتح تھی جو مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔ اس صلح سے دس سال تک لڑائی بند ہو گئی +

آنحضرت ؐ کے قیام مدینہ کے ابتدائی چھ سال کا مختصر سا خاکہ جو میں نے کھینچا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں **مدینہ** برابر ایک قسم کی **جنگی مدافعت** کی حالت میں تھا۔ مسلمانوں کو **بیرونی حملے** یورش اور تاخت و تاراج کا۔ اور **اندرونی** دغا۔ سازش اور فریب کا ہر دم کھٹکا لگا رہتا تھا۔ اُن کو یا تو **غنیم** کی بڑی بڑی **جمعیتوں** کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ یا جو لوگ بارادہ جنگ جمع ہوتے تھے ان کو منتشر کرنا پڑتا تھا۔ اور یا بعض اوقات غارتگر قبائل کو تنبیہ و تادیب کرنی پڑتی تھی۔ غرضکہ آنحضرت ؐ کو مدینہ میں **بے کھٹکے** دم لینے کی مہلت تو تھی ہی نہیں۔ تو پھر آپ کو ایسا وقت اور موقع کہاں سے مل سکتا تھا کہ جو ایذائیں قریش کے ہاتھوں آپ کو اور مسلمانوں کو پہنچی تھیں ان کا انتقام لینے کے لئے۔ ان کے نقصانات کی تلافی اور اُن کی ملکی و مذہبی آزادی کے حقوق دوبارہ قائم کرنے کے لئے یا اُن کو اور دیگر قبائل کو بزور شمشیر مسلمان بنانے کے لئے **قریش مکہ** پر حملہ کرنے کا منصوبہ پختہ کر سکیں +

نواحِ مکہ میں قریش کا مسلّح ہو کر مسلمان حاجیوں سے مقابلہ کرنا

۱۰۔ جب مسلّح قریش نے نہتے مسلمانوں کا جو حاجیوں کے لباس میں تھے۔ مقابلہ کیا۔ اور قریش لڑائی کا جامہ پہن کر آیا

[1] ابن ہشام صفحہ ۷۴۰۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۵۲۔

بالفاظ دیگر تا دم واپسین لڑنے کا عزم مصمم کر کے ذو طوٹے کے مقام پر خیمہ زن ہوئے اور جبکہ حضرت عثمان رض کو جو مسلمانوں کی طرف سے سفیر ہو کر مکّے گئے تھے قریش نے سچ مچ قید کر لیا[1]۔ اور جن کی نسبت یہ افواہ اُڑ رہی تھی کہ وہ مکّہ میں قتل کر دئے گئے۔ اور جبکہ قریش کی ایک جماعت نے آنحضرت صلعم کے لشکر گاہ پر سچ مچ حملہ کر ہی دیا[2]۔ صرف اس وقت مسلمانوں کے لشکر میں جوش و خروش۔ خوف و خطر۔ اور فکر و اندیشہ پیدا ہوا اور اسی وقت آنحضرت صلعم نے مسلمانوں سے عہد واثق لیا کہ جب تک دم میں دم ہے اسلام کی حمایت کریں گے۔ (سورۃ الفتح[3] ۴۸۔ آیت ۱۸)۔

اسی اثناء میں اُن مسلمانوں نے جو مکّہ میں مقید تھے۔ اور جن پر اور بھی ظلم و ستم ہو رہے تھے۔ اپنی رہائی کے لئے آنحضرت صلعم سے درخواست کی۔ دیکھو (سورۃ النساء ۴۔ آیات ۷۷ و ۹۹ و ۱۰۰) اور سورۃ التوبہ ۹۔ آیات ۱۳ و ۱۴)۔ (تفسیر بیضاوی جلد اول صفحہ ۲۷۳ مطبوعہ یورپ سنہ ۱۸۴۸ء)۔

آنحضرت صلعم نے اس موقع پر قریش کے ساتھ جنگ کا اعلان کر دیا۔ اس صورت میں جبکہ وہ پہلے حملہ کریں۔ اور مسلمانوں کو تاکید کی کہ اپنے اگلے پچھلے ظلموں کا (جو قریش نے اُن پر کئے تھے) انتقام لیں۔ اپنی ملکی و مذہبی آزادی کے حقوق کو قائم کریں۔ اپنے وطن (مکّہ) میں بے روک ٹوک آمد و رفت رکھنے اور اپنے مراسم مذہبی کو بلا مزاحمت ادا کرنے کی آزادی حاصل کریں۔ اور قریش کے

مکہ میں ملکی و مذہبی آزادی کا حق حاصل کرنے کی غرض سے جنگجو قریش کے خلاف آنحضرت صلعم کا اعلان جنگ۔

[1] ابن ہشام صفحہ ۷۴۳ مطبوعہ یورپ سنہ ۱۸۶۰ء۔
[2] ابن ہشام صفحہ ۷۴۶۔
[3] ابن ہشام صفحہ ۷۴۵۔ (دیکھو سورۃ الفتح ۴۸۔ آیت ۱۸ تفسیر بیضاوی جلد دوم صفحہ ۲۶۹ مطبوعہ یورپ)۔ التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۵۵ مطبوعہ یورپ)۔ [4] آنحضرت صلعم نے مکّہ کی طرف بعض قبائل اعراب کو اپنا حامی بنا لیا تھا اور وہ آپ کے ساتھ دوستانہ برتاؤ رکھتے تھے۔ اس وقت آنحضرت صلعم نے اُن کو طلب کیا کہ اگر جنگ پیش آئے تو آپ کے ساتھ شامل ہوں۔ مگر سوائے معدودے چند کے کوئی شخص شریک جنگ نہ ہوا۔

مظالم کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیں +

آیات مندرجہ ذیل اسی موقع پر نازل ہوئیں اور اُسی وقت اُن کا اعلان کر دیا گیا :-

سورۂ دوم (البقرہ) آیات[1] ۱۸۶ لغایت ۱۹۰ - اور ۲۱۲ لغایت ۲۱۵ + اس کے بعد سورۂ الفتح ۴۸[2] - آیت ۱۸) بھی اسی موقع سے تعلق رکھتی تھی - بالخصوص آیات ۱۰ و ۲۲ لغایت ۲۷) - یہ آیتیں اصل کتاب کے فقرۂ (۱۷) میں نقل کی گئی ہیں +

مگر خوش قسمتی سے باہم مصالحت ہو گئی اور کسی طرف خون کا ایک قطرہ بھی بہنے نہیں پایا - پس جن آیات کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے اُن کے احکام کی تعمیل کبھی نہیں ہوئی - اس اعلان جنگ کے شائع کرنے میں بھی آنحضرت ؐ تمام **قوانین** اور **انصاف** کی رو سے حق بجانب تھے - یہ جنگ بھی اگر واقع ہوتی **جنگ مدافعت** ہی ہوتی جو مسلمانوں کے **ملکی حقوق** اور اُن کی **مذہبی آزادی** قائم کرنے کی غرض سے کی جاتی جس سے وہ اب تک ناواجب طور پر محروم کئے گئے تھے +

یہ جنگ جس کا اعلان کیا گیا تھا - عمل نہیں آئی -

۱۱ - یہ **صلح** زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہی - حملہ آور قریش کی طرف سے مخالفت کا سب سے پچھلا کام یہ ہوا کہ انہوں نے صلح نامہ کے مرتب ہونے سے دو سال کے اندر ہی **صلح** کو توڑ دیا - اس کا **نتیجہ** یہ ہوا کہ آخر کار مکہ فتح ہو گیا - اور **اہل مکہ** نے اطاعت قبول کی - قبیلۂ بنی خزاعہ[3] جو اب صلح ہو جانے کے وقت سے مسلمان ہو گیا تھا - اور جس نے عہد نامہ

قریش پھر مخالفت کے مرتکب ہوتے اور عہد شکنی کرتے ہیں

[1] بیضاوی جلد اول صفحہ ۱۰۵ طبع یورپ - کشاف جلد اول صفحہ ۱۳۱ طبع کلکتہ -

[2] بیضاوی جلد ۲ - صفحہ ۲۱۹ -

[3] سورہ توبہ ۹ - آیت ۱۲ و ۱۴ میں بھی بنی خزاعہ کا ذکر ہے - دیکھو تفسیر بیضاوی جلد اول صفحہ ۳۷۹ و ۳۸۰ مطبوعہ یورپ ۱۸۴۶ء - تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۵۹۵ -

کے وقت آنحضرت صلعم سے علی الاعلان عہد و پیمان کیا تھا۔ اس پر قریش اور اُن کے معاون و مددگار بنی بکر[1] نے حملہ کیا۔ ان مظلوم مسلمانوں نے اپنے نائبوں کے ذریعہ سے آنحضرت صلعم سے مدد کی درخواست کی اور اُنہوں نے آنحضرت صلعم اور آپ کے اصحاب کے روبرو اُن ظلموں کا جو اُن پر ہوئے تھے نہایت مؤثر الفاظ میں اظہار کیا۔ اور زار نالی کے لہجہ میں اصرار کیا کہ دغاباز قاتلوں سے انتقام لیا جائے +

صلح توڑنے والوں کے خلاف جنگ کا اعلان

آنحضرت صلعم نے اُن حملہ آوروں کے خلاف، جنہوں نے صلح کو توڑ کر بنی خزاعہ پر حملہ کیا تھا۔ اُن کے مظالم کی تلافی کی غرض سے جنگ کا اعلان کر دیا۔ مضمون اعلان یہ تھا کہ جن لوگوں نے عہد شکنی کی اور بنی خزاعہ کے خلاف بنی بکر کو مدد دی اُن کے لئے اللہ اور اسکے رسول کی طرف سے براءت (صاف جواب) ہے۔ اُن کو صلح کرنے کے لئے چار مہینے کی مُہلت دی گئی تھی۔ اگر اس مُدت میں صلح کرلیں تو خیر ورنہ اُن سے جنگ کی جائے گی اُن کو گرفتار کیا جاوے گا۔ ان کا محاصرہ کیا جائے گا۔ قصّہ مختصر۔ جنگ کی تمام مصیبتیں ان کو جھیلنی پڑیں گی۔ سورۃ التوبہ ۹۔ آیات ۱ لغایت ۵۔ اسی اعلان جنگ کی بابت نازل ہوئی تھیں۔ اُس سورۃ کی آیات اصل کتاب کے فقرہ (۱۷) میں نقل ہوئی ہیں[2] +

یہ جنگ واقع نہیں ہوئی۔

مگر یہ جنگ جس کی دھمکی دی گئی تھی فی الحقیقت واقع نہیں ہوئی۔ اور بغیر جنگ کے صلح سے مکّہ حوالے کر دیا گیا[3] اس طرح مسلمانان مکّہ و

---

[1] بنی بکر بن عبد مناۃ کنانہ کی ایک شاخ تھی جو بنی معد کی نسل سے تھی تفسیر بیضاوی جلد اول صفحہ ۳۷۹ مطبوعہ یورپ سنہ ۱۸۴۶ء۔ ابن ہشام صفحہ ۸۰۲ طبع یورپ۔ تفسیر کشاف جلد اول صفحہ ۵۲۸ مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۲۷۶ھ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۵۸۔

[2] تفسیر بیضاوی جلد اول صفحہ ۳۷۶ طبع یورپ تفسیر کشاف جلد اول صفحہ ۵۲۶ طبع کلکتہ سنہ ۱۲۷۶ ہجری۔

[3] ابن ہشام صفحہ ۸۰۲۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۸۲۔ التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۶۶ طبع یورپ۔ تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۵۸ طبع یورپ۔

مدینہ کی ملکی و مذہبی آزادی کی بابت آنحضرت ؐ کا مقصد حاصل ہو گیا اور بغیر لڑائی بھڑائی یا خونریزی کے آپ نے قریش کے ظلم و تعدی اور اُن کی ایذا رسانی (فتنہ) کو دفع کر دیا۔ اور دائمی خوف و خطر اور اضطراب و پریشانی کی بجائے جو آپ کے اصحاب پر چھائے ہوئے تھے۔ اُن کو امن و امان بھی حاصل ہو گیا۔ اس امر کا وعدہ چند سال پیشتر سورۂ (النور ۲۴۔ آیت ۵۴) میں کیا گیا تھا۔ جو حسب ذیل ہے :۔

۵۴۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ؀ (النور ۲۴۔ آیت ۵۴)۔

۵۴ "تم میں جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل بھی کئے اُن سے اللہ کا وعدہ ہے کہ اُن کو ملک کی خلافت (سلطنت) ضرور عطا کرے گا۔ جیسے اُن لوگوں کو خلافت عطا کی تھی جو اُن سے پہلے ہو گزرے ہیں اور (اس کے علاوہ) جس دین (اسلام) کو اُس نے اُن کے لئے پسند کیا ہے اُس کو اُن کے لئے ضرور مضبوط کر دیگا اور جو خوف اُن کو ہے اسکے بعد اُن کو اُس کے بدلے میں ضرور امن دیگا کہ وہ ہماری عبادت کریں گے اور کسی چیز کو ہمارا شریک نہیں بنائیں گے اور جو شخص اسکے بعد ناشکری کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں[۱]" (النور ۲۴۔ آیت ۵۴)۔

۱۲۔ اب میں قریش کا ذکر چھوڑ کر مسلمانان قرن اوّل کے دوسرے دشمنوں کی لڑائیوں کا حال بیان کرتا ہوں۔ قرآن مجید میں علاوہ قریش کے دیگر قبائل عرب کی صرف ایک جنگ کا ذکر ہے۔ اور وہ جنگ حنین ہے[۲] (ابن ہشام صفحہ ۸۴۰۔ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۶۲)۔ اس جنگ میں بنی ثقیف نے ابتداءً حملہ کیا تھا +

قریش کے علاوہ دیگر دشمنان اسلام کے ساتھ جنگ۔

جنگ مریسیع کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے مگر مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ

[۱] اس پیشین گوئی کا من جمیع الوجوہ پورا ہونا ایک خاص زمانہ سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ بحث اپنے محل پر مفصل مذکور ہے۔ دیکھو تفسیر بیضاوی جلد دوم صفحہ ۹۲ مطبوعہ یورپ۔ قاضی بیضاوی نے اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کے متعلق تفصیلی بحث کی ہے۔ (مترجم)۔

[۲] ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۰۶۔ ابن ہشام صفحہ ۷۲۵ مطبوعہ یورپ ۱۸۶۰ء۔

احد کی شکست کے بعد جو مکہ کے رُخ پر واقع ہے۔ جب آنحضرت ؐ کو اپنے برخلاف قریش کی جدید سازش کی اطلاع ملی۔ اور مدینہ پر حملہ کرنے میں قریش کے ساتھ شامل ہونے کی غرض سے بنی مصطلق کے تازہ جمعیت فراہم کرنے کی خبر پہنچی۔ تو آپ نے ایک دلیرانہ کوشش سے ان کے ارادہ کو روکنے کا عزم بالجزم کیا۔ میں نے اس کتاب میں ثابت کیا ہے کہ آنحضرت ؐ کی خیبر[1] کی مُہم محض بغرض مدافعت تھی جلیم کے پیش آنے والے حملے کے خطرہ سے اپنے نفس کی حفاظت کے لئے اور اسکو آگے بڑھنے سے روکنے کی غرض سے جو جنگ کی جائے وہ از روے قانون جنگ مدافعت ہے۔

میں بنی قریظہ کی مُہم سے جُداگانہ بحث نہیں کرتا۔ مگر یہاں اس قدر بیان کرنا ضروری ہے کہ وہ مسلمانوں سے رابطۂ مدافعت قائم کرنے کے بعد دغابازی سے اُن کا ساتھ چھوڑ کر دشمن کی جمعیت میں جا شامل ہوئے تھے ان کا مفصل حال معلوم کرنے کے لئے ناظرین کو اصل کتاب کے فقرات ۶۸-۷۱ کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

۱۳- مکہ کی متذکرۂ بالا مُہم کا نتیجہ یہ ہوا کہ قریش مطیع ہوگئے انہوں نے صلح کرلی اور ہتھیاروں کے استعمال کی نوبت نہیں آئی۔ تبوک[2] کی مُہم جملہ مؤرخین مسلم و اہل یورپ دونوں کے اقرار کے موافق محض دفاعی اغراض سے اختیار کی گئی تھی۔ اس موقع پر آنحضرت ؐ کو یہ وحشت انگیز خبر پہنچی کہ اسلامی جمہوریت پر بیرونی حملہ ہونے والا ہے۔ جس کی وجہ سے آپ کو سخت اندیشہ

> دشمن جو آگے بڑھا چلا آتا تھا اس کو روکنے کے لئے تبوک کی مہم جس میں کوئی جنگ واقع نہیں ہوئی

---

[1] ابن ہشام صفحہ ۷۵۵ طبع یورپ۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۶۵ مطبوعہ یورپ۔

[2] ابن ہشام صفحہ ۸۹۳ مطبوعہ یورپ ۱۸۶۰ء۔ ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۲۱۱ مطبوعہ یورپ ۱۸۶۷ء التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۷۰۔

پیدا ہوا۔ سورۃ (التوبہ ۹) کی آیات مندرجہ ذیل اگر **یہودیان خیبر** کی بابت نہیں تو غالباً **رومیوں** اور اُن کے حامی و معاون یہود و نصارٰی[1] کے بارے میں نازل ہوئی ہیں:۔

۲۹۔ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۝ (التوبہ ۹۔ آیت ۲۹)۔

۲۹۔ اہل کتاب میں سے جو لوگ نہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روز آخرت پر۔ اور نہ اللہ اور اس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں اور نہ دین حق کو اختیار کرتے ہیں۔ اُن سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ عاجز ہو کر اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں۔ (التوبہ ۹۔ آیت ۲۹)۔

۱۲۴۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ۝ (التوبہ ۹۔ آیت ۱۲۴)۔

۱۲۴۔ اے ایمان لانے والو! اپنے آس پاس کے کفار سے لڑو اور چاہیئے کہ وہ تم میں شدت (کرارا پن) معلوم کریں اور جان لو کہ اللہ (زیادتی سے) بچنے والوں کے ساتھ ہے۔ (التوبہ ۹۔ آیت ۱۲۴)۔

آنحضرتؐ بغیر جنگ کے واپس تشریف لائے۔ اور جو احکام ان آیتوں میں درج ہیں اُن کے عمل میں لانے کا کوئی موقع پیش نہیں آیا۔

چونکہ پیش آنے والا خطرہ نہایت سخت تھا۔ اس لئے آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو **جنگ مدافعت** کی ترغیب دینے میں نہایت سخت کوشش کی۔ مگر چونکہ موسم گرم اور سفر دراز تھا اس لئے بعض مسلمان جنگ سے پہلو تہی کرتے اور پیچھے ہٹے جاتے

---

[1] مقنا۔ آذرح اور جرباء کے یہودی، ایلہ اور دومۃ الجندل کے عیسائی۔ (ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۲۱۴ مطبوعہ یورپ) ابن ہشام صفحہ ۹۰۲ مطبوعہ یورپ ۱۸۶۰ء۔ التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۷۲۔ نیز ملاحظہ ہو فتوح البلدان صفحہ ۵۹ تا ۶۰ مطبوعہ یورپ ۱۸۶۶ء علامہ بلاذری نے اُس عہدنامہ کو جو آنحضرت صلعم نے اہل مقنا۔ اذرح۔ جربا۔ ایلہ اور تبوک کو لکھ دیا تھا۔ تمام کو بعینہٖ نقل کیا ہے۔ عبد

تھے۔ جو لوگ اس موقع پر جھوٹے حیلے بہانے کر کے جنگ سے پیچھے رہ گئے تھے اُن کو سخت تہدید و ملامت کی گئی ہے۔ (ابن ہشام صفحہ ۹۲۳۔ ابن اثیر جلد۲ صفحہ۲۱۱)

۴۱۔ لڑائیوں کا جو خاکہ اوپر کھینچا گیا ہے اس سے واضح ہو گا کہ صرف پانچ جنگیں ایسی ہوئی ہیں جن میں درحقیقت لڑائی کی نوبت پہنچی۔

آنحضرتؐ کی جنگوں کی تعداد

جن لوگوں نے آنحضرتؐ کی سیرت لکھی ہے یا آپ کے غزوات کے حالات قلمبند کئے ہیں اُنہوں نے آپ کی مہموں کی تعداد شمار کرنے میں مسامحت کی ہے۔ انہوں نے مختلف مہموں کے نام اور احوال درج کئے ہیں۔ مگر نہ تو عقلی تنقید کا باقاعدہ لحاظ رکھا ہے اور نہ اُن اصول درایت کی پابندی کی ہے۔ جن پر روایت کی شہادت کو پرکھتے ہیں۔ اس لئے وہ مہموں کے قصے بیان کر دیتے ہیں بلا لحاظ اس امر کے کہ ان میں سے کون سے سچے ہیں اور کون سے جھوٹے مؤرخین نے بہت سی مہمیں شمار کی ہیں۔ جن کی تائید میں فی الحقیقت کوئی معتبر شہادت موجود نہیں۔ بعض تو بالکل ہی بے بُنیاد ہیں۔ اور بعض کو غلطی سے جنگی مہم کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ مؤرخین یورپ غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ لفظ "غزوات" کے معنے ہیں "لوٹ مار کی مہمیں"۔

(۱) دوستانہ عہد نامے مرتب کرنے کے لئے وکلا کا روانہ کرنا۔

(۲) تلقین اسلام کے لئے دُعاۃ اسلام کا بھیجنا۔

(۳) سرداران ممالک غیر کے پاس سفیروں کی روانگی۔

(۴) تجارتی مہمات۔

[1] مؤرخین نے غزوات کی عام داستانوں کو جو زبان زد خلائق تھیں اور دل پسند کہانیوں کو جو اُن کے زمانہ میں سانچے میں ڈھل چکی تھیں صرف مدوّن یا مرتب کر دیا مگر وہ زیادہ تر دل خوش کُن اور بے سروپا افسانے تھے التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۰۸ مطبوعہ بریل ۱۸۹۴ء ملاحظہ ہو۔

(۵) حاجیوں کے قافلے۔

(۶) قزاقوں کی جمعیت کو منتشر یا متنبہ کرنے۔

(۷) یا دشمن کی حرکات کی نگہداشت کے لئے فوج کا روانہ کرنا۔

(۸) خبریں لانے کے لئے جاسوسوں کا بھیجنا۔

(۹) یا دشمن سے لڑنے یا اس کو روکنے کے لئے فوج کا بھیجنا یا لے جانا۔

غرض کہ ان تمام قسم کی مہموں کو "غزوات" "سرایا" یا "بعوث" کے نام سے موسوم کر دیا گیا ہے۔ پس آنحضرت م کی مہمات کی تعداد میں اوّل تو مؤرخین نے ناواجب مبالغہ سے کام لیا۔ اور ہر جنگی مہم یا عزم سفر کو جس کا حال معتبر یا غیر معتبر روایتوں میں اُن کے واقع ہونے سے عرصہ دراز کے بعد درج ہوا ہے۔ کتب تواریخ میں قلم بند کیا۔ اور اُن کی تنقید کے لئے اپنے دماغوں کو ذرا بھی تکلیف نہیں دی۔ دوم۔ انہوں نے تمام اسلامی مشنوں نیا بتوں۔ سفارتوں۔ حُجّاج۔ کے سفروں اور تجارتی مہموں کو "غزوات" اور "سرایا" کی فہرست میں شامل کر دیا جن کا ترجمہ آجکل یورپین مؤرخین نے "لوٹ مار کی مہمیں" یا "فوج کا بغرض جنگ روانہ کرنا" کیا ہے۔

مؤرخین عرب و یورپ دونوں نے یہاں تک دعوے کیا ہے کہ ستائیس۲۷ مُہمیں خود آنحضرت م کی سرکردگی میں واقع ہوئیں۔ اور چوہتر۷۴ مُہمیں ایسے اشخاص کی ماتحتی میں پیش آئیں جن کو آنحضرت م نے سردار بنا کر بھیجا تھا۔ پس اس حساب سے کل ۱۰۱ مُہمیں ہوئیں۔

یہ تعداد ابن سعد کاتب الواقدی نے لکھی ہے۔ (دیکھو قسطلانی جلد ششم صفحہ ۳۸۶)۔

ابن اسحاق نے بھی خاص آنحضرت م کی مہمات کی تعداد تو ستائیس۲۷ ہی بیان

کی ہے۔ مگر جو مہمیں آپ کے حکم سے دیگر اشخاص کی ماتحتی میں واقع ہوئیں۔ اُن کی تعداد صرف اڑتیس[۳۸] ہے۔ (دیکھو ابن ہشام صفحہ ۲ ۹۷-۳ ۹۷)۔

ابو یعلیٰ[۱] نے جابرؓ سے جو آنحضرتؐ کے صحابی تھے ایک روایت کی ہے جابر کا بیان ہے کہ صرف اکیس[۲۱] مہمیں پیش آئی تھیں۔ مگر زید بن ارقمؓ جو سب سے زیادہ مستند راوی ہے۔ قدیم ترین روایات میں جو بخاری نے کتاب المغازی میں جمع کی ہیں ان کی تعداد میں کمی کرتا ہے۔ اور کتاب مذکور میں دو جگہ غزوات کی تعداد انیس بیان کرتا ہے جس میں سب قسم کی مہمیں شامل ہیں۔ جن میں وہ آنحضرتؐ کے ساتھ تھا مہموں کی یہ تعداد جو بیان ہوئی ہے یعنے ستائیس[۲] ۔ اکیس[۱] ۔ انیس[۱۹] ۔ سترہ[۱۷] ۔ ان میں صرف آٹھ[۸] یا نو[۹] ایسی ہیں جن میں واقعی جنگ واقع ہوئی پچھلی تعداد جو سب سے کم ہے وہ بھی قابل اعتماد نہیں ہے۔ اصل مہمیں حسب ذیل ہیں:-

۱- بدر	۴- خیبر
۲- احد	۰- مکہ
۰- مریسیع	۵- حنین
۳- احزاب	۰ طائف
۰- قریظہ	

بنی مصطلق کے ساتھ بمقام مریسیعؓ جنگ واقع ہونے کی کوئی معتبر شہادت نہیں ہے۔ بنی قریظہ کے ساتھ بھی کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ کیونکہ اُن کا معاملہ صرف جنگ احزاب کا سلسلہ تھا اور اس لئے جداگانہ نمبر کی ضرورت نہیں۔ مکہ میں کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ وہ صلح سے مسلمانوں کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ رہی جنگ طائف

[۱] موسےٰ بن عقبہ (المتوفی ۱۴۱ھ)
[۲] ابن سعد اور ابن اسحاق۔ جن کا حوالہ پہلے دیا گیا ہے۔
[۳] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۵۲۔ ابن ہشام ۲۷۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۶۔

وہ مثل آوطاس کے جنگ **حنین** کا ایک جزو تھا۔ جو لوگ جنگ سے فرار کر گئے تھے اُن کو گرفتار کرنے کے لئے طائف کا محاصرہ کیا گیا تھا۔ کیونکہ اُنھوں نے وہاں پناہ لی تھی۔ اور بعد از ان محاصرہ بھی اُٹھا لیا گیا۔ اس طرح منجملہ **نوؔ** کے صرف **پانچ** مہمیں باقی رہ جاتی ہیں۔ جن پر میں نے نمبر لگا دئے ہیں۔ ان مہموں میں آنحضرت م نے اپنے آپ کو اور اپنے پیرؤوں (مسلمانوں) کو بچانے کے لئے دشمنوں سے جنگ کی ہے۔ یہ پانچوں مہمیں بھی **جنگ** کے نام سے موسوم کئے جانے کی مستحق نہیں ہیں۔ فن جنگ کی رُو سے باعتبار نتائج کے اُن کو خفیف سی لڑائیاں یا معمولی مُناقشے کہا جا سکتا ہے دشمن کا نقصان **بدر** میں اُنچاس[۴۹]۔ **اُحد** میں بیس[۲۰]۔ **احزاب** میں تین[۳]۔ **خیبر** میں ترانوے[۹۳] اور **حنین** میں بھی ترانوے[۹۳] تھا۔ مگر پچھلے دونوں عددوں میں شُبہ ہے اور مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی طرف کا نقصان علے الترتیب چودہ[۱۴]۔ چوہتر[۷۴]۔ پانچ[۵]۔ اُنیس[۱۹]۔ اور سترہ[۱۷] تھا۔ ان جنگوں میں کل اموات مسلمانوں کی طرف ایک سو اُنتیس[۱۲۹] اور دشمنوں کی طرف دو سو اٹھاون[۲۵۸] ہوئیں۔ یہ تعداد مسلمانوں کے نقصان سے ٹھیک دوچند ہے اور مشتبہ معلوم ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اس کو صحیح تسلیم کرنے میں احتیاط سے کام لینا چاہیئے +

۱۵۔ ریورنڈ مسٹر سیموئیل گرین لکھتے ہیں کہ :۔

آنحضرت صلعم کی جنگوں کی بابت مسٹر گرین کی رائے۔

" اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ محمد (صلعم) نے اول اول
" اپنی مدافعت میں ہتھیار اُٹھائے تھے۔ اور اپنے دشمنوں کی
" مخالفتوں کے روکنے یا دفع کرنے کے درپے رہتے تھے اور ایک معقول حد تک اُن سے
" انتقام لینے میں متعدد مؤرخوں نے آپ کو حق بجانب قرار دیا ہے۔ **گبن** کہتا ہے کہ " ایک
" آزاد قوم کے انتخاب نے مکّہ کے مہاجر (آنحضرت م) کو ایک بادشاہ کے درجہ پر پہنچا دیا تھا
" اور آپ کو اس امر کا واجبی حق حاصل ہو گیا تھا کہ لوگوں کے ساتھ معاہدے کریں اور اُن کو

"حملہ کریں۔ یا ان سے جنگ دفاعی کریں[1]۔

"ہم کو اس بات پر ذرا بھی تعجب نہیں ہوتا کہ ایک مسلمان نے ایسے خیال کو اپنے دل
"میں جگہ دی۔ اور نہ یہی بات کچھ عجیب ہے کہ ایک منکر اسلام نے اس خیال کی تصدیق کی
"ہے۔ اگر یہ بات سچ ہو تو جنگ کے جائز اور قابل تعریف قرار پانے کے لئے صرف یہی امر
"کافی سمجھ لیا جائیگا کہ دشمن کے مقابلہ کی قوت پاکر "سابقہ نقصانات" کی تلافی کا بہانہ نکال کھڑا
"کیا جائے۔ محمد (صلعم) کی حمایت میں جو دلیل پیش کی گئی ہے وہ ہر خونی اور کینہ تو بے رحم
"ظالم کے لئے یکساں مفید ہے۔ اور جب ظلم کی اس طرح حمایت کی جائیگی تو نتیجہ یہ ہوگا کہ
"لوگ بجائے اس کے کہ الفت و شفقت کے رشتوں سے وابستہ رہیں اور ایک دوسرے
"کے قصوروں کو معاف کریں۔ شیطان مجسم ہو جائیں گے' اور ایک دوسرے کو تباہ و برباد کرنے
"کے لئے موقع کی تاک میں لگے رہیں گے[2]"۔

قریش سے جنگ کرنے کے لئے مسلمانوں کی طرف سے "سابقہ نقصانات" کا عذر

رائے مذکور کا ابطال

کبھی پیش نہیں کیا گیا۔ درحقیقت قریش ہی نے ان پر حملہ کیا تھا۔
اور نیز قریش اور اُن کے حامیوں نے مسلمانوں پر چڑھائی کرنے کی بارہا دھمکی دی
تھی۔ پس جب تک کہ دشمن نے اُن پر حملہ نہیں کیا اس وقت تک اُنہوں نے اپنی
مدافعت میں ہتھیار نہیں اُٹھائے اور نہ اپنے دشمنوں کی مخالفتوں کو روکنے اور
دفع کرنے کے درپے ہوئے۔ آنحضرت ؐ کی حمایت میں جو دلیل پیش کی گئی ہے وہ
ہر خونی، کینہ توز، بے رحم۔ ظالم کے لئے یکساں مفید نہیں ہو سکتی۔

مکہ میں صرف آنحضرت ؐ ہی پر ظلم و ستم نہیں ہوئے تھے اور آپ ہی پر حملے
نہیں کئے گئے تھے، بلکہ تمام مسلمانوں نے طرح طرح کے مظالم و مصائب کے دکھ اُٹھائے

---

[1] "عروج و زوال باب اول"

[2] محمد (صلعم) اور سلطنت عرب کی تاریخ از ایڈورڈ ہیمیوئل گرین صفحہ ۲۶ ا مطبوعہ لندن ۱۸۵۳ء۔

تھے مکہ سے نکال دینے کے بعد بھی قریش ان پر حملہ کیا کئے اور اُن کو اُن کے وطن (مکہ) میں واپس آنے اور وہاں پہنچ کر خانہ کعبہ کا حج بجالانے کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔ تمدنی و مذہبی آزادی جو ہر فرد بشر اور ہر قوم کا قدرتی حق ہے۔ اس سے بھی محروم کئے گئے۔ ایک بے رحم، یا کینہ توز، ظالم کا اپنی مدافعت میں ہتھیار اُٹھانا۔ یا اپنے شخصی نقصانات اور ذاتی تکالیف کی چارہ جوئی کے درپے ہونا حق بجانب نہیں ہوسکتا۔ مگر مکہ کی تمام اسلامی جماعت نے ظلم اٹھائے تھے۔ ایذائیں سہی تھیں۔ وطن سے بے وطن کی گئی تھی، اور مدینہ میں کل اسلامی جمہوریت پر حملے کئے گئے تھے ظلم کئے گئے تھے، اور تکلیفیں دی گئی تھیں، اُن کے قدرتی حقوق نظر انداز کئے گئے تھے۔ ایسی ایسی مصیبتیں جھیلنے کے بعد مسلمانوں نے دشمنوں کی دشمنی سے اپنے آپ کو بچانے اور قوت کو قوت سے دفع کرنے کے لئے ہتھیار اُٹھائے اور وہ ہر ایک **قانون** اور **انصاف** کی رُو سے حق بجانب تھے۔

حفاظت خود اختیاری کا حق قانون قدرت کا ایک جزو ہے۔ اور ملکی جماعت کا لازمی فرض ہے کہ اپنے لوگوں کی حفاظت کرے۔ اگر کوئی خونی اور کینہ توز ظالم اپنے بچاؤ کے لئے ایسا کرے۔ تو وہ بھی اس خاص فعل میں بالکل حق بجانب ہوگا۔ **واجبی جنگ** یعنے وہ لڑائی جو ظالمانہ جبر و تعدی کے روکنے یا دفع کرنے یا کوئی حق قائم کرنے کے لئے اختیار کی جائے۔ **کسی مذہبی، اخلاقی، یا ملکی** جہت سے قابل الزام قرار نہیں دی جاسکتی۔

مگر مسلمانوں اور اُن کے دشمنوں یعنے قریش و یہود کے درمیان جو مشکل درپیش تھی اس کو سکون و اطمینان کے ساتھ حل کرنے اور جنگ اور اس کے ہولناک نتائج کو روکنے کے لئے مسلمانوں نے کوشش کا کوئی ممکن ذریعہ فروگزاشت نہیں کیا۔ آں حضرتؐ نے قریش کو بار بار جتا دیا تھا کہ اگر تم باز رہو تو تمہارے قصور معاف کئے

جائیں گے۔

۱۸۸۔ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۸)

۱۸۸۔ "پھر اگر وہ (شرارت سے) باز آئیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے" ○ (البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۸)۔

۱۸۹۔ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ○ (البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۹)

۱۸۹ "پھر اگر (شر و فساد سے) باز آئیں تو زیادتی تو ظالموں کے سوا کسی پر ہونی ہی نہیں چاہیئے" ○ (البقرہ ۲ آیت ۱۸۹)۔

۱۹۔ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (الانفال ۸۔ آیت ۱۹)۔

۱۹ "(اے اہل مکہ) تم جو فتح مانگتے تھے تو وہ فتح تمہارے سامنے آگئی (کہ مسلمان غالب آگئے) اور اگر تم (جنگ سے) باز رہو گے تو یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا اور اگر تم پھر (جنگ کی طرف) رجوع کرو گے تو ہم بھی پھر رجوع کریں گے اور تمہاری جمیعت خواہ کتنی ہی زیادہ ہو کچھ تمہارے کام نہیں آئے گی اور اللہ تو ایمان والوں کے ساتھ ہے"۔ (الانفال ۸۔ آیت ۱۹)

۳۹۔ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ○ (الانفال ۸ آیت ۳۹)۔

۳۹ "(اے پیغمبر) ان کافروں سے کہو کہ اگر اپنی شرارت سے باز آجائیں تو ان کے پچھلے قصور معاف کئے جائیں گے۔ اور اگر پھر (شرارت) کریں گے تو اگلے لوگوں کی روش پڑ چکی ہے (ان لوگوں کا بھی وہی انجام ہوگا)"۔ (الانفال ۸۔ آیت ۳۹)۔

یہی صورت یہودیوں کی بابت تھی :-

۱۰۳۔ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (البقرہ ۲ آیت ۱۰۳)۔

۱۰۳ "اہل کتاب میں سے اکثر اپنے دلی حسد کی وجہ سے یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے ایمان لانے کے بعد پھر تم کو کافر بنا دیں۔ باوجودیکہ ان پر حق ظاہر ہو چکا ہے۔ پس تم (اے مسلمانو!) معاف کرو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم صادر فرمائے بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے"۔ (البقرہ ۲۔ آیت ۱۰۳)۔

۶۳۔ وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (الانفال ۸۔ آیت ۶۳)۔

۶۳۔ "(اے پیغمبر!) اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اس کی طرف جھکو اور اللہ پر بھروسہ رکھو کیونکہ وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے"۔ (الانفال ۸۔ آیت ۶۳)۔

۱۶۔ وَ لَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ (المائدہ ۵۔ آیت ۱۶)۔

۱۶۔ "(اے پیغمبر!) ان میں سے چند آدمیوں کے سوا سب کی خیانت کی اطلاع تم کو ہوتی رہتی ہے پس اُن کے قصور معاف کرو اور درگزر کرو۔ اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"۔ (المائدہ ۵۔ آیت ۱۶)۔

مگر صلح حدیبیہ تک دشمن کی طرف سے کوئی صلح یا باہمی معاہدہ نہیں ہو سکا۔ اور اس صلح کو بھی تھوڑے ہی عرصہ بعد انہوں نے توڑ دیا تھا۔

جو جنگیں ذاتی حفاظت اور مدافعت کی غرض سے کی گئی تھیں۔ اُن میں بھی پیغمبر (صلعم) نے ان خرابیوں کو جو دورانِ جنگ میں لازمی طور پر پیش آتی ہیں۔ بہت کچھ کم کر دیا تھا۔ فریب و دغا، بد عہدی، بیرحمی، اور عورتوں، بچوں، بڈھوں کے قتل کرنے کی آنحضرت م کی طرف سے ممانعت تھی[1]۔ اور اسیرانِ جنگ کے ساتھ مہربانی کا سلوک کرنے کی تاکید تھی۔ مگر ان سب سے بڑھ کر جو خرابیاں تھیں۔ یعنے غلامی اور لونڈیوں کو حرم بنا کر گھر میں رکھنا۔ اور یہ وہ آفتیں تھیں جو اُس زمانہ میں جنگ کے ساتھ لازم اور غیر منفک تھیں۔ اُن کو بھی آنحضرت م نے موقوف کیا اور اس کے ساتھ ہی یہ حکم دے دیا کہ اسیرانِ جنگ کو یا تو احساناً چھوڑ دیا جائے یا فدیہ (معاوضہ) لے کر آزاد کر دیا جائے۔ ان قیدیوں کو نہ تو غلام بنانے کا حکم تھا اور نہ قتل

[1] محمد (صلعم) نے عبد الرحمٰن بن عوف کو یہ ہدایت کی تھی :۔
"تم کسی حالت میں بھی دھوکے یا فریب اور بد عہدی سے کام نہ لینا۔ اور نہ کسی بچے کو قتل کرنا"۔
"(میور جلد چہارم صفحہ ۱۱ ابن ہشام صفحہ ۹۹۲)۔

کرنے کا۔ (دیکھو سورۂ محمد ۴۷-۴۔ آیات ۴۔۵۔ اور اصل کتاب کا ضمیمہ ب) ابتدا بجنگ کی ممانعت قرآن مجید نے کی ہے (سورۃ البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۶۔ "لا تعتدوا" یعنی "ابتداء جنگ نہ کرو"۔) آنحضرت ؐ نے مسلمانوں سے قسم لے لی تھی کہ لوٹ مار نہ کریں۔ (دیکھو اصل کتاب کا فقرہ ۴۲)۔

"عرب و جوار کے جو قبائل مسلمان ہو گئے تھے اُن کو آپ نے باہمی جنگ و جدل اور تاخت و
"تاراج سے ممانعت کی تھی۔ اور خلاف ورزی کی سزا موت تجویز کی گئی تھی۔ اور یہ حکم اُن قبیلوں
"کے لئے تھا۔ جو اب تک لڑائی یا لوٹ مار پر گزارہ کرتے تھے۔ اور جن کی نسبت آپ کو علم تھا
"کہ وہ ایسی ممانعت کی وجہ سے داخل اسلام ہونے سے باز رہیں گے۔ ایک قبیلہ نے جو بالکل تو
"نہیں مگر قریب قریب مائل بقبول اسلام تھا، یہ کہا تھا۔ آؤ بنی تمیم پر ایک آور حملہ کریں پھر
"مسلمان ہو جائیں گے"۔[1]

"آنحضرت[2] ؐ نے فرمایا ہے کہ "مجھ پر جو ظلم و ستم ہوئے ہیں اُن کا انتقام لیتے وقت خانہ نشین،
"عباد، رہبان کو جو کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتے، نہ ستانا۔ ضعیف الخلقت عورتوں کی کمزوری پر
"رحم کھانا۔ ان کی اور ان کے شیر خوار بچوں کی۔ اور ان لوگوں کی جو اس دار فانی سے عنقریب
"کوچ کرنے والے ہیں جانیں بچانا۔ جو باشندے تم سے مزاحمت یا تعرض نہ کریں۔ اُن
"کے مکانوں کو مسمار نہ کرنا۔ اُن کے وسیلۂ معاش (رسد وغیرہ) کو ضائع نہ کرنا۔ ان کے
"ثمردار درختوں کا لحاظ رکھنا۔ اور کھجور کے درخت کو ہاتھ نہ لگانا۔ جو اہل عرب کے لئے بسبب
"اپنے سائے کے نہایت مفید اور بسبب اپنی سرسبزی کے پُرلطف ہے"۔

---

[1] یہ مضمون ڈاکٹر کازینو نے رسالہ "کرسچن ریممبر نسر" بابت جنوری ۱۸۵۵ء صفحہ ۱، پڑ کاسن ڈی پرچل سے نقل کیا ہے۔ نیز دیکھو کتاب محمد و دین محمدی از آر باسورتھ سمتھ۔ طبع دوم صفحہ ۲۵۷ و ۲۵۸ بلندن ۱۸۷۶ء ابن اثیر جلد ا صفحہ ۴۷۹۔ علامہ ابن اثیر نے اس جنگ پر تفصیلی بحث کی ہے۔ یہ واقعہ عربی تاریخوں میں یوم الشیطین کے نام سے موسوم ہے۔

[2] "تاریخ دین محمدی مع سوانح عمری و سیرت پیغمبر عرب" از چارلس ملز صفحہ ۶، مطبوعہ لندن ۱۸۱۸ء۔

سر ولیم میور لکھتے ہیں :-

" اس اثناء میں بنی بکر نے پیغمبر (صلعم) کے طریقۂ عمل سے اس امر کی پیش بینی کر کے کہ اس نئے
" دین کے قبول کر لینے کے بعد ہماری باہمی عداوتوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ یہ بات دل میں ٹھان
" لی کہ اپنے دشمنوں پر ہتھیار لے کر ایک آخری چڑھائی اَور کی جائے۔ جنگ شیبان جو ۶۳۰ء
" کے آخر میں واقع ہوئی۔ بنی تمیم کے حق میں نہایت سخت اور خون ریز تھی"۔[1]

۱۴۔ آنحضرت ؐ کی جنگوں کی بابت بعض مؤرخین یورپ و امریکہ کا ایک اَور خیال بھی ہے۔ وہ یہ کہ قریش کے جو قافلے مدینہ کے پاس سے گزرتے تھے ان سے انتقام لینے کی غرض سے آپ نے لڑائیاں شروع کر دی تھیں[2]۔ اور اول اول تو آپ نے بغرض مدافعت ہتھیار اٹھائے تھے۔ مگر آخر کار قریش کے برخلاف ابتداً بجنگ کا اعلان کر دیا۔ اور اُن سے اس قسم کی جنگیں کیں[3]۔

آنحضرت کی جنگوں کی بابت ایک اور خیال۔

---

[1] سیرت محمدی جلد اول دیباچہ صفحہ ۲۲۷۔ مطبوعہ لندن ۱۸۶۱ء۔ نیز ملاحظہ ہو تاریخ ابن اثیر جلد ۱ صفحہ ۳۹۰ مطبوعہ یورپ۔

[2] قریش کی سخت نفرت اور شدید عداوت کے حالات جو روایتوں میں درج ہیں۔ اُن کی بابت سر ولیم میور کو شک ہے وہ لکھتے ہیں کہ :-

" اس خیال کے موافق واقعہ یہ ہے کہ ہجرت کے بعد ابتدائی حملے صرف محمد (صلعم) اور آپ کے
" متبعین کی طرف سے ہوئے تھے جب مسلمان اہل مکہ کے متعدد قافلوں کو لوٹ مار کر خونریزی
" کر چکے تھے تب کہیں مجبور ہو کر اُنہوں نے اپنی مدافعت کے لئے ہتھیار اُٹھائے تھے"۔ (سیرت
" محمدی جلد دوم صفحہ ۲۱۰ کا فٹ نوٹ۔ مطبوعہ لندن ۱۸۶۱ء)۔

یہ نوٹ ۱۸۷۷ء کے نئے اڈیشن سے نکال ڈالا گیا ہے۔ سر ولیم میور اپنی کتاب موسوم بہ " قرآن "
مطبوعہ لندن ۱۸۷۸ء کے صفحہ ۴۲ پر لکھتے ہیں :-

" مکہ کے قافلے (مسلمانوں کے لئے) انتقام کا ایک دل بھانے والا موقع پیش کرتے تھے۔ اور اُن
" کے برخلاف متعدد مہمیں مرتب کی گئی تھیں"۔

[3] مسٹر جارج سیل لکھتے ہیں :-

" آنحضرت نے اعلان کر دیا کہ خدا نے مجھے اور میرے تابعین کو کفار کے مقابلہ میں اپنی (دیکھو صفحہ ۲)

میں یہ بات پہلے ثابت کر چکا ہوں کہ جو حالات اُس وقت مدینہ میں درپیش تھے۔ اُن کا لحاظ کر کے آنحضرت ؐ کی طرف سے جنگ کی ابتدا ہونا بالکل قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا۔ اور یہ طریق عمل اُن آیات کے بالکل برخلاف ہے جو اس مضمون کے متعلق قرآن مجید میں موجود ہیں۔ اُن سب آیتوں میں جنگ دفاعی کی تاکید ہے۔ اگر **بالفرض** ہجرت کے بعد جنگوں کی ابتدا آنحضرت ؐ ہی کی طرف سے ہوئی تو بھی اس وجہ سے کہ مسلمانوں کے مکّے سے نکالے جانے پر جنگ چھڑ چکی تھی۔ آنحضرت ؐ کو **قانوناً** حق حاصل تھا کہ مسلمانوں پر جو ظلم ہوئے تھے اُن کی چارہ جوئی کرنے اور اُن کے جائز حقوق کو بزور اسلحہ قائم کرنے کے لئے ہتھیار اُٹھائیں۔ جو لڑائی ان وجوہ سے شروع

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۰) "جان بچانے کی اجازت دی ہے۔ اور آخرکار جب آپ کی قوت اور جمعیت بڑھ گئی تو آپنے
" یہ دعوے کیا کہ اُن پر حملہ کرنے کے لئے بھی خدا کی طرف سے مجھے اجازت مل گئی ہے"۔ (دیکھو ہر یلیمنری
" ڈسکورس (ابتدائی بیان) فصل ۱۱)

مسٹر ہنری کوپی آنحضرت ؐ کی نسبت لکھتے ہیں:۔

"مگر آپ کو جلد معلوم ہو گیا کہ مجھ کو مدافعت کے لئے ہتھیار ضرور اُٹھانے چاہئیں اور اپنی نبوت
" کے تیرھویں سال آپ نے اس امر کا اظہار کیا کہ خدا نے مجھ کو نہ صرف بغرض مدافعت جنگ کرنے
" کی اجازت دی ہے۔ بلکہ اپنا دین بزور شمشیر پھیلانے کی بھی اجازت دی ہے"۔ (دیکھو اہل عرب
" کی فتح سپین کی تاریخ از ہنری کوپی جلد اول صفحہ ۲۹۔ مطبوعہ باسٹن ۱۸۸۱ء)۔

مگر ڈاکٹر اسے سپرنگر آنحضرت ؐ کی جنگوں کا مقصد محض دفاعی قرار دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ:
"اب پیغمبر (صلعم) نے فتنہ (فساد و ایذا) کے دفع کرنے کے لئے اپنے دشمنوں سے جنگ
" کرنے کا قانون، خدا کے نام سے شائع کیا اور اس وقت سے یہ قاعدہ آپ کے (نعوذباللہ)
" خونی مذہب کا نعرۂ جنگ ہو گیا"۔
(تاریخ محمدی صفحہ ۱۰۔ مطبوعہ الہ آباد ۱۸۵۱ء)۔

کی جائے وہ جنگ دفاعی ہے۔ اگرچہ بلحاظ اصطلاح جنگ کے اُس کو "حملہ کی لڑائی" سے تعبیر کر سکتے ہوں[1]۔

کینٹ، جس کی رائے "قانون بین الاقوام" کے متعلق بڑی مستند سمجھی جاتی ہے یہ لکھتا ہے:۔

"حفاظت خود اختیاری کا حق ہمارے قانون فطرت کا ایک جزو ہے۔ اور ملکی جماعت کا یہ فرض
"لازمی ہے کہ اپنے لوگوں کی حفاظت کرے تاکہ وہ شخصی اور ملکی دو نو قسم کے حقوق سے متمتع ہو
"سکیں ۔ ۔ ۔ ۔ "نقصان" صرف یہی نہیں ہے کہ شخصی یا ملکی حقوق میں براہ راست مداخلت
"کی جائے۔ بلکہ کسی کو حقِ واجب سے ظلماً محروم رکھنا۔ یا جو نقصانات پہنچائے گئے ہیں اُن کی
"معقول تلافی سے انکار کر دینا۔ یا کسی عام اعلان اور پیش آنے والے خطرہ کی بابت کافی جواب
"دہی کرنے یا اطمینان کرا دینے سے پہلوتہی کرنا۔ یہ سب باتیں بھی "نقصان" کے مفہوم میں
"داخل ہیں[2]۔"

۱۷۔ رہا قافلوں پر حملہ کرنے کی دھمکی دینا یا اُن کو گرفتار کرنا۔ سو اس کے ثبوت کی کوئی اطمینان بخش وجوہ نہیں ہیں۔ لیکن اگر اُن پر حملہ کیا گیا اور وہ گرفتار بھی کیے گئے۔ تاہم میں کوئی وجہ نہیں دیکھتا۔ کہ اس کارروائی پر اعتراض کیا جائے۔ جب لڑائیاں شروع ہوتی ہیں تو سب سے پہلے جن چیزوں کا کھوج لگانا اور جن پر قبضہ کرنا قدرتی طور پر پیش نظر ہوتا ہے۔ وہ دشمن کی جان و مال ہی ہے۔ مہذب ترین ممالک کے "قانون بین الاقوام" کی رُو سے بھی دُشمن کے مال پر قبضہ کر لینے کا حق اس وقت حاصل ہو جاتا ہے جب کہ حالت جنگ کا

اگر قافلے لُوٹے بھی گئے تو بطور انتقام کے لُوٹے گئے۔

[1] ایم۔ بلنٹ شلی جو "قانون بین الاقوام" کے معاملہ میں زمانہ حال کے مستند اہل الرائے میں سے ہیں۔ اُن کی رائے یہ ہے:۔
"جو لڑائی دفاعی اغراض سے کی جائے وہ جنگ دفاعی ہے گو بلحاظ فن جنگ کے اس کو حملہ ہی کہیں"۔
(قانون بین الاقوام از ولیم ایڈورڈ ہال ایم۔ اے مطبوعہ اکسفورڈ ۱۸۸۰ء صفحہ ۲۲۰)۔

[2] "شرح قانون بین الاقوام"، مصنفہ کینٹ مرتبہ جے۔ ٹی۔ ابڈی۔ ایل ایل ڈی۔ طبع دوم صفحہ ۱۴۲۔

آغاز ہو جاتا ہے۔ قدیم زمانہ میں جب ایک قوم یا ایک سلطنت برسرِ جنگ ہوتی تھی۔ تو جنگ کے پُرانے دستور کے موجب اس کو حق حاصل ہوتا تھا کہ تمام مال و اسباب پر جو دشمن کی یا اُس کی رعیت کی ملکیت ہو، قبضہ کر لے خواہ وہ کسی قسم کا ہو، اور کسی مقام پر ہو۔ بشرطیکہ وہاں قوانین جنگ نافذ ہوں۔ پس جو لوگ قدیم مسلمانوں پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اُنھوں نے اپنے دشمنوں کو قتل و غارت کی دھمکی دی یا ان کو گرفتار کیا۔ یا اُن کا مال و اسباب لُوٹا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ اور اس کام کو **رہزنی، غارتگری یا چوری** کے نام سے موسوم کرتے ہیں ایسے لوگ قدیم یا جدید "قانون بین الاقوام" سے اپنی پُوری پوری ناواقفیت اور جہالت ظاہر کرتے ہیں +

جبر و اکراہ - جبراً مسلمان بنانے کا حکم نہیں دیا گیا اور نہ آنحضرتؐ کے زمانۂ حیات میں کسی کو زبردستی مسلمان بنایا گیا۔

۱۸- منکرین اسلام کو اسلام لانے پر مجبور کرنے کا جو الزام آنحضرتؐ پر لگایا جاتا ہے۔ اُس پر اصل کتاب (تحقیق الجہاد) کے فقرات ۳۴ لغایت ۳۹ میں پُوری پوری بحث کی گئی ہے۔ مؤرخین یورپ کا یہ ایک **غلط دعوٰے** ہے کہ قرآن مجید غیر مسلموں کو جبراً مسلمان بنانے کی تاکید کرتا ہے۔ اور یہ کہ آنحضرتؐ نے لوگوں کو زبردستی مسلمان بنایا۔

سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ:-

سر ولیم کی رائے اور اس کا ابطال۔

"مشرکین کی ایذا رسانی، گو بعض اوقات بُزدل مسلمانوں کو شریکِ جنگ ہونے سے مانع ہوتی ہو۔ مگر آخر کار محمد (صلعم) کے لئے بلاشک مفید ثابت ہوئی یہ طریق عمل۔ ٹالریشن (رواداری) کا لباس اُتار پھینکنے۔ خدا کی راہ میں سدِ راہ بننے والوں کی قوت کا قوت سے مقابلہ کرنے ۔۔ اور بالآخر کفار کو جبراً مسلمان بنانے کے لئے بظاہر ایک معقول حیلہ تھا[1] +

[1] سیرت محمدی از سر ولیم میور ایل ایل ڈی طبع جدید صفحہ ۲۰۰ مطبوعہ لندن ۱۸۷۸ء۔ اسی کتاب کا صفحہ ۵ بھی دیکھو۔

قوت کا قوت سے مقابلہ کرنا، نیز ظلموں کی چارہ جوئی کرنا۔ اور اپنے خطرہ میں پڑے ہوئے حقوق کو دوبارہ قائم کرنا ظلم و تعدی نہیں۔ اور نہ ٹالریشن (روا داری) کے خلاف ہے۔ بےشک آنحضرت ﷺ نے اپنے دشمنوں کی قوت کو اُس وقت دفع کیا جب کہ مسلمانوں کی حفاظت اور اُن کی جان بچانے کے لئے اس بات کی سخت ضرورت تھی۔ مگر منکروں یا اپنے دشمنوں کو۔ خواہ کسی ایک شخص کو، خواہ ایک جماعت کو، خواہ کل قبیلے کو اسلام لانے کے لئے کبھی آپ نے مجبور نہیں کیا **قرآن مجید اور تواریخ** اس الزام کو رد کرتے ہیں۔ قرآن مجید ہر جگہ مکی سورتوں میں اور مدنی سورتوں میں بھی۔ ہر ایک مذہب کی کامل آزادی اور صلح و آشتی کا وعظ بیان کرتا ہے۔

تاریخ میں معتبر ذرائع سے کہیں ایسی مثال درج نہیں ہے جس میں آنحضرت ﷺ کے کسی شخص کو بزور شمشیر جبراً مسلمان بنانے کا ذکر ہو +

۱۹۔ آنحضرت ﷺ نے مکہ اور مدینہ میں دونو جگہ، ہجرت کے قبل اور ہجرت کے بعد بھی ترغیب و تحریص اور وعظ و نصیحت سے اپنا دین پھیلایا۔ جس کی تائید معقول اور معتبر شہادت سے ہوتی ہے +

مکہ میں اشاعت اسلام کا ایک مختصر سا خاکہ۔

قریش و یہود کی پوری مخالفت اور ایذا رسانی کے مقابلہ میں یہ دین غالب آیا۔ درحقیقت سخت اذیتوں اور کچل ڈالنے والی مخالفتوں کے درمیان یہ دین محض اپنی راستی کی قوت سے سرسبز اور کامیاب ہوا[1] +

[1] میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی مذہب کا ظلم و اذیت کی حالت میں سرسبز ہونا اس کے الٰہی الاصل ہونے کا قطعی ثبوت ہے۔ اور نہ یہی بات ہے کہ جو مذہب جبراً قائم کیا جائے وہ ضرورتاً سراسر انسانی ایجاد ہی ہو۔ تقریباً تمام مذاہب الٰہی مذاہب ہیں، خواہ وہ کسی طرح قائم ہوئے ہوں۔ مگر مخالفت اور اذیت کی حالت میں مذہب کا سرسبز ہونا ایک قدرتی طریقہ ہے۔ مذہب عیسوی نے اذیتیں اور دیگر سخت مصیبتیں تین سو برس تک برداشت کیں۔ اس کے بعد یہ مذہب قائم ہوا اور حکومت کے زور سے بُت پرستی موقوف کی گئی۔ اور یہی حکومت اس وقت سے اب تک ایک مذہب (عیسویت) کی اشاعت اور دوسرے مذہب (بُت پرستی) کے استیصال میں بڑا اثر رکھتی ہے +

بعض اوقات قریش کا ظلم وستم ہی قبول اسلام کا باعث ہو جاتا تھا[1]۔ آنحضرت صلعم کی بعثت کے تین سال بعد تک اسلام لانے والوں کی تعداد کا تخمینہ پچاس تک کیا گیا ہے اس وقت سے عام ایذا رسانی اور کھُل ڈالنے والی مخالفت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ آنحضرت صلعم نے اپنی کوششوں کو بلا مزاحمت اور امن و امان سے جاری رکھنے کے خیال سے ارقم کے گھر میں جو آپ کے سابق الاسلام اصحاب میں سے تھے قیام فرمایا۔ اور جو لوگ آپ کی خدمت میں پیش کئے جاتے تھے آپ اُن کو اُسی جگہ وعظ و تلقین فرماتے اور قرآن مجید سُناتے تھے۔ ایک بہت بڑی جماعت نے وہیں اسلام قبول کیا۔ مگر قریش کی آتش حسد و عناد کے شعلے ان غلاموں اور غریب الوطن لوگوں پر پڑے جنھوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ اور اُن کم حیثیت مسلمانوں پر بھی جن کا کوئی مربی و محافظ نہ تھا۔ بعض مسلمان، جن کی تعداد سولہ[2] تھی۔ پہلے ہی ملک ابی سینا کی طرف ہجرت کر چکے تھے۔ بعض نے واپس آکر یہ خبر دی کہ وہاں مہاجرین کی خاطر و مدارات خوب ہوئی ہے۔ اور اُن کے ساتھ مہربانی کا سلوک ہوا ہے۔ اس وقت تقریباً سو مسلمان ترک وطن کر کے ابی سینا کو چلے گئے[2]۔ اس سے اسلام لانے والوں کی روز افزوں تعداد ظاہر ہوتی ہے جن میں زیادہ تر مہاجرین مکّہ تھے۔ ابی سینا (حبشہ) میں بھی بعض عیسائیوں نے اسلام قبول کیا تھا[3]۔ وہاں مہاجرین کی مہمانداری اور خاطر و مدارات کا

---

[1] "قریش کی سختی اور بے انصافی جب سے گزر گئی تو اس نے لوگوں میں شخصی اور خاندانی ہمدردی کے خیال کو بیدار کر دیا مگر یہی پیغمبر (صلعم) کے اصحاب کی تکالیف کے دفع کرنے یا کم کرنے کے درپے ہو گئے۔ اور ایسا کرنے میں کبھی کبھی وہ خود بھی آنحضرت صلعم کی طرف کھنچ آتے تھے"۔ (سیرت محمدی از سر ولیم میور طبع دوم صفحہ ۷۹)۔

[2] ان مہاجرین میں قریش کے مندرجہ ذیل قبیلوں کے تمام متنام شریک تھے:۔ بنی ہاشم، بنی امیہ، بنی عبد الشمس بنی آسد۔ بنی عبد بن قصی۔ بنی عبد الدار۔ بنی زہرہ۔ بنی تیم بن مرہ۔ بنی مخزوم۔ اور بنی سہم (دیکھو سپرنگر صفحہ ۱۹۰ طبع الہ آباد ۱۸۵۱ء) ان تمام واقعات کو ابن ہشام نے بھی صفحہ ۲۰۸ میں لکھا ہے۔ طبع یورپ ۱۸۶۰ء

[3] دیکھو ہشامی صفحہ ۲۵۹ مطبوعہ یورپ۔ ان اسلام لانے والے عیسائیوں کی طرف قرآن مجید (المائدہ ۵۔ آیات ۸۵ و ۸۶-۸۷-۸۸) میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اگر ان آیات کا تعلق نصاریٰ سے نجران سے نہ ہو۔ اگرچہ (ملاحظہ ہو صفحہ ۳۶)

حال معلوم کر کے قریش بے چین ہو گئے۔ اور جب نجاشی نے مسلمانوں کو اُن کے حوالے کرنے سے انکار کیا تو نہایت غضبناک ہو کر اس امر کے درپے ہوئے کہ پیغمبر (صلعم) کی جماعت سے باہمی معاشرت اور دوستانہ تعلقات کو بالکل قطع کر دیا جائے[۱] تاکہ قریش کی جماعت سے ٹوٹ ٹوٹ کر لوگوں کے داخل اسلام ہونے کا سلسلہ بند ہو جائے۔ آنحضرت م کی رسالت کے ساتویں سال اس امر کا عام اعلان ہو گیا اور کامل تین سال تک قائم رہا۔ اس تکلیف کی تنہائی کے زمانہ میں بہت ہی کم لوگ داخل اسلام ہو سکتے تھے اس عرصہ میں آنحضرت م کی کوششیں زیادہ تر اپنے ہی شریف قبیلے یعنی بنی ہاشم کو مسلمان بنانے تک محدود تھیں۔ یہ لوگ گو آنحضرت م کی رسالت کے منکر تھے تاہم اُنہوں نے آپ کی جان بچانے کا عزم صمم کر لیا تھا۔ اور اس قید میں وہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ صرف حج کے زمانہ میں آنحضرت م کو تبلیغ اسلام کے لئے وسیع میدان ہاتھ آ جاتا تھا۔ آپ حجاج کے میلوں اور مجمعوں میں بُت پرستی کے خلاف وعظ فرمایا کرتے تھے[۲] رسالت کے دسویں سال قید سے رہائی پانے کے بعد آپ وعظ و نصیحت کے لئے طائف تشریف لے گئے مگر بے وقعتی اور بے آبروئی کے ساتھ شہر سے نکالے گئے[۳] مکہ کو واپس آنے

(تقیہ نوٹ صفحہ ۳۵) اس مقام پر علامہ مرحوم نے صرف سورۃ المائدہ کی چار آیات کا حوالہ دیا ہے مگر کتب تفسیر کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب کے ایمان لانے کے متعلق قرآن مجید میں کی چند اور سورتوں میں بھی اس مضمون پر اشارہ ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو آل عمران ۳- آیت ۱۹۸۔ تفسیر بیضاوی جلد اول صفحہ ۱۹۲- الرعد ۱۳- آیت ۳۶ تفسیر بیضاوی جلد اول صفحہ ۴۷۸- القصص ۲۸ آیت ۵۲ تفسیر بیضاوی جلد دوم صفحہ ۸۰ مطبوعہ یورپ۔ المائدہ ۵- آیت ۸۵ تا ۸۸- ملاحظہ ہو بیضاوی جلد اول صفحہ ۲۶۰ مطبوعہ یورپ +

[۱] دیکھو ابن ہشام صفحہ ۲۳۰ مطبوعہ یورپ ۱۸۶۰ء +

[۲] آنحضرت صلعم نے قبائل ذیل کے درمیان وعظ فرمایا تھا:- بنی عامر بن صعصعہ، بنی محارب، بنی حفصہ، بنی فزارہ، بنی غسان، بنی کلب، بنی حارث۔ بنی مرہ، بنی حنیفہ، بنی سلیم، بنی عبس، بنی نضر، بنی بکا، بنی کندہ، اور بنی خزیمہ +

[۳] محمد (صلعم) کے اس طائف کے سفر میں ایک نہایت اعلیٰ اور جوانمردانہ حالت پائی جاتی ہے۔ ایک یکہ و تنہا شخص جس کو اس قوم کے لوگوں نے بالکل چھوڑ دیا تھا اور نظر حقارت سے دیکھتے تھے۔ خدا کے نام پر دلیرانہ آگے بڑھا۔ جس طرح یونس نینوا کو گئے تھے۔ اور اس نے ایک بُت پرست شہر کو توبہ کرنے اور اپنی رسالت کی تائید کرنے کے لئے دعوت کیا۔ اس سے ایک تیز روشنی اس امر پر پڑتی ہے کہ آپ کو اپنے کام کے من اللہ ہونے کا کس شدت کے ساتھ یقین تھا (تیر محمدی از سر ولیم میور جلد ۲ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۴۹۔ ابن ہشام ۲۷۹ عیون الاثر نسخہ قلمی نایاب در کتب خانہ آصفیہ +

کے بعد آپ نے بمقام نخلہ قبیلہ جن[1] کی ایک جماعت کو مشرف باسلام کیا (عام خیال کے موافق جنات کو نہیں[2])۔

طائف سے واپس آنے کے بعد آپ نے مدینہ کے چھ سات آدمیوں کے سامنے (جو مکہ میں آئے ہوئے تھے) وعظ فرمایا۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور مدینہ میں پہنچ کر اس کی اشاعت کی۔

[1] عربوں میں بھی اس قسم کی ایک قوم تھی جس کو بنی شیطان کہتے تھے۔ وہ قبیلہ حنظلہ سے تھے اور زید مناۃ کے ذریعہ سے جو سعد کی نسل سے تھا تمیم کی اولاد سے تھے۔ بنی شیطان (شیطان کی اولاد) کوفہ کے قریب رہتے تھے۔ (دیکھو قلقشندی کی قبائل عرب کی ڈکشنری ۹)۔ ابن الفقیہ ہمدانی کے جغرافیہ سے بھی اس قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ چنانچہ اصل عبارت حسب ذیل ہے:۔ وبہا (کوفہ) محلۃ بنی شیطان منسوبۃ الی سماک بن شیطان بن زہیر بن زید مناۃ بن تمیم۔ (ابن الفقیہ ہمدانی کا جغرافیہ صفحہ ۱۸۳ مطبوعہ یورپ ۱۸۸۵ء) بالکوفۃ محلۃ بنی شیطان (بلاذری صفحہ ۲۸۰ مطبوعہ یورپ ۱۸۶۶ء) (الاصابہ جلد اول صفحہ ۵۰۸ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۶ء) سیرۃ محمدیہ مولوی کرامت علی دہلوی صفحہ ۱۴۲ تا ۱۴۶ مطبوعہ بمبئی۔ طبقات الشعرا ابن قتیبہ صفحہ ۴۸۳ طبع یورپ) (زرقانی جلد اول صفحہ ۳۶۲۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۷)۔

[2] دیکھو سورۂ (احقاف ۴۶) آیت ۲۸ و ۲۹۔ یہ لوگ نینوے اور نصیبین کے باشندے تھے جو عراق عرب میں واقع ہیں۔ وہ کلدانی، فال گو اور یہودی روایات کے عالم تھے۔ دانیال[4] کی کتاب میں کلدانیوں کو جادوگروں اور ہیئت دانوں میں شمار کیا گیا ہے۔ اور وہ بظاہر ایک قسم کے پروہت (پیشوائے دین) ہیں۔ جو خاص "زبان" اور خاص "علم" رکھتے ہیں (دانیال باب ۱ درس ۴) عربی میں اس قسم کے پیشہ والوں کو کاہن کہتے تھے۔ اس جماعت کے لوگوں میں سے بعض لوگ اس امر کا دعوے کرتے تھے کہ ان کو شیاطین یا جنات کے ذریعہ سے آئندہ پیش آنے والے واقعات کی اطلاع مل جاتی ہے۔ اور یہ کہتے تھے کہ وہ شیاطین یا جنات ان باتوں کو جو آسمانوں میں پیش آتی ہیں سُن لیتے ہیں بعض کا یہ دعوے تھا کہ ہم تسخیر کواکب کے عمل سے ستاروں کو اپنے قابو میں کر لیتے ہیں۔ اُن کو یہاں تک دعوے تھا کہ ہم اپنے عمل تسخیر کی بدولت کسوف وخسوف پیدا کر سکتے ہیں وہ نجوم (جوتش) (نیز علم ہیئت) اور رمال گوئی سے بھی کام لیتے تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ کلدانی (کلدی یا کالدی) نہایت ہی قدیم زمانہ میں کوش (بن حام بن نوح) کی نسل سے متعدد قبائل میں سے صرف ایک قبیلہ کا نام تھا۔ جو اس بڑے میدان میں جو بعد ازاں کلدیا یا بابل (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۵)

۲۰۔ اگلے سال اُن لوگوں میں سے جو پیغمبر (صلعم) سے ملنے کے لئے مدینہ سے مکہ آئے تھے۔ اور بارہ آدمی مسلمان ہوئے جو داعیانِ اسلام کی حیثیت سے مدینہ واپس گئے۔ اور اسلام خانہ بخانہ اور قبیلہ بقبیلہ سرعت کے ساتھ پھیل گیا۔ یہودی، ان لوگوں کے دلوں میں شرک کی بُرائیوں کا اعتقاد بٹھانے اور نفرت انگیز بُت پرستی سے ان کو ہٹانے کے لئے پشت!

مدینہ میں سرعت کے ساتھ اسلام کا پھیلنا

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۷) کے نام سے مشہور ہوا۔ رہتے تھے۔ اور یہ میدان دریا کی ریت مٹی وغیرہ کے جم جانے سے تیار ہوا تھا۔ رفتہ رفتہ جب کلدانیوں کی قوت بڑھ گئی تو ان کا نام دیگر قبائل کے نام پر جو اس ملک میں آباد تھے غالب آگیا اور "قید یہود" کے زمانہ کے قریب یہ نام عام طور پر بابل کے تمام باشندوں کے لئے استعمال ہونے لگا۔ اس زمانہ میں اس لفظ کے دو معنے ہو گئے تھے۔ اور دونوں میں نسل کا مفہوم شامل تھا۔ ایک مفہوم کی رُو سے یہ ایک خاص نسل کا مخصوص لقب تھا۔ جس سے اُس لقب کا تعلق نہایت بعید زمانہ سے تھا۔ دوسرے مفہوم کے اعتبار سے اس کا اطلاق بالعموم اس قوم پر ہوتا تھا۔ جس میں نسل کا لحاظ غالب تھا۔ بعد ازاں نسل کے مفہوم سے تبدیل ہو کر اس کا مفہوم بالکل محدود ہو گیا۔ یعنے بجائے ایک قوم کے پروہتوں (دینی پیشواؤں) کی ایک جماعت یا فلاسفہ کے ایک فرقہ کا نام قرار پایا۔ خاص کلدانی کوشی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ اسیریا اور بابل دونو مقاموں میں سُریانی قسم کی زبان خاص اغراض کے لئے رائج تھی اور قدیم کوشی بولی، علمی اور مذہبی لٹریچر (ادبیات) کے لئے خاص طور پر محفوظ کی گئی تھی۔ یہ یقیناً وہی "علم اور وہی" "زبان" ہے جس کا حوالہ بائیبل (دانیال باب درس ۴) میں دیا گیا ہے۔ ان لوگوں کا بڑا گروہ جو بالخصوص باشندگان آسیریا کے اثر سے نقل مکان کر کے چلا گیا تھا اس کی رسائی رفتہ رفتہ اس "علم" اور اس "زبان" تک نہ رہی مگر یہ کلدانی علم قدیم کلدانی یا کوشی زبان میں تھا۔ لہٰذا جو لوگ اس کا مطالعہ کرتے تھے ان کو اس علم کی وجہ سے کلدانی کہتے تھے۔ خواہ اُن کی اصل اور نسل کچھ ہی ہو۔ اس معنی میں خود حضرت دانیال (پیغمبر) "کلدانیوں کے سردار" تھے (دانیال باب ۵ درس ۱۱) اور بے شک آپ کا بھی ان ہی میں شمار ہوتا تھا اور اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ سیلیوکس جو یونانی تھا اسٹرابو (ایک یونانی جغرافیہ نویس) نے کلدانی لکھا ہے۔ (دیکھو مصنف مذکور کی کتاب ۱۶-۱-فقرہ ۶) کلدانی دراصل علما کی ایک جماعت تھی۔ اور علمی زبان میں ماہر ہونے کی وجہ سے وہی اس کے خازن ہو گئے تھے۔ وہ پروہت (پیشوائے دین) ساحر یا منجم (ہیئت دان) ہوتے تھے۔ یعنی ان پیشوں میں سے جس پیشہ کو قابل ترجیح سمجھتے تھے اسی کو اختیار کر لیتے تھے (ملاحظہ ہو ف ۳۹)

پشت سے بے فائدہ کوشش کر رہے تھے، اُن کو یہ دیکھ کر حیرت ہوگئی کہ ان لوگوں نے خود بخود اپنی مرضی سے یکایک بتوں کو اُٹھا کر پھینک دیا اور ایک خدا اے برحق کا اعتقاد رکھنے لگے۔ ۱؎ (یہ حاشیہ صفحہ ۴۰ میں ہے)

اس طرح کسی مزاحمت، رکاوٹ، جبر یا زبردستی کے بغیر مدینہ میں سرعت کے ساتھ اسلام کی جڑ مضبوط ہوگئی۔ اور شجر اسلام نے کامل اور پختہ نشو ونما حاصل کر لیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور ان تینوں پیشوں میں سے آخری پیشہ ہیئت میں غالباً بڑی ضروری تحقیقات کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کلدانی ایسی جماعتوں میں مجتمع ہوتے تھے جن کو ہم شاید یونیورسٹی (بیت العلوم) کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور وہ سب اپنی ترقی کے لئے اس میں مشغول رہتے تھے۔ وہ غالباً قدیم ترین زمانہ میں بھی اپنے علم ہیئت کے ساتھ کسی قدر نجوم (جوتش) شامل کر دیتے تھے۔ مگر درحقیقت انہوں نے علم ہیئت میں بڑی ترقی کی تھی۔ جس کی طرف ان کا صاف آسمان اور شفاف کرہ ہوائی خاص طور پر اُن کو شوق دلاتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے زمانہ میں وہ نرے فال گویا جوتشی ہی رہ گئے تھے۔ (دیکھو سمتھ صاحب کی بائیبل کی ڈکشنری مضمون کلدانی)۔

تسخیر کواکب کے عمل اور آسمانی باتوں کے سُن پانے کا دعوے کرنے میں یہ لوگ جن کو جن کہتے تھے۔ اُونچے اُونچے مکانوں کی چوٹیوں پر رات کو گھنٹوں بیٹھ کر کواکب کے لئے قربانیاں پیش کرتے اور ان کو تسخیر کیا کرتے تھے۔ اپنی خاص زبان میں اور اپنے علم کی خاص اصطلاح میں وہ اس عمل کو "استراق السمع" (آواز کا چُرانا) اور سماعت کے لئے بیٹھنا کہتے تھے۔ (سورۂ الحجر ۱۵- آیت ۱۸-۱ اور سورہ جن ۷۲- آیت ۸ و ۹)۔

کثرت سے شہاب ثاقب (ٹوٹنے والے ستارے) نمودار ہوتے تھے جن کی بابت معلوم ہے کہ بعض اوقات خاص کر کثرت سے گرتے ہیں۔ اسی زمانہ میں آسمانوں کے مختلف حصوں میں بہت سے دُمدار ستارے نمودار ہوئے جن کی وجہ سے ان جنوں یعنے منجموں اور کاہنوں کو یقیناً خوف معلوم ہوا ہوگا۔ ایک دُمدار ستارہ ۶۰۲ء میں اور دو اور ستارے ۶۰۳ء میں نظر آئے۔ ۶۰۵ء میں دو اور ستارے دکھائی دئے۔ ایک اور ستارہ ۶۰۸ء میں ظاہر ہوا۔ ۶۱۲ء میں اور ۶۱۵ء تک میں ہر سال ایک ایک دُمدار ستارہ نکلا۔ ۶۱۷ء میں بھی دُمدار ستارے دکھائی دئے (دیکھو چیمبرز کی کتاب ہیئت) (دیکھو صفحہ ۴۰)

۱؎ بیضاوی جلد اول صفحہ ۴۹۲- جلد ۲ صفحہ ۳۹۱- ابن ہشام مطبوعہ یورپ کے صفحہ ۲۱۱ و ۲۹۳ کے نوٹ کو ملاحظہ کرو جس میں استراق السمع پر پوری بحث کی گئی ہے۔

مدینہ کے قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج کے درمیان ایک بھی ایسا گھر باقی نہ رہا جس میں مسلمان مرد اور عورتیں موجود نہ ہوں۔ سوائے ایک شاخ قبیلہ "اوس اللہ" کے جو محاصرۂ مدینہ کے بعد تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت مکہ، مدینہ اور ابی سینیا میں بہت سے مسلمان تھے۔ اور اُن میں سے کسی ایک کی نسبت بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اسی زمانہ کی کتاب (یعنے قرآن مجید) میں اغلباً انہی ستاروں کا ذکر ہے۔ سورہ طارق ۸۶۔ آیت ا میں دُمدار ستارے کو طارق یعنے "رات کا آنے والا" کہا گیا ہے اور نجم الثاقب (روشن ستارہ) بھی کہا گیا ہے۔ (دیکھو سورۂ طارق ۸۶۔ آیت ۳)

کاہن لوگ شہابوں اور دُمدار ستاروں کے اس عظیم الشان ظہور کو دیکھ کر ڈر گئے اور انہوں نے اپنی کہانت اور اخبار بالغیب کو چھوڑ دیا تھا۔ جب کبھی وہ رات کے وقت سماعت، تسخیر یا علم غیب حاصل کرنے کے مقامات پر بیٹھ کر آسمانوں کو دیکھتے تھے تو لوٹتے ہوئے شہابوں اور چمکتے ہوئے دُمدار ستاروں کی بوچھاڑ اُن کی آنکھوں کے سامنے پڑتی ہوئی نظر آتی تھی جس سے وہ سخت پریشان ہو جاتے تھے۔ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے جن لوگوں کی توجہ ان غیر معمولی شہابوں کی طرف مبذول ہوئی وہ بنی ثقیف کا ایک خاندان تھا جو طائف میں رہتا تھا (ابن ہشام صفحہ ۱۳۱) جب یہ جن طائف کے قریب بمقام نخلہ مسلمان ہوئے تو انہوں نے شہابوں کی اس غیر معمولی بوچھاڑ اور بے شمار دُمدار ستاروں کے نظر آنے پر اپنی خاص زبان میں پریشانی کا اظہار کیا:

وَّ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّ شُهُبًا ۙ وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ وَّ اَنَّا لَا نَدْرِيْۤ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۙ (الجن ۷۲۔ آیات ۸ و ۹ و ۱۰)

"اور ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو پایا کہ وہ مضبوط نگہبانوں اور شہابوں سے بھرا ہوا ہے۔ اور ہم سننے کے لئے اسکے بعض مقامات پر بیٹھ جایا کرتے تھے مگر اب جو کوئی سُننا چاہے تو اپنے لئے ایک شہاب تاک میں لگا ہوا پائیگا ہم نہیں جانتے کہ زمین کے رہنے والوں کو کچھ نقصان پہنچانا منظور ہے یا ان کے پروردگار نے اُن کے لئے کسی ہدایت کا ارادہ کیا ہے"۔ (الجن ۷۲: آیات ۸ و ۹ و ۱۰)۔

الغرض ان لوگوں نے جو سکّان سماوی کی گفتگو سننے کا دعوے کرتے تھے شہابوں کی عجیب و غریب بوچھاڑ اور بے شمار دُم دار ستاروں کے ظہور سے بالکل حیران ہو کر اپنی فال گوئی چھوڑ دی۔ اس امر کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے:-

لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَ يُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۖ دُحُوْرًا وَّ لَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ

"وہ اپنے اوپر کے لوگوں (فرشتوں) کی طرف کان نہیں لگا سکتے اور ہر طرف سے ان پر شہاب کے تیر پڑتے ہیں، وہ نکال دیئے جاتے ہیں اور اُن کے لئے ہمیشہ کا عذاب ہے۔ مگر کوئی

وہ زبردستی مسلمان کیا گیا ہو۔ ہاں برعکس اس کے کہ ترک اسلام پر مسلمان البتہ مجبور کئے جاتے تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝ (والصّٰفّٰت ۳۷ آیات ۸ تا ۱۰)۔

یکایک سن پانے کی کوشش کرے تو چمکتا ہوا شہاب اس کے پیچھے ہو لیتا ہے۔ (والصّٰفّٰت ۳۷۔ آیات ۸ تا ۱۰)۔

۱۸۔ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ۝ (الحجر ۱۵۔ آیت ۱۸)

۱۸۔ مگر جو کوئی چوری سے کوئی بات سُننے شہاب روشن اس کے پیچھے ہو لیتا ہے۔ (الحجر ۱۵۔ آیت ۱۸)۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ۝ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ۝ (الشعراء ۲۶۔ آیات ۲۱۰ تا ۲۱۲)

اور اس (قرآن) کو شیطان لیکر نہیں اُترے اور یہ کام اُنکے کرنے کا نہیں اور نہ وہ اس کو کرسکتے ہیں۔ وہ تو (وحی کے) سننے سے دور رکھے گئے ہیں۔ (الشعراء ۲۶۔ آیات ۲۱۰ تا ۲۱۲)۔

ضعیف الاعتقاد لوگوں میں شہابوں اور ستاروں کے ٹوٹنے سے جو خوف اور پریشانی پیدا ہوتی ہے۔ اُس کی ایک مثال ذیل میں نقل کرتا ہوں:۔

دسویں صدی کے وسط کے قریب دنیا کے خاتمہ کا ایک عالمگیر خوف مسیحی ممالک پر چھایا ہوا تھا۔ حشر کے نظارہ کی توقع اور شلیم کی جاتی تھی۔

۹۹۹ء میں زائرین کی تعداد جو اس شہر میں خداوند (یسوع مسیح) کی آمد کا انتظار کرنے کے لئے مشرق کی طرف روانہ ہوئے اس قدر زیادہ تھی کہ ان کو ایک غارت گر لشکر سے تشبیہ دی گئی تھی۔ سنہ ۱۰۰۰ء کے درمیان یہ تعداد زیادہ ہوگئی۔ ہر ایک قدرتی ظہور سے اُن کے دلوں پر خوف چھایا جاتا تھا۔ ایک کڑک اور گرج کا طوفان ان کو (نماز کے لئے) گھٹنوں کے بل جھکا دیتا تھا۔ ہر ایک شہابہ جو اور شلیم میں آسمان پر نظر آتا تھا تمام مسیحی آبادی کو بازاروں میں رونے اور دُعا مانگنے کے لئے باہر نکال دیتا تھا۔ جو زائرین سفر میں تھے اُن پر بھی یہی ہیبت طاری تھی۔ ہر ایک ستارہ کا ٹوٹنا ایک وعظ کا موقع دیتا تھا۔ جس کا خاص موضوع اس عنقریب پیش آنے والے فیصلہ (قیامت) کی عظمت کا اظہار ہوتا تھا۔ (دیکھو چارلس میکی ایل۔ ایل۔ ڈی کی کتاب موسوم بہ "غیر معمولی انسانی توہمات" مطبوعہ لندن صفحہ ۲۲۲ و ۲۲۳)۔

اس امر کا دعوے کہ شیاطین کی رسائی آسمانوں کی حدود تک ہے اور وہ کوشش کرکے چپکے سے کان لگا کر عالم بالا کے بعض اسرار سن پاتے ہیں اور اس دُنیا کے فال گوؤں اور غیب کی خبریں دینے والوں کو اُن کی اطلاع دیدیتے ہیں" **کاہنوں** کا عقیدہ یا قریب تھا۔ یہودیوں کو بھی شیاطین کی بابت ایسا ہی اعتقاد تھا کہ وہ پردے کے پیچھے سے سن کر زمانہ آئندہ کے بھید معلوم کرلیتے ہیں۔ قرآن مجید نے ان دعووں میں اُن کی تکذیب کی۔ قرآن ارشاد فرماتا ہے کہ آسمان (یا ستارے) محفوظ ہیں۔ اور فال گوؤں کے استراق سمع (یا تسخیرات) سے مصئون ہیں۔

(ملاحظہ ہو صفحہ ۴۲)

۱۲- قریش کی سخت ایذارسانیوں کی بدولت جب مسلمان مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے تو پیغمبر (صلعم) کے تمام پیرو اُن لوگوں کے سوا جو قریش کی قید میں تھے۔ یا غلامی سے نکل کر بھاگ نہیں سکتے تھے۔

ہجرت کے بعد مکہ میں مسلمانوں کی تعداد میں ترقی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ وَحَفِظْنَاهَا مِن كُلِّ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ (الحجر ۱۵- آیات ۱۶ و ۱۷)

"اور ہم نے آسمان میں بروج بنائے اور دیکھنے والوں کے لئے اس کو (ستاروں سے) زینت بخشی اور ہر شیطان راندہ سے اس کو محفوظ کیا"۔ (الحجر ۱۵- آیات ۱۶ و ۱۷)۔

إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ وَحِفْظًا مِّن كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ ۔ (والصّٰفّٰت ۳۷- آیات ۶-۷)۔

"اور ہم نے آسمان دنیا (نیچے کے آسمان) کو ایک زینت یعنے ستاروں سے آراستہ کیا- اور ہر شیطان سرکش سے اس کو محفوظ کر دیا ہے"۔ (والصّٰفّٰت ۳۷- آیات ۷-۸)

وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَحِفْظًا (حٰم سجدہ ۴۱- آیت ۱۱)۔

"اور ہم نے نیچے کے آسمان کو (ستاروں کے) چراغوں سے آراستہ کیا اور حفاظت کے لئے۔ (حٰم سجدہ ۴۱- آیت ۱۱)۔

اس کے علاوہ قرآن مجید یہ بھی کہتا ہے کہ **کاہن** اپنے معتقدوں یعنے ان لوگوں کو جو اُن سے مشورہ کرنے جاتے ہیں، دوسروں سے سُنی سنائی باتیں بتا دیتے ہیں اور وہ جھوٹے ہیں:-

يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ - (الشعراء ۲۶- آیت ۲۲۳)

"وہ سُنی سنائی باتیں القا کرتے ہیں اور اکثر ان میں سے جھوٹے ہیں"۔ (الشعراء ۲۶- آیت ۲۲۳)۔

قرآن مجید میں یہ کسی جگہ نہیں ہے کہ ستارے شیاطین پر پھینکے یا مارے جاتے ہیں۔ سورۂ ملک ۶۷ کی پانچویں آیت اصل مع لفظی ترجمہ کے ذیل میں درج کی جاتی ہے:-

۵- وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِّلشَّيَاطِينِ (الملک ۶۷- آیت ۵)-

"یقیناً ہم نے نیچے کے آسمان کو (ستاروں کے) چراغوں سے زینت دی اور ان کو شیاطین (یعنے منجموں) کے لئے "رجوم" (یعنی قیاس اور اٹکل کا ذریعہ) بنایا- (الملک ۶۷- آیت ۵)-

• رَجم کے ابتدائی معنے ہیں "ایسی چیز جو پتھر کی طرح ڈالی یا پھینکی جائے"۔ اس کی جمع رُجُوم ہے مگر عام طور پر اس کے معنے ہوتے ہیں۔ "ایسی بات کہنا جو پوشیدہ اور نامعلوم ہو- یا قیاس لگانا۔ یعنے اٹکل پچو کوئی بات کہہ دینا"، جیسا کہ سورۂ کہف ۱۸- آیت ۲۱ میں (رجماً بالغیب) آیا ہے۔ سورۂ مریم ۱۹- آیت ۴۷ میں لفظ "لأرجمنّك" کی تشریح دو طرح سے کی گئی ہے۔ یعنے (۱) "میں یقیناً تجھ پر پتھر برساؤں گا" اور (۲) "میں یقیناً تیری نسبت ایسی بات کہوں گا کہ گو مجھے اس کا علم نہ ہو- مگر تجھے ناپسند اور ناگوار خاطر ہو" (یعنی ایسی اٹکل پچو باتیں اڑاؤں گا جن سے تجھ کو تکلیف اور صدمہ پہنچے گا)۔

دیکھو عربک انگلش لیکسکان (عربی سے انگریزی کا لغت) یعنی مدّ القاموس مصنفہ لین صفحہ ۱۰۴۸- کشاف جلد ۱ صفحہ ۹۰ طبع کلکتہ بیضاوی جلد ۱ صفحہ ۵۶۹ طبع یورپ علامہ سید مرتضٰی نے تاج العروس میں لفظ "رجم" پر پوری بحث کی ہے۔ ملاحظہ ہو تاج العروس جلد ۸ صفحہ ۳۰۴ مطبوعہ مصر لسان العرب جلد ۱۵ صفحہ ۱۲۰ لغت "رجم" شرح اشعار حماسہ صفحہ ۷۹۴ مطبوعہ بن ۱۸۲۸ء۔

اپنے بال بچوں سمیت نقل مکان کر کے مدینہ کو چلے آئے مگر مکہ میں مسلمانوں کے نکالے جانے کے بعد بھی اور بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ ایسے لوگوں کی تعداد جو غضبناک قریش کے ظلم و ستم کی وجہ سے مکہ سے بھاگ نہیں سکتے تھے بڑھتی جاتی تھی (سورۃ النسا ۴۔ آیات ۷۷، ۹۷۔۱۰۰) ہجرت کے چھ سال بعد جب مسلمان حجاج مکہ کے قریب مقام حدیبیہ میں تھے اس وقت ان مظلوموں نے ان سے اپنی رہائی اور مدد کی درخواست کی اور سورۂ فتح ۴۸۔ آیت ۲۵ میں مسلمانان مکہ کی اس بڑی تعداد کی

(حاشیہ متعلق صفحہ ۲۹) لے عیسائیوں کے پانچ صدیوں تک انجیل کا وعظ سنانے کے بعد ہم صرف اس قدر نشان دہی کر سکتے ہیں کہ کہیں کہیں خال خال آدمیوں نے دین مسیحی کو قبول کیا۔ یعنے نجران کے بنی حارث یمن کے بنی حنیفہ۔ بنی طے کے بعض اشخاص جو بمقام تیماء رہتے تھے ان کے سوا شاید ہی کسی نے دین عیسوی اختیار کیا ہو۔ یہودی مذہب نے جو بہت زیادہ قوی تھا بسرکردگی ذونواس لوگوں کو جبراً یہودی بنانے کے لئے ایک ناگہانی سعی بے ثمر کی تھی لیکن ایک علمی اور تبلیغی ذریعہ ہونے کی حیثیت سے یہودی عقیدہ اب مؤثر نہ رہا تھا"

(سیرت محمدی از میور جلد اول صفحہ ۲۳۹ مقدمہ معجم البلدان جلد ۴ صفحہ ۵۵، مطبوعہ یورپ۔ ابن اثیر جلد اول صفحہ ۳۰۷ مطبوعہ یورپ۔ بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۲۹۵ طبع یورپ)۔

(حاشیہ متعلق صفحہ ۴۰) لے اوس و خزرج۔ یمن کے قبائل بنی ازد کی دو شاخیں تھیں جو کہلان کی نسل سے تھیں۔ شمال کی طرف نقل مکان کر کے چلے آنے کے بعد وہ بنی غسان سے جدا ہو کر مدینہ چلے آئے تھے۔ اور یہیں انہوں نے سکونت اختیار کر لی تھی۔ (معارف ابن قتیبہ صفحہ ۴۵ طبع یورپ)۔

لے رسائل اخوان الصفا میں ان مظلوم مسلمانوں کی حمایت میں عقلی و نقلی دلائل بیان کئے گئے ہیں جو بعد ہجرت بسبب بعض مجبوریوں کے مکہ میں رہ گئے تھے اور ہجرت نہیں کر سکتے تھے اور جن پر قریش مکہ بسبب مخالفت مذہب طرح طرح کے ظلم و ستم کرتے تھے اور مظلوموں کی حمایت میں جبکہ ظالم اور جابر اُن کی نظری آزادی چھین لیں جنگ کی ضرورت کو ثابت کیا ہے۔ رسائل اخوان الصفاء میں وہی دلائل بیان کئے گئے ہیں جن کو مسٹر کینٹ نے بیان کیا ہے اور جو کتاب ہذا کے فقرہ (۱۰) میں نقل ہو چکے ہیں نیز رسائل مذکور میں اُن آیات قرآنی کو نقل کیا ہے جن کی طرف علامہ مصنف نے اشارہ کیا ہے۔ دیکھو رسائل اخوان الصفا مطبوعہ یورپ ۱۸۸۳ء صفحہ ۹۷)

لے بیضاوی جلد ا صفحہ ۲۱۸ تا ۲۲۶۔ لے بیضاوی جلد دوم صفحہ ۲۶۹۔ کشاف جلد دوم صفحہ ۱۰۷۔ معالم التنزیل جلد ۴۔ صفحہ ۷۹

طرف اشارہ کیا گیا ہے جو اُس وقت مکہ میں مقیم تھی +

۲۲۔ **قریش** نے جنوب کی طرف سے مدینہ پہنچ کر جو لڑائیاں آنحضرت ؐ کے ساتھ کی تھیں اور گردونواح کے **قبائل** کی طرف سے مدینہ پر حملہ اور چڑھائی کرنے کا جو دائمی خطرہ لگا رہتا تھا (اور یہ حالت اشاعت اسلام میں بڑی سدِ راہ تھی، جس کی **اشاعت** کامیابی کے ساتھ اُسی وقت ہو سکتی تھی جبکہ فریقین کو امن و امان اور اطمینان حاصل ہو) قطع نظر ان سب باتوں کے عرب کے سب سے مشہور اور بڑے قبیلے، جو عرب کے شمال اور وسط میں رہتے تھے۔ آنحضرت صلعم کے زمانۂ حیات میں، یعنے قبل از بعثت ۵۷۰ء سے ۶۱۰ء تک اور نیز آنحضرت ؐ کے زمانۂ نبوت میں ۶۱۰ء سے ۶۳۲ء تک باہم برسرِ جنگ تھے۔ یہ آفت خیز اور خوں ریز جنگیں بیسیوں برس تک جاری رہیں۔ اور جو آفتیں لازمی طور پر زمانۂ جنگ میں پیش آئیں۔ اُن کا اثر صرف جنگ جو قوموں ہی تک محدود نہ تھا۔ آفات جنگ کے دُور کرنے اور اُن آلام و مصائب کا نقش مٹانے کے لئے جو لڑائیوں کی وجہ سے پیش آتے ہیں۔ سالہا سال درکار رہتے تھے[۱] +

> بد امنی کی حالت ان قبائل کے درمیان جو نواح مدینہ میں آباد تھے۔ مہلک اور خونریز جنگوں کا اشاعت اسلام میں سدِ راہ ہونا

۲۳۔ اس موقع پر میں اُن خونریز لڑائیوں کا ایک **مختصر سا خاکہ** کھینچوں گا جو آنحضرت ؐ کے زمانہ میں مختلف قبائل عرب کے باہم دگر پیش آئیں۔

> قبائل عرب کی ان باہمی جنگوں کا ایک خاکہ جو آنحضرت ؐ کے زمانۂ حیات میں پیش آئیں۔

[۱] یہی کیفیت اُن جنگوں کی بابت صادق آتی ہے جو آنحضرت ؐ کے زمانۂ حیات میں۔ مگر آپ کی بعثت سے پہلے واقع ہوئیں۔ یہ واقعات عربی تاریخوں میں ایام العرب کے نام سے مشہور ہیں۔ ملاحظہ ہو ابن اثیر جلد اول صفحہ ۴۲۶ تا صفحہ ۵۱۴ مطبوعہ یورپ سنہ۔

وہ لڑائیاں جو آنحضرتؐ کے زمانہ میں اُن قبائل کے درمیان ہوئیں جو عرب کے شمال اور وسط میں آباد تھے

اوّل قبل از بعثت

(سنہ ۵۷۰ء سے سنہ ۶۱۰ء تک)

(۱) جنگ الرّرح[1] رحان، بنی عامر بن صعصعہ اور بنی تمیم کے درمیان جو نجد میں رہتے تھے، سنہ ۵۷۸ء

(۲) بنی عبس بن عامر کے طرفدار اور بنی ذبیان بنی تمیم کے طرفدار، سنہ ۵۹۰ء میں بمقام شعب جبلہ[2]۔

(۳) جنگ طائف جو حرب[3] فجار کے نام سے مشہور ہے، مذہبی تبرّکات کو چُرا لے جانے کی وجہ سے سنہ ۵۸۰ء سے سنہ ۵۹۰ء تک رہی۔

(۴) متعدد لڑائیاں بنی بکر اور بنی تمیم کے درمیان جو سنہ ۶۰۴ء میں اور سالہائے مابعد میں جاری رہیں +

دوم دورانِ بعثت میں

(الف - بمقام مکہ سنہ ۶۱۰ء سے سنہ ۶۲۲ء تک)

(۱) جنگ[4] داحس والغبرا بنی عبس اور بنی ذبیان کے درمیان جو بنی غطفان

---

[1] ابن اثیر جلد اول صفحہ ۴۷۱ - مطبوعہ یورپ - [2] ابن اثیر جلد اول صفحہ ۴۳۵ مطبوعہ یورپ - [3] ابن اثیر جلد اول صفحہ ۴۲۹ و ۵۰۰-۵۰۹ مطبوعہ یورپ - مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۱۲۵ مطبوعہ پیرس - [4] ابن اثیر جلد اول صفحہ ۴۷۰ - شرح حماسہ صفحہ ۲۲۲ و ۲۲۳ مطبوعہ

کی شاخیں تھیں اور وسط عرب میں رہتی تھیں۔ یہ جنگ ۵۶۸ء سے ۶۰۸ء تک یعنی چالیس سال تک رہی تھی +

(۲) جنگ[1] ذوقار۔ بنی بکر اور اہل فارس کے درمیان ۶۱۱ء میں سلطنت حیرہ میں واقع ہوئی۔

(۳) بنی کندہ[2] اور بنی حارث نے بنی تمیم پر جبکہ وہ یمن میں سرحد میں کلاب کی طرف چلے گئے تھے، حملہ کیا اور ان کو پسپا کیا۔

(۴) بنی اوس اور بنی خزرج جو مدینہ میں رہتے تھے، باہم برسر جنگ تھے جنگ بعاث ۶۱۵ء میں ہوئی۔ بنی غسان کے دو قبیلے۔ بنی مازن اور یہودیوں کے قبائل بنی نضیر اور بنی قریظہ یہ سب بنی اوس کے مددگار تھے۔ بنی جہینہ۔ بنی اشجع اور بنی قینقاع کے یہودی۔ بنی خزرج کے حامی[3] تھے۔

(ب۔ بمقام مدینہ ۶۲۲ء سے ۶۳۲ء تک)

(۱) وہ جنگ جو ایک طرف بنی ہوازن اور دوسری طرف بنی عبس۔ بنی ذبیان اور بنی اشجع کے درمیان جو قبیلہ غطفان سے تھے، ٹھنی ہوئی تھی۔ خفیف لڑائیوں اور خونریزیوں کے ساتھ جاری رہی۔ یہاں تک کہ انہوں نے دین اسلام قبول کیا +

(۲) قریش بدر اور احد میں ۶۲۴ء اور ۶۲۵ء میں مسلمانان مدینہ کے ساتھ دو لڑائیاں لڑے۔

(۳) غطفان جو بڑا خاندان تھا۔ اس کے متعدد قبائل (بنی مرہ۔ بنی اشجع اور بنی فزارہ) بنی سلیم اور بنی سعد جو قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ تھی۔ بنی اسد جو نجد

---

[1] طبری جلد اول صفحہ ۱۰۱۶ تا ۱۰۳۷ مطبوعہ یورپ ۔ معجم البلدان جلد ۴ صفحہ ۱۰۔ التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۴۱۔

[2] معجم البلدان جلد اول صفحہ ۶۷۰۔ ابن اثیر جلد اول صفحہ ۵۰۹ مطبوعہ یورپ۔ شرح حماسہ صفحہ ۲۲۱ تا ۲۲۳ مطبوعہ یورپ۔

[3] یہ لڑائی عربی تاریخوں میں یوم بعاث کے نام سے مشہور ہے۔ ابن اثیر جلد اول صفحہ ۵۱۰۔

کے بدوی قبائل سے تھے۔ اور بنی قریظہ جو یہودی تھے۔ ان سب قبیلوں نے قریش کے ساتھ شامل ہو کر سنہ ۶۲۷ء میں مدینہ کا محاصرہ کیا[1] (یعنے غزوۂ خندق پیش آیا)۔

(۴) بنی تمیم اور بنی بکر نے اپنی دیرینہ عداوتوں کو پھر تازہ کیا۔ اور سنہ ۶۱۵ء سے سنہ ۶۳۰ء تک اُن کے درمیان متعدد لڑائیاں واقع ہوئیں۔ سب سے پچھلی لڑائی جو جنگ شیطین کے نام سے موسوم ہے سنہ ۶۳۰ء میں ہوئی۔ (ابن اثیر جلد ۱ صفحہ ۴۹۰)

اسی سال میں لڑائی کے بعد دونو قبیلے مسلمان ہو گئے۔

(۵) بنی غوث اور بنی جدیلہ جو قبیلہ بنی طے کی شاخیں اور مدینہ کے شمال میں سکونت پذیر تھے۔ انہوں نے باہم گر جنگ و جدل کئے "جنگِ فساد"[2] پچیس سال تک جاری رہی یہاں تک کہ ان دونو قبیلوں نے سنہ ۶۳۲ء میں اسلام قبول کیا۔

۲۴۔ آنحضرت م کے زمانہ قیام مدینہ میں یعنے ابتدائے ہجرت سے لیکر صلح حدیبیہ تک کے چھ سال حوادث وواقعات سے پُر ہیں آپ کے مخالف دیگر قبائل عرب ہر سال آپ پر حملہ کرتے یا حملہ کی دھمکی دیتے تھے۔ اور آپ ہمیشہ مدافعت کرتے تھے۔ اس حالت میں بھی آپ نے متعدد اشخاص بلکہ قریب قریب کل کے کل قبیلوں کو جو مدینہ کے گرد رہتے تھے، مشرف باسلام کر لیا تھا۔

> مدینہ کے گردونواح کی قوموں میں ہجرت کے بعد اسلام کی اشاعت سنہ ھ سے سنہ ھ تک

ان میں سے بعض قبائل حسب ذیل تھے:۔

---

[1] اس جنگ کو اسلامی تاریخوں میں یوم خندق یا غزوۂ احزاب کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۱۳۶۔ تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۵۰۔ ابن ہشام صفحہ ۶۶۸۔

[2] یہ واقعہ عربی تاریخوں میں یوم یحامیم کے نام سے موسوم ہے۔ ملاحظہ ہو ابن اثیر جلد ۱ صفحہ ۴۰۷ و تبریزی شارح حماسہ نے اس جنگ کے حالات نہایت تفصیل سے لکھے ہیں۔ ملاحظہ ہو شرح حماسہ صفحہ ۱۷۱ مطبوعہ بن سنہ ۱۸۲۸ء۔

(۱) بنی اسلم[1] (۲) بنی جہینہ[2] (۳) بنی مزینہ[3] (۴) بنی غفار[4] (۵) بنی سعد بن بکر[5] (۶) بنی اشجع[6]۔

ہم کو کتب مغازی میں بھی (جن میں آنحضرت ؐ کے غزوات کے حالات درج ہوتے ہیں، گو وہ کیسے ہی غیر معتبر ہوں) ایک بھی مثال ایسی نہیں ملتی۔ جس سے آنحضرت ؐ کا ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں قرآن لے کر کسی ایک شخص، یا کسی خاندان یا کسی قبیلے کی شاخ کو مسلمان کرنا ثابت ہو سکے +

جنوبی قبائل کے اسلام لانے میں کوئی سد راہ تھا۔

۲۵۔ باوجودیکہ اسلام کو ایذاؤں، جلاوطنیوں، اور جنگوں سے سابقہ پڑتا تھا۔ تاہم اس وقت تک یہ دین محض ترغیب و تحریص کی بدولت اہل مکہ میں پھیلا تھا جن میں سے بعض ابی سینیا اور اکثر مدینہ کو ہجرت کر گئے تھے اور اسی طریقہ سے اوس و خزرج کی نسل کے تمام با اثر قبیلوں میں جو مدینہ میں رہتے تھے۔ مدینہ کے یہودیوں میں اور بعض اُن قبائل میں جو مدینہ کے شمال اور مشرق اور

[1] بنی اسلم مدینہ کے شمال میں وادی القریٰ میں رہتے تھے وہ قبائل خزاعہ کی ایک شاخ تھی اور حمیر کی نسل سے تھے (ابن سعد ۱۰۱)
[2] بنی جہینہ۔ خزاعہ کی ایک شاخ تھی اور حمیر کی اولاد تھے۔ یہ قبیلہ ینبع کی نواح میں آباد تھا جو مدینہ کے شمال میں ہے۔ (ابن سعد ۸)۔
[3] بنی مزینہ۔ مکہ کے خاندان معد کے قبیلے سے تھے۔ وہ نجد میں جو مدینہ کے گوشہ شمال و مشرق میں ہے، آباد تھے (زرقانی جلد ۳ صفحہ ۴۴۔ ابن سعد ۱۴)۔
[4] بنی غفار رمیلیل بن ضمرہ کے بیٹے اور کنانہ کی نسل سے تھے۔ جو نجو قبائل معد کے ایک قبیلہ تھا۔
[5] بنی سعد بن بکر۔ ہوازن کی ایک شاخ تھی۔ آنحضرت ؐ نے اُن میں پرورش پائی تھی۔
[6] بنی اشجع۔ غطفان کی ایک شاخ تھی جو بنی معد کے کسی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بنی اشجع سب کے سب آنحضرت ؐ کے دشمن تھے اور محاصرہ مدینہ کے زمانہ میں آپ سے لڑے تھے۔ ۔۔۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں "بنی اشجع نے جو مدینہ کے محاصرہ میں شریک تھے بنی قریظہ کے قتل کے تھوڑے عرصہ بعد اطاعت قبول کر لی۔ انہوں نے محمد صلعم سے کہا کہ آپ نے ہمارے خلاف جو جنگ کی ہے ہم اس سے ایسے تنگ آ گئے ہیں کہ آئندہ آپ کے مقابلہ میں کھڑے نہیں رہ سکتے۔" کاتب واقدی صفحہ ۱۰۶۔ ابن سعد صفحہ ۵۵ (دیکھو سر میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۷، ۱ فٹ نوٹ)۔
یہ حصہ بسا سر جھوٹا ہے۔ ہم نے کبھی نہیں سنا کہ آنحضرت ؐ نے بنی اشجع کے خلاف جنگ کی ہو۔ بلکہ برعکس اسکے خود انہوں نے مدینہ پر حملہ کیا تھا

وسط عرب میں رہتے تھے۔ اس کی اشاعت ہوئی تھی۔ مگر چونکہ جنوب کی طرف اہل مکہ نے اسلام کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تھا۔ اس لئے اکثر قبائل عرب جن کا کسی نہ کسی طرح اہل مکہ سے تعلق تھا۔ اور وہ قبائل جو عرب کے جنوبی حصے اور گوشۂ جنوب و مشرق میں رہتے تھے۔ اور اُن کے اور اہل مدینہ کے درمیان مکہ حائل تھا۔ جنگ کی کارروائی پر غور کر رہے تھے کہ دیکھئے اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ (ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۱۹)۔ اور اسلام کی قسمت کا کیا فیصلہ ہوتا ہے؟ اِن قبیلوں کو مدینہ تک پہنچنے اور اسلام قبول کرنے کا۔ یا مسلمانوں سے دوستانہ ربط و اتحاد پیدا کرنے کا۔ یا قریش نے جو لڑائیاں اور خون خرابے ڈال رکھے تھے۔ اُن کے ہوتے محمدی مشنریوں (داعیان اسلام) کو طلب کرنے اور اُن کی خاطر و مدارات کرنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ کیونکہ وہ قریش کو محافظ کعبہ سمجھتے تھے، جو اُس وقت عرب کے بُت پرستوں کا رُوحانی یا مذہبی مرکز بنا ہوا تھا۔ آخری یعنے پانچویں سال کے اختتام پر بہت سے قبائل اعراب نے جن میں بنی اشجع۔ بنی مرہ۔ بنی فزارہ۔ بنی سلیم۔ بنی سعد بن بکر اور بنی اسد کا شمار ہو سکتا ہے محاصرۂ[1] مدینہ کی غرض سے ہزار ہا اعراب کی جمعیت قریش کے لئے بہم پہنچائی۔ جب مسلمانوں پر قریش کی لڑائیاں بند ہوئیں۔ تب کہیں جنگ کرنے والے قبیلوں اور عرب کے وسط اور جنوب اور مشرق میں رہنے والے قبیلوں کو اتنی مہلت ملی کہ اپنی بُت پرستی اور توہمات باطلہ کے برخلاف اسلام کے معقول وعظ پر جس کا حال انہوں نے سُنا تھا کچھ غور کر سکیں +

۲۶۔ صلح حدیبیہ کے وقت سے سنہ ۶ ھ کے اختتام تک مکہ آمد و رفت کے لئے کُھلا ہوا تھا۔ جہاں کچھ اَور نئے لوگ داخل

چھٹے سال میں بعض قبائل کا اسلام لانا

[1] پوری بحث کے لئے ملاحظہ ہو (طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۴۷ مطبوعہ یورپ سنہ) +

اسلام ہوئے۔ بنی خزاعہ جو ازد کی اولاد تھی، صلح حدیبیہ ہی کے وقت مسلمان ہو گئے تھے۔ اگلے سال حج کے موقع پر مکہ کے بعض بااثر لوگوں نے اسلام اختیار کیا۔ یہ تحریک اِن سربرآوردہ اشخاص ہی تک محدود نہ تھی۔ بلکہ عام اور وسیع تھی۔ ساتویں سال قبائل مندرجہ ذیل نے اسلام قبول کیا اور اُن کے وفد خیبر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ آکر شامل ہوئے:۔

(۱) بنی اشعر[1] (۲) بنی خشینہ[2] (۳) بنی دوس[3]۔ اسی سال میں آنحضرت نے بعض دیگر قبائل کو مسلمان بنایا، جو عرب کے شمال اور گوشہ شمال مشرق میں رہتے تھے منجملہ ان کے قبائل ذیل تھے:۔

(۱) بنی عبس۔ بنی ذبیان (۳) بنی مرہ (۴) بنی فزارہ[4] (۵) بنی سُلیم[5] (۶) بنی عذرہ (۷) بنی بلی (۸) بنی جذام[6] (۹) بنی ثعلبہ[7] (۱۰) بنی عبدالقیس (۱۱) بنی تمیم[8] (۱۲) بنی اسد +

---

[1] بنی اشعر جدہ میں رہتے تھے۔ خاندان کہلان سے تھے اور ازد کی اولاد تھے۔ (ابن سعد ۹۶)

[2] بنی خشینہ۔ قضاعہ کا ایک خاندان تھا جو حمیری نسل سے تھے۔

[3] بنی دوس۔ ازدی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں جو قحطان کی نسل سے ہیں۔ وہ مکہ کے جنوب کی طرف کچھ فاصلہ پر رہتے تھے۔ یہ لوگ خیبر میں آنحضرت ﷺ سے آملے تھے۔ (زرقانی جلد ۳ صفحہ ۳۴۔ ابن سعد صفحہ ۱۰۰)۔

[4] یہ چاروں قبیلے غطفان کی شاخیں ہیں، جو مکی النسل تھے غطفان کے بڑے بڑے خاندان:۔ بنی اشجع بنی ذبیان۔ اور بنی عبس"۔ بنی مرہ اور بنی فزارہ۔ بنی ذبیان کی شاخیں تھیں۔ یہ سب نجد میں رہتے تھے۔ بنی فزارہ کے سردار عیینہ بن حصن نے سنہ ۶ھ میں مدینہ پر حملہ کیا تھا۔ اُسی سال بنی فزارہ نے ایک مدینہ کے قافلہ پر حملہ کر کے اُس کو تاخت وتاراج کیا تھا +

[5] بنی سلیم، جو بنی حصفہ کی ایک شاخ اور بنی ہوازن کے ہم جدی تھے، مدینہ کے قریب رہتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کو جب آپ بچے ہی تھے پرورش کے لئے اس قبیلہ کے سپرد کیا گیا تھا۔ وہ مکی النسل بھی تھے اور حصفہ کی وساطت سے مضر اور معد کی نسل سے تھے۔ بنی مرہ اور بنی فزارہ کی طرح جو غطفان کی شاخیں تھیں۔ بنی سلیم بھی مدت تک حملوں کی دھمکی دیتے رہے تھے + (ملاحظہ ہو صفحہ ۵۱)

تفویض مکہ ۸ھ

۲۷- ۶ھ کی صلح کے وقت سے مکہ میں اسلام کی حیثیت اور وقعت کو بڑی قوت حاصل ہوگئی- کیونکہ اس وقت سے مسلمانان مکہ کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا تھا- جن میں باا ثر اور سر برآوردہ اشخاص اور ایسے لوگ بھی شامل تھے جو شہرت و وقعت کے لحاظ سے کم درجے کے تھے- اسی وجہ سے اسلام یعنے امن و امان اور صلح و آشتی کے حامیوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی اور اُن پر زیادہ اعتماد ہوتا جاتا تھا- بُت پرست قریش کے درمیان کوئی سردار ممتاز قابلیت یا حکومت واقتدار والا مکہ میں باقی نہ رہا- **قریب قریب کُل دین اسلام میں داخل ہوگئے**- اسی اثناء میں بنی بکر اور قریش نے شرائط صلح کو توڑ دیا جس کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بنی سلیم نے عامر بن طفیل یعنی سردار بنی عامر کے ساتھ جو ہوازن کا ایک قبیلہ تھا مع اپنے قبائل عُصَیّہ- رعل اور ذکوان کے- داعیان اسلام کی ایک جماعت کو جن کی تعداد ۴۰ تھی بمقام بیر معونہ قتل کر دیا تھا- اس جماعت کو ابو براء عمر بن مالک نے طلب کیا تھا جو بنی عامر کا سردار تھا- اور جس نے اُن کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا- محاصرہ مدینہ کے موقع پر قریش کی فوج بھی بنی سلیم کے ساتھ شامل ہوگئی تھی- (ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۳۱) +

ساتویں سال میں انہوں نے داعیان اسلام کی ایک اَور جماعت کو بھی جو اُنکی طرف بھیجی گئی تھی بمقام رجیع تہ تیغ کر ڈالا تھا (ابن ہشام صفحہ ۶۴۸- اور ۶۳۸- ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۸) +

لـه بنی عذرہ مثل بنی جہینہ کے بنی خزاعہ کا ایک قبیلہ تھے- وہ مع بنی بلی اور بنی جذام کے عرب کے شمال میں اس علاقہ میں جو غسان کی ملکیت تھا آباد تھے- قبیلۂ حمیر جو یمن کے بنی قحطان کی اولاد تھا- بنی قضاعہ- بنی عذرہ- بنی جہینہ اور دیگر مشہور قبائل جزیرہ نمائے عرب کے شمال کی طرف ملک شام کی سرحد پر آباد تھے-

سر ولیم میور کاتب واقدی کے حوالے سے لکھتا ہے کہ بنی جذام کا سردار رفاعہ بن زید جذامی محمد (صلعم) کا ایک خط اُن کے پاس لے کر گیا تھا، جس کا مضمون یہ تھا:-

"جو شخص اسلام قبول کرے وہ حزب اللہ (خدا کے گروہ) میں داخل ہے- اور جو کوئی انکار کرے اُس کو غور کرنے کے لئے دو ماہ کی مہلت دی جاتی ہے" (میور صاحب کی سیرۃ محمدی جلد ۴ صفحہ ۱۰، فٹ نوٹ) "غور کرنے کے لئے" یہ الفاظ اصل عربی میں نہیں ہیں (دیکھو ابن ہشام صفحہ ۹۶۲) اگر یہ روایت جس کی صحت کی کوئی سند نہیں ہے، صحیح ہو، تو یہ بات صاف طور پر معلوم (دیکھو صفحہ ۵۲)

نتیجہ یہ ہوا کہ مکہ بغیر خون ریزی کے فتح ہو گیا۔ اور مسلمانوں کے حوالہ کر دیا گیا +

۲۸۔ اگرچہ مکہ مغلوب ہو کر مطیع ہو گیا تھا۔ مگر اب تک اس کے تمام باشندوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ آنحضرت صلعم نے لوگوں کو مسلمان بنانے کے لئے جبر و اکراہ کا کوئی ذریعہ اختیار نہیں کیا۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں :۔

اہل مکہ اسلام لانے پر مجبور نہیں کئے گئے تھے۔

" اگرچہ اس شہر (مکہ) کے تمام باشندوں نے آپ کی فوقیت کو تسلیم کر لیا تھا۔ مگر
" سب نے یہ نیا مذہب اختیار نہیں کیا تھا۔ یعنی آپ کے دعویٰ پیغمبری کو باضابطہ
" طور پر تسلیم نہیں کیا تھا۔ شاید آپ نے اب بھی اس طریقہ پر کاربند ہونے کا ارادہ کیا
" جو پہلے مدینہ میں اختیار کیا تھا۔ اور وہ یہ تھا کہ لوگوں کو اسلام لانے کی بابت آزادی دی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نہیں ہوتی کہ دو ماہ کی مہلت سے کیا مراد تھی۔ جس کی صلاح جنگ شروع کرنے سے پہلے مصالحت کرنے کے لئے ان کو دی گئی تھی۔ اس امر کو اُن کی زبردستی مسلمان بنانے سے کوئی واسطہ نہیں +

۵ بنی ثعلبہ۔ ذبیان کی ایک شاخ تھی +

۶ بنی عبدالقیس۔ ایک معدی قبیلہ ہے جو ربیعہ کی اولاد ہیں۔ یہ لوگ بحرین میں آباد تھے۔ جو خلیج فارس پر واقع ہے +

۷ بنی تمیم طابخہ کی شاخ تھی جو مکہ کے معدی خاندان کا ایک قبیلہ تھا اور مزینہ کا ہم جدی تھا۔ یہ لوگ نجد کی تاریخ میں مشہور ہیں۔ نجد ایک صوبہ ہے جو مدینہ کے شمال و مشرق کی طرف شام کی سرحد سے یمن تک پھیلا ہوا ہے۔ ان میں سے بعض شاخیں مکہ اور حنین کی مہم کے موقع پر آنحضرت صلعم کے ساتھ تھیں۔ ان قبائل کی تمام شاخوں نے جو اب تک مسلمان نہیں ہوئی تھیں۔ اب اسلام قبول کر لیا +

۸ بنی اسد بن خزیمہ ایک طاقتور قبیلہ تھا جو نجد میں قطن نام ایک پہاڑی کے قریب رہتے تھے وہ مکی خاندان کے قبیلہ معد سے تھے۔ ان کے سردار طلیحہ و سلمہ نے ۴ھ میں مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے سوار اور تیز رفتار شتربانوں کی ایک فوج جمع کی جس کو مسلمانوں نے پراگندہ کر دیا۔ طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۲۔ زرقانی جلد ۲ صفحہ ۴، اگلے سال یہ لوگ محاصرۂ مدینہ میں قریش کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔

ہو جائے کہ وہ رفتہ رفتہ بغیر جبر و اکراہ کے اسلام قبول کرلیں[1]"۔

شہ ۹ اور سنہ ۱۰ھ میں باقیماندہ کل کے کل قبائل کا اسلام لانا۔

۲۹- اب مکہ کے اردگرد کے قبائل اعراب کو تہواروں اور میلوں[2] کے موقعوں پر اور سالانہ حج کے مجموعوں[3] میں آنحضرت ؐ کو بہ نفس نفیس اور خاص خاص واعیان اسلام کی وساطت سے جو مدینہ سے روانہ کیے جاتے تھے۔ نیز مسافروں اور تاجروں کی خبروں کے ذریعہ سے جو مکہ اور مدینہ سے عرب کے تمام حصوں میں آمدورفت رکھتے تھے۔ قرآن مجید کا وعظ سناتے ہوئے بیس سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا تھا۔ دور دراز کے مختلف قبیلوں۔ قوموں اور شاخوں نے اسلام کی خبر ملک میں پھیلادی تھی۔ اکثر قبیلوں میں بعض اشخاص فرداً فرداً مسلمان ہو گئے تھے۔ جو قبیلے ابھی داخل اسلام نہیں ہوئے تھے وہ بھی ایسی حالتوں میں جیسی کہ اوپر بیان کی گئیں قبول اسلام کے لئے آمادہ تھے۔ بت پرستی۔ سادی اور نفرت انگیز دونو قسم کی اُن معقول حملوں کی جو قرآنی تعلیم میں اُس پر کئے گئے ہیں تاب نہ لاسکی۔ مگر بت پرست قریش آزار رسانی اور تلوار کے ذریعہ سے اسلام پر حملہ اور اس کا مقابلہ کرتے تھے

[1] دیکھو سیرت محمدی از سر ولیم میور جلد چہارم صفحہ ۱۴۷ مطبوعہ سنہ ۱۸۶۱ء جو لوگ بنی ہوازن کی دھمکی دینے والی جمعیت کو دفعہ کرنے کے لئے حال میں بمقام مکہ لشکرگاہ اسلام میں جمع ہوئے تھے اور جنہوں نے آنحضرت ؐ کے زیر حکومت رہنے کو ترجیح دی تھی ایسے لوگوں کو سر ولیم میور نے نو مسلم قرار دیا ہے۔ (ج ۴ صفحہ ۱۴۹)۔ مگر درحقیقت یہ لوگ مسلمان نہیں کہلاتے تھے اُن کو قرآن مجید میں صرف "المؤلفة قلوبهم" کہا گیا ہے (سورہ توبہ ۹- آیۃ ۶۰) جس کے معنے ہیں "وہ لوگ جن کی تالیف قلوب مقصود تھی اور جن کو اسلام کی طرف آمادہ کرنا منظور تھا بیضاوی جلد ۱ صفحہ ۳۹۰ مطبوعہ یورپ۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۹۹۔ ابن ہشام صفحہ ۸۸۰۔ عینی جلد ۸ صفحہ ۳۲۶۔

[2] عکاظ- طائف اور نخلہ کے درمیان ہے۔ مجنۃ مرّ الظہران کے قرب وجوار میں اور ذوالمجاز عرفات کے پیچھے ہے یہ دونو مقام مکہ کے نزدیک ہیں (ان مقامات پر میلے لگا کرتے تھے اور تہوار منائے جاتے تھے۔ (مترجم))۔

[3] "نہایت ہی قدیم زمانہ سے جو زمانہ تاریخ سے بہت پہلے ہے: مذہبی روایت کی بنا پر مکہ سالانہ حج کا مقام قرار دیا گیا ہے جہاں عرب کے تمام تمام اطراف و جوانب سے یعنی یمن۔ حضرموت اور خلیج فارس کی سواحل سے ملک شام کی صحراؤں سے۔ اور حیرہ اور عراق عرب کی نواح بعیدہ سے لوگ حج کے لئے آتے تھے"۔ (میور جلد ۱ صفحہ ۱۱ مقدمہ)۔

اور مادّی ہتھیاروں سے بُت پرستی کو توت دیتے تھے۔ دور و دراز کے رہنے والے بُت پرست قبائل جو قریش کی طرف رہتے تھے خواہ بہ سبب بعد مسافت کے یا قریش[1] کے ساتھ اتحاد نسبی کی وجہ سے نئے دین کے قبول کرنے سے باز رہے۔ جوں ہی صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کی لڑائیاں بند ہوئیں۔ اعراب نے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، اسلام قبول کرنا شروع کیا اور جونہی وہ مطیع ہوئے اور کعبہ[1] بتوں سے خالی کیا گیا۔ اور بُت پرستی اور اسلام کے مابین مذہبی فوقیت کی بابت جو کشمکش چلی

---

[1] سر ولیم میور کا خیال یہ ہے :-

"مکہ پر قابض ہو جانے سے اب آنحضرت ؐ کے دعووں پر اصلیت کا ایک رنگ چڑھ گیا۔
"کیونکہ مکہ ملک عرب کا رُوحانی مرکز تھا اور ہر حصہ ملک کے قبائل اس کا ادب کرتے تھے۔ سالانہ
"حج کا انتظام بیت مقدس (خانہ کعبہ) کی تولیت۔ تقویم سالانہ میں دنوں کا اضافہ یعنی متبرک
"مہینوں میں حسب مرضی خورد و بدل کر دینا یہ وہ آئین تھے جن کا اثر تمام عرب میں پڑتا تھا اور
"جن کا حق قدیم الایام سے قریش کو حاصل تھا۔ اب یہ سب کام محمد (صلعم) کے ہاتھ میں آ گئے
"تھے۔ علاوہ بریں محمد (صلعم) کو اس بات کا خاص خیال تھا کہ اس قدیم رسم کی تمام ضروری
"باتیں اصلاح شدہ مذہب میں ملا دی جائیں۔ ایک کو دوسرے کے ساتھ اس طرح ملا دیا تھا
"کہ وہ جدا نہیں ہو سکتے تھے"۔ (سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۱۶۹)۔

مگر باقیماندہ قبائل نے جواب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور جنوبی و مشرقی عرب کے سرداروں نے اس وجہ سے اسلام اختیار نہیں کیا کہ آنحضرت ؐ کا تسلط مکہ پر تھا اور اس میں کوئی پولیٹیکل فوقیت نہیں تھی۔ تمام جزیرہ نمائے عرب میں ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ جو سردار مکہ پر قابض ہو اُسی کو تمام ملک میں اقتدار مطلق حاصل ہو۔ آنحضرت ؐ نے تمام بُت پرستی کی رسموں کو جو قبول اسلام کی غرض سے بُت پرست عربوں کے لئے ملکی یا تمدنی ترغیب کا کام دے سکتی تھیں۔ مکہ کے فتح ہوتے ہی موقوف کر دیا تھا۔ سال میں دنوں کا اضافہ، اور اشہر الحرم (متبرک مہینوں) کا تغیر و تبدل قرآن مجید کے ان صاف لفظوں میں ہمیشہ کے لئے منسوخ کر دیا گیا۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ

جس دن سے اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین پیدا کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں مہینوں کی شمار کتاب اللہ میں بارہ مہینے چلی آتی ہے۔ ان میں سے چار متبرک ہیں دین کا سیدھا راستہ یہی ہے مالی برصفت

آئی تھی اُس کا عملی طور پر فیصلہ ہو گیا۔ تمام باقی ماندہ قبائل جو جنوب اور مشرق کی طرف رہتے تھے۔ اور اب تک اسلام نہیں لائے تھے۔ ہجرت کے نویں ۹ اور دسویں ۱۰ سال میں جلد جلد جوق جوق داخل اسلام ہونے لگے۔

۳۰۔ ان دونو سال میں جزیرہ نمائے عرب کے نہایت ہی بعید مقامات سے

> ۹ھ اور ۱۰ھ میں مختلف سفارتوں اور وفدوں کا آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہونا۔

یمن اور حضرموت سے مہرہ، عمان اور بحرین سے جو جنوب میں واقع ہیں شام اور فارس کی سرحد سے قبول اسلام کی غرض سے مختلف قبیلوں کے وفد آنحضرت ص کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یمن اور مہرہ کے عمان، بحرین اور یمامہ کے بہت سے سرداروں اور شہزادوں نے جن میں عیسائی بھی تھے اور بُت پرست بھی، خطوط یا وفد کے ذریعہ سے اپنے مسلمان ہو جانے کی اطلاع دی۔ آنحضرت ص ان

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (التوبہ ۹۔ آیات ۳۶-۳۷)۔

مہینوں کا سرکا دینا ایک زائد کفر ہے جس کی وجہ سے کافر گمراہ ہوتے ہیں اس (مہینے) کو ایک سال حلال سمجھ لیتے ہیں اور اسی کو دوسرے سال حرام تاکہ جو مہینے اللہ نے حرام کئے ہیں اُن کی گنتی کو مطابق کر کے اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینوں کو حلال کریں اُن کی بد اعمالیاں اُن کی نظروں میں زینت دی گئی ہیں اور اللہ اُن لوگوں کو جو کفر کرتے ہیں توفیق ہدایت نہیں دیتا۔ (التوبہ ۹۔ آیات ۳۶-۳۷)۔

خانہ کعبہ کی تولیت اب کوئی عزت کا عہدہ یا حق نہ تھا۔ حج کی قدیم رسم اصلاح شدہ دین (مذہب اسلام) کے ساتھ ملا کر گڈ مڈ نہیں کی گئی۔ کعبہ میں جو رسوم ادا ہوتی تھیں اُن میں بُت پرستی کے میلان کو نکال کر دفع کر دیا گیا تھا اور حج کے باقیماندہ اور ضروری جزو (قربانی وغیرہ رسوم) کی عظمت کم کر دی گئی:۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (حج ۲۲۔ آیۃ ۳۸)

نہ تو ان کے گوشت اللہ تعالیٰ تک پہنچتے ہیں اور نہ اُن کے خون بلکہ تمہاری پرہیزگاری اُس تک پہنچتی ہے۔ (حج ۲۲۔ آیت ۳۸)

علاوہ بریں بُت پرستوں کو کعبہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔

(بقیہ حاشیہ ملاحظہ ہو صفحہ ۵۶ پر)

وفدوں اور سفارتوں کے ہمراہ معلّموں کو ایسے مقامات پر بھیج دیا کرتے تھے جہاں وہ پہلے نہ بھیجے گئے ہوں۔ تاکہ وہ ان حدیث الاسلام اشخاص کو فرائض اسلام کی تعلیم دیں۔ اور بُت پرستی کا جو کچھ اثر باقی رہ گیا ہو، وہ محو ہو جائے۔

فہرست اُن وفدوں کی جو قبول اسلام کی غرض سے ۹ھ اور ۱۰ھ میں آنحضرت م کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

۱۳۱۔ ذیل میں ایک فہرست اُن مشہور و معروف وفدوں اور سفارتوں کی نیز اُن نامی گرامی اسلام لانے والے اشخاص کی درج کی جاتی ہے جو ان دو سالوں کے اندر آنحضرت م کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ فہرست (انگریزی) حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دی گئی ہے۔ اشخاص و قبائل کی سکونت اور نسب کے متعلق نوٹ بھی دئے گئے ہیں[1]۔ سر ولیم میور حالانکہ ہر نامعتبر روایت کو (اپنی کتاب سیرت محمدی میں) درج کر لینے کا خیال رکھتے ہیں اور تمام جھوٹی اور مصنوعی داستانوں کو جو اسلام کے حق میں مضر ہوں، ذوق و شوق کے ساتھ تناول فرماتے ہیں۔ مگر اُن کی رائے میں ان تمام سفارتوں کا شمار کرنا "طولِ مُمِل اور فعل عبث ہے"[2]۔

(تنبیہ صفحہ ۵۵) مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ شَاهِدِيْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ (توبہ ۹۔ آیت ۱۷)۔ مشرکوں کو یہ حق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد رکھیں (یعنی اُن میں داخل ہوں) حالانکہ وہ اپنے کفر کے آپ گواہ ہیں۔ (التوبہ ۹۔ آیت ۱۷)۔

خود سر ولیم میور نے آنحضرت م کی بابت لکھا ہے:۔
"کعبہ کی رسمیں باقی رکھی گئیں۔ مگر آنحضرت م نے بُت پرستی کے ہر بت میلان کو اُن سے بالکل دور کر دیا اور وہ اب وہ تک ایک عجیب بے معنی کفن کے طور پر اسلام کی زندہ توحید کے گرد لپٹی ہوئی ہیں۔" (جلد اول مقدمہ صفحہ ۲۱۸)

[1] ان وفدوں کا حال معلوم کرنے کے لئے دیکھو ابن اسحاق (المتوفی ۱۵۱ھ) ہشامی (المتوفی ۲۱۳ھ)۔ ابن سعد (المتوفی ۲۳۰ھ) سیرت محمدی از سر ولیم میور جلد چہارم باب ۲۹ ام۔ سیرۃ شامی (المتوفی ۹۴۲ھ) اور حلبی (المتوفی ۱۰۴۴ھ) ان قبائل کے نسب ناموں کے لئے قلقشندی کا خولفت قبائل عرب اور تاریخ ابن خلدون۔ ان قبائل کے مقامات سکونت کی بابت ناظرین کو عرب کے اس نہایت قابل قدر نقشہ کا حوالہ دیا جاتا ہے جو سر ولیم کی تاریخ خلفاء ابتدائی اور ابتدائی خلافت" مطبوعہ لندن ۱۸۸۳ء کے ساتھ شامل ہے۔ نیز کیخسر تقانی جلد ۴۔ ابن ہشام صفحہ ۹۳۳۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۲۳۔

[2] سیرت محمدی از سر ولیم میور جلد چہارم صفحہ ۱۸۱ و ۲۲۶ مطبوعہ

(فاعتبروا یا اُولی الالباب ان ہذا الشئی عجاب - مترجم)-

۱- بنی عامر - ۲ - بنی عبد القیس - ۳ - بنی احمس - ۴ - بنی عنزہ - ۵ - بنی اسد - ۶ - بنی ازد (شنوۃ) - ۷ - بنی ازد (عمّان) - ۸ - بنی باہلہ - ۹ - بنی بہراء - ۱۰ - بنی بجلہ - ۱۱ - بنی بکاء - ۱۲ - بنی بکر بن وائل - ۱۳ - بنی بلی - ۱۴ - بنی بارق - ۱۵ - بنی داری - ۱۶ - فروہ بن عمرو الجذامی - ۱۷ - بنی فزارہ - ۱۸ - بنی غافق - ۱۹ - بنی غامد - ۲۰ - بنی غسّان - ۲۱ - بنی ہمدان - ۲۲ - بنی حنیفہ - ۲۳ - بنی حارث سکنہ نجران - ۲۴ - بنی ہلال بن عامر بن صعصعہ - ۲۵ - بنی حمیر - ۲۶ - بنی جعد - ۲۷ - بنی جعفر بن کلاب بن ربیعہ - ۲۸ - جیفر بن الجلندی - ۲۹ - بنی جہینہ - ۳۰ - بنی جعفی - ۳۱ - بنی کلب - ۳۲ - بنی خشعم بن انمار - ۳۳ - بنی خولان - ۳۴ - بنی کلاب - ۳۵ - بنی کنانہ - ۳۶ - بنی کندہ - ۳۷ - بنی مہرہ - ۳۸ - بنی محارب - ۳۹ - بنی مراد - ۴۰ - بنی منتفق - ۴۱ - بنی مرّہ - ۴۲ - بنی نخع - ۴۳ - بنی نہد - ۴۴ - بنی عذرہ - ۴۵ - بنی رہاء - ۴۶ - بنی رواس - ۴۷ - بنی سعد ہذیم - ۴۸ - بنی صدف - ۴۹ - بنی سدوس - ۵۰ - بنی سہم - ۵۱ - بنی ثقیف - ۵۲ - بنی سلامان - ۵۳ - بنی شیبان - ۵۴ - بنی صداء - ۵۵ - بنی تغلب - ۵۶ - بنی تجیب - ۵۷ - بنی تمیم - ۵۸ - بنی طے - ۵۹ - بنی زبید +

لہ یہ بنی ہوازن کی ایک شاخ اور قبیلہ ثقیف کے ہم جدی تھے - صوبہ نجد میں رہتے تھے اور معدی نسل سے تھے ۔ ۸ھ ہجری میں اس قبیلہ نے مسلمانوں کے برخلاف جنگ حنین میں باقی ماندہ بنی ہوازن کا کچھ زیادہ ساتھ نہیں دیا تھا۔ مشہور شاعر لبید جو سبعہ معلقہ میں سے ایک قصیدہ کا مصنف ہے اسی قبیلہ سے تھا۔ (دیکھو تذکرہ لبید از کتاب الاغانی جو مسٹر سی - جے لائل سی - ایس نے لبید کے قصیدہ پر ایک مضمون لکھا ہے۔ یہ مضمون ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے رسالہ نمبر ا بابت ۱۸۷۷ء مطبوعہ کلکتہ کے صفحہ ۶۲ لغایت ۶۶ پر درج ہے۔ معارف صفحہ ۱۶۹)-

۳۲۔ **الغرض**۔ ان تمام قبائل کے اسلام لانے اور تمام عرب میں سرعت کے ساتھ اسلام کے پھیل جانے کی تکمیل اس طرح ہوئی کہ نہ تو ہتھیاروں کا استعمال کیا گیا۔ نہ جبر کیا گیا۔ نہ دھمکی دی گئی۔ اور نہ "ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں تلوار" لیکر اس کی اشاعت کی گئی۔ بُت پرست اعراب اور نصاریٰ

تمام اشخاص اور قبائل بغیر کسی جبر و اکراہ کے مسلمان ہوئے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۵۷) ؎ بنی عبد القیس بحرین کے رہنے والے تھے۔ اس قبیلہ کا حال فقرہ (۲۶) میں بیان ہو چکا ہے۔ اس سفارت میں بہت سے اشخاص شامل تھے۔ یہ لوگ اسلام قبول کرنے سے پہلے عیسائی تھے۔

؎ یہ لوگ انمار کی اولاد میں تھے جو یمن کی قحطانی نسل سے تھا۔

؎ بنی اسد کی ایک شاخ تھی۔ ربیعہ کی اولاد تھے جو معدی نسل سے تھا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو برکھارٹ (ایک یورپین سیاح نامی برکھارٹ) نے عنزی لکھا ہے۔

؎ ان کا حال پہلے فقرہ (۲۶) میں بیان ہو چکا ہے۔ اس قبیلہ کے باقی ماندہ لوگوں نے اب اسلام قبول کر لیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سورۂ حجرات ۴۹۔ آیت ۱۷۔ اسی قبیلہ سے متعلق ہے۔

؎ بنی ازد (شنوۂ) یمن کے رہنے والے تھے۔ یہ قبیلہ اُس ازدی قبیلہ کا ایک حصہ تھا جو اس وقت جب کہ ازد نے شمال کی طرف نقل مکان کیا، یمن میں رہ گیا تھا۔ وہ قحطان کی ایک شاخ اور قحطانی نسل سے تھے۔ یمن سے جانب شمال کوچ کرنے کے اثناء میں وہ عرصہ تک حجاز میں بمقام بطن مر جو مکہ کے قریب ہے سکونت پذیر رہے۔ جب وہ ملک شام کے شمال کی طرف اور آگے بڑھے تو انھوں نے اپنا نام قضاعہ کو چھوڑ کر غسان رکھ لیا۔ کیونکہ وہ راہ میں مدت تک اسی نام کے ایک چشمہ کے قریب مقیم رہے تھے۔ بعد ازاں اوس اور خزرج دو قبیلے ان غسانیوں سے جدا ہو کر یثرب میں جو بعد میں مدینہ کے نام سے مشہور ہوا۔ جاکر آباد ہو گئے تھے۔ ازد کی سفارت جو یمن سے آنحضرت صلعم کی خدمت میں مدینہ میں حاضر ہوئی تھی اُس کا سردار صرد بن عبد اللہ ازدی نامی ایک شخص تھا۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں:۔

"محمد (صلعم) نے اس شخص کو اس قوم کا حاکم تسلیم کر لیا تھا اور قرب و جوار کے بُت پرست "قبیلوں سے جنگ کرنے کے لئے اس کو حکم دے دیا تھا۔" (سیرت محمد جلد چہارم صفحہ ۲۱۹)

اصلی تذکروں میں عربی لفظ "یجاھد" (ابن ہشام صفحہ ۹۵۴۔ ابن سعد ۸۶) ہے جس کے معنے صرف "کوشش کرنا" ہیں اس کے معنے "جنگ کرنا" نہیں ہیں۔ جیسا کہ سر ولیم میور نے سمجھا ہے انہوں نے خود بھی اس لفظ کا ترجمہ جلد سوم صفحہ ۳۲ "کوشش کرنا" کیا ہے۔ اور دیکھو اسی جلد کے

(دیکھو صفحہ ۵۹)

و یہود جس کسی نے اسلام قبول کیا خوشی سے بطوع و رغبت اختیار کیا۔ اسلام نے سالہا سال تک پیغمبر اسلام (صلعم) کی بعثت کے تیسرے سال سے ہجرت کے چھٹے سال تک جو سولہ سال کی مدت ہوتی ہے نہایت سخت اذیتیں برداشت کی تھیں مگر جس طرح مسلمانوں کے امن و اطمینان کے زمانہ میں اسلام نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۵۸) صفحہ ۲۹۵ پر اُسی کا ترجمہ "سعی بلیغ کرنا" کیا ہے۔ میں نے اس کتاب کے ضمیمہ الف میں اس مضمون پر مفصل بحث کی ہے۔

۷؎ بنی ازد کی ایک اور شاخ ہے جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔

۸؎ بنی باہلہ۔ جن کو "سعد مناۃ" بھی کہتے ہیں غطفان کی اولاد ہیں۔ جو معدی نسل سے تھا۔

۹؎ بنی بہراء (بن عمرو بن الحاف بن قضاعہ جو حمیری نسل سے بنی قضاعہ کی ایک شاخ تھے۔ شمال کی طرف نقل مکان کر کے چلے گئے تھے۔ اور غسانی علاقہ میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ زرقانی جلد ۴ صفحہ ۴۱۔

۱۰؎ بنی بجلہ، خثعم کے ہم جدی اور انمار بن نزار کی اولاد میں تھے جو قحطانی نسل سے تھا یہ لوگ یمن میں رہتے تھے۔ بنی بجلہ نے قبول اسلام کے بعد مشہور بت "خلصہ" کو توڑ دیا تھا۔

۱۱؎ یہ لوگ بنی عامر بن صعصعہ کی ایک شاخ تھے۔ اور وسط عرب میں رہتے تھے۔

۱۲؎ یمامہ اور خلیج فارس کے ساحل کے قریب رہتے تھے۔ یہ ایک معدی قبیلہ تھا۔ جنگ بسوس بنی بکر اور اُن کے ہم جدی قبیلہ بنی تغلب کے درمیان چالیس سال تک جاری رہی۔ قبیلہ بنی بکر میں مشہور شعراء گزرے ہیں۔ منجملہ اُن کے طرفہ، حارث بن حلزہ اور میمون الاعشیٰ ہیں۔ بنی بکر اور تمیم باہم برسر جنگ تھے جو اسلام کی برکت سے اس وقت موقوف ہوئی جب کہ دونوں فریق نے آنحضرت صلعم کے زمانہ حیات میں اسلام قبول کر لیا۔

۱۳؎ بنی خزاعہ کی ایک شاخ، اور حمیری خاندان سے تھے جو قحطان کی نسل سے تھا۔ یہ لوگ عرب کے شمال میں ملک شام کی سرحد پر غسانی علاقہ میں جا بسے تھے۔

۱۴؎ قبیلہ بنی قضاعہ کی ایک شاخ تھی۔ (ابن سعد ۹۹)

۱۵؎ قبیلہ لخم کی ایک شاخ تھی۔

۱۶؎ یہ شخص فروہ بن عمرو الجذامی قبیلہ بنی جذام کا (زرقانی جلد ۴ صفحہ ۵۲) جو عرب کے شمال میں آباد تھا، ایک عرب تھا۔ اور غسانی علاقہ میں مُعان کا (رومیوں کی طرف سے) عامل تھا۔ اس نے ۸ھ میں ایک وفد کے ذریعہ سے اپنے اسلام لانے کا اظہار کیا۔ (ملاحظہ ہو ابن ہشام صفحہ ۹۵۸۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۲۶۔ ابن سعد ۱۰۱)۔ (باقی بر صفحہ ۶۸)

ترقی کی۔ اسی طرح اذیتوں اور مخالفتوں کے درمیان اس نے کامیابی حاصل کی۔ آنحضرت ؐ نے مکہ میں ظلم وستم کے جو مصائب کمال استقلال و ثابت قدمی سے برداشت کئے۔ اور مدینہ میں بھی قریش وغیرہ کے جنگی حملوں کے خطرے صبر و استقامت سے جھیلے۔ اور جملہ باشندگان عرب بُت پرست اور یہود و نصاریٰ کو بطوع و رغبت

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۵۷) اس قبیلہ کا حال پہلے فقرہ (۲۶) میں بیان ہوچکا ہے۔ ان کا وفد آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا جبکہ آپ تبوک سے واپس تشریف لائے تھے۔ زرقانی جلد ۴ صفحہ ۶۱۔

[۱۸] یہ لوگ قحطانی نسل سے اور انمار کی اولاد تھے۔ ابن سعد ۹۹۔

[۱۹] بنی ازد کی ایک شاخ تھی جو یمن میں رہتے تھے۔

[۲۰] بنی ازد کے حال میں ان کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

[۲۱] بنی ہمدان قحطان کی اولاد میں تھے۔ یمن کے مشرق میں یہ ایک مشہور قبیلہ تھا۔

[۲۲] قبیلہ بنی بکر کی ایک مسیحی شاخ تھی جو یمامہ میں رہتے تھے۔ سر ولیم میور سیرت محمدی جلد دوم صفحات ۳۰۲-۳۰۴ کے فٹ نوٹ میں یہ لکھتے ہیں:-

"بنی حنیفہ کی سفارت کا حال یقیناً مذہب عیسوی کے زیادہ تر خلاف ہے مگر اس کے تفصیلی حالات
"کی سند مشکوک اور مشتبہ معلوم ہوتی ہے۔ مسیلمہ نبی کاذب ان میں شامل تھا۔ اور اُس کے بے دینی
"کے آئندہ دعاوی کی بابت کچھ خلاف قیاس اشارات پائے جاتے ہیں۔

"جب سفارت رخصت ہونے لگی تو محمد (صلعم) نے اُن کو ایک برتن دیا جس میں اُس پانی کا
"بچا ہوا کچھ حصہ تھا۔ جس سے اُن کو پاک کیا گیا تھا، اور آپ نے اُن سے یہ کہا "جب تم اپنے ملک
"میں پہنچو تو اپنے گرجا گھر کو توڑ کر یہ پانی اُس میں چھڑک دینا اور اس کی جگہ مسجد بنا دینا"۔ . . .

". . . یہ کہانی مجھے خلاف قیاس معلوم ہوتی ہے کیونکہ اَور کہیں ایسا بیان نہیں کیا گیا کہ محمد (صلعم)
"نے عیسائیوں اور اُن کے گرجوں سے ایسی مخالفت ظاہر کی ہو۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ
"وہ آپ کے مطیع بھی ہوگئے ہوں"۔

مصنف موصوف اپنی کتاب کی چوتھی جلد میں اس رائے کو بدل کر یہ لکھتا ہے:-

"میں نے وہاں (جلد دوم) میں اس حکایت کو خلاف قیاس بیان کیا ہے مگر اب میں اس خیال کی طرف
"مائل ہوں کہ محمد (صلعم) کی زندگی کے آخری ایک دو سال میں مسیحیت کے خلاف بہت کچھ مخالفانہ
"جوش موجود تھا۔ جیسا کہ شامی اور عربی قبائل کے اقرار سے ظاہر ہوتا ہے۔ جس سے اس قصہ کی تائید
"ہوتی ہے" (دیکھو سیرت محمدی از سر ولیم میور جلد چہارم صفحہ ۲۱۸ فٹ نوٹ مطبوعہ ۱۸۶۱ء) (باقی بر صفحہ ۶۱)

اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی ؟

یہ سب کچھ اس بات کا نتیجہ تھا کہ آپ اپنے مستحکم اصول کی بناء پر نہایت سختی اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۶۰) یہ مصنف کا خیال ہی خیال ہے اور آنحضرت ؐ کی طرف سے دین مسیحی کی مخالفت آپ کی زندگی میں کسی زمانہ میں بھی ثابت نہیں ہوتی۔ سوائے ان لوگوں کے جو آپ سے جنگ کرتے تھے۔ قرآن مجید کی آیہ مندرجہ ذیل سے ثابت ہوگا کہ میرا بیان کہاں تک صحیح ہے :-

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ (البقرہ ۲ - آیت ۵۹)

"بے شک جو لوگ ایمان لائے ہیں (مسلمان) اور جو لوگ یہودی اور عیسائی اور صابی ہیں۔ اُن میں سے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائے اور اچھے کام بھی کرتے رہے۔ اُن کو اُن کا اجر اُن کے پروردگار کے پاس ملیگا اور اُن پر نہ خوف طاری ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔" (البقرہ ۲ - آیت ۵۹)

۲۳ یہ بھی یمن کا ایک عیسائی قبیلہ تھا جو بنی مذحج کی تحتانی نسل سے اور اسی لئے بنی کندہ کے حلیف تھے۔ اس سفارت کے دو شخصوں نے اسلام قبول کیا۔ جن میں سے ایک وفد کا سردار تھا جس کا نام عاقب یا عبدالمسیح تھا۔ باقی ماندہ اشخاص آنحضرت ؐ کی طرف سے اپنی تمدنی اور مذہبی آزادی کی حفاظت کی بابت پورا اطمینان حاصل کرکے واپس آ گئے۔ (زرقانی جلد ۴ صفحہ ۴۹۔ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۹۰)۔ بنی حارث سکنہ نجران کی نسبت مزید اطلاع اصل کتاب (تحقیق الجہاد) کے فقرہ (۲۰) اور فقرہ (۴۸) کے فٹ نوٹوں میں ملے گی۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں :-

"کاتب الواقدی صفحہ ۶۹۔ نصارائے نجران کے حالات مابعد وہاں درج کئے گئے ہیں وہ محمد (صلعم) کے
" باقی ماندہ زمانہ حیات اور حضرت ابوبکر رض کے تمام زمانہ خلافت میں، عہد نامہ کے بموجب، اپنی زمینوں
" اور حقوق پر قابض رہے۔ پھر اُن پر رباخواری کا الزام لگایا گیا۔ اور حضرت عمر رض نے اُن کو ملک
" سے خارج کیا اور یہ لکھا :- (ملاحظہ ہو ابن سعد صفحہ ۷۰، جس میں اس مضمون پر پوری بحث کی
" گئی ہے"۔

" امیرالمومنین عمر رض کا مراسلہ سکنہ نجران کے نام۔ ان میں سے جو شخص نقل مکان
" کرکے چلا جائے وہ اللہ تعالیٰ کی ضمانت میں ہے۔ کوئی مسلمان اُن کو ستانے نہیں پائیگا۔ اس
" عہد نامہ کے پورا کرنے کے لئے جو محمد (صلعم) اور ابوبکر رض نے اُن کو لکھا تھا"۔

" اب شام اور عراق کے خواہ کسی سردار کے پاس جائیں۔ ایسے سرداروں کو چاہیئے کہ اُن کو زمینیں دیں
" اور جو کچھ ان زمینوں میں کاشت کریں وہ اُن ہی کا مال ہوگا۔ یہ اُن کی اپنی زمینوں کا معاوضہ ہے کوئی
" اُن کو تکلیف دینے یا اُن سے بدسلوکی کرنے نہیں پائے گا۔ حملہ آوروں کے مقابلہ میں مسلمان اُن کی

کامل وفاداری سے الٰہی صداقت کا وعظ فرماتے تھے۔ اور بصدق دل اپنی رسالت کا یقین رکھتے تھے۔ (لے برصفحہ ۴۷)

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۷۵) "مدد کریں گے۔ اُن کا خراج دو سال کے لئے معاف کیا جاتا ہے۔ اُنکو بداعمالیوں "کے سوا کسی وجہ سے تکلیف نہیں دی جائیگی۔ ان میں بعض عراق میں اُترے اور کوفہ کے قریب "بمقام نجرانیہ آباد ہوئے۔ چونکہ اس کارروائی کو جائز قرار دینے کے لئے اُن پر سود خواری کا الزام "بیان کیا جاتا ہے۔ لہٰذا وہ عام روایت بالکل باطل معلوم ہوتی ہے۔ جس میں یہ بیان کیا گیا ہے "کہ محمد (صلعم) نے اپنی وفات کے وقت یہ حکم دیا تھا کہ جزیرہ نمائے عرب کو اسلام کے سوا تمام دیگر "مذاہب سے صاف کر دیا جائے"۔ (سیرت محمدی از سر ولیم میور جلد دوم صفحات ۲۰۱ و ۲۰۲ مطبوعہ ۱۸۶۱)

۲۴ یہ لوگ اس بڑے قبیلہ غطفان کی اولاد میں تھے۔ جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

۲۵ بنی حمیر یمن کے رہنے والے تھے۔ حمیری اس قدر مشہور ہیں کہ اُن کا حال بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ رویان، معافر، ہمدان اور یزن کے حمیری شہزادوں نے جو سب یمن کے باشندے اور دین عیسوی کے پیرو تھے اسلام قبول کیا۔ اور اپنے اسلام لانے کا اعلان خطوط کے ذریعہ سے کیا۔ جو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں سفارتوں کی معرفت روانہ کئے گئے تھے۔ یہ سفارتیں آپ کی خدمت میں تبوک سے واپس آنے کے بعد پہنچی تھیں۔

۲۶ یا تو لخم کا ایک قبیلہ تھا اور یا بنی عامر کی ایک شاخ تھی۔

۲۷ قبیلہ بنی عامر بن صعصعہ جس کا بیان پہلے آچکا ہے۔ یہ اُسی قبیلہ کی ایک شاخ تھی۔

۲۸ جیفر بن الجلندی بادشاہ عمان تھا۔ اس نے ۸ھ ۹ھ ہجری میں مع باشندگان عمان کے اسلام قبول کیا۔ عمان کے لوگ ازدی نسل سے تھے۔ (ملاحظہ ہو ابن ہشام صفحہ ۹۷۱)۔

۲۹ ان کا حال فقرہ (۲۴) کے فٹ نوٹ میں پہلے بیان ہو چکا ہے۔

۳۰ سعد العشیرہ کی ایک شاخ اور قحطانی نسل سے تھے۔ یہ قبیلہ یمن میں رہتا تھا۔ ابن سعد ۴۷۔ ان لوگوں میں ایک خاص تعصب تھا کہ وہ کسی جانور کا دل نہیں کھاتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اُن کے سردار کا یہ وہم اس طرح توڑا کہ ایک جانور کے دل کے کباب بنا کر اس کو کھلائے۔ (ابن سعد ۶۴ فارسی) مگر جب یہ کہا گیا کہ اس سردار کی ماں جرم خودکشی کی مرتکب ہوئی تھی۔ وہ دوزخ میں ڈالی گئی ہے۔ تو وہ لوگ نفرت کر کے چلے گئے۔ تاہم اُنہوں نے دوبارہ ایک اور وفد بھیجا اور آخرکار اسلام قبول کر لیا۔ (ابن سعد صفحہ ۵، فارسی)۔

۳۱ یہ لوگ دومۃ الجندل میں آباد تھے۔ جو آجکل جبل الجوف کہلاتا ہے اور عرب کے شمال میں واقع ہے۔ قبیلہ بنی قضاعہ سے تھے جو حمیری نسل سے ہے۔

۳۲ یمن کی قحطانی نسل کا ایک قبیلہ تھا۔ وہ یمن میں اسی نام کے ایک پہاڑی علاقہ میں رہتے تھے۔

۳۳- اہل عرب کو اُن کی قومی بُت پرستی سے نکال کر ایک ایسے مذہب میں لانا جس میں خالص اور صحیح توحید تھی، آنحضرتؐ کے لئے کوئی آسان کام نہ تھا۔ عرب کی حالت یہ تھی

تلقین اسلام کے لئے آنحضرتؐ کے گردوپیش کے حالات مساعد نہ تھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۹۲) ۳۳؎ قحطانی نسل کا ایک قبیلہ اور ساحل یمن پر آباد تھا۔ ابن سعد ۷۴۔

۳۴؎ بنی عامر بن صعصعہ کا ایک خاندان تھا جو قبیلہ ہوازن سے تھا اور جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

۳۵؎ خزیمہ کی اولاد میں تھے۔ جو معدی نسل سے تھا۔

۳۶؎ بنی کندہ کے شاہزادے، وائل بن حجر اور اشعث بن قیس تھے۔ پہلا شخص ساحل کا سردار تھا اور دوسرا حضرموت کا۔ جو عرب کے جنوب میں ہے۔ اُنہوں نے مع اپنے تمام قبائل کے اسلام قبول کرلیا۔ بنی کندہ کہلان کی نسل سے ایک طاقتور قبیلہ تھا (ابن ہشام صفحہ ۹۵۳- ابن سعد ۷۷)۔

۳۷؎ بنی عذرہ کا ایک خاندان تھا جو قبیلہ بنی قضاعہ سے تھے۔ جن کا حال فقرہ (۲۶) میں بیان ہو چکا ہے۔

۳۸؎ غطفان کی اولاد اور معدی نسل سے تھے۔ (زرقانی جلد ۴ صفحہ ۵۸- ابن سعد ۱۰۲)۔

۳۹؎ یہ لوگ ساحل یمن پر آباد تھے۔ اور قبیلہ مزی اور قحطانی نسل سے تھے۔ (ابن ہشام صفحہ ۹۵۰ ابن سعد ۷۶)۔

۴۰؎ بنی عامر بن صعصعہ کے قبیلہ کی ایک شاخ تھی۔

۴۱؎ بنی ذبیان کی ایک شاخ تھی۔

۴۲؎ قحطانی نسل کا ایک قبیلہ تھا اور یمن میں سکونت پذیر تھا۔ اُن کے وفد میں دوسَو آدمی تھے کہتے ہیں کہ آخری وفد جو آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہی تھا۔ اس سے کچھ عرصہ پہلے حضرت علی (علیہ السلام) کو بنی نخع اور دیگر قبائل بنی مذحج کی طرف بغرض دعوت اسلام یمن بھیجا گیا تھا۔ (ابن سعد ۹۳)۔

۴۳؎ بنی قضاعہ کا ایک قبیلہ تھا اور یمن کی حمیری نسل سے تھا۔

۴۴؎ قبیلہ بنی قضاعہ کی ایک شاخ ہے جو ملک شام میں آباد تھی۔ جس کا حال فقرہ (۲۶) میں بیان ہو چکا

۴۵؎ بنی مذحج کا ایک قبیلہ جو یمن کی قحطانی نسل سے تھا۔

۴۶؎ بنی عامر بن صعصعہ کا ایک قبیلہ تھا جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

۴۷؎ بنی قضاعہ کا ایک قبیلہ اور معدی نسل سے تھا۔ اور بعض مورخین کے قول کے موافق ان کا نکاس یمن سے تھا۔

۴۸؎ حضرموت کی اولاد اور یمن کی قحطانی نسل سے تھے۔

۴۹؎ بنی حنیف کا ایک قبیلہ اور بکر بن وائل کی اولاد میں تھے۔ جس کا حال پہلے بیان ہو چکا ہے۔

(باقی صفحہ ۹۴)

کہ قدامت پرستی میں بالکل ڈوبا ہوا تھا۔ اور کوئی صورت ایسی نظر نہ آتی تھی جس سے کسی مفید انقلاب کے پیدا ہونے کی توقع ہو بُت پرستی جس کا ملک میں عام رواج تھا۔ وہم پرستی جس کی جڑ قوم کے دل میں خوب جمی ہوئی تھی۔ مرئی اور مادّی معبودوں یعنے بتوں اور بغیر تراشے پتھروں کی پرستش جن کو آنکھ سے دیکھ سکتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۳) ۵۵۔ بنی شیبان (۵) کا ایک قبیلہ اور بکر بن وائل کی اولاد میں تھے جس کا ذکر ہو چکا ہے۔

۵۱۔ بنی ثقیف، معدی نسل کے قبائل مضر کی ایک شاخ تھے۔ وہ بنی ہوازن کی ایک شاخ اور بنی عدوان، غطفان اور سلیم کے ہم جدی تھے۔ بنی ثقیف طائف میں رہتے تھے اور لات یا طاغیہ نام بُت کی پُوجا کرتے تھے۔ طائف کا ایک سردار مسمّی عُروہ بن مسعود قبول اسلام کی غرض سے مدینہ گیا تھا اس شخص کی عالی حوصلگی کا پہلا میلان یہ تھا کہ طائف واپس جاکر اس نے اپنے ہموطنوں کو اُن برکتوں میں حصہ لینے کے لئے دعوت دی جو نئے دین (اسلام) نے عطا کی تھیں۔ جب اُس نے اپنے اسلام لانے کا حال علی الاعلان بیان کیا تو ایک جماعت نے اس کو زخمی کیا اور وہ درجہ شہادت پر فائز ہوا۔ (ابن ہشام صفحہ ۹۱۴۔ زرقانی جلد ۴ صفحہ ۸)۔ مگر اس نے اہل طائف پر اسلام کا ایک عمدہ اور مفید اثر چھوڑا۔ ان لوگوں کے وفد میں چھ سردار اور اُن کے پندرہ جیش ہمراہی تھے۔ جناب پیغمبر (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خوشی سے اُن کو خیر مقدم کہا۔ اور اپنی مسجد کے صحن میں اُن کے آرام کے لئے ایک خیمہ نصب کیا۔ ہر روز شام کو کھانا کھانے کے بعد آنحضرت ؐ وہیں اُن سے ملاقات کرتے اور دین اسلام کی تعلیم دیتے تھے یہاں تک کہ اندھیرا ہو جاتا تھا۔ (ابن ہشام صفحہ ۹۱۶) — سر ولیم میور لکھتے ہیں :۔

"عُروہ کی شہادت سے باشندگان طائف پر الزام عائد ہوا اور وہ اُس مخالفانہ روش کے جاری "رکھنے پر مجبور ہوئے جو انہوں نے پہلے سے اختیار کر رکھی تھی۔ مگر بنی ہوازن نے بسرکردگی مالک "بن عوف النصری لوٹ مار کے جو حملے اُن لوگوں پر کئے اُن سے اُن کو سخت تکلیف ہونے لگی۔ اس "سردار (مالک) نے اپنے عہد و پیمان کے بموجب اہل طائف کے برخلاف روز افزوں غارتگری "کی جنگ قائم رکھی"۔ (سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۲۰۴)۔

صفحہ ۱۵۵ پر مالک کی نسبت صاحب موصوف یہ لکھتے ہیں :۔

"اپنی سرداری پر مستقل ہو کر اُس نے اہل طائف کے ساتھ دائمی جنگ جاری رکھنے کا عہد و "پیمان کر لیا"۔

مگر مالک کے ساتھ اس قسم کا کوئی عہد و پیمان نہیں ہوا تھا۔ وہ سند (ہشامی) جس کا حوالہ سر ولیم میور نے دیا ہے اُس میں اس ادعائی عہد و پیمان کا کچھ ذکر نہیں (باقی بر صفحہ ۶۵)

اور ہاتھ سے چھو سکتے ہیں۔ اور غیر مرئی جنات اور دیگر ارواح خبیثہ کا خوف ان سب باتوں نے اہل عرب کے دلوں کو ایک سخت اور صریح غلامی میں جکڑ بند کر رکھا تھا۔ عرب بُت پرستی کے عقیدہ پر جما ہوا اور اُس پر نہایت مصر تھا اور چونکہ اس جزیرہ نماء کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۵۷) (دیکھو ہشامی صفحہ ۹۷۸) ہشامی میں صرف اس قدر ہے کہ آنحضرت ؐ نے مالک کو اس کے قبیلہ کے اُن لوگوں کا سردار بنایا تھا۔ جو مسلمان ہو گئے تھے۔ یہ خاندان ثمالہ۔ سلمہ اور فہم تھے۔ اور مالک اُن کی ہمراہی میں بنی ثقیف کے ساتھ لڑا کرتا تھا۔

سر ولیم میور آگے چلکر یہ بھی لکھتے ہیں کہ اہل طائف نے آپس میں یہ بات کہی تھی کہ "ہم کو ارد گرد کے اُن قبائل عرب سے لڑنے کی تاب نہیں ہے جو محمد (صلعم) سے بیعت کر چکے ہیں (یعنے اسلام لا چکے ہیں)۔ اور آپ کی حمایت میں جنگ کرنے کا قول وقرار کر چکے ہیں۔ (جلد چہارم صفحہ ۲۰۵ - ابن ہشام صفحہ ۹۱۵)۔

جن الفاظ پر میں نے خط کھینچا ہے۔ وہ اصل اسناد (کتابوں) میں پائے نہیں جاتے ہشامی صفحہ ۹۱۴ پر یہ الفاظ ہیں۔ "بایعوا واسلموا" یعنے انہوں نے بیعت کی اور اطاعت کی یا اسلام قبول کیا۔ (ابن ہشام صفحہ ۹۱۴ تا ۹۱۹ - زرقانی جلد ۴ صفحہ ۸)۔

۵۲ بنی قضاعہ کی اولاد تھی اسی نام کی ایک پہاڑی (سلامان) پر رہتی تھی۔ زرقانی جلد ۴ صفحہ ۳۷

۵۳ بکر بن وائل کی شاخ اور اس کی نسل سے تھے۔ ابن سعد ۸۰۔

۵۴ یمن کی قحطانی نسل کا ایک قبیلہ تھا۔ ابن سعد ۷۶۔

۵۵ بنی تغلب بن وائل معدی نسل کا ایک قبیلہ تھا۔ یہ لوگ نکی الاصل اور بنی بکر بن وائل کے ہم جدی تھے اُن کی جنگیں تواریخ عرب میں مشہور ہیں۔ بنی بکر کے حال میں جنگ بسوس کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے یہ ہم جدی قبیلے یعنے بنی بکر اور بنی تغلب، یمامہ، بحرین، نجد اور تہامہ میں رہتے تھے۔ مگر آخر کار بنی تغلب نقل مکان کرکے عراق عرب میں چلے گئے۔ اور انہوں نے دین مسیحی اختیار کر لیا۔ اُن کے وفد کے لوگ جو آنحضرت ؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، طلائی صلیبیں پہنے ہوئے تھے۔ جب اُن سے اسلام لانے کے لئے کہا گیا تو انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا۔ مگر یہ وعدہ کیا کہ ہم اپنی اولاد کو مسلمان ہونے کی اجازت دیتے ہیں۔ آنحضرت ؐ نے اُن کو بدستور دین مسیحی پر قائم رہنے دیا۔ اُن کی مسیحیت محض برائے نام تھی۔ حضرت علی ؑ خلیفہ چہارم نے اُن کی بابت یہ الفاظ کہے تھے۔ "بنی تغلب مسیحی نہیں ہیں۔ انہوں نے مسیحیت سے صرف شراب خواری کی رسم مستعار لی ہے" (دوزی ہسٹری اسپین جلد ۱ صفحہ ۲۰ فرنچ اڈیشن)

۵۶ بنی کندہ کا ایک قبیلہ جوئین کے قبیلہ سکون کی ایک شاخ تھا۔ (زرقانی جلد ۴ صفحہ ۵۹ - ابن سعد ۳۰)

۵۷ بنی تیم طابخہ بن الیاس کی اولاد سے تھے جو معدی نسل سے تھا۔ یہ لوگ نجد کی تاریخ میں مشہور ہیں اور نجد کے شمال مشرقی صحرا میں سرحد شام سے یمامہ تک آباد تھے۔ وہ بنی بکر بن (باقی بر صفحہ ۴۷)

آبادی کثرت سے دور دور تک پھیلی ہوئی تھی اور ملک میں ایک باضابطہ نظام تھا۔اس لئے اول تو قومی اعزاز کے خیال سے اور بعد ازاں تلوار نے بت پرستی کی حمایت کی۔

ڈاکٹر مارکس ڈاڈس لکھتے ہیں :-

"در حقیقت یہ کام جو محمد (صلعم) نے اختیار کیا تھا اُمید دلانے والا کام نہ تھا۔ جبکہ آپ نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۵۷) عبد مناۃ کے ساتھ جو معدی نسل اور کنانہ کی اولاد سے تھے ۶۱۹ء سے ۶۳۰ء تک برابر لڑتے رہے۔ اس قبیلہ کی تمام شاخیں جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئی تھیں۔ اب ۹ھ میں مسلمان ہو گئیں۔

۵۸؎ بنی طے یمن کی قحطانی نسل کا ایک بڑا قبیلہ تھا۔ اور شمال کی طرف حرکت کرکے کوہ اجا اور کوہ سلمےٰ میں جو نجد اور حجاز کے شمال کی طرف واقع ہیں اور قصبۂ تیما میں جا بسے تھے۔ انہوں نے دین مسیحی اختیار کر لیا تھا۔ مگر بعض یہودی اور بت پرست تھے۔ اُن کی خانہ جنگی کا حوالہ فقرہ (۲۶) میں دیا گیا ہے یہ قبیلہ اب کل کا کل مسلمان ہو گیا۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں :-

"بنی طے کا ایک وفد بسر کردگی اپنے سردار مسمی زید الخیل کے حضرت علیؓ کی مہم کے تھوڑے عرصہ بعد قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑانے کے لئے مدینہ میں آیا۔ آنحضرتؐ زید سے مل کر خوش ہوئے جس کی شہرت بحیثیت ایک سورما اور ایک شاعر کے آپ عرصے سے سُنتے رہے تھے۔ آپ نے اس کا نام تبدیل کرکے زید الخیر (یعنی صاحب خیر) رکھا۔ اس کو مضافات کا ایک بڑا قطعہ عطا فرمایا۔ اور بہت سے تحائف دے کر رخصت کیا۔" (سیرت محمدی از سر ولیم میور۔ جلد چہارم صفحہ ۱۷۸۔ یا ابن ہشام صفحہ ۹۴۷۔ زرقانی جلد ۴ صفحہ ۲۹)۔

۵۹؎ یہ قبیلہ سعد العشیرہ کی ایک شاخ تھا۔ جو قبیلہ مذحج اور نسل قحطان سے تھا۔ یہ لوگ یمن کے ساحل پر آباد تھے۔ ابن ہشام صفحہ ۹۰۱۔ ابن سعد ۷۷+

حاشیہ صفحہ (۶۲)

۶۰؎ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد تقریباً تمام عرب کی بغاوت جس کو غلطی سے ارتداد (مذہبی انحراف) کہتے ہیں۔ وہ خاص کر حضرت ابو بکرؓ کی سلطنت کے خلاف تھی۔ جو اسلام کی جمہوری سلطنت کے پہلے خلیفہ ہوئے۔ مکّہ کے سرداروں کو تمام عرب پر اس قسم کا اقتدار مطلق کبھی حاصل نہیں ہوا تھا۔ اور عرب اس نئی قسم کی سلطنت کے عادی نہ تھے۔ وہ نہ تو اسلام کے خلاف باغی ہوئے اور نہ اپنے مذہب سے منحرف اور مرتد ہوئے۔ باستثنائے معدودے چند جو کچھ عرصہ کے لئے مسیلمہ کذاب کے پیرو ہو گئے تھے۔

"یہ تجویز کی کہ اُن قبائل کو جن پر کسی مذہب کا گہرا رنگ چڑھ نہیں سکتا تھا اور جن میں باہم
"دگر ایسا اختلاف تھا کہ کسی طرح مٹ نہیں سکتا تھا۔ مذہب کے ذریعہ سے ملا جُلا کر ایک
"قوم بنا دیا جائے، اُن رسموں کو جو نہایت ہی قدیم ہونے کی وجہ سے جائز اور پسندیدہ
"ہو گئی تھیں، مٹا دیا جائے۔ اور اُس بُت پرستی کو جڑ بنیاد سے اُکھیڑ کر پھینک دیا جائے
"جس کا اہل عرب کی رُوحانی فطرت پر اگر کوئی گہرا اثر نہ پڑا تھا تو کم از کم قدیم خاندانی روایات
" اور متعارف قومی اغراض سے وابستہ تھی[1]

وہ قربانیاں (یعنے ضبط نفس کی عادات) جو اسلام اختیار کرنے کی صورت میں عمل میں لائی جاتی ہیں۔ وہ ضروریات جن پر اسلام کا دارومدار ہے۔ اس کے بے شمار نواہی۔ قدیم تعصبات سے فی الفور رُوگردانی، تمام قسم کی بُت پرستی اور وہم پرستی کا ترک کرنا، منظور نظر بُتوں کو اُٹھا کر پھینک دینا۔ اوارگی و اوباشی کی رسموں اور عادتوں کو چھوڑ دینا۔ نفسانی لذتوں کے عیوب سے قطعی اجتناب کرنا عملی نتیجہ پیدا کرنے کی غرض سے قوت ارادی اور خصلت پر دباؤ ڈالنا۔ اور پاک اور مذہبی زندگی بسر کر کے مادی (دُنیوی) منافع حاصل کرنا۔ یہ تمام امور اسلام کی سریع التسیر ترقی کے لئے ایسی سخت رکاوٹیں تھیں جن سے گزر جانا محال تھا۔

باوجود ان مزاحمتوں کے آنحضرت ؐ کو اپنے مذہب کی قوت کی بدولت اس بات میں کامیابی حاصل ہوئی۔ کہ آپ نے وحشی اور آزاد قبیلوں کو ملا جُلا کر ایک قوم بنا دیا۔ اُن کے باہمی جنگ و جدل کا خاتمہ کر دیا۔ اُن عادتوں کو جو نہایت قدیم ہونے کی وجہ سے جائز و پسندیدہ قرار پا چکی تھیں ترک کرا دیا اور قومی بُت پرستی کے درخت کو جس نے دیسی پودے کی طرح اپنی مناسب حال سرزمین (عرب) میں نشوونما

[1] "محمد۔ بُدھ اور مسیح" از مارکس ڈاڈس ڈی ڈی۔ صفحہ ۲ ۸

پایا تھا جڑ سے اُکھاڑ پھینکا۔ بغیر اس کے کہ آپ کی راستی، صداقت اور دیانت کے مستحکم اصول میں کسی نوع کا خلل واقع ہو۔ اور بغیر اس کے کہ قوم کی بُرائیوں اور بیہودہ توہمات کو اختیار کیا جائے۔

ڈاکٹر موشیم کی رائے یہ ہے:۔

"اس نئے مذہب کی سُبک سَیر ترقی کے اسباب کا پتہ لگانا مشکل نہیں ہے۔ محمد (صلعم)
"کا قانون انسان کے قدرتی میلان طبع کے لئے اور بالخصوص اُن اطوار و خیالات و عیوب کے
"لئے جو اہل مشرق کے درمیان رائج تھے نہایت عمدہ طور پر موزون تھا۔ کیونکہ وہ نہایت ہی
"سادہ تھا۔ اس نے چند گنتی ہی کے عقائد پیش کئے ہیں اور ایسے فرائض پر زور نہیں دیا
"جو تعداد میں زیادہ ہوں اور جن کا بجا لانا دشوار ہو یا جن کی وجہ سے نفسانی خواہشوں
"کے پورے ہونے میں سخت مزاحمت ہو"۔[1]

تو اریخ مذاہب کے مطالعہ سے یہ امر عیاں ہے کہ لوگ بالعموم اس بات کی نہایت ہی کوشش کرتے ہیں کہ ہم میں جو بُرائیاں پائی جاتی ہیں، اُن کے لئے کسی طرح مذہبی منظوری کا پروانہ مل جائے۔ مگر اس بات میں کچھ شک نہیں۔ کہ آنحضرت ؐ نے عرب کی طرح طرح کی بُت پرستیوں اور مذہبی توہمات کی ہرگز منظوری نہیں دی۔ اور نہ آپ نے لوگوں کے مذاق اور خیالات کے موافق اپنے مذہبی مسائل کو وضع کیا۔ آپ نے قوم میں جن جن باتوں کو قابل الزام پایا اُن کے خلاف زور وشور کے ساتھ وعظ فرمایا۔ آپ نے نہ تو اُن کے پیارے بُتوں اور عزیز دیوتاؤں کو چھوڑا اور نہ اُن جنّات ہی کو جن سے وہ ڈرتے تھے اور نہ اپنے وعظ و نصیحت اور اصلاح و ہدایت میں کوئی ایسی تبدیلی کی جس سے اُن لوگوں کو اپنی بد اطواریوں میں منہمک رہنے کا موقع مل سکے۔ اور نہ اُن عیوب میں سے جو قوم میں رائج تھے

---

[1] تاریخ کلیسا، از موشیم۔ کتاب دوم۔ باب سوم صفحہ ۳، مطبوعہ سنہ ۔

کسی عیب کو اپنی تعلیم و تلقین میں داخل کیا۔

آنحضرت ﷺ نے نفس امّارہ کی خواہشوں کے روکنے پر یقیناً زور دیا ہے۔ اور قلب کے افعال کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ قرار دیا ہے اور اندرونی پاکی کو ظاہری مراسم پر ترجیح دی ہے (جیسا کہ آیات ذیل سے ثابت ہوتا ہے):۔

۵۳۔ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ (یوسف ۱۲۔ آیت ۵۳)۔	۵۳۔ نفس تو البتہ بدی کی طرف مائل کرتا رہتا ہے۔ (یوسف ۱۲۔ آیت ۵۳)۔
۳۸۔ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل ۱۷۔ آیت ۳۸)	۳۸۔ کان، آنکھ اور دل ان سب سے سوال کیا جائے گا۔ (بنی اسرائیل ۱۷۔ آیت ۳۸)
۲۲۵۔ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (البقرہ ۲۔ آیت ۲۲۵)	۲۲۵ تمہاری قسموں میں جو لغو ہیں (بلا قصد صادر ہوں) اُن پر اللہ تعالیٰ تم سے کوئی مواخذہ نہیں کرتا مگر ان قسموں پر ضرور مواخذہ کریگا جو تم نے اپنے دل کے ارادہ سے کی ہیں۔ اور اللہ غفور و حلیم ہے"
۲۸۴۔ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (البقرہ ۲۔ آیت ۲۸۴)۔	۲۸۴۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ ہی کا ہے۔ جو کچھ تمہارے دل میں ہے اگر تم اس کو ظاہر کرو یا اس کو چھپاؤ اللہ تعالیٰ تم سے اس کا حساب لیگا۔ پھر جس کو وہ چاہے بخشے اور جس کو چاہے عذاب دے۔ اور اللہ تعالےٰ ہر شے پر قادر ہے۔ (البقرہ ۲۔ آیت ۲۸۴)
۵۔ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ۔ (الاحزاب ۳۳۔ آیت ۵)	۵۔ اور تم سے اس معاملہ میں غلطی ہو جائے تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ مگر دل کے ارادہ سے ایسا کرو تو البتہ گناہ ہے)۔ (الاحزاب ۳۳۔ آیت ۵)

قرآن مجید کی تعلیم ہمارے طبیعی میلان کو ضابطہ کا پابند رکھتی ہے۔ وہ لوگوں کے دلوں پر زور ڈالتی ہے۔ اندرونی پاکیزگی کی بابت احکام مندرجہ ذیل پر غور کرو:

۱۲۰۔ وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ (الانعام ۶۔ آیت ۱۲۰)۔	۱۲۰۔ اور ظاہری گناہ اور باطنی گناہ (دونو) سے بچتے رہو۔ (الانعام ۶۔ آیت ۱۲۰)
۱۵۲۔ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔ (الانعام ۶۔ آیت ۱۵۲)	۱۵۲۔ اور بےحیائی کی باتیں جو ظاہر ہوں اور جو پوشیدہ اُن کے پاس بھی نہ جانا (الانعام ۶۔ آیت ۱۵۱)
۳۱۔ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ۔ (الاعراف ۷۔ آیت ۳۱)	۳۱۔ (اے پیغمبر!) کہو کہ میرے پروردگار نے تو بےحیائی کے کاموں کو خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ پوشیدہ۔ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ (الاعراف ۷۔ آیت ۳۱)

ڈاکٹر موشیم کے اسباب اشاعت اسلام کا ذکر کرنے کے بعد میں اسلام کے اسباب کامیابی کی بابت ہنری ہیلم کی رائے نقل کروں گا۔

ہنری ہیلم نے اسلام کی کامیابی کے تین بڑے بڑے سبب بیان کئے ہیں جن میں سے پہلا سبب یہ لکھا ہے کہ "خدا کی ذات اور اخلاقی فرائض کی بابت وہ صحیح اور اعلٰے خیالات یعنی قرآن کی زریں تعلیم جو اس طرح چھائی ہوئی ہے جیسے سونے کی دھات میل مٹی[1] میں ملی ہوئی۔ اور قیاس کیا جاتا ہے کہ ان خیالات نے

[1] قرآن مجید کی تعلیم خالص کندن کی مانند ہے۔ اس میں میل مٹی یا کثافت کا کہیں نام ونشان بھی نہیں۔ خدا کی ذات وصفات اور روحانی اور اخلاقی اصول وغیرہ امور کو جیسا مکمل اور مدلل قرآن مجید نے بیان کیا ہے۔ آج تک دنیا کی کسی الہامی اور غیر الہامی کتاب نے بیان نہیں کیا۔ بائبل میں تو خدا کی بابت ادنےٰ درجہ کے خیالات پائے جاتے ہیں اور انبیاء (علیہم السلام) جو دنیا کے لئے نمونہ ہوتے ہیں اُن کی اخلاقی حالت ایسی پست دکھائی گئی ہے کہ ایک معمولی انسان کا اخلاق بھی اس سے بدرجہا بہتر ہوتا ہے۔ برخلاف قرآن مجید کے کہ وہ ہر ایک اعتبار سے اکمل وافضل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن اللہ تعالےٰ کی آخری اور خالص وحی ہے اور بائبل میں خدا اور انسان دونو کا کلام مخلوط ہو گیا ہے۔ جیسا کہ خود عیسائیوں کو اقرار ہے۔ ان امور کی تفصیل اپنے محل پر موجود ہے۔ یہاں اس قدر اشارہ کافی ہے۔ (مترجم)

ایک سنجیدہ اور غور و فکر کرنے والی قوم کے دل پر اثر کیا" پھر باقی ماندہ دو سبب بیان کر کے جو ہمارے خلاف نہیں ہیں، یہ لکھتے ہیں :-

"شاید توقع کی جائے کہ میں اس پر اُس سبب کا بھی اضافہ کروں جو عموماً دین محمدی
"کا امتیازی نشان سمجھا جاتا ہے۔ یعنے اس کا انہماک ہوا و ہوس اور عیش پرستی
"میں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بڑا مبالغہ کیا گیا ہے۔ اگرچہ پیغمبر اسلام کی خصلت پر
"ہوا پرستی یعنی خونخواری کا عیب لگایا جا سکتا ہو۔ مگر میں خیال نہیں کرتا کہ آپ نے
"اپنے دین کی اشاعت کے لئے پہلی قسم کی ترغیبوں پر بھروسا کیا ہو۔ ہم کو مسیحی پاکیزگی یا
"یوروپین طرز عمل کی رُو سے اُس پر رائے زنی نہیں کرنی چاہیئے۔ اگر کثرت ازدواج کا
"عرب میں عام رواج تھا جس میں کسی کو کلام نہیں۔ تو اس فعل کی اجازت نے محمد (صلعم)
"کے پیروؤں کو کوئی مزید آزادی نہیں دی۔ بلکہ یہ بات پائی جاتی ہے کہ آنحضرت صلعم نے
"اس بارہ میں مشرقی اطوار کی غیر محدود آزادی کو محدود کر دیا تھا۔ اور جس حالت میں
"آپ نے عام زناکاری اور خویش و اقارب کے ساتھ ناجائز تعلقات کو جن کا رواج
"وحشی قوموں میں بہ کثرت ہوتا ہے، قطعی طور پر قابل سزا قرار دیا ہو تو یہ اس امر کی
"دلیل نہیں ہے کہ آپ کا قانون اخلاق بہت ڈھیلا اور وحشی قوموں کے مناسب
"حال ہے۔ ایک پکا مسلمان بہ نسبت شکم پروری کے زیادہ تر پارسائی کی عادت ظاہر
"کرتا ہے۔ اور جو شخص قرآن کو پڑھتا ہے ممکن نہیں کہ اُس کو اس بات کا احساس پیدا
"نہ ہو کہ قرآن زہد۔ اتقا اور احتیاط کی رُوح پھونکتا ہے۔ درحقیقت ایک جدید مذہب
"یا فرقہ کے بانی کو عام نوع انسان کی بدیوں یا عیش پرستیوں میں مستغرق رہ کر مستقل
"کامیابی حاصل کرنے کی بہت کم توقع ہوتی ہے۔ میرا میلان تو زیادہ تر اس امر کی
"طرف ہونا چاہیئے۔ محمد (صلعم) کی تعلیم کی سختی کو اس کے اثر کے اسباب میں محسوب کروں
"چونکہ مذہبی رسوم کی پابندی کے احکام ہمیشہ قطعی صاف اور غیر مشتبہ ہوتے ہیں۔ اس لئے

"جب اُن کی فرضیت مسلّم ہو چکی، تو بہ نسبت اخلاقی نیکیوں کے اُن سے غافل ہونے کا
"احتمال بہت کم ہے۔ لہٰذا مدت تک روزے رکھنا، حج کرنا، باقاعدہ نمازیں پڑھنا
" وضو اور غسل کرنا، ہمیشہ زکوٰۃ ادا کرنا، مسکرات سے پرہیز کرنا، جن کی تاکید
"قرآن میں ہے۔ اِن تمام احکام نے پیروانِ اسلام کے درمیان ایک نمایاں معیار
"عمل پیدا کر دیا تھا۔ اور وہ اپنے قانون کو ہمیشہ یاد رکھتے تھے۔
"مگر اسلام کی اشاعت پیغمبر اسلام کے زمانۂ حیات میں اور اسلام کی زندگی کے
"ابتدائی قرنوں میں زیادہ تر مادی قوتوں کے اُس جوش کی بدولت ہوئی جو آنحضرتؐ
"نے اُس کے اندر ڈال دیا تھا۔ محمد (صلعم) کا مذہب ایسا ہی خالص جنگی نظام ہے
"جیسا کہ یوروپ کے مغرب میں شولری (شجاعت) کا آئین۔ اہل عرب جو قوی جذبات
"رکھتے تھے، خونخوار طبیعت والے اور قتل و غارت کی عادتوں کے خوگر تھے۔ انہوں نے
"دیکھا کہ ہمارے ملکی پیغمبر کے قانون میں، دنیا کو تباہ اور ویران کرنے کے لئے اجازت
"نہیں بلکہ حکم موجود ہے اور اُن کے روشن تخیل فردوس کی بابت جن چیزوں کی توقع
"رکھ سکتے تھے، اُن کے ملنے کا وعدہ۔ اور مزید براں اُن اشیاء کے حصول کا بھی وعدہ
"کیا گیا ہے جن سے وہ متمتع ہوتے تھے"۔[1]

ڈاکٹر موشیم کی رائے کی تردید کے لئے یہی (ڈاکٹر ہیلم کی) رائے کافی ہے۔ مگر پیغمبر (صلعم) کے زمانہ حیات میں اور اسلام کی زندگی کے ابتدائی قرنوں میں اشاعت اسلام کی بابت جو کچھ ہیلم نے کہا ہے کہ "اہل عرب جو قوی جذبات رکھتے تھے، خونخوار طبیعت والے اور قتل و غارت کی عادتوں کے خوگر تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ہمارے ملکی پیغمبر کے قانون میں دُنیا کو تباہ اور ویران کرنے کے لئے اجازت نہیں بلکہ حکم موجود ہے"۔ یہ بات بے بُنیاد اور ناقابل اعتبار ہے۔ دنیا کے

[1] "قرون متوسط" از ہیلم، جلد دوم صفحہ ۱۱۸ و ۱۱۹ مطبوعہ سنہ

تباہ اور برباد کرنے کے لیئے کوئی اجازت یا حکم نہ تھا، اور نہ اس غرض کو مدنظر رکھکر کسی شخص یا قبیلے کو مسلمان کیا گیا۔ قرآن مجید کی تمام تعلیم اور اسلام کی ابتدائی اشاعت کی تاریخ اس خیال کو غلط ثابت کرتی ہے۔

آنحضرتؐ کا مستحکم یقین اپنی نبوت پر اور آپ کی کامیابی آپ کو سچا پیغمبر ثابت کرتی ہے۔

۳۴۔ میں یہاں لمحہ بھر کے لیئے توقف کرتا ہوں۔ اور ناظرین کتاب کی اتنی عنایت کا طالب ہوں کہ وہ ان واقعات پر غور کریں کہ آنحضرتؐ اور آپ کے ابتدائی پیروؤں نے کیسے کیسے دُکھ اُٹھائے اور کیسی کیسی ذلتیں سہیں کیسے کیسے ظلم و ضرر برداشت کیئے۔ وطن سے بیوطن کیئے گئے، اُن پر حملے کیئے گئے[1]

[1] آنحضرتؐ کے ابتدائی پیروؤں نے صبر و استقلال سے ظلم و ستم اور جلاوطنی کی برداشت کی اور ہرگز اسلام سے برگشتہ نہ ہوئے۔ غور کرو ان ابتدائی مسلمانوں کی تعداد میں کیسی روز افزوں ترقی ہوئی اُنہوں نے کیا جوانمردانہ تحمل کیا۔ اپنے عزیز وطنوں اور رشتہ داروں کو خود بخود چھوڑ دیا۔ اور اپنا خون بہا کر پیغمبر (صلعم) کی حفاظت کی۔ حضرت عیسےٰؑ کی تمام زندگی میں دین عیسوی قبول کرنے والوں کی تعداد ایک سو بیس سے زیادہ نہ تھی (اعمال ۱-۱۵) اُن کا خیال تھا کہ حضرت مسیحؑ دنیوی سلطنت کے مالک ہوں گے۔ اور وہ خطرہ کی پہلی ہی آواز سُن کر کافور ہوگئے۔ آپ کے دو شاگردوں (حواریوں) نے مقام ایموس کی طرف جاتے ہوئے یہ کہا تھا "ہم کو یہ اُمید تھی کہ یہی بنی اسرائیل کو نجات دلانے والے ہوں گے"۔ اور حسب عقیدہ عیسائیان حضرت عیسےٰ کے دوبارہ جی اُٹھنے کے بعد ایک حواری نے آپ سے پُوچھا "اے خداوند! کیا آپ اس وقت بنی اسرائیل کی سلطنت کو دوبارہ قائم کریں گے"۔

سر ولیم میور لکھتے ہیں:۔

"اسلام اور مسیحیت کے ابتدائی زمانہ میں جب کہ ان دو نو مذہبوں کا باہمی مقابلہ کیا جانا ممکن ہے تکلیفیں "اُٹھانا اور محرومیاں برداشت کرنا دونو مذہبوں کی قسمت میں تھا۔ مگر محمد (صلعم) کی تیرہ سال کی رسالت "نے ظاہر بین نظر میں حضرت عیسےٰؑ کے مدت العمر کے کام کی بہ نسبت بہت زیادہ انقلاب پیدا کیا ہے۔ "حواریان مسیحؑ تو خطرہ کی آواز سُنتے ہی بھاگ گئے تھے۔ اور جن پانسو آدمیوں نے ہمارے "خداوند (مسیحؑ) کو دیکھا تھا۔ اُن میں اندرونی کام (رُوحانی اثر) خواہ کیسا ہی گہرا ہو مگر اس نے اب "تک بیرونی عمل پیدا نہیں کیا تھا۔ اُن میں خود بخود ترک وطن کرنے اور سینکڑوں آدمیوں کے ہجرت "کر جانے کا وہ خیال نہیں ہوا تھا جو ابتدائی مسلمانوں کا مابہ الامتیاز تھا۔ اور جیسا کہ ایک اجنبی شہر "(مدینہ) کے مسلمانوں نے اپنا خون بہا کر اپنے پیغمبر کی حفاظت کا پُر جوش عزم کیا تھا۔ ویسا عزم بھی حواریان "مسیح میں موجود نہ تھا" (سر ولیم میور سیرت محمدی جلد دوم صفحہ ۲۷۴)۔

پھر بھی آپ اپنی قوم کی مکروہ بُت پرستی اور بد اخلاقی کے خلاف وعظ و نصیحت فرماتے رہے۔ اور آپ کے پائے ثبات کو ذرا لغزش نہ ہوئی۔ یہ تمام باتیں ثابت کرتی ہیں کہ آپ کو اپنی نبوت کا سچا یقین تھا، اور توحید باری اور دیگر اخلاقی اصلاحوں کے متعلق وحی الٰہی کی صداقت کی اشاعت کے لئے آپ کے قلب میں کیسی قدرتی تحریک تھی جو کسی کے روکے رُک نہیں سکتی تھی۔ آپ کے مواعظ متعلق بہ توحید اور آپ کی راستبازی کی تاکید اور افعال بد کی ممانعت پر سالہا سال تک توجہ نہیں کی گئی، اور کوئی بڑی کامیابی ظہور میں نہیں آئی۔ جوں جوں آپ نے اپنی قوم کی مکروہ بُت پرستی اور توہمات کے برخلاف وعظ فرمایا، آپ کی تحقیر کی گئی ہنسی اُڑائی گئی۔ اور آخر کار نہایت سخت اذیت پہنچائی گئی جس نے آپ کی اور آپ کے پیرؤوں کی کامیابی کو نقصان پہنچایا۔ مگر آپ راہ حق پر قائم رہے اور اُس سے نہ ٹلے۔ کسی تہدید اور کسی تکلیف نے آپ کو اُن بیدین لوگوں کی ہدایت سے اب بھی باز نہ رکھا۔ جن کو آپ نے الٰہیات اور اخلاق کی ایسی عمدہ اور اعلےٰ درجہ کی تعلیم دی جو پہلے اُن کے سامنے کبھی پیش نہیں کی گئی تھی۔ آپ نے کسی دُنیوی اقتدار اور رُوحانی فوقیت کا دعوےٰ نہیں کیا۔ آپ تو صرف مذہبی آزادی کے خواہاں تھے۔ یعنی یہ چاہتے تھے کہ ترغیب و تحریص کے ذریعہ سے آپ کو لوگوں کو راہ حق پر لانے کے لئے بلا مزاحمت آزادی مل جائے۔ آپ نے صاف صاف کہہ دیا کہ میں نہ تو اس غرض سے بھیجا گیا ہوں کہ معجزات کے ذریعہ سے لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کیا جائے اور نہ اس لئے کہ تلوار کے ذریعہ سے اُن پر محض اقرار باللسان کا دباؤ ڈالا جائے[1]

[1] آؤ ذرا۔ پیچھے ہٹ کر اُس زمانہ پر نظر ڈالیں جبکہ مکہ میں اُن تمام باشندوں کے خلاف جو خواہ مُسلمان ہو گئے تھے یا مسلمان تو نہ تھے۔ مگر آنحضرتؐ کے حامی و مددگار تھے ایک اعلان (دیکھو صفحہ ۸۳)

کیا ان واقعات کے ہوتے آنحضرت ؐ کے اُس کامل یقین کی بابت جو آپ کے دل میں تھا، اور نیز آپ کے صدق دعوٰے کے متعلق کوئی شک وشبہ باقی رہ جاتا ہے کہ آپ وہی شخص تھے جس کو خدا تعالےٰ نے ذات خداوندی کے کمال کا وعظ بیان کرنے اور نوع انسان کو نیکی کے صراطِ مستقیم کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا تھا؟ آپ نے دیانت اور صداقت سے وہ پیغام پہنچایا جو آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچا تھا۔ یا بالفاظ دیگر، جس کی نسبت آپ کو راستبازی سے اور الہام الٰہی کے ذریعہ سے یقین تھا کہ وہ خدا کی طرف سے ہے اور جس کے اندر راستی کے تمام نشانات اور علامات موجود تھے۔ سچے پیغمبر اور سچے الہام کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) شائع کیا گیا تھا جبکہ وہ شعب ابو طالب میں محصور تھے اور وہاں آرام وآسائش کی توقع کے بغیر تین سال تک محتاجگی اور مصائب شاقہ کی زحمتیں برداشت کی تھیں۔ وہ بالفرض قوی اور مستحکم محرکات (اسباب ومقاصد) ہونے چاہئیں جنہوں نے اس تمام مخالفت اور کامیابی کی صریح مایوسی کے درمیان آپ کو اپنے اصول پر قائم ومستقل رکھا اور اُن میں کسی طرح کا تزلزل پیدا نہ ہوا۔ قید سے رہائی پاتے ہی اپنے ہم وطنوں سے مایوس ہو کر آپ بمقام طائف تشریف لے گئے۔ اور وہاں کے حکام اور باشندگان کو توبہ کرنے کی دعوت دی، آپ تنہا اور بے یار ومددگار تھے۔ مگر آپ نے کہا کہ میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک پیغام لایا ہوں۔ تیسرے روز آپ بدنامی اور بے آبروئی کے ساتھ نکالے گئے۔ ایسے حال میں کہ اُن زخموں سے جو لوگوں نے آپ کو پہنچائے تھے خون بہ رہا تھا۔ آپ وہاں سے ہٹ کر تھوڑی دور چلے گئے اور اُس جگہ اپنی تکالیف کا شکوہ اور مناجات اللہ تعالیٰ کی جناب میں کی۔ پھر آپ مکہ واپس تشریف لے گئے تاکہ اُسی ہدایت کے کام کو جس میں بظاہر کوئی اُمید نہ تھی اسی کامل وثوق کے ساتھ کہ اُس میں آخر الامر ضرور کامیابی ہوگی، دوبارہ شروع کریں۔ باوجود ایسے اسباب کے جو حوصلہ کو پست کردیتے ہیں اور مخالفین کی تخویف وتہدید، ایذا رسانی اور کفر وانکار کے پیغمبر عرب نے تیرہ سال تک جس کشمکش میں اپنے ایمان اور اعتقاد کو قائم ومستحکم رکھا اور توبہ کا وعظ بیان کیا اور اپنے مشرک ہموطنوں کو خدا کے غضب سے ڈرایا۔ اس کی نظیر غیر مقدس تواریخ کے صفحات میں تلاش کرنا عبث ہے جبکہ مسلمان مردوں اور عورتوں کی ایک قلیل جماعت آپ کے گرد تھی اُس وقت آپ نے آیندہ کی کامیابی کی بابت اعلیٰ اور صابرانہ اعتماد کے ساتھ توہین تہدید اور خوف وخطر کی برداشت کی اور بالآخر جب ایک بعید مقام (مدینہ) سے حفاظت کا وعدہ کیا گیا تو جب تک آپ کے تمام پیرو ہجرت کرکے چلے نہ گئے۔ اُس وقت تک آپ باطمینان ٹھیرے رہے اور بعد ازاں اپنی ناشکر اور باغی قوم میں سے نکل کر چلے گئے۔" (میور جلد چہارم صفحات ۳۱۴ و ۳۱۵)

جو کچھ مفہوم ہے وہ اس سے زیادہ نہیں جو آنحضرت ؐ کی ذات مقدس میں پایا جاتا ہے[۱] پیغمبر کا عام منصب اور بڑا کام یہی ہے کہ اس ذات کامل (خدا تعالے) کا اعلان لوگوں کے سامنے کر دے ۔ خالص اور صحیح مسائل الٰہیات اور اعلےٰ درجہ کے اخلاق کی علے الاعلان تعلیم دے ، حق اور انصاف کی تاکید لوگوں پر کرے باطل اور بدی سے اُن کو منع کرے ۔ آیندہ واقعات کی پیشین گوئی کرنا ۔ یا فوق العادت معجزات کا دکھانا بھی پیغمبر کا کام نہیں ہے ۔ علاوہ بریں پیغمبر نہ تو بے عیب ہوتا ہے اور نہ معصوم[۲] ۔ وحی و الہام قوائے انسانی کا قدرتی نتیجہ ہیں ۔

---

[۱] " یہ بات کہ آنحضرت ؐ (معاذ اللہ) دغا باز تھے جیسا کہ بعض معترضوں نے بیان کیا ہے اس کی تکذیب آپ کے اُس مستحکم یقین سے ہوتی ہے جو آپ کو اپنی رسالت کی صداقت کی بابت تھا نیز آپ کے رفقا کی وفاداری اور اُن کے غیر متزلزل وثوق سے جن کو آپ کی صداقت کی بابت صحیح اندازہ کرنے کا کافی موقع ملتا تھا ۔ اور بالآخر آپ کے کام کی عظمت اور اہمیت سے بھی جس کو آپ نے ایسی اعلےٰ درجہ کی کامیابی سے انجام کو پہنچایا ۔ اس خیال کی تردید ہو جاتی ہے ۔ یہ بات بے کھٹکے کہی جا سکتی ہے کہ کوئی دغا باز آدمی ایسا عظیم الشان کام پورا نہیں کر سکتا تھا جس شخص کے دل میں اپنے کار مفوضہ کی واقفیت اور اپنی دُھن کے نیک ہونے کی بابت "زندہ ایمان" موجود نہ ہو وہ سالہا سال کی بد قسمتی اور مصیبت کے زمانہ میں جو فتح و شکست کی حالت میں اور کثرت اقتدار اور موت کے وقت میں بھی برابر موجود ہو ایسی مستحکم اور معقول روش قائم نہیں رکھ سکتا (جیسی کہ نبی عربی نے قائم رکھی) "۔

(اسلام اور اس کا بانی ۔ از جے ۔ ڈبلیو ۔ ایچ ۔ سٹابرٹ ۔ ایم ۔ اے صفحہ ۲۳)

اس امر میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلعم کو اپنی رسالت کا سچا یقین تھا ۔ یہ آپ کی بڑی خوبی ہے کہ آپ ایک ایسی قوم کے درمیان جو بت پرستی میں منہمک تھی توحید الٰہی کے صاف اور روشن ادراک تک پہنچ گئے ۔ اور استقلال و ثابت قدمی سے باوجود کفار کی ایذا دہی اور تمسخر و استہزاء کے اس مسئلہ اعظم کی تلقین کی مگر مجھ کو معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر ؐ کی تعریف یہیں ختم ہو جانی چاہیئے " (اسلام زیر حکومت عرب از ۔ آر ۔ ڈی ۔ اوسبورن مطبوعہ لندن ۱۸۷۶ء صفحہ ۹۰)

[۲] اس میں کچھ شک نہیں کہ نبوت کا اصل مقصد توحید باری کا اعلان کرنا اور روحانیت کی تعلیم دینا ہے جو لوگوں کو وحشی سے انسان ، انسان سے با اخلاق انسان ، اور با اخلاق انسان سے باخدا انسان بنا دے معجزات وغیرہ مقصود بالذات نہیں ہیں ۔ البتہ خاص حالتوں میں منکروں ، مغروروں اور سرکشوں

پیغمبر کو یہ احساس ہوتا ہے کہ اس کے نفس کو اللہ تعالیٰ نے منوّر کر دیا ہے اور جو خیالات وہ ظاہر کرتا ہے اور جن کو اس اثر سے متاثر ہو کر تقریر یا تحریر میں لاتا ہے، وہ "خدا کے الفاظ" سمجھے جاتے ہیں۔ یہ "نور" جو پیغمبر کے نفس کو روشن کرتا ہے یعنی "فیضان الٰہی" کا اثر متاثر ہونے والی کی حیثیت کے لحاظ سے یا اُن جسمانی، و اخلاقی و مذہبی حالات کے اعتبار سے جو اس کے گرد و پیش ہوتے ہیں، مختلف ہوتا ہے۔

۳۵۔ اگرچہ آنحضرت ؐ کا منصب نبوت صرف یہ تھا کہ بندوں کو خدا کا پیغام پہنچا دیں۔ جو امور بذریعہ وحی آپ کو معلوم ہوں۔ سب کو اُن کا وعظ سُنا دیں۔ آپ اس بات کے ذمّہ وار نہ تھے کہ مشرکین

آنحضرت ؐ کی اصلاحوں کا حیرت انگیز اثر۔

بیدین کو الٰہیات کے خالص اور صحیح مسائل اور اعلےٰ اخلاقی اصول منوا دیں یا بالفاظ دیگر اُن کو دین اسلام میں داخل کر کے چھوڑ دیں، تاہم الٰہیات و اخلاق کے دائرہ میں جو کچھ کامیابی ہوئی۔ اور مفید نتائج برآمد ہوئے اور تمدّنی معاملات میں آپ نے جو اصلاحیں فرمائیں، وہ اس بات کا قوی ثبوت ہیں کہ آپکی رسالت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کی حجت کے قطع کرنے کے لئے انبیاء نے معجزات دکھائے ہیں معجزہ کو انبیا کا فعل صرف اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ ان کے ہاتھ پر یا بالفاظ دیگر اُن کی وساطت سے ظاہر ہوتا ہے۔ ورنہ درحقیقت وہ فعل اللہ تعالیٰ کا ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے، پیغمبروں نے بعض اوقات معجزے دکھانے سے انکار کیا ہے۔ قرآن مجید میں بھی آیا ہے اِنَّمَا الْاٰیَاتُ عِنْدَ اللّٰہِ یعنے معجزات اللہ تعالیٰ کے پاس اور اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ یہ بھی بات یاد رکھنے کے قابل ہے جسقدر معجزات دیگر انبیاء علیہم السّلام کو عطا کئے گئے تھے وہ سب آنحضرت ؐ کو عطا کئے گئے، مگر چونکہ وہ معجزات فانی تھے اور آنحضرت ؐ پر سلسلہ نبوّت کا ختم کرنا مشیت الٰہی میں تھا۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے آپ کو علاوہ ان معجزات کے ایک معجزہ دائمی عطا فرمایا جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ میری مراد قرآن مجید سے ہے۔ جس کا معارضہ آج تک نہ کوئی کر سکا اور نہ آیندہ کر سکے گا۔

عصمت انبیاء کی بابت مصنف نے جو خیال ظاہر کیا ہے وہ حسب مذاق عیسائیان ہے اور دلیل کی بناء طلبو تنزل اسکو تسلیم کر کے جواب دیا ہے کیونکہ اہل اسلام کے نزدیک کل انبیاء یقیناً معصوم ہیں۔ اور عیسائی انکو غیر معصوم اور ہر قسم کے فسق و فجور اور گناہان کبیرہ کا مرتکب مانتے ہیں۔ (مترجم)

منجانب اللہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رسول اللہ (صلعم) کی ذات مقدس کی بدولت، موافق اس نور کے جو آپ کے دل میں تھا ملک عرب میں عظیم الشان اصلاح عمل میں آئی "ہر ایک اچھا درخت اچھا پھل لاتا ہے"۔ (انجیل متی باب ۷-۱۷) واقعات اٹل اور بے لاگ ہوتے ہیں اور واقعات ہی ایسے معاملات میں قطعی فیصلہ کرتے ہیں ÷

آنحضرت صلعم کے مواعظ سے جو نتائج پیدا ہوئے اور اُن کے ذریعہ مشرکوں۔ بُت پرستوں اور نہایت ہی وہم پرست عربوں کی حالت میں ایک قلیل عرصہ کے اندر جس کا زیادہ تر حصّہ مکّہ میں تو مخالفوں کے ظلم وستم اٹھانے میں اور مدینہ میں اُن کے ساتھ کشمکش کرنے میں بسر ہوا تھا۔ جو جو مذہبی، تمدّنی اور ملکی انقلاب ظہور میں آئے وہ نہایت تعجّب خیز ہیں۔ آپنے اُن کو شرک اور بیہودہ وہم پرستی کے طوفان بے تمیزی سے یعنے دیوتاؤں، جنوں، خدا کے بیٹوں اور بیٹیوں کے باطل عقیدوں سے نکال کر خالص توحید کا عقیدہ عطا فرمایا۔ جس میں بجز خدائے قادر مطلق کے کوئی اعلےٰ قوت تسلیم نہیں کی جاتی۔ آپ نے اپنے اہل وطن کے اخلاقی معیار کو بلند کیا۔ عورتوں کی حالت میں اصلاح کی کثرت ازدواج کو محدود اور غلامی کی تکالیف کو دور کیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان دونو رسموں اور نیز رسم دخترکشی کو معدوم کیا۔ آپ نے قوم عرب کی بہت سی سنگین بُرائیوں کو نہایت سختی سے قابل الزام ٹھیرایا اور اُن کی قطعی ممانعت کی۔ آپ نے وحشی اور آزاد قبائل کو ملا کر ایک قوم بنا دیا۔ اور اُن کی باہمی جنگوں کو موقوف کر دیا۔

سر ولیم میور لکھتے ہیں:۔

"محمد (صلعم) کے احکام گو اس وقت تک سیدھے سادے اور تھوڑے معلوم ہوتے "ہیں، تاہم انہوں نے ایک عجیب وغریب اور قوی الاثر کام کیا جب سے ابتدائی

"مسیحیت نے دنیا کو خواب غفلت سے بیدار کیا، اور بُت پرستی کے ساتھ سخت "لڑائی لڑی۔ اُس وقت سے رُوحانی زندگی کی ایسی بیداری لوگوں "نے کبھی نہیں دیکھی تھی، اور نہ ایسا عقیدہ دیکھنے میں آیا تھا، "جس نے قربانی (تکالیف ومصائب) برداشت کر کے اپنا مال "متاع لُٹ جانا ایمان کی خاطر بخوشی گوارا کیا ہو۔

"مکّہ اور کل جزیرہ نمائے عرب نہایت ہی قدیم زمانہ سے رُوحانی غفلت میں ڈوبا "ہوا تھا۔ اہل عرب کے دل پر یہودیت، مسیحیت یا فلسفہ کا خفیف اور عارضی اثر ایسا "تھا جیسے ایک ساکن جھیل کی سطح پر کہیں کہیں لہریں نظر آجاتی ہیں، اور اس کا تمام پانی "نیچے کی طرف بدستور ساکن اور غیر متحرک رہتا ہے۔ لوگ وہم پرستی، بیرحمی اور بدی میں "ڈوبے ہوئے تھے۔ یہ ایک عام رواج تھا کہ سب سے بڑا بیٹا اپنے باپ کی بیواؤں "سے شادی کر لیتا تھا اور جس طرح اور جایداد ورثہ میں پاتا تھا اسی طرح اُن کا بھی "وارث ہوتا تھا۔ تکبّر اور افلاس نے اُن میں دختر کُشی کا جُرم پیدا کر دیا تھا۔ جیسا "کہ آج کل ہندوؤں میں ہے۔ اُن کا مذہب غلیظ بُت پرستی پر مشتمل تھا اور اُن کا "ایمان ایک حاکم مطلق خدا کی بہ نسبت اس تیرہ وتاریک وہم پرستی پر بہت "زیادہ تھا یعنے اَن دیکھی ہستیوں (جن۔ بھوت پریت وغیرہ) پر جن کی خوشنودی "حاصل کرنے اور جن کی ناراضی سے بچنے کے وہ خواہاں رہتے تھے۔ حیات "بعد الممات اور جزائے نیک وبد کا خیال جو محرک عمل ہے اس سے عملی طور پر "ناواقف تھے"۔

"ہجرت سے تیرہ سال پہلے مکّہ اس ذلیل حالت میں مُردہ پڑا ہوا تھا۔ ان تیرہ "برسوں نے اب کیا کچھ انقلاب پیدا کر دیا! سینکڑوں آدمیوں نے بت پرستی ترک "کر کے ایک خدا کی پرستش اختیار کی، اور جس تعلیم کو انہوں نے الہامی یقین کر لیا

" تھا اُس کی ہدایت پر سر تسلیم خم کیا، خدائے قادر مطلق کی حضور میں بار بار اور جوش
" دل سے نمازیں پڑھنے لگے، اُس کے فضل و کرم کے بھروسہ پر عفو تقصیر کی توقع رکھنے
" لگے۔ اور **اعمال نیک، زکوٰۃ، عفت** اور **انصاف** کی پیروی کی
" کوشش کرنے لگے۔ اب وہ ایسی زندگی بسر کرنے لگے کہ اُن کو خدا کی قدرت مطلقہ
" کا اور نیز اس امر کا ہمیشہ احساس ہونے لگا کہ وہ ہمارے ذرا ذرا سے کاموں کا
" نگران اور نگہبان ہے۔ قدرت کی تمام بخششوں میں، زندگی کے ہر ایک تعلق میں اپنے
" تمام شخصی یا قومی معاملات میں اُن کو خدا کا ہاتھ نظر آتا تھا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ
" کہ نئی روحانی زندگی جس میں وہ خوش تھے اور جس پر فخر کرتے تھے اُس کو خدا کی خاص
" عنایت کا نشان سمجھتے تھے۔ اور اُن کے اندھے ہم وطنوں کی بد اعتقادی اُن کے
" نزدیک خدا کی ازلی ناراضی کی سخت علامت تھی۔ محمد (صلعم) اُن کو زندگی بخشنے
" والے تھے یعنے اللہ تعالےٰ کے حکم سے آپ اُن کی نئی نئی اُمیدوں کا سرچشمہ تھے
" اور وہ آپ کی مناسب اور کامل اطاعت کرتے تھے۔

" اس تھوڑے سے عرصہ میں اس عجیب و غریب تحریک (اسلام) کی بدولت مکہ
" میں دو فریق پیدا ہو گئے تھے۔ جو اپنے قبیلہ اور خاندان کے نشانات کو ملحوظ خاطر
" رکھ کر باہم دگر سخت مخالفت کر رہے تھے۔ مسلمانوں نے صبر و تحمل سے تکالیف برداشت
" کیں۔ اور اگرچہ ایسا کرنا اُن کی عقلمندی تھی تاہم دلیرانہ استقلال کی عزت اُنکو
" دی جا سکتی ہے۔ سو مردوں اور عورتوں نے اپنے قابل قدر دین سے انحراف
" کرنے کی بجائے اپنے گھروں کو چھوڑنا گوارا کر لیا اور جب تک قریش کا شور و شر
" دفع ہو اس وقت تک ملک ابی سینا میں جا کر پناہ گزین ہوئے۔ اب اور بھی زیادہ
" لوگ خود پیغمبر (صلعم) کے ساتھ اپنے وطن مالوف سے، جس میں خانہ کعبہ تھا اور
" جو اُن کے نزدیک دُنیا میں سب سے زیادہ مقدس مقام تھا، ہجرت کر کے مدینہ چلے

"گئے۔ یہاں بھی اسی تعجب انگیز ظلم نے اُن کے لئے ایک رشتہ اخوت قائم
"کر دیا اور اہل مدینہ پیغمبر (صلعم) اور آپ کے پیروؤں کی حفاظت کے لئے اپنی جان دینے
"پر آمادہ ہو گئے۔ یہودی صدا آفت کی آواز عرصہ سے اہل مدینہ کے کانوں
"میں گونج رہی تھی۔ مگر جب تک پیغمبر عرب کی دل ہلا دینے والی صدا اُن کے کانوں
"میں نہ پہنچی اُس وقت تک وہ بھی اپنی خواب غفلت سے بیدار نہ ہوئے اور اُسی وقت
"انہوں نے ایک نئی اور پُر جوش زندگی میں یکایک قدم رکھا۔"[1]

آگے چل کر سر ولیم میور لکھتے ہیں :۔

"اور یہ مذہب جو اس ذریعہ سے قائم کیا گیا تھا۔ اُس کے کیا کیا نتائج محمد (صلعم)
"نے اپنے بعد چھوڑے ؟ ہم آزادانہ طور پر یہ بات تسلیم کر سکتے ہیں کہ اس مذہب نے
"وہم پرستی کے بہت سے تاریک عنصروں کو جو قرنوں سے اس جزیرہ نما پر چھائے
"ہوئے تھے ہمیشہ کے لئے دفع کر دیا۔ اسلام کی صدائے جنگ کے آگے بت پرستی
"مفقود ہو گئی۔ خدا کی توحید۔ اُس کی غیر محدود صفات کاملہ اور بالخصوص اس کے ہر
"جگہ حاضر و ناظر ہونے کا مسئلہ جیسا کہ محمد (صلعم) کے جان و دل میں موجود تھا اُسی طرح
"آپ کے پیروؤں کے جان و دل میں بھی ایک زندہ دستور العمل بن گیا۔ اس مذہب کے
"قبول کرنے کی سب سے پہلی شرط یہ قرار دی گئی تھی کہ انسان کامل طور پر تابع
"مرضی الہٰی ہو جائے (لفظ "اسلام" کا یہی مفہوم ہے) جن نیکیوں کا تعلق حسن معاشرت
"سے ہے وہ بھی موجود ہیں۔ اسلامی دائرہ کے اندر برادرانہ محبت کی تاکید کی گئی ہے[2]
"یتیموں کی حفاظت و حمایت کا اور غلاموں کے ساتھ رعایت اور پاسداری کے سلوک
"کا حکم دیا گیا ہے۔ مسکرات کی ممانعت کی گئی ہے۔ اور دین محمدی اس اعلےٰ درجہ کی
"پرہیزگاری (ترک شراب خواری) کا فخر کر سکتا ہے جو کسی دوسرے مذہب

[1] سیرت محمدی از سر ولیم میور۔ ایل۔ ایل۔ ڈی جلد دوم صفحہ ۲۶۹ - ۲۷۱ -
[2] (ملاحظہ ہو صفحہ ۹۰ کتاب ہذا) -

"میں موجود نہیں[1]"

ڈاکٹر مارکس ڈاڈس لکھتے ہیں:-

"مگر کیا محمد (صلعم) کسی معنی میں پیغمبر نہیں ہیں؟ درحقیقت آپ میں مرتبہ نبوت کے نہایت
"ہی ضروری خصائل میں سے **دو خصلتیں** پائی جاتی تھیں۔ آپؐ نے ذات باری کی
"بابت اس حقیقت کو دیکھ لیا جس کو آپ کے بنی نوع بشر نے نہیں دیکھا تھا اور
"آپ کے دل میں اس حقیقت کی اشاعت کا ایسا قدرتی میلان تھا جو کسی کے روکے رک
"نہیں سکتا تھا۔ اس پچھلی صفت کے اعتبار سے بنی اسرائیل کے دلیر پیغمبروں میں سب سے
"زیادہ دلاور پیغمبروں کے ساتھ آپ کو تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ آپ نے راستی کی خاطر
"اپنی **جان** کو جوکھوں میں ڈالا۔ سالہا سال تک روز بروز **دُکھ** اُٹھائے اور آخر کار
"**جلاوطنی، نقصان مال،** اہل وطن کی **بداندیشی** اور دوستوں کی بے اعتباری
"کی تکلیفیں برداشت کیں، قصہ مختصر موت کے سوا اور جس قدر مصیبتیں کوئی شخص جھیل
"سکتا ہے، وہ سب آپ نے جھیلیں۔ اور موت سے بھی صرف اس لئے نجات پائی کہ
"اپنی جان بچا کر نکل گئے تھے۔ بااینہمہ آپ نے **استقلال** کے ساتھ اپنے پیغام
"کی منادی کی۔ کوئی **رشوت**۔ کوئی **دھمکی**، کوئی **ترغیب** آپ کو خاموش نہیں کر
"سکتی تھی۔ (آپ کا قول ہے کہ) "اگرچہ یہ لوگ میرے مقابلہ میں سُورج کو دائیں ہاتھ اور

(بقیہ صفحہ ۸۹) اہل اسلام کو باہم گو برادرانہ محبت رکھنے کی بے شک تاکید کی گئی ہے۔ مگر غیر مسلموں کے ساتھ عدل وانصاف اور احسان ومروت کے برتاؤ کا بھی صاف طور پر حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (ممتحنہ ۶۰۔ آیات ۸-۹)

جو لوگ تم سے دین کی بابت نہیں لڑے اور جنہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا اُن کے ساتھ احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا۔ بےشک اللہ منصفانہ برتاؤ کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ تم کو انہی لوگوں سے دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جو تم سے دین کی بابت لڑے اور جنہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں مدد دی اور جو شخص ان سے دوستی رکھے پس وہی لوگ ظلم کرنیوالے ہیں۔ (ممتحنہ ۶۰۔ آیات ۸-۹) (مترجم)

[1] سیرت محمدی از سر ولیم میور جلد چہارم صفحہ ۳۲۰-۳۲۱-

"چاند کو بائیں ہاتھ میں لاکر رکھ دیں تو بھی میں اپنے مقصد کو ترک نہ کروں گا"۔ توحید الٰہی کی
"منادی کے لئے آنحضرتؐ کا یہی استقلال اور اپنی دعوت پر یہی وثوق تھا جس پر اسلام
"کی بنیاد تھی۔ بُت پرستوں میں اَور لوگ بھی موحّد ہوئے ہیں مگر کسی نے ایک قوی اور
"پائدار مذہب توحید کی بنیاد نہیں ڈالی۔ آپ کا شرف و امتیاز بمقابلہ دیگر اشخاص
"کے یہ تھا کہ آپ نے لوگوں سے اس عقیدہ کے تسلیم کرانے کا عزم مصمم کر لیا تھا۔ . . .
" . . . اول تو آپ کا یہ دعوےٰ کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں۔ نہ صرف سچے دل سے تھا
"بلکہ جس معنی میں آپ خود اس کو سمجھتے تھے، غالباً اس معنے میں بھی صحیح تھا۔ آپ نے محسوس
"کیا کہ میرے دل میں خدا کی بابت ایسے خیالات ہیں جن کا قبول کرنا میرے گرد و پیش کے
"لوگوں کے لئے نہایت ضروری ہے اور آپ کو یقین تھا کہ یہ خیالات منجانب اللہ ہیں۔
"اگرچہ ٹھیک طور پر ان کو الہام سے تعبیر نہ کر سکیں جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے۔ آپ کی
"غلطی ہرگز اس بات میں نہ تھی کہ آپ نے یہ خیال کیا کہ مجھے خدا نے اپنا کلام سُنانے اور
"ایک بہتر مذہب کے رائج کرنے کے لئے مامور فرمایا ہے۔ بلکہ وہ غلطی (نعوذ باللہ) یہ تھی کہ
"لوگوں سے رفتہ رفتہ اپنے آپ کو پیغمبر منوانے کے لئے آپ نے بالکل اُسی قدر زور
"دینا شروع کیا جس قدر کہ اُس حقیقت اعظم (توحید) کے قبول کرانے پر زور دیا تھا
"آپ اپنے اہل ملک کے لئے صرف اس معنی میں پیغمبر تھے کہ آپ نے توحید الٰہی
"کی منادی کی۔ مگر یہ اس امر کی کافی وجہ نہ تھی کہ آپ کل مذہبی معاملات میں اُن کے
"ہادی و رہنما ہونے کا دعوےٰ کریں۔ اور جملہ امور میں، یہاں تک کہ رسول (یعنی
"مُلکی و جمہوری) معاملات میں اُن پر حکومت کے دعوےٰ کی اتنی بھی وجہ نہیں تھی"۔[1]

[1] ڈاکٹر مارکس ڈاڈس کی تحریر میں چند امور قابل غور ہیں:-
(اوّل) آنحضرتؐ صرف اس معنی میں پیغمبر ہیں کہ آپ نے توحید الٰہی کی منادی کی اور حیرت انگیز استقلال سے سخت سے سخت مصیبتیں جو ممکن ہیں برداشت کیں۔
(دوم) آپ کا دعویٰ پیغمبری سچے دل سے تھا۔ اور پیغمبری کا جو مفہوم آپ سمجھتے تھے۔ (دیکھو صفحہ ۹۲)

. . . وہی فاضل ڈاکٹر آگے چل کر اپنی کتاب "محمد - بدھ اور مسیح" میں لکھتا ہے :-

"مگر جب ہم اسلام کی خوبی اور بُرائی کا اندازہ کرتے ہیں تو رفتہ رفتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ خاص
"امر جس پر ہم کو توجہ کرنی لازم ہے - وہ اس بات کی تمیز کرنا ہے کہ ساتویں صدی میں عرب کو
"اور بالعموم تمام دنیا کو اسلام سے کیا فائدہ پہنچا - میں خیال کرتا ہوں کہ کوئی شخص اس بات
"سے انکار نہ کرے گا کہ محمد (صلعم) کے ہم عصروں کے لئے آپ کا مذہب اُن تمام مذاہب پر
"جن کو وہ پہلے سے مانتے تھے بہت زیادہ فوقیت رکھتا تھا - اس مذہب نے اُن قبائل

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اُس لحاظ سے وہ دعویٰ صحیح تھا -
(سوم) بُت پرستوں میں جو لوگ موحد گزرے ہیں اُن پر آنحضرت م کو فوقیت تھی کہ آپ نے ایک
قوی اور پائدار مذہب توحید کی بنیاد ڈالی، اور اُن لوگوں کو یہ بات نصیب نہ ہوئی -
(چہارم) اشاعت توحید کا جو قدرتی میلان آپ کے دل میں تھا اس کے اعتبار سے بنی اسرائیل
کے دلیر ترین پیغمبروں میں آپ کا شمار ہو سکتا ہے - مگر آپ کے خیالات کو الہام نہیں کہہ سکتے -
(پنجم) جتنا اصرار آنحضرت نے توحید کے منوانے پر کیا تھا اُتنا ہی اصرار اپنی نبوت کے منوانے
کے لئے کرنے لگے - تمام مذہبی اور دنیوی معاملات میں اُن کے حاکم بن گئے اور یہی (بقول ڈاکٹر
صاحب) آپ کی غلطی تھی *
امر اول و دوم و سوم سے ہم کو اتفاق ہے، امر چہارم کا پہلا حصہ بھی مسلم ہے بلکہ واقعات کے
لحاظ سے یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ بنی اسرائیل کے دلیر ترین پیغمبروں سے بھی آنحضرت م کا درجہ بڑھا
ہوا ہے - مگر ڈاکٹر صاحب کا یہ قول کہ "ان خیالات کو الہام کہنا صحیح نہیں ہے" اُن کے پہلے بیان
کے بالکل متناقض اور سراسر خلاف ہے - صاحب موصوف کا آنحضرت م کے وجہ کو بنی اسرائیل کے
بہترین انبیاء کے برابر تسلیم کرنا اور پھر یہ کہہ دینا کہ "آپ ملہم من اللہ نہ تھے" - صاف لفظوں میں
انبیاء بنی اسرائیل کی نبوت کا انکار بلکہ مطلق نبوت کی تکذیب ہے جو سراسر بے دینی ہے - ڈاکٹر
مارکس ڈاڈس اور اُن کے ہمخیالوں پر افسوس ہے کہ حضرت ختمی مرتبت کے درجہ کو گھٹانے کے خیال
میں دین و مذہب تک کو خیر باد کہہ دینے میں تامل نہیں کرتے - فاعتبروا یا اولی الابصار
امر پنجم کا مطلب ہماری سمجھ میں نہیں آتا - کیا آنحضرت م لوگوں سے یہ کہتے کہ میری تعلیم تو الٰہی
تعلیم ہے - اور تمام پیغمبر یہی تعلیم دیتے چلے آئے ہیں - مگر میں نبی نہیں ہوں میری تعلیم کو مانو مگر میری
نبوت کو نہ مانو؟ افسوس کہ ڈاکٹر صاحب اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ رسالت اور وحدانیت لازم و ملزوم ہیں -
ایک دوسرے سے کسی حالت میں جدا نہیں ہو سکتیں اور توحید، نبوت، معاد ہر سہ ارکان مذہب (دیکھو صفحہ ۹۱)

"کو جن میں نااتفاقی چلی آتی تھی۔ باہم ملا دیا۔ اور قوم کی حالت کو ترقی دیکر دنیا کی مشہور
"طاقتوں میں سب سے مقدم طاقت بنا دیا۔ اُس نے وہ کام کیا جس کے پورا
"کرنے سے مذہب عیسوی اور مذہب یہود بھی قاصر رہے تھے۔
"یعنے بُت پرستی کو ہمیشہ کے لئے مٹا دیا۔ اور ایک معبود حقیقی کا خیال قائم کر دیا[1]
"اس مذہب کا جو اثر عرب پر ہوا۔ اس کو ابی سینا کے مسلمان مہاجرین نے
"صحیح صحیح اور درد انگیز طریقہ میں بیان کیا تھا۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ تم کو کیوں نہ مکہ
"واپس بھیج دیا جائے۔ تو انہوں نے (جعفر بن ابی طالب) اپنے مذہب کا حال اور اُن
"فوائد کا جو اس کی بدولت اُن کو حاصل ہوئے تھے۔ حسب ذیل بیان کیا تھا:۔
"اے بادشاہ! ہم جہالت و وحشت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ہم بتوں کو پوجتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) یکساں ضروری ہیں۔

علےٰ ہٰذا القیاس یہ اعتراض کہ آنحضرتؐ نے کل مذہبی معاملات میں قوم کے ہادی ہونے کا کیوں دعویٰ کیا؟ ڈاکٹر مارکس ڈاڈس جیسے فاضل شخص کی طرف سے نہایت حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے۔ کیا ڈاکٹر صاحب یہ چاہتے ہیں کہ آنحضرتؐ صرف توحید کا وعظ فرماتے اور دیگر مذہبی اصول و فروع سے جن کا توحید الہی سے نہایت گہرا تعلق ہے قطع نظر کرتے مثلاً "خدا ایک ہے" اتنا کہہ کر خاموش ہو جاتے۔ اور معاد کا ذکر زبان پر نہ لاتے۔ لفظ "توحید" لوگوں کو سکھا دیتے؛ مگر دُعا، مناجات حمد و ثنا اور عبادت الٰہی وغیرہ لوازمات توحید کو لوگوں کی رائے پر چھوڑ دیتے؟ الغرض یہ اعتراض اس قدر رکیک ہے کہ اُس کے رد کرنے کی ضرورت نہیں۔

اسی طرح اخلاق تمدن۔ سیاست وغیرہ دنیوی معاملات میں آنحضرتؐ کا لوگوں کو ہدایت کرنا بھی بالکل حق بجانب تھا کیونکہ دین و دنیا دو جدا جدا چیزیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی قانون کے دو مختلف شعبے ہیں۔ اس لئے یہ بات کسی طرح ممکن نہ تھی کہ آنحضرتؐ ہدایت کے صرف مذہبی پہلو کو لیتے تھے دنیوی پہلو کو جو اُسی قدر ضروری ہے نظر انداز کرتے۔ قصہ مختصر معترض کے یہ اعتراضات نہایت رکیک۔ مشکوک اور بے وقعت ہیں۔ (مترجم)

[1] یہ بات فضیلت اسلام کی ایک زبردست شہادت اور بدیہی دلیل ہے جس کا ڈاکٹر ڈاڈس کو چاروناچار اقرار کرنا پڑا۔ اسلام کی اس خوبی کو تسلیم کرنے کے بعد اسی مُنہ سے اُس پر اعتراض کرنا۔ یا مسیحیت اور یہودیت کو اس پر ترجیح دینا نہایت عجیب بات ہے۔ (مترجم)

"وہ تھے۔ ہم مُردار کھاتے تھے، زنا کاری کے مرتکب ہوتے تھے، صلہ رحم اور حقوق ہمسایہ
"اور مہانداری کے فرائض کا لحاظ نہ رکھتے تھے، ہم کوئی قانون اس کے سوا نہیں جانتے
"تھے کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ جب کہ خدا نے ہم لوگوں میں ایک پیغمبر بھیجا جس
"کی راست بازی، دیانت داری اور عفت سے ہم لوگ واقف تھے اور
"اس نے ہم کو توحید کی طرف دعوت کی اور یہ تعلیم دی کہ اس کے ساتھ کسی خدا
"کو شریک نہ کریں۔ اس نے ہم کو بت پرستی سے منع کیا۔ اور سچ بولنے۔ امانتوں
"کا لحاظ رکھنے۔ رحم کرنے۔ دوسروں کے حقوق کا خیال رکھنے۔ اپنے رشتہ داروں سے
"محبت رکھنے۔ کمزوروں کی حفاظت کرنے۔ بدی سے باز رہنے اور تمام شرارتوں سے
"بچنے کی تاکید ہے۔ اس نے ہم کو نماز پڑھنے۔ زکوٰۃ دینے اور روزے رکھنے
"کی تعلیم دی۔ اور چونکہ ہم نے اس کی تصدیق کی اور اس کا حکم مانا اس لئے ہم پر
"ظلم کیا گیا۔ ہم کو وطن سے بے وطن کیا گیا۔ یہاں تک کہ ہم آپ کی حفاظت میں
"آئے ہیں"[1] (ابن ہشام صفحہ ۲۱۹)۔

مگر ڈاکٹر مارکس ڈاڈس اور سر ولیم میور کی رایوں کا حال معلوم کرنے کے بعد اب ہم کو اس طرف توجہ کرنی چاہئے کہ ریویرنڈ سٹیفنز محمد (صلعم) کی نسبت کیا رائے رکھتے ہیں :-

"محمد (صلعم) کا مقصد یہ تھا کہ اپنے ہموطنوں یعنے عربوں میں اُس خالص عقیدہ کو زندہ کیا
"جائے، جو اُن کے جد اعلےٰ ابراہیمؑ کا تھا۔ جس طرح موسےٰ ؑ نے اپنے ہموطنوں
"یعنے یہودیوں میں اس کو زندہ کیا تھا۔ اس مقصد میں آپ کو بہت بڑی حد تک کامیابی
"ہوئی۔ آپ نے بت پرستی کے ایک منتشر انبار کے عوض میں خالص توحید کا عقیدہ
"قائم کیا۔ اپنے ہموطنوں کی بعض نہایت ہی بدعادتوں کو موقوف کرایا۔ اور بعض کو تبدیل

[1] "محمد۔ بدھ اور مسیح" از مارکس ڈاڈس ڈی۔ ڈی صفحہ ۱-۱۹-۱۱۹۔

"دکیا۔ آپ نے لوگوں کے اخلاقی معیار کو بالعموم بلند کیا اور اُن کی تمدنی
"حالت کو ترقی دی۔ اور ایک سنجیدہ اور معقول طریقِ عبادت جاری کیا
"آخرکار آپ نے اس ذریعہ سے بہت سے وحشی اور آزاد قبیلوں کو جو بعض ذرّوں
"کی طرح اِدھر اُدھر اُلٹتے پھرتے تھے باہم ملاکر ایک ٹھوس مُلکی جماعت کی شکل میں
"منتقل کیا۔ جو دنیا کی سلطنتوں کو اپنی حکومت اور عقیدہ کا تابع فرمان بنانے کے لئے
"ایسی ہی آمادہ و سرگرم تھی جیسے کہ بنی اسرائیل ملک کنعان کے فتح کرنیکے لئے تھے۔
"قرآن بکرات و مرات اور بڑے پُرزور الفاظ میں ان فرائض کی بھی تاکید کرتا ہے
"کہ ابن السبیل اور یتیم پر مہربانی کریں اور غلاموں کے ساتھ اگر وہ
"مسلمان ہو جائیں۔ اُسی عزت اور لحاظ کا برتاؤ کریں جو مسلمانوں کے لئے سزاوار
"ہے۔ اور نیز حیوانات پر رحم کرنے کا فرض بھی فراموش نہیں کیا گیا۔ اور یہ
"بات شکرگزاری سے قبول کرنی چاہیئے کہ دین محمدی اور بدھ مذہب بھی بیماروں
"اور دیوانوں کے دار الشفا اور دار المجانین قائم کرنے کی عزت میں مذہب عیسوی
"کے ساتھ شریک ہے۔

"محمد (صلعم) کے زمانہ میں جو بُرائیاں عرب میں نہایت ہی کثرت سے پھیلی ہوئی
"تھیں اور جن کو قرآن مجید نے نہایت ہی سختی سے قابل ملامت قرار دے کر اُن
"کی قطعی ممانعت کی ہے۔ وہ یہ تھیں۔ شراب خواری۔ بے تعداد حرمین
"گھر میں ڈال لینا، اور کثرت ازدواج۔ دختر کشی۔ بیباکانہ قمار بازی
"ظالمانہ سُود خواری، سحر و کہانت کے فنون باطلہ، ان میں سے بعض
"بدرسموں کی موقوفی اور بعض کے اثر کی کمی، عربوں کے اخلاق میں ایک بڑی ترقی
"تھی۔ اور مصلح (آنحضرت م) کے جوش اور اثر کی ایک معزز و مفتخر شہادت ہے۔
"دختر کشی اور شراب خواری کا کُلّی انسداد آپ کے کام کی سب سے

"زیادہ نمایاں فتح ہے"[1]

یہی معزز مصنف جس کی عبارت سے اوپر اقتباس کیا گیا ہے۔ آگے چل کر یہ بھی لکھتا ہے۔

"سب سے پہلے یہ بات آزادی کے ساتھ ضرور تسلیم کرنی چاہیئے کہ محمد (صلعم) اپنی
"قوم کے بڑے محسن تھے۔ آپ ایسے مُلک میں پیدا ہوئے تھے جہاں مُلکی
"نظام، معقول اعتقاد اور خالص اخلاق سے لوگ ناواقف
"تھے۔ آپ نے ان تینوں باتوں کا وہاں رواج دیا۔ اور اپنی عقل کامل کی
"ایک ہی کوشش سے اپنے ہموطنوں کی مُلکی حالت، مذہبی اعتقاد اور
"اخلاقی عادت کی اصلاح کر دی۔ بہت سے آزاد قبیلوں کی جگہ آپ
"نے ایک قوم چھوڑی۔ بہت سے معبودوں اور بہت سے خداوندوں کے باطل
"عقیدہ کی بجائے آپ نے ایک قادر مطلق مگر رحمان و رحیم خدا کا معقول عقیدہ
"قائم کیا۔ لوگوں کو تعلیم دی کہ وہ اس خیال کے ساتھ زندگی بسر کریں کہ وہ وجود مطلق
"ہر دم ہمارا حافظ و نگہبان ہے۔ اُسی کو نیکوں کا جزا دینے والا سمجھیں اور اُسی کو
"بدوں کا سزا دینے والا سمجھ کر اس سے ڈریں۔ بہت سی قابل نفرت اور وحشت انگیز
"رسمیں جو آپ کے زمانہ تک عرب میں رائج تھیں اُن پر آپ نے زبردست حملہ کیا۔
"اُن کو تبدیل کیا اور اُن کا انسداد کیا۔ اوباشانہ بدکاری کی بجائے تعدد
"ازدواج کا ایک بااحتیاط اور باضابطہ اصول منضبط کیا
"گیا۔ اور دختر کشی کی رسم کا کما ینبغی انسداد کیا گیا۔ جب اسلام
"نے عرب کی حدود سے پرے رفتہ رفتہ اپنی فتوحات کو پھیلانا شروع کیا تو بہت سی وحشی

---

[1] مسیحیت اور اسلام، بائبل اور قرآن" از ریورنڈ ڈبلیو۔ آر۔ ڈبلیو سٹیفنز صفحات ۹۷-۱۰۴-
۱۱۲- مطبوعہ لندن ۱۸۷۷ء-

"قومیں بھی جن کو اسلام نے جذب کر لیا تھا اُسی طرح اُس کی برکتوں میں شریک ہوگئیں۔
"ترک۔ انڈین۔ حبشی اور مور (افریقہ کے شمالی ساحل کے باشندے) اس
"بات پر مجبور ہوئے۔ کہ اپنے بتوں کو اُٹھا کر پھینک دیں اپنے رندانہ رسم ورواج
"کو خیرباد کہیں۔ خدائے واحد کی پرستش۔ شایستہ طرز عبادت اور ایک
"باقاعدہ طرز معاشرت کی طرف رجوع کریں۔ اہل فارس جو زیادہ تر مہذب
"شایستہ تھے اُن کا عقیدہ بھی صاف اور خالص ہوگیا۔ اور انہوں نے اسلام سے
"یہ بات سیکھ لی کہ نیکی و بدی (یزدان و اہرمن) دو ہمسر قوتیں نہیں ہیں۔ بلکہ حق اور
"ناحق دونو اُسی ایک حکیم اور قدوس حاکم کے یکساں زیر فرمان ہیں جو آسمان و
"زمین کی تمام چیزوں پر حکمرانی کرتا ہے۔
"پس وحشی قوموں کے لئے خاصکر یعنے وہ قومیں جو کم وبیش ایسی حالت میں تھیں۔
"جیسی محمد (صلعم) کے زمانہ میں خود عرب کی حالت تھی، ایسی قومیں جو آجکل افریقی قوموں
"کی سی حالت رکھتی ہیں، جن میں یا تو تمدن بالکل نہیں یا برائے نام ہے، اور جو
"معقول مذہب سے بے بہرہ ہیں۔ ہاں بیشک ایسی قوموں کے لئے اسلام ایک
"برکت ہے جو اُن کو ظلمت سے نور کی طرف اور طاغوت کی طاقت سے خدا
"کی طرف لاتا ہے۔" [۱]

۲۷۔ آنحضرتؐ کے مخالف آپ کی رسالت کے خلاف جو کچھ کہہ سکتے ہیں وہ یہ

آنحضرتؐ کی نسبت جھوٹے اتہامات

دعوٰی ہے کہ مدینہ میں پہنچ کر آپ کی حالت میں اخلاقی زوال آگیا تھا [۲]۔ جب آپ کی عمر کا زمانہ پچپن ۵۵ سال سے

[۱] مسیحیت اور اسلام۔ بائبل اور قرآن" از ریورنڈ ڈبلیو۔ آر۔ ڈبلیو سٹیفنز صفحات ۱۲۹-۱۳۰۔ مطبوعہ لندن ۱۸۷۷ء۔

[۲] ہم فوراً تسلیم کر سکتے ہیں کہ اوّل اوّل محمد (صلعم) کو اس امر کا یقین تھا یا آپ نے اس یقین کی طرف اپنے تئیں مائل کیا تھا کہ آپ کے الہامات من اللہ ہیں۔ آپکی زندگی کے (دیکھو صفحہ ۹۰)

زیادہ گزر چکا۔ اور آپ پندرہ سال سے زیادہ عرصہ تک داعی اسلام کی حیثیت سے ایک مقدس زندگی بسر کر چکے جس پر کوئی الزام نہیں لگایا جا سکتا تو اس کے بعد آپ کے مخالف قیام مدینہ کے زمانہ میں آپ پر بیرحمی[1] اور ہوا پرستی[2] کا الزام لگاتے ہیں۔ یہ اخلاقی داغ (بر تقدیر تسلیم) پیغمبر یا ریفارمر (مصلح) کے منصب کے منافی نہیں ہیں۔ اگر کوئی پیغمبر پچپن ۵۵ سال سے بھی زیادہ عرصہ تک اعلیٰ ترین

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) زمانہ قیام مکہ میں ذاتی اغراض یا ناواجب مقاصد کا درحقیقت کوئی نشان نہیں مل سکتا، جس سے اس نتیجہ کو غلط قرار دیا جا سکے۔ مکہ میں پیغمبر (صلعم) کی وہی حیثیت تھی جس کے وہ مدعی تھے، یعنے محض ناصح یا بشیر و نذیر)۔ وہاں آپ ایک ایسی قوم کے معلم تھے جو آپ کو نفرت و حقارت سے دیکھتی تھی، آپ کی تعلیم کو قبول نہیں کرتی تھی، اور آپ کی مخالفت کرتی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی اصلاح کے سوا آپ کا کوئی اَور مقصد نہ تھا۔ ممکن ہے کہ (محمد صلعم) نے اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے صحیح وسائل بہم پہنچانے میں (معاذ اللہ) غلطی کی ہو۔ مگر اس امر میں شک و شبہ کرنے کی کافی وجہ نہیں ہے کہ آپ نے اُن وسائل کو نیک نیتی سے اور سچے مقصد کے حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا۔

مگر مدینہ میں یہ نظارہ بالکل بدل جاتا ہے۔ یہاں دنیوی حکومت و اقتدار اور ذاتی جاہ و جلال کے حاصل ہونے کا خیال پیغمبر (صلعم) کی زندگی کے مقصد اعظم (یعنی وعظ و ہدایت) کے ساتھ شامل ہو گیا۔ اور یہ دنیوی مقاصد بھی بالکل اسی وسیلہ سے طلب اور حاصل کئے گئے۔ آنحضرت م کے پولیٹیکل (سیاسی) طرز عمل کو صحیح قرار دینے کے لئے بالکل ایسے ہی آزادانہ آسمانی پیغام آنے لگے، جیسے مذہبی احکام کے لئے آتے تھے۔ خدائے قادر مطلق کی اجازت اور منظوری کے حیلے سے جنگیں کی گئیں، اگلی کے کل آدمیوں کو قتل کیا گیا اور ممالک مفتوحہ کو اپنی قلمرو میں شامل کیا گیا نہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ حقیر کاموں کو نہ صرف قابل معافی قرار دیا گیا، بلکہ خدائے تعالیٰ کی ادعائی منظوری یا حکم کے ذریعہ سے اُن کی ترغیب دی گئی۔ ایک خاص (الٰہی) فرمان پیش کیا گیا۔ جس کی رُو سے محمد (صلعم) کو دوچند تعداد ازواج کی اجازت دی گئی۔ ایک قبطی کنیز ماریہ کا قابل الزام معاملہ ایک جداگانہ صورت میں حق بجانب قرار دیا گیا۔ اور اپنے پسر متبنّیٰ اور دلی دوست کی زوجہ کو اپنے نکاح میں لانے کی خواہش ایک الہامی پیغام کا مضمون تھا۔ جس میں خدا نے پیغمبر کے تذبذب اور پس و پیش کرنے پر تنبیہ و تہدید کی ہے۔ طلاق کی اجازت دی گئی ہے اور آنحضرت م کی اُن خواہشوں کے پورا کرنے کے لئے جو شان تقدس کے خلاف تھیں، نکاح کا حکم صادر ہوا ہے"۔ (ان اتہامات اور لغو اعتراضات کے مفصل اور مدلل جوابات علمائے اسلام کی تصانیف میں موجود ہیں مصنف مرحوم نے بھی مختصر جواب دیا ہے، (مترجم) (میور صاحب کی سیرت محمدی جلد ۴ صفحہ ۳۱۷-۳۱۸ مطبوعہ ۶۰-)

[1] صفحہ ۹۹ - [2] برصفحہ ۱۰۱

اخلاقی اصول کے موافق زندگی بسر کرے اور پرہیزگاری اور اعلےٰ درجہ کی معاشرت کا ایک بے مثل و بے نظیر نمونہ پیش کرے یا بعبارت دیگر جب کہ وہ پیغام الٰہی کو وفاداری کے ساتھ پہنچائے، صداقت اور دیانت سے مذہبی اصلاح کا وعظ سنائے اور اُس کے مواعظ کی عظمت و فوقیت الٰہی صداقت کے نشانات اپنے اندر رکھتی ہو، تو اس بات کا مضایقہ نہیں کہ خاص حالتوں

لے (از صفحہ ۹۰) مگر ایک دیانت دار مورخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی شخص کی خصلت کے تاریک پہلوؤں کی بھی ایسی تصویر کھینچے۔ جیسی کہ روشن پہلوؤں کی۔ جو دشمن بروقت اطاعت قبول کرنے سے قاصر رہتے تھے اُن کے ساتھ آنحضرت ؐ کے برتاؤ میں عالی ہمتی یا تحمل کا نقشہ کہیں نظر نہیں آتا تھا۔ قریش جو جنگ بدر میں مقتول ہوئے تھے اُن کی لاشوں پر کھڑے ہو کر آپ نے وحشیانہ خوشی کے ساتھ بڑی مسرت ظاہر کی (وحشیانہ خوشی نہیں بلکہ بہت کچھ رنج ظاہر کیا ملاحظہ ہو ابن ہشام صفحہ ۴۵۴) اور متعدد قیدی جو سوائے اس جرم کے کہ آنحضرت ؐ کی نبوت میں شک رکھتے تھے اور آپ سے ملکی مخالفت رکھتے تھے اور کسی جرم کے مجرم نہ تھے، دیدہ و دانستہ آپ کے حکم سے تہ تیغ کئے گئے۔ شاہزادہ خیبر کنانہ بن ربیع کے ساتھ اول تو اس غرض سے کہ وہ قبیلہ کے خزانوں کا پتا بتائے، سخت بیرحمی کی گئی۔ بعد ازاں اس کو مع اس کے عم زاد بھائی کے اس بہانے سے کہ انہوں نے خزانوں کو چھپا دیا ہے قتل کیا گیا۔ اور اُس کی بیوی صفیہ کو فاتح کے خیمہ میں قید کر کے لائے۔ محمد (صلعم) نے مدینہ کے دو سالم یہودی قبیلوں (بنو نضیر اور بنو قینقاع) پر جلا وطنی کا حکم صادر فرمایا اور ایک تیسرے قبیلہ کی عورات و اطفال مثل اُس کے پڑوسیوں کے قیدی بنا کر وطن سے دور فروخت کئے گئے۔ اور اُن کے مرد (بنو قریظہ) جنکی تعداد کئی سو تھی آنحضرت ؐ کی آنکھوں کے سامنے سخت بے رحمی سے قتل کئے گئے۔ (اس قول کی تردید کے لئے ابن ہشام صفحہ ۶۸۴ ملاحظہ ہو)۔

محمد صلعم نے زمانہ شباب میں اپنی قوم کے لوگوں میں "امین" کا معزز لقب حاصل کیا تھا مگر بعد میں اپنے دوستوں کے حق میں خواہ کتنا ہی زیادہ راستبازی اور نیک نیتی کا برتاؤ آپ نے کیا ہو تاہم دشمنوں کے ساتھ درحقیقت دغا اور فریب کی کمی نہ تھی (كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا۔ مترجم)۔ دغا بازی کا حملہ جو بمقام نخلہ کیا گیا۔ اور یہ وہ مقام ہے کہ قریش کے ساتھ باہمی جنگ میں پہلی خونریزی یہیں ہوئی ہے۔ اگرچہ اول اول آنحضرت ؐ نے اس حملہ سے اپنی بے تعلقی ظاہر کی، کیونکہ اس میں عرب کے مقدس دستورات کی قابل نفرت خلاف ورزی کی گئی تھی مگر آخر کار ایک ادعائی الہام کے ذریعہ سے اس عمل کو حق بجانب قرار دیا گیا۔ پیغمبر ؐ نے (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۰۰)

ہیں یا عمر کے آخری زمانہ میں اس کی خصلت اخلاقی اعتبار سے سبک یا خفیف ہو جائے[۱]
اگر وہ پیغمبر اپنے عیوب یا مخالف اخلاقی افعال کی اپنے الہاموں کے ذریعہ سے
بالکل اسی طرح حمایت کرے اور اخلاق کی صریح خلاف ورزی میں وحی آسمانی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ابو بصیر قزاق (ابو بصیر قزاق نہیں بلکہ مظلوم تھا۔ ملاحظہ ہو ابن ہشام صفحہ ۷۴۳) پر ایسی نظر عنایت کی جو صلحنامہ حدیبیہ کے الفاظ اور نفس مضمون کے یقیناً برخلاف تھی وہ ناگہانی حملہ جو بہ آسانی فتح مکہ کا باعث ہوا، اگر ریاکاری سے نہیں تو حیلہ بازی سے کیا گیا تھا۔ جس بہانہ سے بنی نضیر کو محصور اور جلاوطن کیا گیا یعنی (جبریل نے بذریعہ الہام اطلاع دی تھی کہ وہ لوگ پیغمبر کی جان کے درپے ہیں) وہ کمزور تھا اور ایک راست باز انہ مقصد کی شان کے لائق نہ تھا (ابن ہشام صفحہ ۶۵۲ پر اس واقعہ کے متعلق صحیح اسباب ملاحظہ ہوں) جب افواج مشرکین نے مدینہ کا محاصرہ کیا تو محمد (صلعم) کو ایک دغا باز آدمی مسمی بہ نعیم بن مسعود (ہشامی صفحہ ۶۸۰) کی خدمات مطلوب ہوئیں اور اُس کو اس غرض سے مقرر کیا گیا کہ جھوٹی اور فریب آمیز خبروں سے دشمنوں میں نااتفاقی پیدا کرے کیونکہ آپ نے کہا تھا کہ "جنگ سوائے دھوکے کے کھیل کے اور کیا ہے (اَلْحَرْبُ خُدْعَۃٌ)" زمانہ پیغمبری میں آپ کی پولیٹیکل اور شخصی اغراض، الہامات الٰہی کے مشہور و معروف حیلے سے حاصل ہوتی تھیں اور اگر راستی سے اُن الہامات کی تنقید کی جاتی تو آنحضرت کو معلوم ہو جاتا کہ یہ آپ کی ذاتی خواہشوں کا عکس ہے وبس۔ اول اول تو یہودی اور عیسائی مذہب کو دیانت داری سے اپنے مذہب (اسلام) کی بنیاد قرار دیا گیا۔ مگر جب کہ ان دونو مذہبوں کے ذریعہ سے ایک قوی اقتدار قائم کرنیکا مقصد پورا ہو گیا اُسی وقت اُن سے بے اعتنائی کی گئی، گو اُن سے بے تعلقی کا ظہور نہیں کیا گیا اور سب سے بدتر یہ بات ہے کہ ملکی اور مذہبی مخالفوں کا بزدلانہ قتل جس میں بے رحمی اور بیوفائی سے خود آنحضرت نے مدد دی یا اُس کا حکم دیا۔ آپ کی خصلت پر ایک سیاہ داغ ہے جو مٹ نہیں سکتا[۱]" (امیور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۳۰۷-۳۰۹)۔ (دیکھو صفحہ ۱۰۱)۔

(حاشیہ متعلقہ حاشیہ) ہم نے ان ہفوات کا بمصداق "نقل کفر کفر نباشد" جوں کا توں ترجمہ کر دیا ہے تاکہ مسلمانوں کو عبرت حاصل ہو۔ اس قسم کے تمام لغو اعتراضات اور جھوٹے اتہامات کا جواب مصنف مرحوم نے نہایت معقولیت، تہذیب و متانت اور تحقیق کے ساتھ دیا ہے، ناظرین مقدمہ کتاب اور اصل کتاب میں اُن مقامات کا مطالعہ کریں۔ علماے اسلام کو لازم ہے کہ شیوۂ عزلت و رہبانیت کو ترک کر کے دنیا کی حالات سے واقفیت پیدا کریں اور جزوی اختلافات اور باہمی خانہ جنگیوں کو چھوڑ کر حمایت اسلام پر کمربستہ ہو جائیں۔
اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ (مترجم)

حاشیہ صفحہ ہذا[۱] مصنف کا یہ بیان حسب مذاق عیسائیان ہے۔ اور اس کے عقیدہ کو تسلیم کر کے جواب دیا گیا ہے (مترجم)

پیش کرکے اپنے آپ کو بالکل اسی طرح حق بجانب قرار دے۔ جس طرح وہ خالص تر مسائل الٰہیات اور اعلیٰ تر اصول اخلاق کی تعلیم کے وقت کرتا ہے۔ جس تعلیم کے لئے وہ منجانب اللہ مامور ہوتا ہے اُس وقت اور اسی وقت سے ہم اس کو ریاکار کہیں گے اور اپنی عیش پرستی کی غرض سے خدا کے نام پر جھوٹ بنانے کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) "اس کتاب کے پڑھنے والے کو معلوم ہو جائیگا کہ بُت پرستی کا چراغ گُل کرنے اور دنیا میں مذہب اور نیکی کو ترقی دینے کی سرگرم خواہش کے ساتھ ساتھ پیغمبر (صلعم) کے دل میں نفس پرستی کا انہماک پیدا ہو گیا تھا، یہاں تک کہ آخرکار اپنے آپ کو محبوب الٰہی قرار دیکر اخلاق کی صریح خلاف ورزی میں الہامات الٰہی کے ذریعہ سے اپنے تئیں حق بجانب سمجھا۔ وہ اس بات پر بھی غور کریگا کہ محمد (صلعم) کی طبیعت جہاں اس قدر مہربان اور نرم واقع ہوئی تھی کہ آپ (بوجہ رقت قلب کے) رونے والوں کے ساتھ خود رونے لگتے تھے۔ اور اپنے اصحاب کے ساتھ دوستی و محبت میں بلا تامل ایثار کو کام فرماکر آپ نے اُن کے دلوں کو تسخیر کر لیا تھا۔ وہاں بے رحمی اور دغابازی سے مخالفوں کے قتل ہونے پر آپ خوشی کا اظہار بھی کر سکتے تھے، ایک سالم قبیلے کے قتل ہو جانے کو بنظر شوق ملاحظہ کر سکتے تھے اور بیگناہ شیرخوار بچے کو دوزخ کی آگ میں بیرحمی سے ڈال سکتے تھے" (کذب محض اور بہتان صریح (مترجم))
(میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۳۲۲ - ۳۲۳)۔

ــہ۲ (حاشیہ صفحہ ۹۰) معاشرت خانہ داری میں بجز ایک امر اہم کے آنحضرتؐ کی روش قابل تقلید تھی بحیثیت ایک خاوند کے آپ کی محبت اور جاں نثاری بدرجہ کمال تھی، مگر بعض اوقات حسد کے آگ بھڑک پہنچ جاتی تھی۔ بحیثیت ایک والد کے آپ محب اور شفیق تھے۔ کہا جاتا ہے کہ زمانہ شباب میں آپ نے نیکی اور پارسائی کی زندگی بسر کی۔ ۲۵ سال کی عمر میں آپ نے ایک چالیس سال کی بیوہ سے نکاح کیا۔ اور ۲۵ سال تک آپ صرف اُسی ایک زوجہ کے وفادار شوہر رہے۔ تاہم یہ عجیب بات ہے کہ قرآن مجید کی جن سورتوں میں حوریان سیہ چشم کا، جو مومنوں کے لئے فردوس میں رکھی گئی ہیں دلکش طرز سے نقشہ کھینچا گیا ہے، اُن میں اکثر اسی زمانہ میں ترتیب دی گئی ہیں۔ خدیجہؓ کے انتقال سے تھوڑے عرصہ بعد پیغمبرؐ نے دوسرا نکاح کیا، مگر جب آپ چوّن برس کی پختہ عمر کو پہنچ گئے اُس وقت آپ نے (اُم المومنین) سوؓدہ کی موجودگی میں عائشہ سے جو ابھی بچی تھی نکاح کرکے کثرت ازدواج کی خوفناک آزمایش شروع کی۔ ازدواج کی قدرتی حدود سے ایک دفعہ تجاوز کرنے کے بعد آنحضرتؐ اُس قوی جذبہ سے بآسانی مغلوب ہو گئے جو عورات کے لئے آپ کے دل میں تھا چھپّن سال کی عمر میں آپ نے حفصہ سے اور اگلے سال ۱۲ ماہ میں یکے بعد دیگرے زینب بنت خزیمہ اور ام سلمہ سے نکاح کیا۔ مگر آپ کی (دیکھو صفحہ ۹۴)

بابت ہم اس کو بڑے کفر کا مرتکب سمجھیں گے۔

مگر اول تو آنحضرت ؐ کی اخیر عمر کے چھ سات سال کے زمانہ میں سے صرف تین سال کا زمانہ ایسا ہے جس میں مخالفین بعض واقعات پر اپنی غلط فہمی سے بیرحمی اور ہوا پرستی کے الزامات لگاتے ہیں۔ باقی ماندہ زمانہ کی بابت کوئی الزامات لگائے جائیں تو وہ سراسر لغو اور جھوٹے ہیں۔ دوسرے اگر بالفرض ان کا وقوع میں آنا (بزعم معترض) ثابت ہو بھی سکے تو یہ تو ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا۔ کہ ان ادعائی بے رحمیوں یا صریح مخالفِ اخلاق افعال کی بابت آنحضرت ؐ نے اپنے آپ کو حق بجانب قرار دیا ہو۔ اور یہ کہا ہو کہ ان پر عمل کرنے کے لئے مجھے خدا نے حکم یا منظوری دیدی ہے۔ قتل کے الزامات اور اسیرانِ جنگ وغیرہ کے ساتھ بیرحمیاں اور مکر و دغا کے ادعائی الزامات جو سر ولیم میور نے شمار کئے ہیں، اُن کی میں نے تحقیق کی ہے، اور اصل کتاب (تحقیق الجہاد) میں اُن کا ابطال کیا ہے۔ دیکھو فقرات ۴۴-۵۴-۵۷-

۷۶۔ چونکہ ماریہ قبطیہ اور زینب کے حالات براہ راست اس کتاب کے مقصد میں شامل نہیں ہو سکتے۔ اس لئے میں نے ضمیمہ میں جداگانہ ان سے بحث کی ہے۔*

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) خواہشیں ازواج کی اس تعداد سے پوری نہ ہوئیں، جو اس تعداد سے جسکی اجازت آپ کے پیروؤں کو تھی، پہلے ہی زیادہ تھی بلکہ جوں جوں آپ کی عمر بڑھتی گئی جدید اور مختلف نکاحوں کی خواہشوں میں ترقی ہوتی رہی۔ زینب اور ام سلمہ سے نکاح کرنے کے چند ماہ بعد اتفاقاً ایک اور زینب کا حسن پیغمبر ؐ کی تعریف و تحسین کرنے والی نگاہ کے سامنے بے پردہ آشکارا ہو گیا۔ یہ عورت زید کی زوجہ تھی۔ جو آپ کا متبنّٰی بیٹا اور گہرا دوست تھا مگر آپ اُس شعلہ کو جو اس نے آپ کے سینہ میں مشتعل کر دیا تھا فرو نہ کر سکے (معاذ اللہ) اور حکم الٰہی سے آپ نے اُس کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ اسی سال آپ نے ایک ساتویں زوجہ اور نیز ایک کنیز سے عقد کیا۔ اور آخر کار جب آپ کی عمر پورے ساٹھ سال کی ہوئی، اس وقت سات مہینے کے عرصہ میں علاوہ کنیز ماریہ قبطیہ کے کم از کم تین جدید ازواج کا آپ کے حرم میں جو پہلے ہی اچھی طرح بھرا ہوا تھا اضافہ ہوا۔"
(میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۳۰۹-۳۱۰)۔

سر ولیم میور نے تو یہ بیان نہیں کیا کہ آنحضرت ؐ نے اپنے دشمنوں کے ساتھ بیرحمیاں کرنے میں جن کا میور صاحب کو دعویٰ ہے، خدا کی طرف کسی خاص الہام یا منظوری حاصل کر کے اپنے تئیں حق بجانب قرار دیا، تاہم ریورنڈ مسٹر ہیوز جن کی کتاب کی بابت کہا گیا ہے کہ اس میں ایک بیمثل خوبی یہ ہے کہ وہ صحیح ہے۔[1] کہتے ہیں کہ آنحضرت ؐ نے قرآن میں خدا کا حکم حاصل کر کے ایسا کیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں :-

"پیغمبر عرب کے سب سے بڑے حامی بھی اس امر کے تسلیم کرنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ "زینب اور ماریہ قبطیہ کا معاملہ آپ کے نام پر ایک ایسا داغ ہے جو "مٹ نہیں سکتا، آپ ایک دو مرتبہ اپنی بہترین فطرت پر جس کا میلان عفو اور مہربانی "کی طرف تھا قائم نہ رہے۔ اپنے ذاتی دشمنوں کو سزا دینے میں ایک دو مرتبہ بیرحمی کا "اظہار کیا۔ آپ سے (نعوذ باللہ) یہ بھی غلطی ہوئی کہ کئی مرتبہ اپنے شدید دشمنوں "کے قتل پر بے پروائی ظاہر کی مگر کوئی قابل اطمینان توجیہ یا تائید اس امر کی بابت "نہیں کہہ سکتے کہ یہ تمام کام قرآن میں فرضی منظوری لینے کے بعد عمل میں لائے گئے تھے۔"[2]

یہ ہے "بے مثل صحت" مسٹر ہیوز کی کتاب کی یہاں میرے لئے اس بات کا اعادہ غیر ضروری ہے کہ ان میں سے کوئی بیان نہ تو صحیح ہے اور نہ امر واقعہ ہے، اور نہ آنحضرت ؐ نے کسی امر کی بابت یہ دعوے کیا کہ قرآن میں خدائے تعالیٰ کی منظوری سے میں نے اُس پر عمل کیا ہے۔

آنحضرت ؐ کی خصلت کی بابت ریورنڈ مارکس ڈاڈس لکھتے ہیں :-

---

[1] دیکھو کتاب محمد و دین محمدی از مسٹر آر باسورتھ اسمتھ ایم۔ اے اسسٹنٹ ماسٹر ہیرو سکول۔"

[2] "دین محمدی پر نوٹ (یادداشتیں)" از ریورنڈ ٹی۔ پی۔ ہیوز مشنری افغانان پشاور طبع دوم صفحہ ۲ مطبوعہ لندن ۱۸۷۷ء۔

" یہ معاملہ آپ کی کثرت ازدواج کی وجہ سے پیچیدہ نہیں ہوا اور نہ آپ کی گاہ گاہ ہوا
" پرستی کی وجہ سے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ سے کوئی ناپسندیدہ فعل (نعوذ
" باللہ) سرزد ہوا تو آپ نے اپنے ادعائی الہامات سے جواب قرآن کے اندر بہ حیثیت
" جزوِ قرآن مندرج ہیں، اپنے چال چلن کی حمایت کی۔ جب آنحضرت ؐ کی ازواج نے
" آپ کی بیقاعدگیوں پر واجبی شکایت کی تو آپ نے اس الہام کے ذریعہ سے کہ خدا نے
" مجھے متعدد نکاحوں کی رخصت دی ہے انہیں خاموش کر دیا۔ حالانکہ خود ہی اُس کو
" ناجائز قرار دے کر ممانعت کر چکے تھے۔ جب آپ نے ایک عورت سے جو آپ ہی
" کے قانون کی رُو سے آپ پر حرام تھی عقد نکاح کا ارادہ کیا تو ایک الہامی اجازت
" حاصل ہو گئی، جس سے آپ کو اس خلاف ورزی کی ترغیب ہوئی"[۵۱]

یہ دو نو ادعائی مثالیں جو اوپر بیان کی گئی ہیں، بالکل جھوٹ اور بناوٹ ہیں۔ کوئی ایسا الہام نہیں ہوا جس نے آنحضرت ؐ کو نکاحوں کے بارہ میں ایسی رخصت دی ہو جس کو خود آپ نے ناجائز قرار دیکر ممانعت کی ہو اور نہ کوئی ایسی اجازت بھی پیش کی گئی جس سے آپ نے کسی ایسے عقد کو جو آپ ہی کے قانون کی رُو سے ممنوع تھا جائز قرار دیا ہو۔ اس مضمون پر میں نے اپنی کتاب "محمد دی ٹروپرافٹ" (محمد نبی صادق) میں مفصل بحث کی ہے اور ناظرین کو اسی کتاب کا حوالہ دیا جاتا ہے[۵۲]۔ آنحضرت ؐ کے ازواج کے متعلق چند آیتوں

---

[۵۱] "محمد بدھ اور مسیح" از مارکس ڈاڈس ڈی۔ ڈی۔ صفحات ۲۴۔ ۲۵۔

[۵۲] دیکھو صفحات ۸۸ لغایت ۱۱۔ یہ کتاب ایجوکیشن سوسائٹی کے مطبع واقع بائیکلا بمبئی میں زیر طبع ہے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ پہلی مثال میں سورۂ احزاب ۳۳۔ آیت ۵۱۔ ڈاکٹر مارکس ڈاڈس کے پیش نظر تھی اس آیت میں آنحضرت ؐ کو ہرگز ان نکاحوں کی اجازت نہیں دی گئی، جن کو خود آپ نے ناجائز قرار دیا تھا تعدد ازدواج کو موقوف کرنے اور لوگوں کو ازدواج واحد کا عادی بنانے کے لئے آنحضرت ؐ نے غیر محدود کثرت ازدواج کو جس کا عرب میں رواج تھا محدود کرنے کے وقت ایک سخت شرط یہ لگا دی تھی کہ اپنی ازواج کے ساتھ اگر ان کی تعداد ایک سے زیادہ ہو" عدل" کا برتاؤ کریں۔ باعتبار ہر (دیکھو صفحہ ۹۷)

میں یورپین مصنفوں کو جنہوں نے اس مضمون پر لکھا ہے، بڑی غلط فہمی ہوئی ہے اور ڈاکٹر مارکس ڈاڈس بھی اس عام غلط خیال میں شریک ہیں۔ جب کہ وہ یہہ کہتے ہیں :-

"آنحضرتؐ نے اپنے عہدۂ نبوت سے زیادہ تر اس طرح کام لیا گویا آپ کو اس آزادی
"کا حق حاصل ہو گیا ہے جس سے معمولی آدمیوں کو روکا گیا تھا۔ اپنے معتقدوں کے لئے
"تو چار عورتوں کی حد لگا دی، مگر اپنے لئے یہ آزادی قائم رکھی کہ جسقدر عورتوں سے
"چاہیں نکاح کر لیں" صفحہ ۲۳

یہ بیان اصل واقعہ کی سرتاپا غلط تعبیر ہے۔ آنحضرتؐ نے ہرگز اپنے لئے یہ آزادی نہیں رکھی کہ جتنی عورتوں سے چاہیں نکاح کر لیں۔ برعکس اس کے سُورۂ احزاب ۳۳۔ آیت ۵۲ میں آپ کے لئے اُن عورتوں کے سوا جو پہلے سے آپ کے عقد میں تھیں، تمام عورتیں حرام کی گئی ہیں اور اُن میں سے بعض یا کل کے انتقال کی صورت میں بھی آپ کو نکاح کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نے عہدۂ نبوت سے زیادہ تر اس طرح کام لیا کہ جس رخصت سے عام لوگوں کو متمتع ہونا جائز تھا، وہ خود آپ کے لئے مزاحمت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مفہوم کے جو اس لفظ میں داخل ہے۔ یعنے معاشرت کی آسائش، محبت اور انتظام خانہ داری (دیکھو سورۂ نساء ۴۔ آیت ۳)۔ جب اس تجربے سے اہل عرب میں ازدواج واحد کا میلان پیدا ہو گیا اُس وقت یہ اعلان کر دیا گیا کہ متعدد ازواج کے ساتھ بہمہ وجوہ عدل کا برتاؤ کرنا عملاً محال ہے (دیکھو سورۂ نساء ۴۔ آیت ۱۲۸) اور حکم مذکورہ بالا کے نافذ ہونے سے پہلے ہی جن لوگوں کے پاس متعدد ازواج تھیں اُن کو اس شرط کی پابندی سے بری کر دیا گیا جو سورۂ نساء ۴۔ آیت ۳ میں مقرر کی گئی تھی مگر اُسوقت کی موجودہ ازواج کی بابت اُن کو یہ حکم دیا گیا کہ کسی ایک زوجہ کی طرف سے بالکل غافل اور بے پروا نہ ہو جانا۔ علےٰ ہذا القیاس آنحضرتؐ کو بھی سورۂ احزاب ۳۳۔ آیت ۵۱ میں اس شرط سے سبکدوش کیا گیا۔ بغیر اس کے کہ "آپ کو نکاحوں کے بارہ میں ایسی رخصت دی گئی ہو جس کو خود آپ نے ناجائز قرار دیا تھا" میرا قیاس یہ ہے کہ دوسری مثال زینب کی بابت ہے۔ جب زید نے زینب کو طلاق دیدی تو آپکے قانون کے مطابق اُس سے نکاح کرنا آپ کے لئے ممنوع نہ تھا۔

ہو گئی۔ دیگر مسلمانوں سے زیادہ اگر کوئی حق آپ کو حاصل تھا (سورۂ احزاب ۳۳ آیت ۴۹) تو وہ یہ نہیں تھا کہ آپ نے "اپنے لئے یہ آزادی رکھی کہ جتنی عورتوں سے چاہیں نکاح کر لیں"، بلکہ یہ تھا کہ جو عورتیں پہلے سے آپ کے نکاح میں تھیں اور جن کی تعداد چار سے زیادہ تھی۔ اور یہ تعداد سورۂ نساء ۴۔ آیت ۳ کی رُو سے مقرر کی گئی ہے۔ اُن عورتوں کو اپنی زوجیت میں رکھیں۔ دیگر مسلمان مثلاً قیس بن عیلان نوفل جن کے پاس چار سے زیادہ عورتیں تھیں اُن سے یہ خواہش کی گئی کہ جو حد پہلے پہل مقرر کی گئی ہے اس سے جس قدر زیادہ عورتیں ہوں اُن کو اپنے سے جدا کر دیں۔ یہ حکم اس وقت دیا گیا تھا جبکہ کثرت ازدواج کو درحقیقت موقوف کیا گیا تھا، یعنے سورۂ نساء ۴ کی آیت ۳۔ اور آیت ۱۲۸ کے نازل ہونے کے درمیانی زمانہ میں + اگر آنحضرت ﷺ نے اُن عورتوں کو جو سورہ نساء ۴۔ آیت ۳ کے نازل ہونے سے پہلے باقاعدہ طور پر آپ کے عقد نکاح میں آچکی تھیں، اپنی زوجیت میں رہنے دیا، تو اس میں نہ تو نقص اخلاق ہی ہے اور نہ کوئی ہوا پرستی کی بات ہے۔ یہ حق جو سُورۂ احزاب ۳۳۔ آیت ۴۹ کی رو سے حاصل تھا، اُس کے مقابلہ میں سُورہ مذکورہ کی آیت ۵۲ موجود ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں :۔

۵۲۔ لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ ۝

(الاحزاب ۳۳۔ آیت ۵۲)۔

۵۲۔ "(اے پیغمبر!) اس کے بعد سے تم کو دوسری عورتیں حلال نہیں ہیں اور نہ یہ بات جائز ہے کہ اُن کو بدل کر دوسری عورتوں سے نکاح کرو گو اُن کا حُسن تم کو اچھا لگے۔ اُن عورتوں کے سوا جو پہلے سے تمہارے قبضہ میں ہیں"۔ (الاحزاب ۳۳۔ آیت ۵۲)۔

جس غلط بیانی میں دیگر یوروپین مصنفین مبتلا ہیں، اسی میں مسٹر سٹینلے

لے ۱ دیکھو صفحہ ۹۹ کتاب ہذا)۔

لین پول بھی مبتلا ہیں، جب کہ وہ یہ لکھتے ہیں :-

" پیغمبر اسلام نے اپنے پیروؤں کے لئے صرف چار عورتوں کی اجازت دی، مگر
" خود بارہ[۱۲] سے زیادہ عورتوں سے نکاح کیا۔"

وہی مصنف لکھتا ہے :-

" مگر جب یہ تمام باتیں کہی جا چکی ہیں اور یہ بھی ظاہر کیا جا چکا ہے کہ محمد (صلعم) اغراض
" ہوا پرست نہ تھے۔ جیسا کہ بعض لوگوں نے آپ کو سمجھا ہے اور یہ بھی معلوم ہو چکا
" ہے کہ آپ کا قانونِ ازدواج سے انحراف کرنا ممکن ہے کہ ایسے اغراض پر مبنی ہو جو
" عام ہوا پرستی کے لحاظ سے نہیں بلکہ آپ کے نقطۂ خیال سے معقول اور واجبی ہوں۔"
" کیا جب محمد (صلعم) نے اس امر کا اعلان کیا تھا کہ " مجھے زیادہ عورتوں سے نکاح
" کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔" اس وقت بھی آپ کو اس بات کا کہ " میں خدا کا کلام
" بیان کر رہا ہوں" ایسا ہی یقین تھا جیسا اُس وقت تھا جب کہ آپ نے " لا الٰہ
" الا اللہ" کی منادی کی تھی۔"[۱]

آنحضرت صلعم نے اپنے قانون ازدواج کی خلاف ورزی نہیں کی اور نہ کبھی اس بات کا دعوے کیا کہ مجھے بہ نسبت دوسرے لوگوں کے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت مل گئی ہے۔ آپ کے تمام نکاح (جن کی تعداد غلطی سے بارہ[۱۲] کے قریب سمجھی گئی ہے) اُس قانون ازدواج کے اعلان سے

(حاشیہ صفحہ ۹۸ کتاب ہذا) :- مسٹر اوسبورن لکھتے ہیں :- پیغمبر (آنحضرت صلعم) ایک ایسے بلند پایہ شخص ہو گزرے تھے کہ اسلامی اخلاق کی ڈھیلی ڈھالی قبا بھی اُن کے لئے نہایت ہی تنگ لباس ہو گیا تھا۔ دیگر مسلمانوں سے بڑھ کر آپ کو ایک خاص حق عطا کیا گیا تھا۔ آپ اپنی ازواج کی تعداد کو بے حد بڑھانے کے مجاز تھے آپ حد ممنوع کے اندر نکاح کر سکتے تھے اور آپ نے ایسا کیا بھی۔" ("اسلام زیر حکومت عرب"۔ از۔ آر ڈی۔ اوسبورن مطبوعہ لندن ۱۸۷۶ء صفحہ ۹۱)

[۱] " سٹڈیز اِن اے ماسک " (تعلیم ایک مسجد میں) از ایس۔ ایل۔ پول صفحہ ۷۷ و ۸۰ مطبوعہ لندن ۱۸۸۰ء۔

پہلے منعقد ہوئے تھے، جس کی نسبت ناواجب طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ آپ نے اس کے خلاف کیا۔ قانون مذکور کی اشاعت کے بعد آپ نے اِن عورتوں کو جن کی تعداد چار سے زیادہ تھی اپنی زوجیت میں رکھا، مگر اُن کے انتقال یا طلاق کی صورت میں اُن کی جگہ دوسری عورتوں سے نکاح کرنے کی آپ کو ممانعت کی گئی تھی۔ جب یہ قانون شائع ہوگیا تو اس کے بعد دیگر مسلمانوں کو یہ ہدایت کی گئی کہ چار سے زیادہ جسقدر عورتیں اُن کے پاس ہوں اُن کو طلاق دیدیں، مگر مسلمانوں کو یہ آزادی تھی کہ اگر اُن کی عورتوں میں سے کسی کا انتقال ہوجائے یا اُس کو طلاق دیدی جائے تو حد معیّن کے اندر اُن کی جگہ دوسری عورتوں سے نکاح کرسکتے تھے۔ آنحضرتؐ کا فعل نہ تو خلاف اخلاق تھا اور نہ اُس میں ہوا پرستی کی آزادی پائی جاتی تھی۔ یہ آپ کی کمال دانشمندی تھی کہ سورہ نساء ۴۔ آیت ۳ کے عملدرآمد سے پہلے جن عورتوں سے آپ نکاح کرچکے تھے اُن سب کو آپ نے اپنی زوجیت میں رہنے دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جن عورتوں کو آپ اس طرح طلاق دیدیتے ممکن تھا کہ وہ بعض کفار سے بلکہ آپ کے بعض دشمنوں سے بھی نکاح کرلیتیں، اور یہ امر معاصرین کی نظروں میں پیغمبر (صلعم) کے لئے موجب سُبکی اور آپ کے دشمنوں کے لئے باعث مضحکہ ہوتا۔

تعلیم محمدی پر مخالفین کے اعتراضات۔

۳۷۔ آنحضرتؐ کی تعلیم کے متعلق مخالفین اسلام نے ان پانچ باتوں پر بڑا زور دیا ہے:۔

آنحضرتؐ کی تمدنی اصلاحوں کا قائم اور کامل ہونا۔

(۱) اگرچہ عرب کی پست اور ذلیل حالت کے لحاظ سے آنحضرتؐ کی اصلاحیں بڑی قابل قدر تھیں اور انہوں نے اُن وحشیانہ بُرائیوں کو جو جہالت اور وحشت کے ساتھ لگی رہتی ہیں کامیابی کے ساتھ دفع کیا، تاہم ایک ناممکل ضابطۂ اخلاق کو نیکی و بدی کا مستقل

معیار اور خاتم اور ناقابل تنسیخ قانون بنا دیا گیا ہے اور یہ امر کسی قوم کی نئی زندگی اور ترقی میں ایک ناقابل عبور سد راہ ہے۔ اس بات پر بھی زور دیا گیا ہے کہ آنحضرتؐ کی اصلاحیں آپ ہی کے زمانہ اور ملک کے لئے مفید اور عمدہ تھیں، مگر اُن کو قطعی اور خاتم قرار دیکر آئندہ ترقی کو روک دیا اور ادھورے اصول کو مقدس اور کامل بنا دیا گیا۔ جو قانون عربوں کے لئے بندش کا کام دیتا تھا، وہی دوسروں کے لئے بے قید آزادی کا حکم رکھتا ہے[1]

(۲) اسلام اصول سے بحث کرنے کی بجائے زیادہ تر قطعی احکام (اوامر) سے بحث کرتا ہے[2]۔ اور اوامر کا ایک معین دستور العمل جس میں ذرا ذرا سی تفصیلی باتوں، یعنے ظاہری عبادت اور زندگی کے اخلاقی و تمدنی تعلقات کی بابت ہدایات دی گئی ہوں، اُس میں یہ خطرہ ہے کہ مبادا جب وہ حالات جو اُن اوامر کو جائز قرار دیتے تھے بدل جائیں اور معدوم ہو جائیں اُس وقت بھی وہی دستور العمل لوگوں کے دلوں پر نہایت مضبوط گرفت قائم رکھے، اور اسی لئے جو لوگ پہلے ہی اعلےٰ قسم کا تمدن رکھتے ہیں اور خالص تر ایمان کے اصول پر کاربند ہیں اُن پر ایسے دستور العمل کی پابندی کا بار ڈالنا جو وحشیوں ہی کے مناسب حال ہو، برکت نہیں بلکہ آفت ہے یہ نہیں، اس سے

قطعی احکام یا اوامر

---

[1] دیکھو "اسلام اور اس کا بانی" از جے۔ ڈبلیو۔ ایچ اسٹابرٹ بی۔ اے صفحہ ۲۲۹ مطبوعہ لندن ۱۸۷۶ء اور کتاب "محمد، بدھ اور مسیح" از مارکس ڈاڈس۔ ڈی۔ ڈی صفحات ۱۲۲-۱۲۳ مطبوعہ لندن ۱۸۷۷ء۔ میجر اوسبورن لکھتے ہیں:- "مگر اس سیاسی نظام کو جو ان ناتراشیدہ اصول پر قائم کیا گیا تھا، خاتم اور مکمل کا لقب دیا گیا تھا۔ اطاعت پر زور دینے اور جوشِ مخالفت کو دور کرنے کی غرض سے محمد (صلعم) نے یہ دعوےٰ کر دیا کہ یہ دستور العمل حتےٰ کہ اُس کی ذرا ذرا سی باتیں قانون الٰہی ہیں"۔

(اسلام زیر حکومت عرب صفحات ۴۵-۴۶)

[2] دیکھو کتاب "دین اسلام" انڈیورنڈ ایڈورڈ سیل صفحہ ۷ مطبوعہ لندن ۱۸۸۰ء۔

بھی بڑھ کر خرابی یہ ہے کہ جو مذہبی دستور العمل لوگوں کے لیے اُس وقت اچھا تھا جبکہ وہ وحشیانہ حالت میں تھے وہ اُنہی لوگوں کے لیے اس وقت قطعی مضر ہو سکتا ہے جب کہ وہ اُس کے اثر سے وحشی پن سے نکل کر تمدن کی اعلیٰ حالت میں داخل ہونے لگیں[1]۔

شریعت کی ظاہری رسوم

(۳) اسلام میں مذہبی رسوم و آداب کی ٹھیک ٹھیک پابندی کے ساتھ ہی خدا کا انعام اور صلہ وابستہ سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی عبادت میں "تکلف اور بے اعتنائی"۔ "ظاہری احتیاط اور واقعی بے اعتقادی" پہلو بہ پہلو ترقی کرتی ہیں۔ نماز کے قیام و قعود میں نہایت ہی خفیف سی تبدیلی یا رکوع و سجود کا ذرا بے موقع ہو جانا بہ نسبت علانیہ فسق و فجور اور قطعی غفلت کے سخت تر قابل ملامت سمجھا جاتا ہے[2]۔

قرآن کا علمی اخلاق

(۴) اسلام نے اخلاق پر اصولی حیثیت سے نہیں بلکہ عملی حیثیت سے نظر کی ہے۔ قرآن گناہ اور نیکی سے بہ حیثیت مجموعی بحث کرنے کی

---

[1] دیکھو "مسیحیت اور اسلام، بائبل اور قرآن" از ریورنڈ ڈبلیو آر۔ ڈبلیو اسٹیفنز صفحات ۹۵-۱۳۱۔ مطبوعہ لندن ۱۸۷۷ء

[2] دیکھو کتاب "اسلام اور اُس کا بانی" از جے۔ ڈبلیو۔ ایچ اسٹابرٹ بی۔اے صفحہ ۲۳۷۔ اور اسٹیفنز کی کتاب "مسیحیت اور اسلام"۔

میجر اوسبورن لکھتے ہیں:۔ "مسلمان پیدا ہوتے ہی ایک ایسے نظام مذہب کا ممبر (رکن) ہو جاتا ہے جس میں اُس کی زندگی کا ہر ایک کام ایک دقیق رسم کا محکوم ہوتا ہے۔ وہ نہایت سخت دستورات کے دائرہ میں چاروں طرف سے محصور رہتا ہے"۔ (اسلام زیر حکومت خلفائے بغداد صفحہ ۸، ۹)

وہی مصنف فٹ نوٹ میں صفحہ ۹، پر یہ بھی لکھتا ہے:۔

"مثلاً اگر نمازی کے جسم پر کوئی ایسی شے لگی ہو جو شرعاً ناپاک سمجھی جاتی ہے تو اُسکی نماز بالکل بیکار ہے۔ اگرچہ وہ اس نجاست کے وجود سے بے خبر ہی کیوں نہ ہو۔ نیز نماز باطل اور رائگان ہے تاوقتیکہ نماز گزار زن و مرد خاص طور کے مجوزہ لباس میں ملبوس نہ ہوں"۔

بہ نسبت فرداً فرداً اور ناکمل طور پر ان سے بحث کرتا ہے۔ وہ اصول کی بہ نسبت افعال سے۔ نیت کی بہ نسبت ظاہری عمل سے وعظ و ترغیب کی بہ نسبت اوامر و احکام سے زیادہ تر بحث کرتا ہے۔ اسلام بہ حیثیت مجموعی گناہ کی بُرائی اور نفرت کو انسان کے سامنے پیش نہیں کرتا[۱]

(۵) اسلام ساکن اور ایک حالت پر قائم ہے۔ قرآن کی سخت بندشوں میں جکڑ بند ہونے کی وجہ سے اسلام میں بھی دین عیسوی کی مانند[۲] یہ قوت نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو زمانہ اور مقام کی تغیر پذیر حالتوں کے موافق بنا سکے، اور اگر بذات خود انسانی ترقی اور قومی سربلندی کا رہنما اور ہادی نہ ہو تو قدم بہ قدم اُن کے

قرآن کا گرد و پیش کے حالات سے مناسبت نہ رکھنا۔

---

[۱] دیکھو "مسیحیت اور اسلام" از ڈبلیو۔ آر۔ ڈبلیو۔ سٹیفنز صفحات ۱۲۲-۱۲۳۔
میجر اوسبورن لکھتے ہیں:۔ "وہ پیغمبر اسلام (صلعم) کو کسی ایسی مذہبی زندگی کا علم نہ تھا جس میں "ظاہری رسوم بہ نسبت باطنی حالت کے زیادہ تر اہم نہ سمجھے گئے ہوں۔ لہٰذا آپ نے یہی وصف اسلام کو بھی عطا کیا یہی وجہ ہے کہ قرآن (مجید) میں اخلاق کا سلسلہ بتدریج نہیں ہے۔ تمام احکام خدا کی مرضی سے صادر ہوتے ہیں اور یکساں تہدید و تاکید سے اُن سب کی تعمیل کا زور ڈالا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص تمتنی زندگی کے لئے نہایت ہی حقیر اور ادنےٰ باتوں کی تعمیل سے قاصر رہے تو وہ اُنہی خوفناک سزاؤں کا مستوجب ہے جن کا مستحق بُت پرستی اور کفر کا مرتکب ہوتا ہے"۔ (دیکھو کتاب اسلام زیر حکومت خلفاء صفحہ ۵)
یہی مصنف آگے چل کر کہتا ہے:۔ "یہ روایات اپنی مذہبی صورت میں اُس عجیب پریشانی خیال کی وجہ سے قابل غور ہیں، جس کے باعث پیغمبر اسلام نے سنگین[۱] اخلاقی جرائم۔ اخراجات[۱] میں اسراف و تبذیر، اور ہر اسم مذہبی کی پابندی میں اتفاقیہ غفلت، ان سب فرو گذاشتوں کو ایک سطح (درجہ) پر رکھا ہے۔ گناہ کو سراسر ظاہری نجاست سمجھا گیا ہے، جو کسی قسم کا تاوان (کفارہ) ادا کرنے سے محو ہو جاتا ہے" (دیکھو کتاب مذکور کا صفحہ ۶۲)

[۲] "معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصنف بعض اوقات ایسی بات لکھ جاتا ہے، جو یقیناً اس کی مراد نہیں ہوتی، مثلاً اسباب تنزل اسلام کا نہایت عمدہ خلاصہ بیان کرتے کرتے وہ یہ فقرہ بھی لکھ جاتا ہے، "قرآن کی سخت بندشوں میں جکڑ بند ہونے کی وجہ سے اسلام میں بھی دین عیسوی کی مانند یہ قوت نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو زمانہ اور مقام کی تغیر پذیر حالتوں کے موافق بنا سکے" (سیٹرڈے ریویو۔ بابت جون سنہ ۱۸۸۳ء)۔

ساتھ تو رہے۔ اسلامی جماعت میں رُوحانی اور دُنیوی امور کو ملا جُلا کر ایسا گڈمڈ کیا ہے کہ اُن کے علیحدہ ہونے کی اُمید نہیں، اسلام میں کوئی ایسا نظام جو آزادانہ آئین حکومت کے لگ بھگ ہو، نظر نہیں آتا، اور نہ اس میں ایسی قابلیت ہی موجود ہے جس سے آیندہ جمہوریت کی بنیاد قائم ہو سکے[1]

۳۸۔ یہ تمام اعتراضات مسلمانوں کے عام قانون کی تعلیم پر جس کو فقہ یا شرع کہا جاتا ہے۔ کم و بیش عائد ہوتے ہیں نہ کہ قرآن مجید پر، اور قرآن مسلمانوں کا وہ قانون ہے جس کو وحی الٰہی کہتے ہیں۔ ہمارا عام قانون جس میں مذہبی اور ملکی دونو طرح کے قانون سے بحث ہوتی ہے، ہرگز الٰہی یا ناقابل تغیر قانون نہیں سمجھا جاتا۔

اعتراضات مذکورہ بالا قرآن مجید پر عائد نہیں ہو سکتے۔

میں نے اس مضمون پر ایک جدا کتاب[2] میں بحث کی ہے، جو قانونی سیاسی، مُلکی اور تمدنی اصلاحوں کی بابت لکھی ہے اور ناظرین کتاب ہذا کو اسکے مطالعہ کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ اس مقدمہ میں میرے لئے جس قدر گنجایش ہے اور وہ پہلے ہی حد مناسب سے تجاوز کر چکی ہے، مجھے اجازت نہیں دیتی، کہ اعتراضات مذکورہ بالا پر پُوری اور طویل بحث کروں، مگر حتے الامکان اختصار کے ساتھ یہاں اُن اعتراضات پر نظر کروں گا۔

آنحضرت کی تمدنی اصلاحیں خاتم اور کامل ہیں۔

۳۹۔ (۱) پہلے اعتراض کا جواب۔ آنحضرت ؐ

[1] دیکھو "ابتدائی خلافت کی تواریخ" از سر ولیم میور کے۔ سی۔ ایس۔ آئی، ایل۔ ایل۔ ڈی، ڈی۔ سی۔ ایل۔ صفحہ ۵۰۶۔ مطبوعہ لندن ۱۸۸۳ء۔

[2] اسلامی حکومت میں سیاسی۔ تمدنی اور قانونی اصلاحیں مطبع ایجوکیشن سوسائٹی بمبئی۔ ۱۸۸۳ء۔

کو اپنے گردوپیش کی وحشی قوموں سے سابقہ پڑا تھا۔ جن کی اصلاح بتدریج مقصود تھی اور تمدنی اصلاحات کا سوال مقصود بالذات نہ تھا بلکہ وہ دوسرے درجہ کا سوال تھا۔ مگر چونکہ لوگوں کے عادات وخصائل کی کایا پلٹ اور اخلاقی و تمدنی خرابیاں جو ان میں پھیلی ہوئی تھیں اُن کی اصلاح ضروری تھی لہٰذا آپ نے تمدنی اصلاحوں کو بتدریج داخل کیا جو ساتویں صدی مسیحی میں اہل عرب اور دیگر اقوام کے لئے بہت بڑی برکتیں ثابت ہوئیں۔ شاید لوگوں کی کمزوری اور خامی کے لحاظ سے بعض عارضی مگر دانشمندانہ معقول اور مفید تبدیلیوں کی ضرورت پیش آئی ہو جو اصلاحی مدارج کے سفر میں بمنزلہ مراحل ومنازل کے ہیں اور جن کو پوری قوت حاصل ہوتے ہی چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یا بالفاظ دیگر جب وہ اس کے اثر سے وحشی پن سے نکل کر اعلےٰ درجہ کے تمدن میں داخل ہونے لگیں اس وقت اُن کو منسوخ کردیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے دوران اصلاح میں تمدنی خرابیوں کی تدریجی اصلاح کے لئے متعدد مرحلوں کو طے کرنا ضروری ہے۔ **ان درمیانی مدارج کو قوم عرب کی نئی زندگی کے لئے ایک ناقابل عبور مزاحمت اور اخلاق کا ایک خاتم اور ناقابل تنسیخ معیار قرار نہیں دے سکتے۔**

ہمارے مخالف ان ہی عارضی احکام یا رعایتوں پر اڑ جاتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ اسلام نے ان نامکمل احکام اور جزدی اصلاحوں کو ایک دائمی اور غیر متغیر قانون بنادیا ہے، جن میں اعلےٰ درجہ کی اصلاحوں کی گنجائش نہیں رہی، اور جو ترقی کرنے والے اور شائستہ تمدن کے لئے ایک زبردست روک ہیں۔ اس موقع پر آنحضرت ؐ کے مفصلہ ذیل احکام میری نظر میں ہیں:۔ ایسی عورتوں[1] کی ذلیل حالت کی اصلاح، غیر محدود[2] تعدد ازدواج کی تحدید، طلاق[3] کی آسانی اور لونڈی[4] غلام بنانا[5]۔ آنحضرت

---

[1] ولیم میور کا قول ہے:۔ "کثرت ازدواج، طلاق، غلامی اور پردہ کا گھن (اسلام) کی (دیکھو صفحہ ۱۰۶)

کے تمام احکام (اوامر و نواہی) عام اس سے کہ وہ چند روزہ اور عارضی تھے یا قطعی اور دائمی جو ان تمدنی خرابیوں کے رفع کرنے کی غرض سے دئے گئے تھے وہ باہم ملے جلے اور مختلف صورتوں میں جابجا پھیلے ہوئے ہیں اور ترتیب نزول کے موافق مرتب نہیں ہوئے۔ اسی لئے جو لوگ قرآن مجید کے مضامین پر عمیق نظر نہیں رکھتے، اُن کے لئے اس بات کا پتہ لگانا ذرا مشکل ہے کہ کون سے احکام صرف بمنزلہ درمیانی منزل کے ہیں اور کون سے احکام آخری (اور بجائے منزل مقصود کے) ہیں۔ عام قانون کے مُدوّن کرنے والوں (فقہا اور مجتہدین) کی طرف سے کسی قدر مسامحت ہوئی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اول تو وہ ملکی احکام جو عارضی اور بمنزلہ اُس درمیانی قدم کے تھے جو اعلیٰ اصلاح کی طرف لے جاتا ہے، آخری اور قطعی سمجھے گئے اور ثانیاً وہ ملکی احکام جو صحرائے عرب کے باشندوں کے مناسب حال تھے، تمام زمانوں اور ملکوں کی گردن پر اُن کا بار ڈالا گیا۔ جو تمدنی نظام محض وحشیوں کے لئے قائم کیا گیا ہو، اس کا بار اس قوم پر نہیں ڈالنا چاہیئے جو پہلے ہی اعلیٰ درجہ کا تمدن رکھتی ہو۔

۴۰۔ (۲) دوسرے اعتراض کا جواب۔ درحقیقت قرآن اوامر اور اصول دونوں سے بحث کرتا ہے۔ مگر اوامر کا ایسا معین دستور العمل ہرگز نہیں بتاتا جس میں زندگی کے تمدنی تعلقات اور ظاہری طریق عبادت کی ذرا ذرا سی مفصّل ہدایتیں دی گئی ہوں۔ برخلاف اس کے قرآن مجید کا مقصد یہ ہے کہ دین کے معاملہ میں تنگی، تکلف اور سختی کے اُس میلان کو روکا

قطعی احکام یا اوامر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) جڑ میں لگا ہوا ہے۔ یہ باتیں اُس کے وجود کی ماہیت سے وابستہ ہیں۔ اگر اسلام سے یہ الٰہی احکام جن پر مسلمانوں کا دارومدار ہے جدا کر لئے جائیں، یا معقول انتخاب یا ترغیب یا تغیر کے ذریعہ سے اُن کو بدلنے کی ذرا بھی کوشش کی جائے تو اسلام، اسلام نہیں رہے گا"۔
(ابتدائی خلافت کی تواریخ از سر ولیم میور صفحہ ۴۵۸)

جائے جو اوامر کے سخت دستور العمل کی پابندی کا نتیجہ ہے۔ آنحضرت ؐ کو عرب کے وحشیوں کی عادات و خصائل میں تبدیلی پیدا کرنی تھی، جن میں آپ کی بعثت سے پہلے کوئی مذہبی یا اخلاقی معلم یا مصلح تمدن نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا ضروری تھا کہ چند اوامر اُن کو بتا دئے جائیں، جن کی تعمیل سے اُن کی اخلاقی اور تمدنی روش سانچے میں ڈھل کر باقاعدہ ہو جائے اور وہ بالکل نئی قسم کے آدمی بن جائیں، جن کے نئے خیالات اور نئے مقاصد ہوں اور قومی زندگی نئے سانچے میں ڈھل جائے۔

(۳) **تیسرے اعتراض کا جواب**۔ مگر اس خیال سے کہ لوگ شریعت کے ظاہری آداب مثلاً **وضو اور غسل، حج کی قربانی، مقررہ طریق عبادت**، زکوٰۃ کی معین مقدار، **روزوں** وغیرہ کی پابندی ہی کو غلط فہمی سے کہیں **اصل نیکی** نہ سمجھ لیں، قرآن کی آواز وقتاً فوقتاً اس امر کے اعلان کے لئے بلند ہوتی ہے کہ عملی احکام کی سخت پابندی، خواہ وہ احکام چال چلن کے متعلق ہوں یا ظاہری رسوم شریعت کے متعلق، ایک بے اصول طبیعت اور ناپاک زندگی بسر کرنے والے انسان کے گناہ کو خدائے تعالےٰ کی نظر میں کچھ کم نہیں کرتی، بلکہ اُور زیادہ کر دیتی ہے۔

شریعت کی ظاہری رسوم

حج

حج یا قربانی کی بابت (حج کی خاص رسم ہے)[1] قرآن مجید کا حکم یہ ہے:-

۳۸- لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا	۳۸- نہ تو اُن (جانوروں) کے گوشت اللہ کے پاس پہنچتے ہیں، اور نہ اُن کے خون، بلکہ تمہاری پرہیزگاری اس کے پاس پہنچتی ہے۔ اس طرح اللہ نے اُن کو تمہارے بس میں کر دیا ہے تاکہ تم اسکی ہدایت کے بدلے میں جو اُس نے تم کو کی ہے

[1] حج کی رسم میں کوئی نقصان نہیں ہے، اور عربوں کے لیے (بلکہ کل مسلمانوں کے لئے (مترجم)) مذہبی اتحاد کی ممد و معاون ہے۔ اس کے علاوہ عام طور پر تجارت کا جوش پیدا کرتی ہے۔ (مترجم)۔

هَلْ لَّكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ ﴿﴾
(الحج ۲۲ - آیت ۳۸)

اس کی بزرگی بیان کرو، اور نیک کام کرنیوالوں کو جنت کی خوش خبری سنا دو۔ (الحج ۲۲ - آیت ۳۸)۔

قبلہ نماز میں قبلہ کی بابت قرآن مجید میں یہ احکام ہیں :-

۱۰۹- وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۝
(البقرہ ۲ - آیت ۱۰۹)

۱۰۹- اور اللہ ہی کی ہے مشرق اور مغرب پس جس طرف تم منہ کر لو پس اُسی طرف اللہ کا رُخ (سامنا) ہے۔ (البقرہ ۲ - آیت ۱۰۹)۔

۱۴۳- وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۝
(البقرہ ۲ - آیت ۱۴۳)

۱۴۳- اور ہر ایک کے لئے ایک سمت ہے، جدھر کو وہ اپنا منہ کرتا ہے، پس تم نیکیوں کی طرف سبقت کرو۔ (البقرہ ۲ - آیت ۱۴۳)۔

۱۷۲- لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَآتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿﴾
(البقرہ ۲ - آیت ۱۷۲)

۱۷۲- نیکی یہی نہیں ہے کہ اپنا منہ مشرق و مغرب کی طرف کر لو، بلکہ اصل نیکی اُن کی ہے جو اللہ اور روز آخرت اور فرشتوں اور کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور جنھوں نے اللہ کی محبت میں قریبیوں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو، اور (غلامی وغیرہ سے لوگوں کی گردنوں) کے چھڑانے) میں اپنا مال دیا، اور جو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہے اور جب عہد کر لیا تو اپنے وعدے کے پورے، اور تنگی میں اور تکلیف میں اور خوف کے وقت صابر رہے، یہی لوگ ہیں جو (دعوے ایمان میں) سچے نکلے) اور یہی لوگ متقی (پرہیزگار) ہیں۔ (البقرہ ۲ - آیت ۱۷۲)۔

زکوٰۃ کی معین مقدار[1] کی بجائے قرآن مجید صرف یہ حکم دیتا ہے کہ جو کچھ بچا سکو، دے ڈالو۔

مقدار زکوٰۃ

وَيَسْئَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ۔ (البقرہ ۲- آیت ۲۱۶-۲۱۷)

"اور (اے پیغمبر!) تم سے سوال کرتے ہیں کہ (راہِ خدا میں) کتنا خرچ کریں، تم کہدو کہ جتنا (تمہاری ضرورت سے) زیادہ ہو۔" (البقرہ ۲- آیت ۲۱۶-۲۱۷)-

روزے

بہت سخت روزہ مقرر کرنے کی بجائے، جو شدت گرما میں سخت تکلیف دیتا ہے، قرآن مجید نے نہایت کمزور اور ضعیف آدمیوں کے لئے روزہ رکھنا اختیاری کر دیا ہے۔

۱۸۰- وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ ۚ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ (البقرہ ۲- آیت ۱۸۰)-

۱۸۰۔ "اور جو لوگ (بدقت تمام روزہ رکھنے کی) طاقت رکھتے ہیں اُن پر فدیہ یعنے ایک محتاج کو کھانا کھلا دینا ہے اور جو شخص اپنی خوشی سے خیر میں زیادتی کرے (یعنے مقدار مقررہ سے زیادہ خیرات کرے) تو یہ اس کے لئے بہتر ہے۔ اور اگر سمجھو تو روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے۔" (البقرہ ۲ - آیت ۱۸۰)-

عبادت و دعا وغیرہ کے طریقہ کا عدم تعین

قرآن مجید عبادت اور دیگر مذہبی رسوم دُعا وغیرہ کے لئے کسی خاص طریقہ کی تعلیم نہیں دیتا۔ کوئی وضع معین نہیں کی گئی کسی ظاہری نشست کی پابندی مطلوب نہیں ہے۔ کوئی ایسی احتیاط جو وہم کے درجہ کو پہنچتی ہو، اور تکلفات نہیں ہیں۔ نماز میں تغیر وضع یا رکوع و سجود کے بے موقع ہو جانے کی وجہ سے قرآن مجید میں نماز گزار کو قابل الزام قرار نہیں دیا گیا۔ محض قرآن پڑھنا (مزمل ۷۳- آیت ۲۰- اور عنکبوت ۲۹- آیت ۴۴)

[1] زکوٰۃ کی مقدار جو بروئے احادیث نبوی مقرر کی گئی ہے وہ کم از کم ہے جسکا ادا کرنا ہر مسلمان صاحب نصاب کا فرض ہے اس کے علاوہ اگر کوئی شخص بطور خیرات و مبرات کے دینا چاہے تو اُو بھی اچھا ہے۔ (مترجم)

کھڑے، بیٹھے، لیٹے (ہر وقت) خدا کا دھیان رکھنا (آلِ عمران ۳-آیت ۱۸۸ - اور النساء ۴ - آیت ۱۰۴) یا رکوع و سجود کرنا (حج ۲۲ - آیت ۷۶) یہی امور نماز کے ظاہری ارکان اور رسوم ہیں، جن کی تعلیم قرآن مجید میں دی گئی ہے، اگر ان کو اس نام سے موسوم کیا جا سکے -

دیکھو آیات مندرجہ ذیل :-

۲۰- فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۝

(مزمل ۷۳ - آیت ۲۰)

۲۰ - جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو"

(مزمل ۷۳ - آیت ۲۰)

۴۴- اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝

(عنکبوت ۲۹ - آیت ۴۴)

۴۴- "(اے پیغمبر!) یہ کتاب جو تمہاری طرف وحی کی گئی ہے اس کی تلاوت کرو اور نماز پڑھو، بیشک نماز بے حیائی اور ناشایستہ کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کی یاد البتہ بڑی چیز ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو جانتا ہے۔

(عنکبوت ۲۹ - آیت ۴۴)۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ۔

(الاعراف ۷ - آیات ۲۰۳-۲۰۴)

"اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے - اور (اے پیغمبر!) اپنے دل میں زاری اور خوف سے اور بلند آواز سے نہیں (بلکہ دھیمی آواز سے) صبح و شام اپنے پروردگار کی یاد کرو، (اُس سے) غافل نہ رہو۔

. . . .

(الاعراف ۷- آیات ۲۰۳-۲۰۴)

قرآن مجید ریاکاری کی عبادات اور نام و نمود کی خیرات و مبرات کو سخت قابل ملامت ٹھیراتا ہے۔

ریاکاری اور خاص ہوا ہی کی نماز اور زکوٰۃ وغیرہ عبادات پر زجر و توبیخ

دیکھو آیات ذیل :-

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝

(النساء ۴ - آیت ۱۴۱)

"منافق (گویا) خدا کو فریب دیتے ہیں، حالانکہ خدا اُن کو فریب (کی سزا) دے رہا ہے اور جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، تو سستی اور کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں، لوگوں کو اپنی نماز دکھاتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے، مگر تھوڑا سا۔"

(النساء ۴ - آیت ۱۴۱)

فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَ وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ

(الماعون ۱۰۷ - آیات ۴ تا ۷)

"پس ان نمازیوں کے لئے تباہی ہے جو اپنی نماز کی طرف سے غفلت کرتے ہیں اور جو ریاکاری (بناوٹ) کرتے ہیں اور (کسی کے ساتھ سلوک کرنے میں) روزمرہ کے استعمال کی چھوٹی چھوٹی چیزوں میں بھی دریغ کرتے ہیں"۔ (الماعون ۱۰۷ - آیات ۴ تا ۷)

۱۰۹- وَیَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یَبْكُوْنَ وَیَزِیْدُهُمْ خُشُوْعًا۔

(بنی اسرائیل ۱۷ - آیت ۱۰۹)

۱۰۹- اور وہ اپنی ٹھوڑیوں کے بل (سجدہ میں) گر پڑتے ہیں روتے جاتے ہیں - اور قرآن کی وجہ سے اُن کی عاجزی زیادہ ہو جاتی ہے - (بنی اسرائیل ۱۷ - آیت ۱۰۹) -

۲۶۴- یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ

۲۶۴" (اے لوگو!) جو ایمان لاتی ہو اپنی خیرات کو احسان جتانے اور سائل کو ایذا دینے سے مثل اس شخص کے ضائع اور برباد نہ کرو جو اپنا مال لوگوں کی نمود کے لئے خرچ کرتا ہے، اور اللہ اور روز آخرت (قیامت) پر ایمان نہیں رکھتا - پس اُس کی مثال

كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا لَا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝

(البقرہ ۲- آیت ۲۶۴)

چٹان کی سی ہے کہ جس پر کچھ مٹی پڑی ہوئی ہے، پھر اُس پر سخت بارش ہو اور (مٹی کو بہا کر) اُس (چٹان) کو صاف کر دے، (اسی طرح) اُن (ریاکاروں) کو اُس (خیرات) میں سے جو انہوں نے کی تھی کچھ حاصل نہ ہوگا، اور اللہ اُن لوگوں کو جو کفران نعمت کرتے ہیں ہدایت نہیں دیتا۔" (البقرہ ۲- آیت ۲۶۴)-

۴۲- وَالَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَن يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا ۝ (النساء ۴- آیت ۴۲

۴۲- اور (اللہ اُن لوگوں کو دوست نہیں رکھتا) جو لوگوں کے دکھانے کو اپنا مال خرچ کرتے ہیں، اور نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روز آخرت پر، اور شیطان جس کا ساتھی ہو۔ تو وہ بڑا ساتھی ہے۔

(النساء ۴- آیت ۴۲)-

عبادات کے لئے خاص مقامات یا خاص اوقات کا لحاظ رکھنا ضروری نہیں ہے

عبادات کے لئے اوقات یا مقامات لازمی نہیں (سورہ ہود ۱۱- آیت ۱۱۴- اور سورہ نساء ۴- آیت ۱۰۴) میں نماز کا وقت بلا تعین کسی وقت خاص کے عام الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ (سورہ بنی اسرائیل ۱۷- آیات ۸۱ و ۸۲- سورہ طٰہٰ ۲۰- آیت ۱۳۰- سورۂ ق ۵۰- آیت ۳۸ و ۳۹- سورۂ طور ۵۲- آیات ۴۸ و ۴۹) میں کچھ اَور وقتوں کا ذکر بھی آیا ہے۔ مگر وہ خاص صورتیں صرف آنحضرت کے لئے ہیں) اور یہ ایک زائد عبادت[1] ہے۔ دیکھو سورہ بنی اسرائیل ۱۷- آیت ۸۱[1] اس پر ڈاکٹر

[1] بیشک عام عبادات مثلاً دعاؤں وظیفوں وغیرہ کے لئے وقت کا لحاظ رکھنا ضروری نہیں ہے۔ البتہ نماز کے لئے خاص اوقات معین کئے گئے ہیں، جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور احادیث میں اُن کی توضیح زیادہ تر کی گئی ہے۔ نماز تہجد جو آخر شب میں ادا کی جاتی ہے اور جس کا ذکر سورہ بنی اسرائیل ۱۷- آیت ۸۱ میں آیا ہے اُس کا ادا کرنا آنحضرت پر واجب تھا مگر عام لوگوں کے لئے یہ نماز ضروری نہیں ہے۔ اس کے سوا باقی نمازیں جس طرح (دیکھو صفحہ ۱۱۳)

مارکس ڈاڈس یہ رائے ظاہر کرتے ہیں :-

"دینداری کی دو خصوصیتیں ایسی ہیں جن کو صراحت سے ظاہر کرنے کا فخر بہ نسبت ہم "لوگوں (عیسائیوں) کے، مسلمانوں کو زیادہ تر حاصل ہے۔ وہ اقرار توحید میں ذرا "بھی خدشہ اور تذبذب ظاہر نہیں کرتے اور اس بڑے مذہبی اصول پر کہ "خدا کی عباد "ہیکلوں (معبدوں) یا کسی خاص مقام میں محدود نہیں ہے" کاربند رہتے ہیں :-

قطعہ

(ایک مسیحی کی انگریزی نظم کا ترجمہ)

۱ سب سے زیادہ عزت ہے اُن نمازیوں کی
مسجد ہے جن کی ہر دم موجود اُن کے اندر

۲ جو جنگلوں کے غل میں، جو شور میں بگل کے
جو چلتی گاڑیوں میں اور بہتی کشتیوں پر

۳ گو پاس ہوں وطن کے یا دور ہوں وطن سے
گو اگرد و پیش اُن کے ہوں اجنبی سراسر

۴ ہو وضع غیر جن کی، جن کی زباں الگ ہو
کوئی ادا نہ جن کی ملتی ہو ان سے تل بھر

۵ القصہ یہ نمازی جس حال میں ہوں چپ چاپ
سجادہ بے تکلف اپنا وہیں بچھا کر

۶ ہوتے ہیں دل سے مصروف اس طرح بندگی میں
گویا کہ ہیں وہ اِس دم طبقے سے اپنے برتر

۷ کان اور آنکھ ہوتے سُنتے نہ دیکھتے ہیں
گویا کہ کور ہیں وہ سب کی طرف سے اور کرّ

۸ ارکان وست و پا سے کرتے ادا ہیں لیکن
روحیں حضور حق میں حاضر ہیں اُن کی یکسر

۹ کرتے ہیں نقل و حرکت وہ اس طمانیت سے
گویا کہ قرب حق کی چھائی ہے ہیبت اُن پر

"بے شک اسلام میں ظاہر دار اور ریاکار ہوتے ہیں، جیسے کہ دیگر مذاہب میں، جن کا ہم کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۲) آنحضرت ؐ پر فرض تھیں اسی طرح ہم لوگوں پر بھی فرض ہیں۔ عبادت کے لئے اوقات کا تعین ہر مذہب میں ہے، اس لئے ایک مذہبی آدمی کا پابندی اوقات نماز پر اعتراض کرنا سراسر باطل ہے، رہا مقام کا تعین سو کسی عبادت کے لئے بھی ضروری نہیں ہے (مترجم)

"تجربہ ہے۔ اُن کے رکوع و سجود کی یکسانی اور باقاعدگی سپاہیوں کی ایک عمدہ
"قواعد دان کمپنی یا مشینوں (کلوں) کی حرکتوں سے مشابہت رکھتی ہے، مگر قرآن
"محض ارکان ظاہری کے بجالانے پر ان الفاظ میں ملامت کرتا ہے۔" اُن نمازیوں
"کی تباہی ہے جو اپنی نماز سے غفلت کرتے ہیں اور جو ریاکاری (بناوٹ) کرتے ہیں اور
"(کسی کے ساتھ سلوک کرتے ہیں) روزمرہ کے استعمال کی چھوٹی چھوٹی چیزوں سے بھی
"دریغ کرتے ہیں[1]"۔ محض ارکان کی پابندی کا جیسا سخت خاکہ اس عربی مثل میں اُڑایا
"گیا ہے، ایسا کہیں نہیں اُڑایا گیا ہوگا۔ (مثل کا ترجمہ یہ ہے) " اس کا مُنہ قبلہ کی
"طرف ہے، مگر اس کی ایڑیاں گھاس پھوس کے اندر ہیں"۔ انتہا درجہ کا سکوت اور
"عبادت الٰہی کا ادب جو مسلمانوں کی نماز میں پایا جاتا ہے، اور جس کی وجہ سے اجنبی
"آدمی کو ایک بھری مسجد میں داخل ہوتے وقت اس بات کا دھوکا ہو جاتا ہے کہ وہ
"بالکل خالی ہے، اس کے حاصل کرنے کی خاطر ہم ایسی پابندی اوضاع کو جو نماز
"میں دیکھی جاتی ہے قابل درگذر سمجھ سکتے ہیں۔ جو لوگ ذرا ذرا سے عذر پر عبادت کے
"فرض سے اپنے آپ کو سبکدوش سمجھ لیتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے بہتر ہوگا کہ وہ قیس
"بن سعد کی محویت کو، جو افراط کے درجہ پر پہنچی ہوئی تھی، اختیار کریں جس نے
"سجدہ کی جگہ سے ایک انچ بھی اپنا سر پرے نہ ہٹایا، اگرچہ ایک بڑا سانپ اس کے
"چہرہ کے نزدیک اپنی کُچلیاں باہر نکالے بیٹھا تھا جو آخر کار اس کی گردن میں لپٹ گیا۔
"اگر بعض مسلمان نماز میں اوضاعِ ظاہری ہی کے پابند ہیں تو یقیناً بہتیرے ایسے بھی ہیں
"جو صدق دل سے نماز پڑھتے ہیں[2]"۔

وضو اور غسل لوگوں پر اس طرح فرض نہیں کئے گئے کہ وہ ان پر بار ہوں، یا
ان میں کوئی مخفی خوبی رکھی گئی ہو؛ بلکہ محض طہارت اور پاکیزگی کے

وضو اور غسل

[1] یہ ترجمہ اُن آیتوں کا ہے جو اسی فقرہ میں پہلے مع ترجمہ نقل ہو چکی ہیں۔ (مترجم) [2] "محمد، بدھ اور مسیح" از مارکس ڈاڈس (ڈی ڈی) کا صفحات ۳۰ - ۳۱

طور پر ایسا حکم دیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے :۔

۹۔ مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ ۝

(المائدہ ۵۔ آیت ۹)

۹۔ اللہ تعالےٰ تم پر تنگی کرنی نہیں چاہتا بلکہ تم کو پاک اور پاکیزہ بنانا چاہتا ہے"

(المائدہ ۵۔ آیت ۹)

۴۱۔ (۳) **چوتھے اعتراض کا جواب** ۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ قرآن مجید

قرآن مجید میں اصولی اور عملی دو نو طرح کا اخلاق ہے

کامل طور پر اس بات سے واقف ہے کہ قطعی احکام (اوامر) کا ایک معین **دستور العمل** قائم کرنے سے یہ اندیشہ ہے کہ مبادا زندگی کی ہر ایک حالت اس کے سانچے میں ڈھل جائے، اور وہ ہر حالت میں ضابطۂ ہدایت کا کام دے۔ وہ **اندیشہ** یہ ہے کہ ظاہری پابندی کا دستور العمل جس کے ذریعہ سے لوگوں کو ایسے مذہبی فرائض کی بجا آوری کا پابند کیا جاتا ہے، جس میں عبادت کے وقت، مقام اور طریقہ کی بابت ذرا ذرا سی تفصیلی ہدایتیں مقرر کی گئی ہوں، یہاں تک کہ اُن میں کمی بیشی کی مطلق گنجائش نہ ہو، وہ دستور العمل اُن کو ایسے سخت شکنجہ میں کس دیتا ہے کہ جب وہ حالات جو اس پابندی کو جائز قرار دیتے تھے، تبدیل ہو جائیں یا مفقود ہو جائیں، اُس وقت بھی اُن لوگوں پر اس دستور العمل کی ویسی ہی سخت گرفت قائم رہتی ہے جو لوگ ایسے دستور العمل کی پابندی میں زندگی بسر کرتے ہیں، جس میں ذرا ذرا سی باتوں کی بندش اور بال کی کھال نکالی گئی ہو، اُن کی **اخلاقی ترقی** رُک جاتی ہے اور اس کا نمو نہیں ہونے پاتا۔ بنی آدم کا میلان رسوم ظاہری کی پابندی کی طرف ایسا قوی ہوتا ہے کہ وہ علی العموم، گو بسا اوقات بےخبری سے، **غلطی میں پڑ کر یہ خیال کرنے لگتے ہیں، کہ فرائض کے اُن مجوزہ طریقوں** (یعنے عبادات) **اور مذہبی رسوم کے**

محض ادا کر دینے میں کوئی خاص اور واقعی خوبی اور نیکی پائی جاتی ہے۔ اُن لوگوں کے نزدیک اخلاق اصول پر نہیں بلکہ عمل پر مبنی ہے، اُن کے خیال کے موافق اخلاق زیادہ تر مذہبی رسوم کے ایک مجموعہ کا نام ہے نہ کہ اُس خاص میلانِ قلب کا جو خدا اور انسان کی طرف ہونا چاہیئے۔ قرآن مجید نیکی و بدی سے بہیئت مجموعی بحث کرتا ہے اور فرداً فرداً تفصیلی حیثیت سے بھی وہ باطنی تحریک (نیت) سے بھی اسی قدر بحث کرتا ہے جس قدر کہ ظاہری عمل سے، اور ترغیب و تحریص اور وعظ و پند پر جتنی تاکید کرتا ہے اُسی کے برابر اوامر و احکام پر زور دیتا ہے وہ گناہ کی نفرت اور برائی کو بہیئت مجموعی انسان کے سامنے پیش کرتا ہے۔ وہ تمام عملی اخلاق اور پارسائی کو چند معین احکام کے تنگ دائرہ میں محدود نہیں کرتا۔ وہ اُس دور تک پہنچنے والی خیرات کی بنیاد ڈالتا ہے جو تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی نظر میں برابر سمجھتی ہے، اور نسل یا قوم کے کسی امتیاز کو تسلیم نہیں کرتی۔

قرآن مجید کی آیات مندرجہ ذیل اس مدعا پر شاہد ہیں:۔

۱۲۰۔ وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ ○

(الانعام ۶۔ آیت ۱۲۰)

۱۲۰۔ "اور ظاہری گناہ اور باطنی گناہ سے بچتے رہو، جو لوگ گناہ کماتے ہیں اُن کو جلد اُن کاموں کا بدلہ مل جائے گا جو وہ کرتے ہیں"۔

(الانعام ۶۔ آیت ۱۲۰)۔

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ ۖ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۖ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُم مِّنْ إِمْلَاقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ

"(اے پیغمبر! لوگوں سے کہو) کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کی ہیں وہ یہ کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔ اور مفلسی (کے

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ○

(الانعام ۶ - آیت ۱۵۲)

قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ○

(الاعراف ۷ - آیت ۳۱)۔

. . . .

الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ إِلَّا اللَّمَمَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۚ هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَإِذْ أَنْتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ ○

(النجم ۵۳ - آیت ۳۲)

خوف) سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، تم کو اور اُن کو ہم ہی رزق دیتے ہیں، اور بے حیائی کی باتیں جو ظاہر اور جو پوشیدہ ہوں، اُن کے پاس نہ جانا، اور جان جس (کے قتل کرنے کو) خدا نے حرام کر دیا ہے، اُس کو قتل نہ کرنا، مگر حق پر، یہ وہ باتیں ہیں جن کا حکم خدا نے تمکو دیا ہے تاکہ تم سمجھو" (الانعام ۶ - آیت ۱۵۱)

"(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہو کہ میرے پروردگار نے بے حیائی کے کاموں ہی کو حرام کر دیا ہے خواہ وہ کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو، اور اس بات کو کہ تم کسی کو خدا کا شریک بناؤ، جس کی کوئی سند اُس نے نازل نہیں کی، اور اس بات کو کہ خدا پر نادانی سے افترا کرو (ان سب باتوں کو اس نے حرام قرار دیا ہے)"۔

(الاعراف ۷ - آیت ۳۱)۔

"جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں مگر چھوٹے چھوٹے گناہ (کہ اُن سے انسان عموماً بچ نہیں سکتا) بے شک تیرے پروردگار کی مغفرت وسیع ہے اور وہ تم کو خوب جانتا ہے جب کہ اُس نے تم کو زمین (کی مٹی) سے پیدا کیا اور جب کہ تم ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے، پس تم اپنی پاکیزگی نہ جتاؤ جو شخص پرہیزگار ہے اُسکو وہی (خدا) خوب جانتا ہے" (النجم ۵۳ - آیت ۳۲)

۱۳- يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝
(الحجرات ۴۹- آیت ۱۳)-

۱۳- "اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت (آدم وحوا) سے پیدا کیا، اور تمہاری شاخیں اور قبیلے مقرر کئے، تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو، اللہ کے نزدیک تم میں بڑا شریف وہی ہے جو تم میں بڑا پرہیزگار ہے" (الحجرات ۴۹- آیت ۱۳)

۱۴۳- وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا ۖ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝
(البقرہ ۲- آیت ۱۴۳)

۱۴۳- "اور ہر ایک کے لئے ایک سمت ہے جدھر وہ اپنا رخ کرتا ہے، پس تم (اے مسلمانو!) نیکیوں کی طرف سبقت کرو، تم کہیں بھی ہو اللہ تم سب کو اپنے پاس بلائے گا، بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے" (البقرہ ۲- آیت ۱۴۳)

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ۖ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۚ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ ۖ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ

"اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہاری طرف کتاب برحق نازل کی، جو اُن کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اُس سے پہلے کی موجود ہیں، اور اُنکی محافظ بھی ہے، پس جو کچھ اللہ نے تم پر نازل کیا ہے تم اس کے موافق اُن لوگوں کے درمیان حکم دو، اور جو امر حق تم کو پہنچا ہے اُس کو چھوڑ کر اُن کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو، ہم نے تم میں سے ہر گروہ کے لئے ایک شریعت اور ایک رستہ مقرر کیا، اور اگر اللہ کی مشیت میں ہوتا تو البتہ تم کو ایک اُمت کرتا لیکن مقصد یہ ہے کہ جو احکام (وقتاً

إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝

(المائدہ ۵-آیات ۵۲-۵۳)

فوقتاً تمہارے مناسب حال) تم کو دئیے ہیں، اُن میں تمہاری آزمائش کرے، پس تم نیک کاموں کی طرف سبقت کرو، تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ جانا ہے، پس جن باتوں میں تم اختلاف کرتے ہو وہ تم کو بتا دیگا۔" (المائدہ ۵-آیات ۵۲-۵۳)

وَسَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝

(آل عمران ۳-آیت ۱۲۷و۱۲۹)

"اور اپنے پروردگار کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے، اُن پرہیز گاروں کے لئے تیار ہے جو آسودگی اور تنگی (دونوں) میں خرچ کرتے ہیں، اور غصہ کو روکتے اور لوگوں سے درگذر کرتے ہیں، اور اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے، اور وہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر (بہ تقاضائے بشریت کبھی) کوئی بے حیائی کا کام کرتے بھی ہیں یا (اور کسی بیجا کام سے) اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں تو اللہ کو یاد کرکے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں، اور اللہ کے سوا گناہوں کا معاف کرنے والا اور کون ہے، اور جو بیجا کام کر گزرتے ہیں تو جان بوجھ کر اُس پر اصرار نہیں کرتے۔"

. . . .

(آل عمران ۳-آیت ۱۲۷و۱۲۹)-

۲۱-سَابِقُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ

۲۱- "تم اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف سبقت کرو اور نیز جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین کی مانند ہے، جو اُن لوگوں کے لئے

أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

(الحدید ۵۷-آیت ۲۱)

تیار کی گئی ہے، جو اللہ اور اُس کے پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں، یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے، اور اللہ کا فضل بہت بڑا ہے"۔

(الحدید ۵۷-آیت ۲۱)۔

۱۸۳- لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ○

(آل عمران ۳-آیت ۱۸۶)

۱۸۳- البتہ تمہارے مالوں اور تمہاری جانوں (کے نقصان) میں تمہاری آزمایش کی جائیگی، اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے، اُن سے اور مشرکین سے تم بہت سی تکلیف کی باتیں ضرور سنوگے، اور اگر تم صبر و کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو بے شک یہ ہمت کے کام ہیں"۔

(آل عمران ۳-آیت ۱۸۶)۔

۱۸- يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ○

(لقمان ۳۱-آیت ۱۶)۔

۱۸- "اے بیٹا! نماز کو قائم کر، اور (لوگوں کو) نیک کاموں کی نصیحت کر، اور بُرے کاموں سے منع کر اور جو مصیبت تجھ پر پڑے اُس پر صبر کر، بے شک یہ ہمت کے کام ہیں"۔

(لقمان ۳۱-آیت ۱۶)۔

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ○ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِمْ

"اور بُرائی کا بدلہ ہے ویسی ہی بُرائی (یعنے اُس بُرائی کے موافق سزا) پس جو شخص معاف کرے اور صلح کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے، درحقیقت وہ ظلم کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا، اور کسی پر ظلم ہو اور وہ اس کے بعد

مِّنۡ سَبِيۡلٍ ؕ اِنَّمَا السَّبِيۡلُ عَلَى الَّذِيۡنَ يَظۡلِمُوۡنَ النَّاسَ وَيَبۡغُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ‏ وَلَمَنۡ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ۞ (شوریٰ ۴۲ - آیت ۳۸ - ۴۱) -	انتقام لے، تو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں، الزام تو اُن ہی پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں، اور روئے زمین پر ناحق (لوگوں کے اوپر) زیادتی کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے لئے عذاب دردناک ہے، اور البتہ جو شخص صبر کرے اور بخش دے تو بے شک یہ بڑے ہمت کے کام ہیں۔" (شوریٰ ۴۲ - آیت ۳۸ - ۴۱) -

۴۲ - (۵) پانچویں اعتراض کا جواب - قرآن مجید نہایت ہی کامل طور پر

> قرآن کا گردو پیش کے حالات سے مناسبت رکھنا

اور جلد جلد ترقی کرنے والے تمدن کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ اگر اس کی تعبیر معقول طور پر کی جائے نہ کہ اس تفسیر کے مطابق جو عام قانون کے علماء نے اختیار کی ہے، اور جس کا نفاذ ایک قوم کی رائے کی بدولت ہوا ہے۔ مسلمانوں کا عام قانون، جو اُن تمام روایات یعنے اقوال پیغمبرؐ پر مشتمل ہے، جن میں سے بہت کم اصلی اور واقعی ہیں، اور جس میں علمائے اسلام کا فرضی اور خیالی اجماع اور زیادہ تر اُن کے قیاسی دلائل شامل ہیں (جن کو حدیث، اجماع اور قیاس کہا جاتا ہے) یہی قانون فقہ یا شریعت کے نام سے موسوم ہوا ہے، جس نے رُوحانی اور دنیوی امور کو ایک دوسرے کے ساتھ مخلوط کر دیا ہے، اور جو نئی نئی تمدنی اور مُلکی ضرورتوں کے لحاظ سے بعض صورتوں میں قوم کی ترقی اور اعلےٰ تہذیب و تمدن کے لئے سدِّ راہ ہو گیا ہے +

مسٹر اسٹینلے لین پول لکھتے ہیں :-

"وہ دقیق دستور العمل اور پیچیدہ قانون جو آجکل اسلام کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا نام بھی قرآن میں نہیں ہے، اُس میں صرف وہ فیصلے شامل ہیں، جن کی مدینہ میں ضرورت پیش

آ ئی تھی۔ محمد (صلعم) خود اس بات کو جانتے تھے کہ اس میں ہر ایک ضرورت کے لئے حکم موجود
" نہیں ہے، اور آپ نے اپنے پیروؤں کی ہدایت کے لئے یہ صلاح دی تھی کہ جب کوئی شبہ
" پیش آئے تو قیاس کے اصول پر کاربند رہیں۔ یہ قیاس اُسلام کی بربادی کا باعث
" ہوا ہے۔ مفسرین اور فقہا نے اپنی تیز عقل سے کام لے کر قرآن سے ایسے قانونی فیصلے نکالے
" ہیں کہ معمولی فہم کا آدمی وہاں ان کا پتہ نہیں لگا سکتا، اور موجودہ اسلام کی تمام عمارت
" ریت کی بُنیاد پر قائم ہے۔ قرآن اس خرابی کا ذمہ وار نہیں ہے"۔[1]

مذکورہ بالا رائے سے مجھے صرف اس بیان میں اختلاف ہے کہ "محمد (صلعم) نے قیاس کے اصول پر کاربند رہنے کی صلاح دی" (آنحضرت ؐ نے ہرگز ایسی ہدایت نہیں کی)[2]

۴۳۔ العزض قرآن مجید کی مذہبی اور اخلاقی تعلیم کا دستور العمل بنی نوع انسان کی ادنےٰ اور اعلےٰ حالتوں کے لئے نہایت عمدہ طور پر مناسب ہے۔ وہ احکام جن میں تمدنی زندگی کے بعض حصّوں، اخلاقی چال چلن اور مذہبی رسوم کی بابت ہدایتیں ہیں، وحشی قوموں کے لئے نعمت ہیں، اور قرآن مجید کا جو حصہ اعلیٰ اصول پر زور دیتا ہے، جن کے باقاعدہ استعمال کے لئے شخصی و ذاتی

> نوع انسان کی تمام جماعتوں اور قوموں کے لئے قرآن مجید کا مناسب ہونا۔

[1] "پیغمبر محمد کے اقوال اور اسپیچین از اسٹینلے لین پول صفحہ ۵۱ و ۵۲۔ مقدمہ مطبوعہ لندن ۱۸۸۲ء۔

[2] قیاس کی مذمت میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں اسلئے مسٹر سٹینلے لین پول کا یہ خیال غلط ہے کہ آنحضرت ؐ نے قیاس پر عمل کرنے کا حکم دیا تھا۔ بے شک قیاس اسلام کی تباہی کا باعث ہوا، مگر آنحضرت ؐ اور اہل بیت نے قیاس کی ممانعت نہایت سختی کے ساتھ کی ہے۔ اور قرآن مجید یقیناً ایک جامع اور مکمل کتاب ہے جو تمام دینی و دنیوی ضرورتوں کے لئے کافی ہے۔ بشرطیکہ اس کی تفسیر کے لئے "راسخون فی العلم" (آنحضرت ؐ اور اُن کے اوصیاے روحانی) کے اقوال پر اعتماد کیا جائے اور اپنی ذاتی رائے کو اس میں دخل نہ دیا جائے۔ (مترجم)

کانشنس (قوت ممیزہ) پر بہت کچھ دارومدار ہے، وہ انہی لوگوں کے لئے اس وقت مناسب ہے جبکہ وہ اس کی تعلیم کے اثر سے وحشی پن سے نکل کر اعلیٰ حالت میں قدم رکھنے لگتے ہیں، یا ان لوگوں کے لئے جو پہلے ہی سے اعلےٰ قسم کا تمدن رکھتے ہیں۔ مثلاً اس قسم کے احکام کہ "پورے پیمانہ سے ناپو" "ٹھیک ترازو سے تولو"۔ "شراب اور قمار بازی سے پرہیز کرو"۔ "لوگوں سے مہربانی سے پیش آؤ"۔ اُن لوگوں کے لئے ہیں جو اعلےٰ درجہ کے تمدن تک نہیں پہنچے ہیں۔ راستی، دیانت داری، اعتدال اور رحم کی صفتیں اور وہ نیکیاں جن کا تعلق حلم اور نرم دلی سے ہے دل کے خیالات اور میلان کو قابو میں رکھنے کی جو تاکید کی گئی ہے، ایسے ایسے امور کی بابت قرآن مجید کے احکام اُن اشخاص کی تعلیم کے لئے موزون ہیں جو اعلیٰ درجہ کے تمدن تک پہنچ چکے ہیں، اور جن کو ذرا ذرا سے معاملوں میں مفصل احکام و ہدایات کی ضرورت نہیں رہی +

حیدرآباد دکن
مارچ ۱۸۸۴ء

چراغ علی

نوٹ

متعلق مقدمہ تحقیق الجہاد

یہاں مجھے ایک غلط خیال دُور کرنے کا موقع ملتا ہے۔ یعنے ہمارے ہموطن ہندوؤں کی بابت آنحضرت ؐ کا جو حکم بیان کیا جاتا ہے، اس کے متعلق کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ آنریبل راجہ شیو پرشاد نے ۹ مارچ ۱۸۸۳ء کو البرٹ بل پر بحث کرتے ہوئے لیجسلیٹو کونسل (مجلس وضع قوانین) میں اپنی سپیچ (تقریر) میں امیر خسرو کی تاریخ علائی سے یہ عبارت نقل کی تھی "علاؤالدین خلجی نے ایک دفعہ ایک قاضی کو طلب کرکے اس سے دریافت کیا کہ شرع محمدی میں ہندوؤں کی بابت کیا لکھا ہے۔ قاضی نے جواب دیا کہ ہندو ذمی ہیں (یعنے محصول جزیہ ادا کرنے کے مستوجب ہیں)، اگر اُن سے چاندی طلب کی جائے تو اُن کو نہایت ادب و انکسار کے ساتھ سونا ادا کرنا چاہیئے، اور اگر محصل جزیہ اُن کے چہرہ پر مٹی کوڑا پھینکے تو اُن کو خوشی سے اپنا مُنہ کھول دینا چاہیئے۔ خدا کا حکم یہ ہے کہ اُن کو تابع فرمان رکھا جائے، اور پیغمبر (صلعم) نے مسلمانوں کو اُن کے قتل کرنے، اُن کا مال لُوٹ لینے اور اُن کے قید کرنے کا حکم دیا ہے، اُن کو مسلمان بنایا جائے یا قتل کیا جائے، غلام بنایا جائے اور اُن کی جا بدا د ضبط کی جائے ..... (دیکھو گزٹ آف انڈیا کا ضمیمہ مورخہ ۲۱۔ اپریل ۱۸۸۳ء صفحہ ۸۰۷)

مذہب اسلام کی رواداری اور کسی کو زبردستی مسلمان بنانے کی ممانعت کی بابت اس کتاب کے مختلف مقامات پر میں نے بہت بیان کیا ہے، اسکے بعد مجھے اس بات کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ احکام جو بیان کئے گئے ہیں سراسر غلط اتہام ہیں۔ آنحضرت (صلعم) کے ایسے احکام نہ تو ذمیوں کی بابت کہیں موجود ہیں اور نہ ہنود کی بابت +

شجراتِ انسابِ عرب
١۔ العرب المستعربہ
٢۔ العرب العاربہ

شجرۂ اول

معد
نزار
مضر
الناس
قیس
عیلان
خصفہ — غطفان
منصور
اعصر — ریث
سعد مناۃ — مواہب — اشجع — بغیض
باہلہ — ذبیان — عبس
سلیم — ہوازن — فزارہ
ذکوان — بکر — ضبع — مرہ
عصیہ — رعل
ثقیف — سعد — صعصعہ
عامر
ربیعہ — ہلال
کلاب — کعب — عامر
قشیر — جعدہ
رواس — منتفق — بکا

العرب المستعربہ
خط نزار
خط مضر
ربیعہ
الیاس
عنزہ
جدیلہ
خندف
مدرکہ
طابخہ
عبدالقیس
اد
مزینہ
تمیم
ثعلبہ بن سعد
دارم
ہذیل
خزیمہ
وائل
تیم اللہ
لحیان
کنانہ
بکر
تغلب
نضر
عبدمناۃ
مالک
بکر
فہر یا قریش
ضمرہ
غفار
مدلج
غالب
خنیفہ
لوی
خزیمہ
کعب
مرہ
مخزوم
تیم
کلاب
شیبان
سہم
جمح
سدوس
زہرہ
قصی
عبدمناف
عبدالدار
اسد
ہاشم
عبدالشمس
عبدالمطلب
امیہ
حرب
ابوطالب
عبداللہ
عباس
ابوسفیان
علی رض
محمد صلعم
ابن عباس
معاویہ

قحطان
حضرموت
صدف
یعرب
یشجب
سبا
کہلان
حمیر
زید
ربیعہ
ادد
ہمدان
قضاعہ
الحافی
عمران
عمر
مرہ
مذحج
طئی
اشعر
عدی
خولان
غوث
جذام
عفیر
لخم
کندہ
سکون
دار
عنس
علۃ
سعد العشیرۃ
مراد
جعفی
حرب
صداء
رہاء
عمرو
نخع
بجیلہ
ازد
انمار
خثعم
بجیلہ
مازن
ثعلبہ
حارثہ
جفنہ
اوس
خزرج
لحی
افصی
خزاعہ
مصطلق
اسلم
سلامان
بارق
بہرا
بلی
مہرہ
جرم
تغلب
کلب
تیم اللات
خشین

تحقیق الجہاد

آنحضرت (صلعم) کی تمام جنگیں دفاعی تھیں،

باب اوّل

کفّار کا مسلمانوں کو اذیّت دینا

اہل مکہ کی مسلمانوں کو ابتدائی ایذا رسانی

ا۔ یہ امر تمام مؤرخوں کے نزدیک مسلّم ہے کہ آنحضرتؐ کو اور اُن مسلمانوں کو جو ابتدائے ایمان لائے تھے۔ اپنے اہل وطن یعنی قریش کے ہاتھوں سخت اذیت پہنچی تھی۔

پیغمبر اسلامؐ اور آپ کے پیروؤں کے ساتھ جس بد اندیشی اور کینہ توزی کا اظہار کیا گیا۔ اُس کی بابت قرآن مجید کافی شہادت دیتا ہے۔ جو اُس زمانہ کے حالات کے متعلق ایک معتبر تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ ابتدائی مسلمانوں پر نہ صرف اس وجہ سے ظلم کیا جاتا تھا کہ وہ بُت پرستی کا مذہب ترک کر کے آنحضرتؐ کے دینِ توحید کو اختیار کرتے جاتے تھے۔ بلکہ اُن کو شکنجۂ عقوبت میں گسنے اور

اُن کے ساتھ دوسری قسم کی بدسلوکیاں عمل میں لانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اُن کو دوبارہ اسی مذہب کے قبول کرنے کی ترغیب دی جائے، جس کو وہ ترک کر چکے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی طرف سے ایذا رسانی اس شدت تک پہنچ گئی تھی کہ جو مسلمان کفار کی تعدی اور بےرحمی کی وجہ سے اسلام سے دست بردار ہو کر بُت پرستی اختیار کرنے پر مجبور کیے گئے تھے، مگر دل میں ایک سچے خدا کا پکا اعتقاد رکھتے تھے۔ ایسے لوگوں کو بھی آنحضرت ؐ سچا مسلمان تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے۔

قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے :۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝
(النحل ۱۶۔ آیت ۱۰۸)۔

" جو شخص (کلمہ کفر کہنے پر) مجبور کیا جائے مگر اُس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو وہ قابل مواخذہ نہیں لیکن جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کے ساتھ کفر کرے اور دل کھول کر کفر کرے تو ایسے لوگوں پر خدا کی طرف سے غضب ہے اور اُن کیلئے بڑا عذاب ہے"
(النحل ۱۶۔ آیت ۱۰۸)۔

مسٹر سٹابرٹ کہتے ہیں :۔

" وہ قید اور وہ عقوبتیں، بالخصوص آفتاب کی جلانے والی کرنوں میں پیاس کی تکلیف، جن میں
" ان جابر مسلمانوں کو اس لئے مبتلا کیا جاتا تھا، کہ اُن کو اپنے قومی بتوں کی پرستش اور کفر و ارتداد
" کی طرف ترغیب دی جائے، ان باتوں کا آنحضرت ؐ کے دل پر بڑا اثر ہوا، اور خاص خاص حالتوں
" میں فرمان الٰہی کے موافق آپ نے اُن کو اجازت دیدی کہ وہ اپنے عقیدہ کا انکار کر سکتے ہیں جب
" تک کہ اُن کا قلب اُس پر قائم و مطمئن ہو"۔[1]

---

[1] دیکھو کتاب "اسلام اور اس کا بانی" از جے۔ ڈبلیو۔ ایچ۔ سٹابرٹ بی۔ اے صفحہ ۶۰
مگر در حقیقت کوئی ایسی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ قرآن مجید کی جو آیت اوپر نقل کی گئی ہے، اُس کا مطلب صرف یہ ہے کہ جو لوگ خدا کا انکار (کفر) کریں، خدا کا غضب اور عذاب اُن پہ ہوگا، مگر اُن لوگوں (کی ...)

۲۔ وہ ظلم، وہ اذیتیں اور وہ تکلیفیں جو ابتدائی مسلمانوں کو پیش آئی تھیں، اُن کی

اس ایذا رسانی کا ذکر قرآن مجید میں

وجہ سے وہ اس بات پر مجبور ہوئے کہ اپنے عیال و اطفال اور اپنے مال و اسباب کو ظالموں کے قبضہ میں چھوڑ کر اپنے گھر سے نکل بھاگیں۔ اُنہوں نے اس طریقہ کو بُت پرستی کی طرف رجوع کرنے سے بہتر سمجھا۔ اور اس سچے خدائے واحد پر پختہ ایمان رکھتے تھے۔ جس پر یقین اور توکل رکھنے کے لئے پیغمبر (صلعم) نے اُن کو تعلیم دی تھی۔ ان تمام واقعات کا خاکہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات میں غالباً صفائی کے ساتھ کھینچا گیا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝

(النحل ۱۶۔ آیات ۴۲-۴۳)

"اور جن لوگوں پر ظلم ہوئے، اور ظلم کے بعد انہوں نے خدا کی راہ میں ہجرت کی، ہم ضرور بالضرور دُنیا میں اُن کو اچھی امن کی جگہ دیں گے، اور آخرت کا اجر اس سے بڑھ کر ہے، اے کاش یہ لوگ جنہوں نے (مصیبتوں پر) صبر کیا ہے اور جو اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں، (اُس اجر کو) جانتے ہوتے"۔

(النحل ۱۶۔ آیات ۴۲-۴۳)

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (النحل ۱۶ آیت ۱۱۱)

"پھر جن لوگوں نے مبتلائے مصیبت ہونے کے بعد ہجرت کی، پھر جہاد کیا اور صبر کیا، (اے پیغمبر!) تمہارا پروردگار بے شک ان (امتحانوں) کے بعد اُن لوگوں کے لئے البتہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ (النحل ۱۶ آیت ۱۱۱)

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲) یہ نہیں جو مجبور ہو کر ایسا کریں۔ ان پچھلی قسم کے لوگوں کو (جن کی زبان سے سخت مجبوری کی حالت میں کلمۂ کفر نکل جائے) پہلی قسم کے اشخاص کے برابر نہیں رکھا گیا، خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ حالت مجبوری میں کسی کے دباؤ سے کلمۂ کفر کہہ بیٹھیں، وہ کافروں میں شمار نہیں کئے گئے۔ (بیضاوی جلد اول صفحہ ۵۲۸ مطبوعہ یورپ ۱۸۴۶ء۔ ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۴۹ مطبوعہ یورپ)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

(البقرہ ۲۔ آیت ۲۱۵)

"بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا۔ یہی لوگ ہیں جو اللہ کی رحمت کے اُمیدوار ہیں۔ اور اللہ بخشنے والا اور رحیم ہے"۔

(البقرہ ۲۔ آیت ۲۱۵)۔

فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۝

(آل عمران ۳۔ آیت ۱۹۴)

"جن لوگوں نے ہجرت کی اور میری راہ میں اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے۔ اور لڑے اور مارے گئے۔ ہم اُن کی خطاؤں کو ضرور بالضرور محو کردیں گے اور اُن کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی"۔

(آل عمران ۳۔ آیت ۱۹۴)۔

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۝

(الحج ۲۲۔ آیت ۵۷)

"اور جن لوگوں نے راہ خدا میں ہجرت کی پھر وہ قتل کئے گئے یا مر گئے۔ اللہ اُن کو (آخرت میں) ضرور بالضرور عمدہ روزی دے گا۔ اور بے شک اللہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے"۔

(الحج ۲۲۔ آیت ۵۷)

لَّا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ۚ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ

"جو مسلمان معذور نہیں ہیں۔ اور وہ (جہاد سے) بیٹھ رہے۔ یہ لوگ اُن کے برابر نہیں ہیں۔ جو اپنے مال اور جان سے راہِ خدا میں جہاد کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے مال و جان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر درجہ کے اعتبار سے فضیلت

عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً ۚ وَكُلًّا
وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَفَضَّلَ اللَّهُ
الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا
.... إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ
ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ ۖ قَالُوا
كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوا
أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا
فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَ
سَاءَتْ مَصِيرًا إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ
مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ
لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ
سَبِيلًا فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ
يَعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا
غَفُورًا ۝

(النساء ۴۔ آیات ۹۷۔ ۹۹۔ ۱۰۰)

لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ
لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ
مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا
إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ
إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ
فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ

دی ہے اور خدا کا وعدہ نیک سب سے ہے اور اللہ تعالیٰ
نے ثوابِ عظیم کے اعتبار سے جہاد کرنے والوں
کو بیٹھ رہنے والوں پر فضیلت دی ہے۔
.... جو لوگ اپنے نفسوں پر ظلم کر رہے ہیں جب
فرشتے اُن کی رُوح قبض کر چکتے ہیں تو اُن سے
پُوچھتے ہیں کہ تم (دارالحرب) میں کیا کرتے رہے
وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اُس سرزمین میں بے
بس تھے (فرشتے) کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی زمین
اتنی گنجائش نہیں رکھتی تھی کہ تم اُس میں ہجرت
کر کے کہیں چلے جاتے۔ پس یہ وہ لوگ ہیں
جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بُری جگہ ہے۔ مگر
جو مرد اور عورتیں اور بچے ایسے بے بس ہیں کہ کوئی تدبیر نہیں
کر سکتے اور نہ اُن کو بچنے کی کوئی سبیل نظر آتی ہے تو اُمید ہے
کہ اللہ اُن کو معاف کرے اور اللہ معاف کرنیوالا اور بخشنے والا ہے

(النساء ۴۔ آیات ۹۷۔ ۹۹۔ ۱۰۰)

"(اے مسلمانو!) جو لوگ تم سے دین کے بارہ میں نہیں
لڑے اور جنہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا اُن کے
ساتھ احسان کرنے اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں
کرتا کیونکہ اللہ منصفانہ معاملہ کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔
اللہ تم کو صرف اُن لوگوں سے دوستی پیدا کرنے سے منع کرتا ہے
جو تم سے دین کے بارہ میں لڑے اور جنہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا

وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ○ (الممتحنہ ۶۰۔ آیات ۸-۹)	اور تمہارے نکالنے پر دوسروں کو مدد دی اور جو کوئی اُن سے دوستی کرے گا تو (سمجھا جائے گا) وہی لوگ (مسلمانوں پر) ظلم کرنے والے ہیں[1]۔ (الممتحنہ ۶۰۔ آیات ۸-۹)

توہین و تحقیر جس کی ایذا آنحضرت ؐ نے برداشت کی

۳۔ خود پیغمبر اسلام ؐ نے اپنی موذی قوم یعنی قریش کے ہاتھوں توہین و تحقیر اور ذاتی نقصانات یعنے جسمانی صدموں کی تکلیفیں برداشت کی تھیں۔ آپ کو ادائے نماز سے روکا گیا (علق ۹۶۔ آیت ۱۰)[2] کفار کا آپ کے اُوپر تھوکنا۔ کوڑا کرکٹ ڈالنا۔ آپ کی گردن میں آپ ہی کے عمامہ کا پھندا ڈال کر کعبہ سے باہر نکال دینا یہ سب باتیں آپ نے گوارا کیں۔ ان تمام ذلتوں کو آپ انتہا درجہ کی تواضع اور خاکساری سے برداشت کرتے تھے، اور اپنے پیروؤں کے ساتھ ظلم و تعدّی کا برتاؤ روزمرہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ آپ کے چچا (حضرت ابوطالب) کے انتقال کے بعد لوگ آپ کی جان کے درپے ہو گئے۔ مگر آپ نے مدینہ کو ہجرت کر کے اپنی جان بچائی۔

قرآن مجید میں ہے :۔

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۚ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ○ (الانفال ۸۔ آیت ۳۰)	"اور (اے پیغمبر! یاد کرو) جب کافر تمہارے خلاف خفیہ تدبیریں کر رہے تھے تاکہ تم کو قید کر لیں یا تم کو قتل کر دیں یا تم کو جلاوطن کر دیں اور کافر اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیریں کر رہا تھا۔ اور اللہ سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے۔" (الانفال ۸۔ آیت ۳۰)

۴۔ تقریباً ۶۱۵ء میں قریش مکہ نے دین اسلام پر ظلم کرنے شروع کئے۔ سابق الاسلام

[1] بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۳۲۲ مطبوعہ یورپ [2] بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۴۱۰۔ مطبوعہ یورپ

قریش کی ایذا رسانی اور ظلم و تعدی کا خلاصہ تاریخی حیثیت سے۔

مسلمانوں میں سے جن لوگوں کا کوئی حامی و مددگار نہ تھا اُن کو سخت مجبور کیا گیا جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے۔ گیارہ آدمیوں کی ایک جماعت نے وطن سے ہجرت کی، اور بعض تو مع عیال و اطفال کے وطن چھوڑ کر نکل گئے۔ اور باوجودیکہ قریش نے اُن کا تعاقب کیا تاہم بحیرۂ قلزم کو عبور کر کے شاہ حبشہ (ابی سینا) کے دربار میں اُن کو پناہ مل گئی۔ یہ پہلی ہجرت تھی[1]۔ یعنے ستم رسیدہ مسلمانوں کا ترک وطن کرنا۔

کچھ عرصہ کے بعد جبکہ قریش نے بہ نسبت سابق کے زیادہ شدت سے ظلم و ستم شروع کئے، تو مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نے جنکی تعداد سَو سے زیادہ تھی۔ ابی سینا کی طرف ہجرت کی۔ یہ مسلمانوں کی دوسری ہجرت کہلاتی ہے[2]۔ قریش نے دربار حبشہ میں اپنے سفیر بھیجے کہ ان مہاجرین کو واپس بھیجدیا جائے۔ بادشاہ نے اُن کو قریش کے حوالے کرنے سے انکار کیا۔ تقریباً دو سال بعد قریش نے مسلمانوں کے برخلاف ایک جتھا قائم کیا[3]، جس کے ذریعہ سے انہوں نے مسلمانوں اور اُن لوگوں کے ساتھ جو اُن کے حامی اور مددگار تھے، میل جول بند اور تمام تعلقات قطع کر دئے۔ قریش نے زجر و توبیخ اور تنبیہ و تہدید کے ذریعہ سے مسلمانوں کو شہر مکّہ سے نکل جانے پر مجبور کیا۔ ان لوگوں کو مع حضرت پیغمبرؐ اور بنی ہاشم اور اُن کے عیال و اطفال کے تخمیناً تین سال تک شعب[4] ابوطالب میں محصور رہنا پڑا۔ وہ یہاں اس طرح رہتے تھے کہ بیرونی دنیا سے اُنکو کچھ تعلق نہ تھا۔ قطع تعلق کے معاہدہ پر قریش سختی کے ساتھ عمل کرتے تھے۔ اس ملکی اور تمدنی معاہدہ کی شرطیں جن کی پابندی اُن پر لازم تھی حسب ذیل تھیں:۔

(۱) مسلمانوں[5] کے ساتھ جن کا خون ہدر کیا گیا تھا شادی بیاہ، رشتہ ناطہ نہ کیا جائے۔

---

[1] ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۳۶۔ [2] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۱۳۸۔ [3] ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۳۹۔ [4] ابن سعد جلد ا صفحہ ۱۳۹۔ [5] ابن سعد جلد ا صفحہ ۱۳۹۔

(۲) اُن کے ساتھ کوئی خرید و فروخت نہ کی جائے۔

(۳) اُن کے ساتھ کل تعلقات بالکل قطع کر دئے جائیں۔

آنحضرت صرف مقدس مہینوں کے درمیان شعب سے باہر نکل کر حاجیوں کے شامل ہو کر اُن کو بُت پرستی سے نفرت اور ایک سچے خدا کی عبادت کی رغبت دلانے کا وعظ فرماتے تھے۔ شعب ابو طالب ایک گھاٹی ہے، جو کوہ **ابو قبیس** کی تلیٹی میں واقع ہے۔ ایک نیچا پھاٹک ساکنان شعب کو بیرونی دُنیا سے جدا کرتا تھا، اور مثل اُس فوج کے جو قلعہ میں محصور ہو، جملہ ضروریات زندگی سے محروم اور تکلیف میں مبتلا تھے۔ کوئی شخص ان مقدس مہینوں کے سوا، جب کہ تمام مخالفانہ خیالات اور افعال علیحدہ رکھ دئے جاتے تھے باہر نکلنے کی جُرأت نہیں کر سکتا تھا، **شعب** کے اندر سے بھوکے بچوں[1] کے رونے اور چلانے کی آوازیں باہر اہل مکہ کے کانوں میں پہنچتی تھیں، اور ساکنان شعب کے صبر و تحمل اور مشرکین مکہ کی تعدی و ایذا رسانی کی یہ حالت کوئی تین سال تک قائم رہی۔ مخالف جماعت (کفار قریش) کے سر برآوردہ اشخاص میں سے جو اس ظلم کے حامی تھے، پانچ آدمی[2] اس معاہدہ سے علیحدہ ہو گئے، اور قوم کے جتھے سے جدا ہو کر اُنہوں نے مقید مسلمانوں کو قید سے آزاد کر دیا۔ یہ واقعہ آنحضرت کی رسالت کے دسویں سال میں پیش آیا تھا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد آنحضرت کے ناصر و معین اور آپ کے عم محترم یعنے **حضرت ابو طالب** کے انتقال کی وجہ سے آنحضرت اور سابق الاسلام مسلمانوں نے ایک بڑا نقصان اُٹھایا۔ الغرض ابو سفیان، ابو جہل اور دیگر مشرکین کی ترغیب سے، آنحضرت اور آپ کے پیرووں کی توہین و تحقیر اور اُن پر ظلم و ستم دوبارہ بے روک ٹوک اور کُھلم کُھلا ہونے لگے، اور چونکہ مسلمان شہر (مکہ) میں گویا مُٹھی بھر تھے، اس لئے وہاں کے دولتمند اور قوی سرداروں کا مقابلہ نہیں

[1] ابن سعد جلد ا صفحہ ۱۴۰۔ [2] ابن سعد جلد ا صفحہ ۱۴۱۔

کر سکتے تھے۔ اس نازک وقت میں یا تو اس وجہ سے کہ مکہ میں رہنے سے آنحضرت ؐ نے اپنی جان کو محفوظ نہ پایا، اور یا اس وجہ سے کہ آپ کو کسی دوسرے مقام پر اپنے پیغام کے زیادہ تر قبول کئے جانے کا بھروسا تھا، آپ بنی ثقیف کے شہر طائف[۱] کی طرف روانہ ہوئے، یہ شہر بت پرستی کا ایک بڑا قلعہ (یعنے مشہور بیت الصنم) تھا۔ یہاں ایک پتھر کی مورت جس کو "لات" کہتے تھے، قیمتی لباس اور جواہرات سے آراستہ موجود تھی، جس کی پوجا ہوتی تھی، اور جس کو خدا کی ایک بیٹی سمجھتے تھے۔ یہاں پہنچ کر آنحضرت ؐ نے لوگوں کے سامنے وعظ فرمایا جو اس کو سن کر ناراض ہوئے، اور رؤسائے شہر کی طرف سے بجز مخالفت اور تحقیر و تذلیل کے اور کچھ حاصل نہ ہوا، جس کا اثر تھوڑی سی دیر میں عوام الناس تک پھیل گیا[۲]۔ آپ کو شہر سے باہر نکال دیا گیا، بدسلوکی کی گئی، اور زخمی کیا گیا، اور جب تک کہ بنی عبد الشمس کی نسل کے ایک سردار مسمّٰے مطعم[۳] نے آپ کی حمایت نہ کی، اُس وقت تک آپ واپس مکہ میں داخل نہ ہو سکے +

سالانہ حج کے موقع پر مدینہ کے حاجیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت اسلام کا وعظ سُن کر اسلام کی طرف مائل اور مسلمان ہو گئی، اور آیندہ سال میں اُن کی تعداد بارہ[۱۲] تک پہنچ گئی۔ ان لوگوں نے آنحضرت ؐ سے مل کر اطاعت کا عہد و پیمان کیا۔ آپ نے ایک معلم مصعب بن عمیر العبدری کو مقرر کر کے اُن کے ساتھ مدینہ بھیج دیا[۴]، جہاں ایک عجیب و غریب سرعت کے ساتھ یہ دین پھیل گیا۔ دوبارہ حج کا موسم آیا، اور مدینے کے ستّر سے زیادہ آدمیوں نے مسلمان ہو کر یہ قول و قرار کیا کہ ہم اپنے جان و مال کو خطرہ میں ڈال کر آنحضرت ؐ کو اپنے وطن میں پناہ دیں گے اور آپ کی حمایت کریں گے۔ یہ تمام کام پوشیدہ طور پر کیا گیا، مگر چونکہ قریش کو اس کی اطلاع مل گئی تھی، اُنھوں

---

[۱] ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۴۱۔ [۲] ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۴۱۔ [۳] ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۴۲۔
[۴] ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۴۸ +

ازسرِنو ایسی سختیاں اور زیادتیاں کرنی شروع کیں، جن میں بعض اوقات قید کی سزا بھی شامل تھی، کہ مسلمان اپنے شہرِ امن یعنی مدینہ کی طرف جلد روانہ ہوگئے[۱]۔

۵۔ قریش کی جابرانہ کارروائیوں سے آنحضرتؐ بہت دِق ہوگئے، اور چونکہ خود آنحضرتؐ اور آپ کے پیروؤں کی ذاتی حفاظت اور امن خطرہ کی حالت میں تھی، اور باہمی تعلقات کے قائم رکھنے سے قریش کو انکار تھا۔ لہٰذا آپ نے دیکھا کہ قریش کی طرف سے رواداری اور تحمّل کی توقّع رکھنی عبث ہے، جنہوں نے آپ کو وطن میں رہنے نہ دیا، اور مذہب اسلام کی تلقین کرنے سے باز رکھا۔ اور آپ نے ایک اجنبی سرزمین (مدینہ) سے مدد اور حمایت کی اُمید رکھی۔ آنحضرتؐ نے اہل مدینہ سے استدعا کی کہ مجھے اپنے وطن میں جگہ دو اور میری حمایت کرو۔ مسلمانان مدینہ نے، جو حج کے لئے مکّہ میں آئے تھے، آنحضرتؐ کے ساتھ عہد و پیمان کیا اور اس بات کا وعدہ کیا کہ ہم اسی طرح آپ کی حمایت کریں گے جس طرح اپنے عیال و اطفال کی حمایت کرتے ہیں

ہجرت مدینہ

مدینہ کے جدید مسلمان اگرچہ اپنی طرف سے ابتداءً بجنگ نہیں کرتے تھے، مگر قریش نے فوراً اُن پر شبہ کیا، اور جو مسلمان مکّہ میں موجود تھے، اُن کو گرفتار کرنے کی کوشش کی۔ اُنہوں نے مدینہ کے ایک مسلمان سعد بن عبادہ انصاری کے ساتھ جو اُن کے قابو میں آگیا تھا، سخت بدسلوکی کی[۲]۔ اور ظلم و ایذا کا کام واقعی طور پر دوبارہ شروع ہوگیا[۳]۔ جو مسلمان مقید تھے۔ یا غلامی سے نکل کر بھاگ نہیں سکتے تھے اُن کے علاوہ اور نیز عورتوں اور بچوں کے سوا جو ہجرت نہیں کرسکتے تھے مسلمانوں کو ہجرت کرنے میں دو مہینے لگے بہت

---

[۱] ابن سعد جلد اوّل صفحہ ۱۴۰۔ [۲] ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۵۰۔ [۳] مسلمانان مدینہ کی حمایت اور ارادۂ ہجرت کے گمان نے قریش کو سخت برافروختہ کیا، اور اس سختی نے مسلمانوں کو آنحضرتؐ سے ہجرت کی اجازت لینے پر مجبور کیا۔ ممکن ہے کہ یہ دونو سبب ایک ساتھ موجود ہوں، اور ایک دوسرے پر متوجّہ ہوں، اور یہ امر ضرور تھا کہ کفار کی ایذا رسانی کی وجہ سے مسلمانوں کو جلد ہجرت کرنی پڑے اور یہ کہ پھر ایک نئی ہجرت پر قریش برافروختہ ہوکر اور بھی زیادہ بیرحمی کریں۔ (سیرت محمدی از ولیم میور جلد دوم صفحات ۲۴۲-۲۴۳ فٹ نوٹ)۔

سے قبائل یکے بعد دیگرے چپ چاپ نکل گئے اور گھر کے گھر خالی اور ویران ہو گئے۔ شہر کے ایک دو محلّے تو بالکل اُجڑ گئے۔ قریش پنچایت کرکے آنحضرت م کے خون کے درپے ہو گئے تھے اور آنحضرت م جناب علی مرتضیٰ کو اپنے گھر میں پیچھے چھوڑ کر اور حضرت ابوبکر رض کو ہمراہ لے کر مکّہ سے نکل گئے[1]۔ آپ نے حضرت علیؓ کو اپنی چادر اُڑھا دی، تاکہ آپ کے ہمسایوں (کفّار قریش) کو شکوک و شبہات پیدا نہ ہوں، اور یہ فرمایا کہ "اے علیؓ! تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ" حضرت محمد (صلعم) اور آپ کے رفیق (حضرت ابوبکر صدیق رض) نے ایک غار میں پناہ لی۔ قریش نے آپ کی تلاش میں سب طرف جاسوس روانہ کئے۔ مگر بے فائدہ۔ تین روز تک غار میں پوشیدہ رہنے کے بعد آپ مع حضرت ابوبکرؓ کے مدینہ کو روانہ ہوئے، جہاں امن و آرام سے پہنچ گئے[2]۔

واقعات مندرجہ بالا کی موجودگی میں اگر آنحضرت م قریش کے ساتھ فوراً جنگ و مخالفت شروع کر دیتے، تو بھی آپ پوری طرح حق بجانب ہوتے، مگر آپ نے اُس وقت تک ہتھیار نہیں اُٹھائے جب تک آپ اہل مکّہ کے حملوں سے ایسا کرنے پر مجبور نہ ہوئے۔

مکّہ سے ہجرت کے بعد قریش کا مسلمانوں کو ایذا دینا۔

۶۔ اگرچہ حضرت پیغمبر صلعم اور تمام ابتدائی مسلمان جو بچ کر نکل سکتے تھے، سوائے اُن کے عیال و اطفال، عورتوں بچوں اور اُن ضعیف مسلمانوں کے جو مکّہ کو چھوڑ نہیں سکتے، ہجرت کرکے مدینہ چلے گئے تھے، تاہم اہل مکّہ یعنے قریش نے ان مہاجرین کا پیچھا نہ چھوڑا اور اُن پر حملے کرنے سے باز نہ رہے۔ اُنھوں نے اُن بچّوں اور کمزور مسلمانوں سے جو مکّہ میں پیچھے رہ گئے تھے، **بدسلوکی** کرنی شروع کی (النساء ۴۔ آیات ۷۷۔ ۹۹۔ ۱۰۰) مسلمانوں کو اُن کے گھروں سے نکال دیا۔ اور اُن کو مکّہ میں حج کے لئے واپس آنے کی اجازت

---

[1] ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۵۳۔ [2] ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۵۳ تا ۱۶۱۔ مطبوعہ یورپ۔

ندوی (البقرہ ۲۔ آیت ۲۱۴) اہل مکہ نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کا عزم مصمم کر کے مدینہ کے علاقہ پر حملہ کیا (اور جنگ بدر، جنگ اُحد، جنگ خندق یا جنگ احزاب، یہ لڑائیاں درحقیقت مدینہ ہی کے قریب پیش آئی تھیں) لہذا محض مدافعت کی غرض سے مسلمانوں کو مجبوراً ہتھیار اُٹھانے پڑے۔

یہ وجوہات مسلمانوں کے حملہ کرنے کے لئے کافی تھیں۔ مسلمانوں کی یہ بھی خواہش تھی کہ اپنے عیال و اطفال کو اور اُن لوگوں کو رہائی دلائیں جو اہل مکہ کے ظلم و ستم سے ہجرت میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ تاہم کسی حالت میں مسلمان جنگ کی ابتدا کرنے والے نہ تھے۔ اگرچہ وہ اپنے وطن اور عیال و اطفال سے جدا کئے گئے تھے تاہم اُنہوں نے اُس وقت تک ہتھیار نہ اُٹھائے جب تک کہ وہ محض مدافعت کے لئے ایسا کرنے پر مجبور نہ ہوئے۔

آنحضرت ﷺ خود اپنے لئے اور اپنے پیروؤں کے لئے جس بات کے خواہاں تھے، وہ صرف یہ تھی کہ کانشنس (ایمان و عقیدہ) اور اعمال مذہبی کی بابت پوری آزادی حاصل رہے، اور مذہب کی تبلیغ اور اُس کی تعمیل کی اجازت بلا مزاحمت مل جائے۔ چونکہ آنحضرت ﷺ کو ایسی اجازت حاصل نہ ہو سکی، لہذا آپ نے اپنے پیروؤں کو شہر چھوڑ کر کسی دوسری جگہ پناہ لینے کی صلاح دی۔ اُنہوں نے دو مرتبہ ابی سینا (حبشہ) کی طرف ہجرت کی، اور تیسری مرتبہ نکل کر مدینہ چلے گئے اور بعد میں آنحضرت ﷺ بھی وہیں تشریف لے گئے، جب کہ آپ کی جان لینے کا قصد کیا گیا تھا۔

باب دوم

اہل مکّہ یا قریش

۷ - ہجرت کے بعد آنحضرت صلعم اور آپ کے پیرؤوں کے ساتھ قریش کی روش فوراً زیادہ تر مخالفانہ ہوگئی۔ کُرز بن جابر نے، جو قریش کے غارت گر سرداروں میں سے تھا، مدینہ کے اُونٹوں اور گلّوں پر حملہ کیا، اور اُن کو لے گیا، جب کہ وہ شہر (مدینہ) سے چند میل کے فاصلہ پر ایک میدان میں چر رہے تھے [۱]

سلہ میں قریش کا ایک سردار مدینہ کے قریب حملہ کرتا ہے۔

۸ - اِس وقت[۲] تک مدینہ سے اس حملہ کا مخالفانہ جواب نہیں دیا گیا تھا، یہاں تک کہ حملآور (قریش) مدینہ سے نوسَو پچاس جوانوں کی فوج فراہم کرکے، جو سات سَو اُونٹوں اور سَو گھوڑوں پر سوار تھے، بمقام بدر اپنے ہمراہ لائے، جو مکّہ سے نو منزل مدینہ کی طرف واقع ہے اُس وقت آنحضرت صلعم اپنی تین سَو پانچ آدمیوں کی قلیل جماعت کو ساتھ لے کر حملہ آوروں کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ قریش کی طرف سے حملہ آوری کی اور حضرت محمد (صلعم) کی طرف سے مدافعت کی پہلی جنگ یہی تھی۔ اُس لڑائی میں حملہ آور قریش کو سخت شکست ہوئی +

قریش مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے کُوچ کرتے ہیں۔ آنحضرت صلعم مدافعت کے لئے آگے بڑھتے اور جنگ بدر میں فتح حاصل کرتے ہیں

---

[۱] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۴ - ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۸۶ - [۲] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۶ - ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۸۹ +

۹- اس[1] کے بعد قریش کے سردار **ابوسفیان** نے غلّہ کے کھیتوں اور کھجور کے باغوں پر، جو مدینہ کے شمال ومشرق کی طرف دو تین میل کے فاصلہ پر واقع تھے، حملہ کرکے آنحضرت ؐ اور اہل مدینہ کو چوکنا بنا دیا۔

ابوسفیان کا حملہ مدینہ پر ۲ھ میں۔

بنی سُلیم[2] اور بنی غطفان[3] کے خانہ بدوش قبائل نے، جو قریش ہی کی نسل سے تھے، غالباً قریش کی تحریک سے یا کم از کم ابوسفیان کے نمونہ کی پیروی کرکے، دو مرتبہ فراہم ہو کر مدینہ پر بغرض تاخت وتاراج حملہ کرنے کا منصوبہ باندھا، یہ کام بجائے خود اُن کی غارت گری کی عادتوں کے موافق تھا۔

۱۰- قریش[4] نے مدینہ پر از سرِ نو حملہ کرنے کے لئے بڑی بڑی تیاریاں کی تھیں۔

جنگ اُحد

جنگ بدر سے ایک سال بعد اُنہوں نے اپنا کوچ شروع کیا۔ فوج کی تعداد تین ہزار تھی، جن میں سے سات سَو زرہ پوش اور دو سَو عمدہ گھوڑوں کے سوار تھے۔ مدینہ پہنچ کر وہ اُحد کے مغرب کی طرف ایک وسیع اور سرسبز میدان میں خیمہ زن ہوئے۔

آنحضرت ؐ نے سات سَو پیادوں اور صرف دو سواروں کے ساتھ ابوسفیان کا مقابلہ کیا۔ مگر اس لڑائی میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور آنحضرت ؐ زخمی ہو گئے۔

۱۱- چونکہ اُحد کی اس شکست کا اثر آنحضرت ؐ کے اقتدار پر پڑا تھا، اس لئے اکثر بدوی قبائل نے آپ کے ساتھ ایک مخالفانہ روش اختیار کرلی تھی۔ بنی اسد[5] جو نجد کے رہنے والے قریش کا ایک طاقتور قبیلہ تھا، اور بنی لحیان[6] جو مکہ کے قرب وجوار میں رہتے تھے، اُنہوں نے

آنحضرت ؐ کے اقتدار پر اس شکست کا اثر۔

---

[1] التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۴۰ - ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۲۰ - ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۰۸ - [2] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۲۲ - [3] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۲۴ - [4] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۲۵ - ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۱۴ - [5] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۳۵ - [6] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۵۶ - ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۴۳ -

مدینہ پر تاخت و تاراج کرنے کی تیاری کی۔ رجیع[1] اور بیر معونہ[2] میں داعیان اسلام قتل کئے گئے۔ دومۃ الجندل[3] کے غارت گر گروہوں نے بھی شہر پر حملہ کرنے کی دھمکی دی۔ بنی مصطلق[4] نے بھی مدینہ کے اس حملہ میں شریک ہونے کے لئے فوج جمع کی۔

ابوسفیان نے مسلمانوں کو سال آئندہ ایک اور حملہ کرنے کی دھمکی دی۔

۱۲- ابوسفیان[5] نے فتح مند ہو کر میدان جنگ سے واپس جاتے وقت، مسلمانوں کو سالِ آئندہ ایک جدید حملہ کی دھمکی دی، اور خاص حضرت عمرؓ سے یہ کہا کہ "ہم ایک سال کے بعد بمقام بدر پھر ایک دوسرے کے مقابل ہونگے"۔ تاہم قریش کے اس حملہ سے جس کی دھمکی دی گئی تھی، اہل مدینہ اور مسلمان ایک عرصہ تک محفوظ و مصئون رہے۔

آخر کار وہ وقت آن پہنچا جبکہ قریش اور مسلمانوں کی فوجوں کی مُٹ بھیڑ بمقام بدر ہونے والی تھی۔ مگر یہ سال قحط اور خشکی کا تھا، اور قریش خواہاں تھے کہ یہ مہم کسی زیادہ مناسب موسم تک ملتوی کر دی جائے۔ چنانچہ اُنہوں نے ایک شخص مسمیٰ نعیم[6] ابن مسعود کو، جو ایک ایسے قبیلہ سے تھا جس کو نہ مسلمانوں سے تعلق تھا اور نہ قریش سے، اس کام پر مامور کیا کہ مدینہ پہنچ کر قریش کی تیاریوں کا ایک مبالغہ آمیز حال بیان کرے، اس اُمید پر کہ مُسلمان قریش کے مقابلہ کے لئے روانہ ہونے سے باز رہیں، کیونکہ میدان اُحد کا واقعہ اُن کے حافظہ میں تازہ تھا۔ مگر آنحضرت (صلعم) پندرہ سَو آدمیوں اور صرف دس گھوڑوں کے ساتھ بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ قریش، جو آنحضرت ؐ کی فتحمندی پر ہرگز آزردہ خاطر معلوم نہیں ہوتے تھے، آپ پر ایک آور[ا]

---

[1] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۳۹ - ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۸ - [2] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۳۶ - ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۹
[3] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۴۴ - التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۴۸ - [4] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۴۵ - [5] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۴۲ - ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۱۳۵ - [6] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۴۲ - التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۴۸ -

عظیم الشان حملہ کرنے کا منصوبہ باندھنے لگے۔

۱۳ - قریش[۱۱] نے سال آیندہ کے موسم سرما کو جنگ و عداوت کے ازسرِ نو شروع کرنے کے لئے منتخب کیا۔ اُنھوں نے بدوی قبائل کی ایک بہت بڑی جمعیت کے ساتھ (کل فوج کی تعداد تخمیناً دس ہزار تھی) شامل ہو کر آنحضرت صلعم سے مقابلہ کرنے کے لئے کُوچ کیا، اور مدینہ کا محاصرہ کر لیا، آنحضرت صلعم نے ایک خندق کھود کر شہر کو حملہ سے بچایا۔ (اسی وجہ سے یہ لڑائی غزوۂ خندق کے نام سے موسوم ہے) مدینہ[۱۲] کی فوج خندق کے اندر قائم کی گئی، اور قریش کی فوج اُن کے مقابل کی طرف خیمہ زن ہوئی۔ اس اثنا میں **بنی قریظہ** کو جو ایک یہودی قبیلہ تھا، آنحضرت صلعم کی اطاعت سے منحرف کر دینے میں ابو سفیان نے کامیابی حاصل کی۔ ان لوگوں کا مسلمانوں سے علیحدہ ہو جانا، مدینہ کے لئے نہایت خطرناک تھا۔ دشمن نے ایک عام حملہ کیا جس کی مدافعت کی گئی۔ خراب موسم شروع ہو گیا تھا اور ابو سفیان نے مددگار فوج کو منتشر ہو جانے کا حکم دیا۔ غنیم نے مراجعت کی۔ اور پھر کبھی مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے نہ آیا، لہٰذا قریش کی طرف سے حملہ کی اور آنحضرت صلعم کی طرف سے مدافعت کی آخری لڑائی یہی تھی۔

> قریش ایک بڑی فوج سے مدینہ پر دوبارہ حملہ کرتے ہیں آنحضرت صلعم شہر کو بچاتے ہیں غنیم ہٹ جاتا ہے (جنگ خندق یا احزاب ۵ھ)

۱۴ - آنحضرت صلعم[۱۳] اور آپ کے تابعین کو مکہ سے ہجرت کئے چھ سال کا عرصہ منقضی ہو چکا تھا اُس وقت سے اب تک اُنھوں نے خانۂ کعبہ کی زیارت نہیں کی تھی، اور نہ کبھی حج میں شامل ہوئے تھے، جو اُن کی تمدنی اور مذہبی زندگی کا ایک ضروری

> آنحضرت صلعم مسلمانوں کے ہمراہ عمرہ ادا کرنے کے لئے روانہ ہوئے، قریش نے آپ کا مقابلہ کیا، اور آپ بلا لڑے واپس آ گئے۔ ۶ھ

[۱۱] التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۴۸ - ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۳۴ - ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۴۷ - ابن ہشام صفحہ ۶۶۸

[۱۲] واقدی صفحہ ۳۶۵ - ۳۶۷ - [۱۳] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۶۹ -

جزو تھا۔ حضرت ؐ نے ذیقعدہ کے مہینے میں، جبکہ جنگ تمام عرب میں حرام تھی، مکہ میں عمرہ بجالانے کا قصد کیا، اور مع اپنے تابعین کے یعنے عابد اور صلح جو حاجیوں کی جماعت کے ساتھ، جن کی تعداد پندرہ سو تھی[1]، مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ ان لوگوں کے پاس اُن ہتھیاروں کے سوا کوئی ہتھیار نہ تھا، جن کے رکھنے کی اجازت اُس زمانے کے دستور کے موافق حاجیوں کو تھی، یعنے ہر شخص کے لئے ایک ایک تلوار میان میں رکھی ہوئی۔ قریش اور اُن کے مددگاروں یعنے گردو نواح کے قبیلوں نے حاجیوں کے آنے کی خبر سُن کر ہتھیار اُٹھائے، اور اُن کو روکنے کے لئے آگے بڑھے۔ آنحضرت ؐ نے بمقام حدیبیہ اپنے خیمے نصب فرمائے اور یہاں قریش اور آنحضرت ؐ کے مابین ایک صُلح کا عہدنامہ ہوا۔ اس عہدنامہ کا مضمون یہ تھا، کہ دس سال تک جنگ ملتوی رہے، اور کوئی فریق دوسرے پر حملہ نہ کرے۔ جو شخص آنحضرت ؐ کے ساتھ شامل ہونا، اور آپ کے ساتھ عہدنامہ کرنا چاہے، اُس کو ایسا کرنے کی آزادی ہونی چاہیئے۔ اگر کوئی شخص اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر، آنحضرت ؐ کے پاس چلا آئے، تو وہ اپنے سرپرست کے پاس واپس بھیج دیا جائے گا، لیکن اگر کوئی شخص آنحضرت ؐ کے پیرووں میں سے قریش کے پاس چلا جاوے تو وہ واپس نہیں بھیجا جائے گا، اور قریش کی طرف سے یہ شرط تھی کہ آنحضرت ؐ اور آپ کے پیرو شہر میں داخل ہونے (اور عمرہ کرنے) کے بغیر اس سال واپس لوٹ جائیں اور سال آئندہ آنحضرت ؐ اور آپ کے پیرو تین دن تک مکہ میں عمرہ کر سکتے ہیں، جبکہ ہم (قریش) وہاں سے چلے جائیں گے۔ مگر اُن کو مُسافروں کے ہتھیاروں کے سوا، کوئی ہتھیار لے کر داخل ہونے کی اجازت نہ ہوگی۔ یعنی ہر ایک شخص ایک میان میں رکھی ہوئی تلوار اپنے ساتھ لا سکتا ہے۔ بنی خزاعہ آنحضرت ؐ کے معاہدہ میں شریک ہوئے، اور بنی بکر قریش کے ساتھ شامل ہو گئے۔

[1] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۷۱۔

۱۵- یہ صلح قائم رہی، یہاں تک کہ قریش نے عہد نامہ حدیبیہ کو توڑ ڈالا[۱]، اور بنی خزاعہ کے متعدد آدمیوں کو دغابازی سے قتل کر ڈالا مظلوم اور ستم رسیدہ بنی خزاعہ کی حمایت میں اور عہد نامہ کی خلاف ورزی کی وجہ سے قریش کو تنبیہ کرنے کی غرض سے ہجرت کے آٹھویں سال آنحضرتؐ نے اُن کے خلاف مکہ کی طرف کوچ کیا۔ مگر قریش نے آنحضرت ؐ کے مکہ پہنچنے سے پہلے ہی آپ کی اطاعت قبول کر لی، اور بلا مزاحمت شہر مکہ پر آپ کا قبضہ ہو گیا۔

قریش کا نقض عہد اور اُن کا مغلوب ہونا۔

۱۶- تھوڑے عرصہ کے بعد بنی ہوازن[۲] اور بنی ثقیف کے جنگجو قبیلوں نے حملہ کیا۔ یہ لوگ بمقام اوطاس جمع ہوئے اور آنحضرت ؐ پر حملہ کرنے کے لئے حُنین تک بڑھے چلے آئے۔ آپ کو مجبوراً

دو اور قبیلوں نے بھی مسلمانوں پر حملہ کیا

---

[۱] بد قسمتی سے کئی داعی جو آنحضرت ؐ نے تبلیغ اسلام کے لئے بھیجے تھے اُن کو نامساعد واقعات پیش آئے:-

(۱) جو گروہ داعی بنی سُلیم کے پاس دعوت اسلام کی غرض سے بھیجا گیا تھا اور جن کی تعداد ۷۰ تھی اور جن کے افسر منذر بن عمرو الساعدی تھے، بمقام بیر معونہ قتل ہوا۔ (ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۳۶)

(۲) ایک اور گروہ جو بنی لیث کے پاس روانہ کیا گیا تھا، اُس پر ایک چھاپا مارا گیا، اور اس کے اُونٹ لوٹ لئے گئے۔

(۳) ایک چھوٹی سی جماعت کو جو آنحضرت ؐ نے فدک کو روانہ کی تھی، بنی مرہ نے تہ تیغ کر ڈالا۔ (ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۸۶)۔

(۴) ایک اور داعی ذات اطلاح کی طرف لوگوں کو قبول اسلام کی ترغیب دینے کے لئے روانہ کیا تھا، اس میں سے صرف ایک آدمی زندہ بچ کر آیا۔ (ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۹۲)۔

(۵) آنحضرت ؐ نے اپنا جو داعی حارث بن عمیر ازدی بمقام بُصریٰ غسانی شہزادہ کے پاس بھیجا تھا اُس کو موتہ کے سردار شرحبیل بن عمرو الغسانی نے قتل کر دیا۔ اس سردار کی دغابازی کا انتقام لینے کے لئے جو فوج آپ نے روانہ کی تھی اُس کو شکست ہوئی۔ (ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۹۲)۔

ان تمام ناموافق واقعات اور انقلابات کا آنحضرت ؐ کے اقتدار پر خوفناک اثر پڑا، اور ان ہی باتوں سے قریش مکہ کو صلح حدیبیہ کے توڑنے کی ترغیب ہوئی۔ (ابن سعد جلد دوم صفحہ ۹۴)۔

[۲] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۰۸۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۹۹)۔

مکہ چھوڑنا پڑا، اور اُن کی جمعیت کو منتشر کرنے کی غرض سے روانہ ہونا پڑا، چنانچہ وہ حُنین کے مقام پر شکست کھا کر پسپا ہوگئے۔ (دیکھو سورۂ توبہ ۹۔ آیات ۲۶ تا ۲۸) بنی ثقیف[1] کے شہر طائف کا محاصرہ کر لیا گیا، مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔

باب سوم

جنگوں کی دفاعی حیثیت

آیاتِ قرآنی جو جنگوں کی دفاعی حیثیت کی مؤید ہیں

۷ا۔ قریش کے ساتھ آنحضرت صلعم کی دفاعی جنگوں کا یہ مختصر سا خاکہ، بوجہ اتم اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ جو لوگ یہ دعوے کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم جنگ کی ابتدا کرنے والے، یا اپنی لڑائیوں میں انتقام لینے والے تھے، یا یہ کہ آپ نے لوگوں سے اپنا مذہب زبردستی قبول کرانے کے لئے جنگ کی تھی، اُن کی رائے سراسر غلط اور واقعات کے خلاف ہے۔

اب میں قرآن مجید کی بعض آیتیں نقل کرتا ہوں، جن سے ثابت ہے۔ کہ قریش کے ساتھ آنحضرت صلعم کی تمام جنگیں دفاعی تھیں:-

۳۹۔ اِنَّ اللّٰہَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ خَوَّانٍ کَفُوْرٍ ۝ (الحج ۲۲۔ آیت ۳۹)	۳۹۔ "جو لوگ ایمان لائے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کے دشمنوں کو اُن سے دفع کرتا ہے، درحقیقت اللہ تعالیٰ کسی دغاباز ناشکر سے محبت نہیں کرتا۔" (الحج ۲۲۔ آیت ۳۹)
۴۰۔ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ	۴۰۔ "جن مسلمانوں سے (کافر) جنگ کرتے ہیں اب اُن کو

[1] ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۰۳۔ ابن سعد جلد دوم صفحہ ۱۱۴۔

بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝

(الحج ۲۲ - آیت ۴۰)

بھی جنگ کی اجازت دی جاتی ہے اس لئے کہ اُن پر ظلم کیا گیا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اُن کی مدد کرنے پر قادر ہے"۔

(الحج ۲۲ - آیت ۴۰)

۴۱۔ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝

(الحج ۲۲ - آیت ۴۱)

۴۱۔ "جو صرف اتنا کہنے پر کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ سے دفع نہ کرتا تو نصاریٰ کے صومع اور گرجاگھر، اور (یہودیوں کے) معابد اور (مسلمانوں کی) مساجد جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے، کبھی کی مسمار ہو چکی تھیں، اور جو اللہ کی مدد کرے گا۔ اللہ بھی ضرور اس کی مدد کریگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ زبردست غالب ہے"۔

(الحج ۲۲ - آیت ۴۱)۔

۴۲۔ الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ۝

(الحج ۲۲ - آیت ۴۲)

۴۲۔ "یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں اُن کو قدرت دیں تو وہ نماز پڑھیں گے، اور زکوٰۃ دیں گے، لوگوں کو اچھے کام کی تاکید کریں گے، اور بُرے کاموں سے منع کریں گے، اور تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے"۔

(الحج ۲۲ - آیت ۴۲)

۱۸۶۔ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ (البقرہ ۲ - آیت ۱۸۶)

۱۸۶۔ "اور جو لوگ تم سے جنگ کریں، اللہ تعالیٰ کی راہ میں تم بھی اُن سے جنگ کرو، اور زیادتی نہ کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا"۔ (البقرہ ۲ - آیت ۱۸۶)

۱۸۷- وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ج وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ج فَإِن قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ط كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ○

(البقرہ ۲- آیت ۱۸۷)

۱۸۷- "اور اُن کو (جو تم سے جنگ کرتے ہیں) جہاں پاؤ قتل کرو، اور جہاں سے اُنہوں نے تم کو نکالا ہے (یعنی مکہ سے) تم بھی اُن کو وہاں سے نکال دو، اور فتنہ[1] فساد اور ایذا رسانی خونریزی سے بڑھ کر ہے، اور مسجد حرام (خانہ کعبہ) کے پاس تم اُن (مشرکین مکہ) سے جنگ نہ کرو جب تک کہ وہ خود تم سے وہاں جنگ نہ کریں، پس اگر وہ تم سے جنگ کریں تو تم بھی اُن کو قتل کرو، ایسے کافروں کی یہی سزا ہے"۔

(البقرہ ۲- آیت ۱۸۷)-

۱۸۸- فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○

(البقرہ ۲- آیت ۱۸۸)

۱۸۸- "پھر اگر وہ باز آ جائیں[2] تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحیم ہے"۔

(البقرہ ۲- آیت ۱۸۸)-

۱۸۹- وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ

۱۸۹- "اور اُن سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ (فساد اور ایذا رسانی) باقی نہ رہے[3]، اور خدا کا حکم چلے (یعنی

---

[1] لفظ فتنہ کا ابتدائی اور لغوی مفہوم "آگ سے جلا دینا ہے"، اس سے مراد ہے آزمائش یا امتحان اور تکلیف مصیبت یا سختی، بالخصوص وہ تکلیف جس سے کسی شخص کی آزمائش کی جائے یا اس کا امتحان کیا جائے یا اسکے کھوٹے یا کھرے ہونیکو ثابت کیا جائے (دیکھو لین صاحب کا لغت عربی سے انگریزی یعنی مد القاموس صفحہ ۲۳۵)

[2] اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین تم کو ستانے سے باز آ جائیں، نہ کو تمہارے وطن (مکہ) میں واپس آنے سے روکیں، مسجد حرام (خانہ کعبہ) میں داخل ہونے سے منع نہ کریں، تم پر حملہ کرنے سے باز رہیں مذہب کی وجہ سے ظلم نہ کریں، اور مذہبی آزادی میں مخل نہ ہوں۔

[3] یعنی جب تم پر مذہب کی وجہ سے ظلم و ستم موقوف ہو جائیں، اور مسجد حرام میں داخل ہونے پر تم سے کوئی تعرض نہ کیا جائے، اُس وقت تم آزادانہ اپنے مذہب کا اعلان اور اس کی تلقین کر سکو گے اور آزادی سے مذہبی فرائض کو ادا کر سکو گے۔

لِلّٰہِ ؕ فَاِنِ انۡتَہَوۡا فَلَا عُدۡوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ ۝

(البقرہ ۲ - آیت ۱۸۹)

تم کو مذہبی آزادی مل جائے) پھر اگر وہ باز آ جائیں (تو اُن پر کسی طرح کی زیادتی نہ کرو کیونکہ) زیادتی ظالموں کے سوا کسی پر جائز نہیں"۔ (البقرہ ۲ - آیت ۱۸۹)۔

۲۱۴ - یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الشَّہۡرِ الۡحَرَامِ قِتَالٍ فِیۡہِ ؕ قُلۡ قِتَالٌ فِیۡہِ کَبِیۡرٌ ؕ وَ صَدٌّ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ کُفۡرٌۢ بِہٖ وَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ٭ وَ اِخۡرَاجُ اَہۡلِہٖ مِنۡہُ اَکۡبَرُ عِنۡدَ اللّٰہِ ۚ وَ الۡفِتۡنَۃُ اَکۡبَرُ مِنَ الۡقَتۡلِ ؕ وَ لَا یَزَالُوۡنَ یُقَاتِلُوۡنَکُمۡ حَتّٰی یَرُدُّوۡکُمۡ عَنۡ دِیۡنِکُمۡ اِنِ اسۡتَطَاعُوۡا ؕ وَ مَنۡ یَّرۡتَدِدۡ مِنۡکُمۡ عَنۡ دِیۡنِہٖ فَیَمُتۡ وَ ہُوَ کَافِرٌ فَاُولٰٓئِکَ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُہُمۡ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ ۚ وَ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ۝

(البقرہ ۲ - آیت ۲۱۴)

۲۱۴ "(اے پیغمبر!) تم سے ادب کے مہینے کی بابت یعنی اس میں جنگ کرنے (کے حکم) کی دریافت کرتے ہیں، تم کہہ دو کہ ایسے مہینے میں لڑنا بڑا گناہ ہے۔ مگر اللہ کی راہ سے روکنا، اور اللہ کو نہ ماننا، اور مسجد حرام (خانہ کعبہ) میں جانے سے روکنا، اور جو اُس کے اہل ہیں اُن کو اس میں سے نکال دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ اور فتنہ (فساد اور ایذا رسانی) خوں ریزی سے بھی بڑھ کر ہے، یہ لوگ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر اُن سے ممکن ہو تو تم کو تمہارے دین سے برگشتہ کر دیں، اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے برگشتہ ہو گا اور مر جائیگا، درانحالیکہ وہ کافر ہو، تو ایسے ہی لوگوں کے اعمال دُنیا اور آخرت میں بیکار ہو جائیں گے، یہی لوگ دوزخی ہیں اور ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے"

(البقرہ ۲ آیت ۲۱۴)۔

۲۱۵ - اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ الَّذِیۡنَ ہَاجَرُوۡا وَ جٰہَدُوۡا

۲۱۵ "جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ یَرْجُوْنَ
رَحْمَتَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ
رَّحِیْمٌ ۝
(البقرہ ۲ - آیت ۲۱۵)

کے اُمیدوار ہیں۔ اور اللہ بخشنے والا اور رحیم
ہے۔“
(البقرہ ۲
آیت ۲۱۵)

۲۴۵ - وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ
عَلِیْمٌ ۝
(البقرہ ۲ - آیت ۲۴۵)

۲۴۵ ” اور اللہ کی راہ میں (ظالموں سے) لڑو اور
جانو کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا اور جاننے
والا ہے“۔
(البقرہ ۲ - آیت ۲۴۵)

۲۴۷ - اَلَمْ تَرَ اِلَی الْمَلَاِ
مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْ بَعْدِ
مُوْسٰی اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّھُمُ
ابْعَثْ لَنَا مَلِکًا نُّقَاتِلْ فِیْ
سَبِیْلِ اللّٰہِ قَالَ ھَلْ عَسَیْتُمْ
اِنْ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ اَلَّا
تُقَاتِلُوْا قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا
نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَقَدْ
اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا
فَلَمَّا کُتِبَ عَلَیْھِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا
اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْھُمْ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ
بِالظّٰلِمِیْنَ ۝
(البقرہ ۲ - آیت ۲۴۷)

۲۴۷ ” (اے پیغمبر!) کیا تم نے بنی اسرائیل کے سرداروں
(کی حالت) پر نظر نہیں کی، جبکہ انہوں نے موسیٰ کے
بعد اپنے نبی (سموئیل ع) سے کہا کہ ہمارے لئے آپ
ایک بادشاہ تجویز کریں تو ہم اللہ تعؔ کی راہ میں جہاد کریں،
پیغمبر نے کہا اگر تم پر جہاد فرض کیا جائے تو تم سے بعید
نہیں کہ تم نہ لڑو، انہوں نے کہا ہمارے لئے کونسی
وجہ ہے کہ ہم جنگ نہ کریں، حالانکہ ہم اپنے گھر بار اور
اپنے بال بچوں سے تو نکالے جا چکے، پھر جب اُن
پر جہاد فرض کیا گیا تو بجز معدودے چند کے
اُن میں سے سب پھر گئے، اور اللہ تعالیٰ ظالموں
(سرکشوں) کو خوب جانتا ہے۔“
(البقرہ ۲
آیت ۲۴۷)۔

۲۵۲۔ فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝

(البقرۃ ۲۔ آیت ۲۵۲)

۲۵۲ "پھر اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُن (دشمنوں) کو بھگا دیا اور داؤد نے جالوت کو قتل کیا، اور اُن کو (داؤد کو) خدا نے سلطنت اور حکمت عطا فرمائی، اور جو (علم و ہُنر) چاہا اُن کو سکھایا، اور اگر اللہ بعض لوگوں کے ذریعہ سے بعض کو ہٹاتا نہ رہے تو زمین (کا انتظام) خراب ہو جائے، مگر اللہ دُنیا کے لوگوں پر فضل و کرم کرنے والا ہے۔"

(البقرۃ ۲۔ آیت ۲۵۲)

۷۶۔ فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۚ وَمَن يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

(النساء ۴۔ آیت ۷۶)

۷۶۔ "پس جو لوگ عاقبت کے بدلے میں دُنیا کی زندگی دے ڈالتے ہیں اُن کو چاہیئے کہ راہ خدا میں لڑیں، اور جو شخص راہ خدا میں لڑے اور پھر مارا جائے، یا غالب ہو جائے، تو ہم عنقریب اُس کو بڑا اجر دیں گے۔"

(النساء ۴۔ آیت ۷۶)

۷۷۔ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن

۷۷ "اور تم کو کیا ہوا کہ تم راہ خدا میں اور بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کے (بچانے کے لئے (دشمنوں سے) نہیں لڑتے، جو یہ کہہ رہے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی (مکہ) سے نجات دے، جس کے باشندے ظلم کر رہے ہیں اور اپنے طرف سے کسی کو ہمارا سرپرست بنا، اور

لَدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝

(النساء ۴ - آیت ۷۷)

اپنی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار بنا"۔

(النساء ۴- آیت ۷۷)

۷۸- اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ۝

(النساء ۴ - آیت ۷۸)

۷۸- "جو لوگ ایمان رکھتے ہیں وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، اور جو منکر ہیں وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں۔ پس تم (اے ایمان والو) شیطان کے حامیوں سے لڑو، درحقیقت شیطان کی تدبیر کمزور ہوتی ہے"۔

(النساء ۴ - آیت ۷۸)

۸۶- فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ۝

(النساء ۴ - آیت ۸۶)

۸۶- "پس تم (اے پیغمبر!) اللہ کی راہ میں لڑو۔ تم پر اپنے نفس کے سوا اور کسی کی تکلیف (ذمہ واری) نہیں ہے، اور مسلمانوں کو بھی ترغیب دو، اُمید ہے کہ اللہ کافروں کے زور کو روک دے، اور اللہ تعالیٰ کی سختی نہایت ہی قوی اور اُس کا عذاب نہایت ہی شدید ہے"۔

(النساء ۴ - آیت ۸۶)

۹۱- وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاۗءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ

۹۱- "یہ (منافق) اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ جس طرح وہ خود کافر ہوگئے ہیں، کاش تم بھی اسی طرح کافر ہو جاؤ، اور تم سب برابر ہو جاؤ، تم اُن میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ۔ جب تک وہ خدا کی راہ میں ہجرت نہ کریں، پھر اگر (ہجرت سے منہ

وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝

(النساء ۴ - آیت ۹۱)

موڑیں تو اُن کو پکڑو، اور جہاں پاؤ قتل کرو، اور اُن میں سے کسی کو اپنا دوست اور مددگار نہ بناؤ"

(النساء ۴ - آیت ۹۱)۔

۹۲ - اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝

(النسا ۴ - آیت ۹۲)

۹۲ - "مگر جو ایسی قوم سے مل گئے ہوں کہ تم میں اور ان میں عہد و پیمان ہے، یا تمہارے ساتھ لڑنے یا اپنی قوم جس کے ساتھ لڑنے سے دل تنگ ہو کر تمہارے پاس آئیں (اُن سے دوستی اور ربط و اتحاد رکھنے کا مضائقہ نہیں) اگر خدا چاہتا تو اُن لوگوں کو تم پر مسلط (غالب) کر دیتا، تو وہ تم سے لڑتے، پس اگر وہ تم سے کنارہ کشی کریں، اور تم سے نہ لڑیں، اور تمہاری طرف صلح کا پیغام بھیجیں تو اُن پر (تعدی کرنے کی) اللہ نے تمہارے لئے کوئی راہ نہیں رکھی"

(النساء ۴ - آیت ۹۲)

۱۹ - اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(الانفال ۸ - آیت ۱۹)

۱۹ - "اگر تم (خدا سے) طالب فتح تھے (کہ جو حق پر ہو اُسکو فتح ہو) تو وہ فتح تمہارے پاس آگئی، (یعنے مسلمان غالب آئے)، اور اگر (جنگ سے) باز رہو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم پھر (ابتدائے جنگ) کرو گے تو ہم بھی پھر (دفاعی جنگ) کریں گے، اور تمہارا جتھا خواہ کیسا ہی زیادہ ہو، کچھ تمہارے کام نہیں آئیگا اور (یاد رکھو) اللہ ایمان داروں کے ساتھ ہے" (الانفال ۸ - آیت ۱۹)

۳۹ - قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ

۳۹ - "(اے پیغمبر!) ان کافروں سے کہو کہ اگر وہ (فساد سے) باز آجائیں، تو جو (قصور) پہلے ہو چکے ہیں وہ معاف کر دئے جائیں گے، اور اگر پھر (فساد) کریں گے تو پہلے لوگوں کی روش

الاوّلین ○

(الانفال ۸۔ آیت ۳۹)

۴۰۔ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○

(الانفال ۸۔ آیت ۴۰)

۴۱۔ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ○

(الانفال ۸۔ آیت ۴۱)

۷۲۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○

(الانفال ۸۔ آیت ۷۲)

۷۳۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ

پڑ چکی ہے، (وہی ان کا حال ہوگا)“

(الانفال ۸۔ آیت ۳۹)۔

۴۰۔ ”اور اُن (مفسدوں سے) یہاں تک لڑو کہ فساد نہ رہے اور خدا کا دین (حکم) پورا پورا چلے، (مسلمانوں کو پوری پوری مذہبی آزادی حاصل ہو جائے) پس اگر وہ (شر و فساد سے) باز آجائیں تو، جو کچھ وہ کریں گے اللہ اس کو دیکھ رہا ہے“

(الانفال ۸۔ آیت ۴۰)

۴۱۔ ”اور اگر وہ منہ موڑیں تو جان لو کہ اللہ تعالٰے تمہارا حامی ہے، وہ اچھا حامی اور اچھا مددگار ہے“۔

(الانفال ۸۔ آیت ۴۱)۔

۷۲۔ ..... ”اور جو لوگ ایمان لائے، اور انہوں نے ہجرت نہیں کی، تم (مسلمانوں) کو اُن کی ولایت سے کچھ تعلق نہیں، یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اور اگر دین (کے معاملہ) میں تم سے مدد مانگیں تو اُن کی مدد تم پر لازم ہے، مگر نہ اُس قوم کے مقابلہ میں کہ تم میں اور اُن میں عہد و پیمان ہو۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے“۔

(الانفال ۸۔ آیت ۷۲)

۷۳۔ ”اور جو لوگ کافر ہیں ایک دوسرے کے ولی ہیں، اگر تم ایسا نہ کرو گے تو ملک میں فتنہ (شور و شر) ہوگا،

تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ؕ	اور بڑا فساد (پھیل جائیگا)"
(الانفال ۸ - آیت ۷۳)	(الانفال ۸ - آیت ۷۳)۔

جب اہل مکہ نے عہد نامہ حدیبیہ کو جس کا ذکر فقرہ سابقہ (۱۵) میں ہو چکا ہے توڑ ڈالا تو قریش اور بنی خزاعہ نے[1] بنی خزاعہ پر حملہ کیا، جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ عہد و پیمان کر چکے تھے۔ پس بنی بکر کی امداد اور ظالموں کو سزا دینا آپ پر واجب[1] و لازم ہو گیا آیات مندرجہ ذیل[2] اسی موقع پر نازل ہوئی تھیں، مگر خوش قسمتی سے قبل از اختتام میعادِ معینہ، قریش مطیع ہو گئے، اور مکہ بغیر خونریزی کے فتح ہو گیا، اور ان آیتوں کے احکام کی تعمیل نہیں ہوئی :-

۱- بَرَاءَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ؕ	اے مشرکین میں سے جن کے ساتھ تم نے (صلح کا) عہد کیا تھا (اور انہوں نے اس عہد کو توڑ دیا ہے، جیسا کہ اسی سورۃ کی آیات ۴-۸-۱۰ کے ساتھ مقابلہ کرنے سے ظاہر ہے) اللہ اور اسکے رسول کی طرف سے اب اُن کو صاف جواب ہے (التوبہ ۹ آیت ۱)
(التوبہ ۹ - آیت ۱)	
۲- فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ	۲- "پس تم (اے مشرکو!) چار مہینے ملک میں چلو پھرو اور یہ جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور اللہ کافروں کو (دنیا میں) ذلیل و خوار کرنے والا ہے۔

[1] (یعقوبی جلد دوم صفحہ ۵۸ مطبوعہ یورپ)۔

[2] اس کے بعد مصنف نے سورہ نہم (توبہ) کی پندرہ آیتوں کا ترجمہ لکھا ہے، چودہ آیتیں تو شروع سے مسلسل ہیں، اور ایک چھتیسویں آیت ہے۔ میں نے حسب دستور قرآن مجید سے اصل آیات نکال کر مع ترجمہ اردو درج کی ہیں، ان آیتوں سے بھی مشرکین کی زیادتی اور بد عہدی اور دغا بازی صاف ظاہر ہے، خصوصاً جبکہ اُن واقعات کو بھی پیش نظر رکھا جائے جن کی طرف مصنف نے اشارہ کیا ہے، اور چونکہ کفار قریش اپنی سرکشی سے باز آ گئے تھے، اس لئے کسی قسم کی خونریزی کی نوبت نہیں آئی، غرضکہ یہ آیتیں بھی جنگ دفاعی کی موید ہیں۔ (مترجم)

مُخۡزِی الۡکٰفِرِیۡنَ ○ (التوبہ ۹ آیت ۲) | (التوبہ ۹۔ آیت ۲)

(یعنے شوال سے شروع کر کے چار متبرک مہینے۔ قریش نے ماہ رمضان میں عہد شکنی کی تھی، یعنے متبرک مہینوں سے ٹھیک ایک مہینہ پہلے۔ یہاں اس امر کا اعلان کیا گیا ہے کہ تعدی کرنے والوں کو جنہوں نے عہد نامہ حدیبیہ کو توڑا تھا شرائط صلح طے کرنے کے لئے چار ماہ کی مہلت ہے۔ اس مدت کے منقضی ہونے کے بعد جیسا کہ پانچویں آیت سے ظاہر ہے، مسلمان اپنے مددگاروں یعنے بنی خزاعہ کی حمایت میں جنگ شروع کریں گے)۔

۳۔ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖۤ اِلَی النَّاسِ یَوۡمَ الۡحَجِّ الۡاَکۡبَرِ اَنَّ اللّٰہَ بَرِیۡٓءٌ مِّنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ۬ۙ وَرَسُوۡلُہٗ ؕ فَاِنۡ تُبۡتُمۡ فَہُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ ۚ وَاِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّکُمۡ غَیۡرُ مُعۡجِزِی اللّٰہِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ○ (التوبہ ۹۔ آیت ۳)۔

۳۔ "اور حج اکبر کے دن اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بَری (دست بردار) ہیں، پس (اے مُشرکو!) اگر تم توبہ کرو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اور اگر برگشتہ رہو تو جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے، اور (اے پیغمبر!) کافروں کو عذاب دردناک کی خوشخبری سناؤ"۔ . . . . .

. . . .

(التوبہ ۹۔ آیت ۳)

۴۔ اِلَّا الَّذِیۡنَ عٰہَدۡتُّمۡ مِّنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ثُمَّ لَمۡ یَنۡقُصُوۡکُمۡ شَیۡئًا وَّلَمۡ یُظَاہِرُوۡا عَلَیۡکُمۡ اَحَدًا فَاَتِمُّوۡۤا اِلَیۡہِمۡ عَہۡدَہُمۡ اِلٰی مُدَّتِہِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُتَّقِیۡنَ ○ (التوبہ ۹ آیت ۴)

۴۔ "مگر مشرکین میں سے جن لوگوں کے ساتھ تم نے عہد و پیمان کر رکھا تھا، پھر انہوں نے (ایفائے عہد میں) تمہارے ساتھ کچھ کمی نہیں کی، اور نہ تمہارے خلاف کسی کی مدد کی، (وہ مستثنےٰ ہیں) پس اُن کے ساتھ جو عہد ہے اُسے مدت معینہ تک پورا کرو، اللہ اُن لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو (بدعہدی سے) بچتے ہیں"۔ (التوبہ ۹۔ آیت ۴)

۵۔ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥ (التوبہ ۹۔ آیت ۵)	۵۔ "پھر جب ادب کے مہینے[۱] گزر جائیں، تو اُن مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو، اور اُن کو گرفتار کرو، اور اُن کا محاصرہ کرو، اور ہر گھات کی جگہ اُن کی تاک میں بیٹھو[۲]، پس اگر وہ توبہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو اُن کا رستہ چھوڑ دو۔ کیونکہ اللہ بخشنے والا اور رحیم ہے[۳]"۔ . . . . (التوبہ ۹۔ آیت ۵)
۶۔ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ٥ (التوبہ ۹۔ آیت ۶)	۶۔ "اور اگر مشرکوں میں سے کوئی شخص تم سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ وہ خدا کا کلام سُنے، پھر اُس کو اُس کی امن کی جگہ پہنچا دو یہ بات اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ (اسلام کی حقیقت کو) نہیں جانتے ہیں"۔ (التوبہ ۹۔ آیت ۶)
۷۔ كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ	۷۔ "اللہ کے نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک

[۱] شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ، اور محرم یہ چاروں مہینے اشہر الحرم (ادب کے مہینے) کہلاتے ہیں، شوال عربی سال کا دسواں مہینہ ہے، ذیقعدہ گیارھواں، ذی الحجہ بارھواں، اور محرم پہلا ہے۔

[۲] یعنی یہ سلوک اُن مشرکین کے ساتھ کیا جائے جنہوں نے صلح حدیبیہ کو توڑا ہے۔ آیت ۴ و ۵ و ۱۲ و ۱۳ کو بالمقابل پڑھو۔

[۳] اس آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مشرکین کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے پر مجبور کیا جاوے، یا بالفاظ دیگر اُن کو زبردستی مسلمان بنا لیا جائے، قرآن مجید کا سیاق اور اُس کا عام مفہوم ایسے معنے کی اجازت نہیں دیتا چنانچہ اسی آیت سے، اگلی آیت صاف طور پر مذہبی آزادی کی تاکید کرتی ہے۔

عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (التوبہ ۹ ۔ آیت ۷)	مشرکین کا عہد کیونکر معتبر ہو سکتا ہے، مگر جن لوگوں کے ساتھ مسجد حرام (خانہ کعبہ) کے نزدیک تم نے (صلح حدیبیہ میں) عہد و پیمان کیا تھا تو جب تک وہ لوگ تم سے سیدھے رہیں (عہد پر قائم رہیں) تم بھی اُن سے سیدھے رہو، اللہ اُن لوگوں کو جو (بدعہدی سے) بچتے ہیں، دوست رکھتا ہے۔[1] (التوبہ ۹ ۔ آیت ۷)۔
۸۔ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ (التوبہ ۹ ۔ آیت ۸)	۸۔ ”(اُن کا عہد) کیونکر (معتبر ہو سکتا ہے) حالانکہ اگر وہ تم پر غالب ہو جائیں تو تمہارے بارہ میں نہ قرابت کا لحاظ رکھیں اور نہ عہد و پیمان کا، اپنی زبانی باتوں سے تم کو خوش کرتے ہیں، اور اُن کے دل انکار کرتے ہیں۔ اور اُن میں سے اکثر فاسق ہیں“ (التوبہ ۹ ۔ آیت ۸)
۹۔ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (التوبہ ۹ ۔ آیت ۹)	۹۔ ”اُنہوں نے اللہ کی آیتوں کے بدلے میں تھوڑا سا نفع حاصل کر لیا، پھر (لوگوں کو) خدا کی راہ سے روکنے لگے، جو کام وہ کرتے تھے وہ کیا ہی بُرے ہیں“ (التوبہ ۹ ۔ آیت ۹۔)
۱۰۔ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ (التوبہ ۔ آیۃ ۱۰)	۱۰۔ ”یہ کسی مومن کے بارہ میں نہ تو قرابت کا لحاظ رکھتے ہیں اور نہ عہد و پیمان کا، اور وہ لوگ زیادتی کرنے والے ہیں“ (التوبہ ۹ ۔ آیت ۱۰)

[1] بنی کنانہ اور بنی ضمرہ نے صلح حدیبیہ کو نہیں توڑا تھا، مگر قریش اور بنی بکر نے توڑ دیا تھا۔

۱۱۔ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَنُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ (التوبہ ۹ - آیت ۱۱)	۱۱۔ "پس اگر وہ توبہ کریں اور نماز پڑھیں، اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں، اور جو لوگ سمجھتے ہیں اُن کے لئے ہم اپنی آیتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں[1]" (التوبہ ۹ - آیت ۱۱)۔
۱۲۔ وَإِن نَّكَثُوا أَيْمَانَهُم مِّن بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنتَهُونَ ۝ (التوبہ ۹ - آیت ۱۲)	۱۲۔ "اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعن کریں تو اُن کفر کے پیشواؤں کے ساتھ لڑو تاکہ وہ باز آئیں، کیونکہ اُن کی قسمیں بھی قابل اعتماد نہیں ہیں"۔ (التوبہ ۹ - آیت ۱۲)
۱۳۔ أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ (التوبہ ۹ - آیت ۱۳)	۱۳۔ "تم اُن لوگوں سے کیوں نہ لڑو، جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑا، اور رسول کے نکال دینے کا ارادہ کیا، اور تم سے (جنگ کی) ابتدا اُنہوں نے ہی کی، کیا تم اُن سے ڈرتے ہو، پس اگر تم ایمان رکھتے ہو تو خدا زیادہ تر حق رکھتا ہے کہ تم اس سے ڈرو"۔ (التوبہ ۹ - آیت ۱۳)

[1] اس آیت کا مفہوم پانچویں آیت کے مطابق ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس اثنا میں وہ لوگ مسلمان ہو جائیں تو اُن کے ساتھ مثل برادران اسلامی کے سلوک کرنا چاہیئے۔ مگر یہ مُراد نہیں ہو سکتی کہ مشرکین کے ساتھ جنگ کرنے کا خالص مقصد اُن کو مسلمان بنانا تھا، اس قسم کی تعبیر قرآن مجید کے عام طرز بیان (سیاق) کے بالکل منافی ہے۔

۱۴- قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ۝ (التوبہ ۹- آیت ۱۴)	۱۴- "اُن لوگوں سے لڑو، خدا تمہارے ہاتھوں اُنکو سزا دیگا، اور اُن کو رسوا کرے گا، اور تم کو اُن پر فتح دے گا، اور مومنوں کے گروہ کے سینوں کو ٹھنڈا کرے گا" (التوبہ ۹- آیت ۱۴)
۳۶- وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝ (التوبہ ۹- آیت ۳۶)	۳۶- "اور تم سب مسلمان، مشرکوں سے لڑو جس طرح وہ سب تم سے لڑتے ہیں، اور جان لو کہ اللہ (ظلم سے) بچنے والوں کے ساتھ ہے۔" (التوبہ ۹- آیت ۳۶)

آیات مذکورہ بالا سے کیا ثابت ہوتا ہے؟

۱۸- یہاں مجھے اس امر کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے کہ ان آیات و واقعات مذکورہ بالا سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ یعنی یہ کہ قریش کے ساتھ آنحضرت ؐ کی جنگیں محض دفاعی تھیں، قریش ہی حملہ آور اور جنگ کی ابتدا کرنے والے تھے، اور آنحضرت ؐ اُن کے برخلاف ہتھیار اُٹھانے میں بالکل حق بجانب تھے۔

مسٹر ایڈورڈ گبن[۱] لکھتے ہیں:-

"قدرتی یعنے تمدن کی ابتدائی حالت میں ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ بزورِ اسلحہ "اپنی جان اور مال کی حفاظت کرے، اپنے دشمنوں کے تشدد کو دفع کرے، یا بطور انتقام "کے اُن کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرے، اور اپنی مخالفت کو اطمینان اور انتقام کی ایک "معقول حد تک وسعت دے۔ عرب کے آزاد تمدن میں رعایا اور صاحب اقتدار قبائل "کے فرائض میں کچھ یوں ہی سا فرق تھا، اور اس حالت میں جبکہ آنحضرت ؐ ایک صلح جو اور

[۱] تاریخ زوال سلطنت روم از ایڈورڈ گبن، جلد ششم صفحہ ۲۲۵-

"خیر اندیشی تبلیغ کر رہے تھے، آپ اپنے ہم وطنوں کی ناانصافی کا شکار ہو کر جلا وطن "کیے گئے"۔

فقرات سابقہ میں کامل طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں جان و مال کی حفاظت یا امن و امان حاصل نہ تھا، اور اگرچہ وہ قوم کے بے ضرر اور صلح پسند رکن تھے تاہم مذہبی آزادی سے محروم کیے گئے۔ علاوہ بریں جلاوطن کیے گئے، وہ اپنے بال بچوں اور مال و متاع کو اپنی موذی قوم کے قبضہ میں چھوڑ کر نکل گئے۔ اُن کو مکہ واپس آنے سے روکا گیا، اُن کو مقدس مسجد (خانہ کعبہ) میں داخل ہونے کی ممانعت کی گئی، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قریش مکہ نے مدینہ پر فوج کشی کر کے اُن پر حملہ کیا۔

۱۹۔ قریش کا ابتدائی مسلمانوں کو ایذا دینا مذہب کی بنا پر تھا۔ وہ لوگوں کو اپنا آبائی مذہب ترک کرنے اور اسلام قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اسلام کی تبلیغ اُن پر ایسی گراں اور شاق تھی کہ اُنہوں نے بعض لوگوں کو جو نئے دین کے ماننے والے تھے، اس کے ترک کرنے اور قدیم بُت پرستی کی طرف رجوع کرنے کے لیے شکنجۂ عقوبت میں دبایا۔" اپنے بھائیوں کی جان، اُن کا مال، اُن کی آزادی یا اُن کے کسی حق کو محض اس بنا پر تلف کرنا کہ وہ اپنے خالق کی اُس طرح عبادت کرتے ہیں جس طرح اُن کے عقیدہ کے موافق کرنی لازم ہے۔ اور جبکہ اُن کے اس عمل سے نوع انسان یا اس کے کسی فرد کو کوئی مادی نقصان نہ پہنچتا ہو، ایسا برتاؤ انصاف اور انسانیت کے بالکل منافی ہے، کیونکہ یہ تو اُن لوگوں کو سزا دینا ہوا جنہوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا، اور حمق کی حالت، اگر وہ غلطی پر ہوں صرف قابل رحم ہے[1]" ابتدائی مسلمانوں کو اہل مکہ کے ظلم اور ایذا رسانی کا انتقام لینے، بزور اسلحہ اپنی اصلی حالت کو قائم کرنے

> مسلمانوں کا اپنے حملہ آوروں کے مقابلہ میں ہتھیار اُٹھانا حق بجانب تھا۔

[1] آریح بشپ سیکر کی تصانیف حصہ سوم صفحہ ۲۷۱۔

اپنی مذہبی آزادی کا حق اُٹھانے، اور اپنے مذہب کو آزادی سے عمل میں لانے کا ہر ایک قومی حق حاصل تھا۔[1]

۲۰۔ بعض یورپین مورخ جنہوں نے آنحضرت ؐ کا تذکرہ لکھا ہے، یہ کہتے ہیں کہ :-

ہجرت کے بعد جنگ کی ابتداء آنحضرت ؐ کی طرف سے نہیں ہوئی

"ہجرت کے بعد جنگ کی پہلی چھیڑ چھاڑ صرف آنحضرت ؐ اور "آپ کے پیرؤں کی طرف سے ہوئی تھی۔ جب مسلمان اہل مکہ کے متعدد قافلوں کو تاخت "و تاراج کر چکے، اور اس طرح خونریزی ہو چکی، تب جا کر اہل مکہ کو مدافعت کے لئے مجبوراً "ہتھیار اُٹھانے پڑے۔"[2]

یہ بات صحیح نہیں ہے۔ حملہ کرنے والے، اول اول قریش تھے، جو مسلمانوں کی ایذا رسانی کے لئے آگے بڑھے چلے آئے، اور جس شہر میں آنحضرت ؐ اور آپ کے پیرؤں نے پناہ لی تھی، اُنہوں نے اُس پر حملہ کیا، جیسا کہ پہلے ثابت ہو چکا ہے اگر بالفرض ہجرت کے بعد، مسلمان ہی جنگ میں پیش قدمی کرنے والے ہوں، تو مکہ کی سابقہ تکالیف اور مظالم سے قطع نظر کر کے، مظلوم مسلمانوں کا ہجرت کر جانا۔ اور جلا وطن ہو جانا، جو اپنی اخلاقی اور مذہبی آزادی کی، اور مزید ظلم و ستم سے اپنی اور اپنے اقارب کی حفاظت چاہتے تھے، اُن کے لئے جنگ شروع کرنے کی کیا کافی وجہ نہ تھی؟

سر ولیم میور تسلیم کرتے ہیں کہ "مسلمانوں کے مکہ سے نکالے جانے کی وجہ سے اُن کی جنگیں بجا اور حق بجانب تھیں۔"[3]

میجر وانز کینیڈی کہتے ہیں :-

---

[1] رسائل اخوان الصفا صفحہ ۷۵ مطبوعہ بمبئی ۱۸۸۶ء [2] سر ولیم میور جلد دوم صفحہ ۲۶۵ -
[3] سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۹۷ -

"یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان جنگوں میں محمد (صلعم) نے ہجرت کے تھوڑے ہی عرصہ بعد مکّہ
"کے قافلوں کی مزاحمت کا اقدام کرنے میں پیش قدمی کی تھی۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں
"کہ جنگ کی سب سے پہلی ابتدا، قریش کی وہ سازش تھی جو اُنہوں نے آنحضرت م کے قتل
"کے لئے کی تھی۔ اور جبکہ آنحضرت م اپنی جان بچانے کے لئے مکّہ سے نکلے، اور خود
"آپ اور آپ کے پیرو اپنے مال و متاع سے محروم کئے گئے، اور یہاں تک مجبور
"ہوئے کہ اُن کی معاش کا دارومدار اہل مدینہ کی مہماں نوازی پر رہ گیا، اُس وقت
"معقول طور پر اس امر کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ اپنے دشمنوں کے قافلوں کو
"بغیر ستائے گزر جانے دیتے[1]"

۲۱۔ اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ ہجرت کے بعد آنحضرت م نے قریش کے

قافلوں کی ادعائی مزاحمت کے واقعات کی تنقیح

قافلوں کی مزاحمت کر کے اُن کے برخلاف ازسرِنو لڑائیاں شروع کیں۔ یہ ادعائی مثالیں جن میں بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانان مدینہ نے قافلوں کو لوٹا تھا، ان کی تصدیق مُعتبر اور مُستند روایات سے نہیں ہوتی۔ بلکہ ایسی **اندرونی شہادتیں** بھی موجود ہیں، جن سے ان امور کا خلاف قیاس ہونا ثابت ہے۔ اہل مدینہ نے صرف اس بات کا عہد و پیمان کیا تھا کہ پیغمبر (صلعم) کو دشمنوں کے حملہ سے بچائیں گے، اور قریش کے برخلاف خود کسی جنگ کی ابتدا نہیں کریں گے[2]۔ لہذا یہ بات ناممکن معلوم ہوتی ہے کہ وہ اس امر کے روادار ہوئے ہیں کہ

[1] میجر وانز کینیڈی کے "خیالات محمدؐ کی خصلت پر" (جو والٹیئر کی کتاب ٹریجڈی آف محمدؐ سے پیدا ہوئے)۔
دیکھو بمبئی لٹریری سوسائٹی کے معاملات بابت ۱۸۲۰ء جلد سوم صفحہ ۴۷۵ طبع ثانی مطبوعہ بمبئی ۱۸۷۷ء۔
[2] محمد (صلعم) نے مدینہ کے نئے مسلمانوں کو قریش کے مقابلہ میں کسی جنگی مہم پر اس وقت تک نہیں بھیجا، جب تک کہ قریش نے بمقام بدر آپ سے جنگ شروع نہیں کی، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل مدینہ نے یہ قول و قرار کیا تھا کہ ہم آنحضرت م کی حمایت و حفاظت صرف اپنے گھروں (وطن) ہی میں کریں گے" (میور صاحب کی سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۹۴ کا نوٹ)۔

آنحضرتؐ قریش کے برخلاف حملہ کی ابتدا کریں[1]

۲۲۔ یہ دعوے کہ حضرت حمزہؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ نے قریش کے قافلوں کے تعاقب میں ان پر چڑھائی کی، مگر وہ بچ نکلے، فی نفسہ قرین قیاس نہیں ہے۔ آنحضرتؐ ایک ایسے قافلہ کے لوٹنے کے لئے، جس کی حفاظت کے لئے دو نہلو، تین سو مسلح آدمی ہوں پچاس ساٹھ اشخاص کو نہیں بھیج سکتے تھے[2]

حضرت حمزہ اور حضرت ابو عبیدہ کی مہمیں

۲۳۔ ابواء، بواطہ اور عشیرہ کے غزوات، جن کی بابت یہ دعوے کیا جاتا ہے کہ مکہ کے قافلوں کی مزاحمت کرنے کے لئے خود آنحضرتؐ کی سرکردگی میں پیش آئے، اور جن میں کامیابی نہیں ہوئی، سراسر بے بنیاد ہیں۔ اگر آنحضرتؐ نے ابواء اور عشیرہ کی طرف قصد کیا بھی ہو تو اس کا مقصد بنی ضمرہ[3] اور بنی مدلج کے ساتھ دوستانہ عہد و پیمان کرنا تھا، اور آپ کے تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ واقعی آپ نے ایسا ہی کیا تھا۔

ابواء، بواطہ اور عشیرہ کے غزوات

۲۴۔ یہ امر جو روایتوں میں مذکور ہے کہ ایک مہم تاخت و تاراج کی غرض سے بمقام نخلہ روانہ کی گئی تھی، اختلاف سے مملو اور بالکل تناقض اور ناقابل اعتبار ہے۔ جس آیت کی بابت تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ وہ اس موقع پر نازل

واقعہ نخلہ

[1] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۸۔ بیضاوی جلد اول صفحہ ۳۵۹۔ واقدی صفحہ ۳۴ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۶ء۔

[2] ابن سعد نے (۳۰) اشخاص کی تعداد لکھی ہے۔ جلد ۲ صفحہ ۲۔

[3] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۳ + یہ شرائط صرف عام الفاظ میں بیان کی گئی ہیں، یعنے کوئی فریق دوسرے فریق سے جنگ نہیں کرے گا، اور نہ اس کے دشمنوں کی مدد کرے گا۔ ڈاکٹر ویل نے جو ترجمہ نقل کیا ہے اور جس کی بنا پر بنی ضمرہ اس امر کے پابند تھے کہ دین کے لئے لڑیں وغیرہ، صراحتہً فرضی اور جعلی ہے۔ ابن سعد نے اپنی کتاب کے عہد ناموں کے باب میں یہ بات بیان نہیں کی"۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۳ ملاحظہ ہو۔ (میور صاحب کی سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۶۷ کا نوٹ)۔

ہوئی تھی (یعنے سورہ بقرہ ۲۔ آیت ۲۱۴) اور جس کو میں اُوپر نقل کر چکا ہوں (دیکھو فقرہ ۱۷) اُسی آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اول اہل مکہ نے مسلمانوں سے جنگ کی تھی اور یہ امر اُن یورپین تذکرہ نویسوں کے قیاس کا مخالف ہے، جو اُس لڑائی کو آنحضرت کی طرف سے ابتدائی حملہ قرار دیتے ہیں۔ یہ اغلب ہے کہ آنحضرت ؐ نے قریش کی حالت اور نقل و حرکت کی خبر لانے کے لئے، تقریباً چھ یا آٹھ جاسوس بھیجے ہوں، جن کی روش آنحضرت ؐ کے ساتھ جب سے آپ ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے تھے، روز بروز زیادہ تر مخالفانہ ہوتی جاتی تھی۔ چونکہ قریش کے لئے مُلک شام تک تجارت کا باقاعدہ اور بے روک ٹوک رستہ موجود تھا، لہذا یہ بات بالکل معقول تھی کہ آپ حفظ ما تقدم کی کارروائی اختیار کریں اور ہمیشہ غنیم کی طرف سے ہوشیار و خبردار رہیں۔ ابن اسحاق۔ ابن ہشام (صفحہ ۴۲۴) طبری (جلد دوم صفحہ ۴۲۲) ابن اثیر (کتاب کامل جلد دوم صفحہ ۸۷ میں) حلبی (انسان العیون جلد سوم صفحہ ۳۱۸ میں) یہ پانچوں تذکرہ نویس بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ؐ نے عبداللہ بن جحش کو تحریری ہدایات دی تھیں جن کا مضمون یہ تھا کہ "اُن کے معاملات کی خبر میرے پاس لاؤ" وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ آنحضرت ؐ نے عبداللہ کے اُس فعل سے جو بمقام نخلہ وقوع میں آیا، ناراض ہو کر فرمایا "میں نے تجھ کو متبرک مہینے میں جنگ کرنے کا حکم ہرگز نہیں دیا تھا۔ تذکرہ نویسوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ آنحضرت ؐ نے مقتول عمرو بن الحضرمی کا خونبہا (دیت) بھی ادا کیا تھا[1]

۲۵۔ آنحضرت ؐ کے بعض یورپین تذکرہ نویس یہ دعوٰے کرتے ہیں کہ جنگ

> بدر میں محمد (صلعم) صرف مدافعت کے لئے آئے تھے

بدر کی ابتدا خود آنحضرت ؐ کی طرف سے ہوئی تھی۔ جب قریش آنحضرت ؐ پر حملہ کرنے کے لئے بدر تک بڑھے چلے

---

[1] ابن ہشام صفحہ ۴۲۵۔

آئے جو مدینہ سے تین منزل ہے، تو اُن کی کثیر التعداد فوج کے مقابلہ میں آنحضرت ﷺ اپنی حفاظت کی غرض سے روانہ ہوئے (اصل واقعہ تو یہی ہے) مگر مؤرخینِ مذکور آنحضرت ﷺ کے اس فعل کو بجا و منصفانہ قرار دینے میں پس و پیش کرتے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ ادعا کیا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اُن قافلوں پر حملہ کرنے کا قصد کیا تھا جو آپ کے جانی دشمن **ابوسفیان** کی سرکردگی میں شام سے واپس آئے تھے، اس لئے آپ اسّی مہاجرین اور دو سو پچیس[۲۲۵] باشندگانِ مدینہ (انصار) کو ہمراہ لے کر کُوچ کے لئے روانہ ہوئے، اور قافلہ کے لوٹنے کے لئے بمقام **صفراء** مقام کیا۔ **ابوسفیان** نے آپ کے عزم سے خبردار ہو کر کسی شخص (ضمضم بن عمر غفاری) کو کمک طلب کرنے کے لئے مکّہ روانہ کیا[۱]۔ قریش نے ساڑھے نو سو[۹۵۰] قوی آدمیوں کی فوج کے ساتھ قافلہ کے چھڑانے کے لئے کُوچ کیا۔ اس اثنا میں قافلہ بلا مزاحمت گزر گیا، مگر قریش نے اس بارہ میں پنچایت کی کہ اب واپس لوٹ جائیں یا جنگ کریں برخلاف اس کے تذکرہ نویس یوں بیان کرتے ہیں کہ قریش میں باہم یہ بحث پیش ہوئی کہ جس مقصد سے ہم روانہ ہوئے تھے وہ تو حاصل ہو گیا اب فوج کو فوراً لوٹ جانا چاہیئے۔ بعض اشخاص نے یہ استدعا کی کہ فوج کو آگے بڑھنا چاہیئے۔ دو قبیلے[۲] یعنے (الاخنس و بنی زہرہ) مکّہ کو واپس چلے گئے اور باقیماندہ قبائل نے آگے کی طرف کوچ کیا، مگر یہ قول معقول نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ قافلہ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ اگر ایسا قصد ہوتا تو اہل مدینہ جنہوں نے آنحضرت ﷺ کو صرف شخصی حملہ[۳] سے بچانے

[۱] ابن ہشام صفحہ ۴۲۸۔

[۲] ابن ہشام صفحہ ۴۳۸ مطبوعہ یورپ۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۸ مطبوعہ یورپ سنہ ۱۹۰۹ء۔

[۳] ابن ہشام صفحہ ۴۴۲۔ عیون الاثر صفحہ ۲۶۳ نسخہ قلمی نایاب محروسہ کتب خانہ آصفیہ۔ بیضاوی جلد اول صفحہ ۳۵۸ مطبوعہ یورپ سنہ ۱۸۴۸ء۔ زرقانی جلد اول صفحہ ۴۹۰۔ واقدی صفحہ ۴۴۔ مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۸۵۶ء۔

کا عہد و پیمان کیا تھا، آپ کے ساتھ نہ ہوتے۔ انصار یعنی باشندگان مدینہ کی کثیر تعداد کا موجود ہونا، جن کی تعداد بہ نسبت مہاجرین کے دوچند سے بھی زیادہ (سہ چند) کے قریب تھی، اس امر کا قوی ثبوت ہے کہ وہ صرف مدافعت کی غرض سے نکلے تھے۔ آنحضرت ؐ قریش مکہ کی فوج کے بڑھے چلے آنے کی خبر پاکر اُس کے روکنے کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے، اور بمقام بدر، جو مدینہ سے تین دن کی راہ ہے اُس فوج کا مقابلہ کیا۔ ۱۷ ماہ رمضان (مطابق ۱۲ جنوری ۶۲۳ء) کو بدر کے مقام پر فریقین میں مُٹ بھیڑ ہوئی۔ قریش مکہ ۸ ماہ رمضان (مطابق ۴ جنوری کو مکہ سے روانہ ہوئے اور آنحضرت (صلعم) صرف ۱۲ ماہ رمضان (مطابق ۸ جنوری کو) یعنے جبکہ مکی فوج آپ پر حملہ کرنے کے لئے درحقیقت کُوچ کرچکی تھی، اُس سے تقریباً چار روز بعد روانہ ہوئے۔ بالفرض ابوسفیان کو مدینہ سے اپنے قافلہ پر حملہ کا اندیشہ تھا، اور اس کے پاس اس کی کوئی وجہ تھی، اور اس نے مکہ سے کُمک طلب کی تھی، تاہم جس غرض سے قریش کی فوج مکہ سے چل کر آئی تھی، جب وہ غرض پُوری ہوگئی، یعنی قافلہ بلامزاحمت گزر گیا، تو اس کو اُلٹے پاؤں لوٹ جانا چاہیئے تھا۔ یہ امر کہ جب قُریش ایک بڑی فوج کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوکر مدینہ کی طرف بڑھ چکے تھے، اُس سے چار روز کے بعد آنحضرت ؐ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ آپکی تائید میں ایک قوی ثبوت ہے،

۲۶۔ اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ ہجرت کے بعد محض مُسلمانوں ہی کی طرف سے جنگ میں سبقت کی گئی تھی، اور اُنہوں نے قریش کے متعدد قافلوں کو تاخت و تاراج کرکے خونریزی کی تھی تاہم آنحضرت ؐ پر اُس کا الزام عائد کرنا واجب ہوگا اگر ایسے حملے کئے جاتے تو وہ ازراہ انصاف اس بدسلوکی کا انتقام سمجھے جاسکتے تھے جو مکہ سے ہجرت کرنے کے قبل مسلمانوں کے

ہجرت کے بعد اگر آنحضرت ؐ کی طرف سے جنگ میں سبقت ہوئی بھی ہو، تو اُس کو انتقام سمجھنا مقتضائے انصاف ہے

ساتھ کی گئی تھی۔

"عام جنگ، مسلح مخالفت کی اُس حالت کا نام ہے جو حکمران قوموں یا سلطنتوں کے درمیان
"ہوتی ہے۔ متمدن زندگی کی ضروری شرط اور اُس کا ایک قانون یہ ہے کہ لوگ ایسی
"جماعتوں میں الجل کر رہیں جو پولٹیکل حیثیت سے باہم منسلک اور ایک ضابطہ میں منضبط
"ہو کر کنفس واحدہ ہو گئے ہوں، انہی جماعتوں کو سلطنتوں یا قوموں کے نام
"سے موسوم کرتے ہیں، اور اُن کے افراد جنگ اور امن کی حالت میں ایک دوسرے
"کے شریک رنج وراحت ہوتے، اور ایک ساتھ ہی ترقی اور تنزل کرتے ہیں پس دشمن
"کے ملک کا رہنے والا آدمی، اس اعتبار سے کہ وہ دشمن کی سلطنت یا قوم کا ایک
"فرد ہے، دشمن ہی ہے، اور اس حیثیت سے اُس کو جنگ کی مصیبتیں جھیلنی لازم ہیں۔[۱]

نہایت ہی قدیم زمانہ کا قانون جو قریب قریب عالمگیر تھا اور وحشی قوموں میں اب بھی جاری ہے، یہ تھا کہ دشمن کے ملک کا پرائیویٹ آدمی بھی (جو جنگ سے سروکار نہ رکھتا ہو) اس تکلیف کا سزاوار ہے کہ اُس کو آزادی، حفاظت، اور ہر قسم کی قرابت کے حقوق سے محروم کیا جائے۔ مگر آنحضرت ﷺ نے دشمن کے ملک کے بے آزار باشندوں یا پرائیویٹ افراد کی (جو شخصی حیثیت رکھتے تھے) حفاظت کی۔ آپ نے اُن لوگوں کی بھی جان بچائی جو درحقیقت بدر میں آپ سے لڑنے آئے تھے، مگر اپنے اس فعل سے کارہ (ناخوش) تھے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ قریش کی فوج کے متعدد آدمیوں کو امان دی جائے۔ ابوالبختری، زمعہ، حارث ابن عامر، عباسؓ، اور دیگر بنی ہاشم اُن لوگوں میں سے تھے جن کے نام لیے گئے تھے۔[۲]

---

[۱] پولٹیکل سائنس کے مضامین از فرانسس لیبر ایل۔ایل۔ڈی، دیکھو صاحب موصوف کی متفرق تحریرات کی جلد دوم صفحہ ۲۵۱ مطبوعہ لندن ۱۸۸۱ء۔

[۲] ابن ہشام صفحہ ۴۴۶۔

باب چہارم

یہود

۲۷- آنحضرت ؐ نے مدینہ پہنچتے ہی اول یہودیوں سے صلح کا معاہدہ کیا[1] جس سے اُن کی مذہبی آزادی اور اُن کے مال و متاع اور حقوق کی نگہداشت کی ذمہ واری کی گئی۔ معاہدہ میں یہ شرط قرار پائی تھی کہ اگر کسی فریق پر حملہ کیا جائے، تو دوسرے فریق کو اُس کی امداد کے لیے آنا چاہیئے۔ جو لوگ اس معاہدہ میں شریک ہوں، اُن سب پر لازم ہوگا کہ مدینہ کو مقام متبرک سمجھیں اور معاہدہ کے پابند رہیں۔ مگر یہودیوں نے عہد شکنی اور بغاوت کی۔ اُنہوں نے محاصرہ مدینہ (یوم خندق) کے زمانہ میں دشمن کو مدد دی، اور شہر کی مخالفت میں خیانت و دغا کے مرتکب ہوئے۔

یہودیوں نے معاہدہ کو توڑ ڈالا

۲۸- یہودیوں میں سب سے پہلے اشخاص بنی **قینقاع** تھے، جنہوں نے عہد شکنی کر کے بدر اور اُحد کی لڑائیوں میں آنحضرت ؐ سے جنگ کی[2]

بنی قینقاع، بنی نضیر، بنی قریظہ خیبری، اور بنی غطفان

بنی نضیر[3] نے اپنا معاہدہ جو آنحضرت کے ساتھ کیا تھا، اُحد کی شکست کے بعد توڑا۔ انھوں نے آپ کے قتل کی سازش بھی کی تھی۔ وہ جلاوطن کر دئے گئے، اور اُن میں سے بعض خیبر میں جا کر آباد ہو گئے[4]۔ **بنی قریظہ** نے آنحضرت ؐ کی اطاعت

[1] ابن ہشام صفحہ ۳۴۱۔ [2] ابن ہشام صفحہ ۵۴۵۔ ابن سعد جلد دوم صفحہ ۱۹ و ۴۰ و ۴۵ و ۴۷ مطبوعہ یورپ ۱۹۰۹ء

[3] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۴۰۔ بیضاوی جلد اول صفحہ ۲۵۰ مطبوعہ یورپ ۱۸۴۶ء۔

[4] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۴۱۔

سے منحرف ہو کر دشمن کے ساتھ عہد و پیمان کر لیا، جبکہ قریش اور بدوی قبائل نے جنگ خندق کے موقع پر مدینہ کا محاصرہ کیا تھا۔ اس کے بعد آنحضرت ؐ نے اُن کا محاصرہ کیا، اور وہ سعد بن معاذ کے فیصلہ پر راضی ہو گئے، جس نے قتل کا فتویٰ اُن پر جاری کیا۔ یہودیان خیبر (جن میں بنی نضیر شامل تھے) اور بنی غطفان نے، جو تھوڑے عرصے پہلے جنگ خندق میں قریش کے ساتھ مدینہ کے محاصرے میں شامل تھے، آنحضرت ؐ کے خلاف سازش کی، اور آپ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ یہ لوگ بنی فزارہ، اور دیگر بدوی قبائل کو اپنی لوٹ مار میں شریک ہونے کی ترغیب دیتے رہتے تھے، اور مدینہ پر حملہ کرنے میں بنی سعد بن بکر کے ساتھ شامل ہو گئے۔ وہ بمقام خیبر مطیع اور باجگزار ہو گئے۔ اور بعوض اُس حفاظت کے جس کی ذمہ داری اُن کے لئے کی گئی تھی، اُنہوں نے جزیہ دینا قبول کیا۔[1]

۲۹- بنی قینقاع، بنی نضیر، بنی قریظہ اور یہودیان خیبر کی خیانت

قبائل یہود کی بد عہدی اور دغا کا ذکر قرآن مجید میں	کا حال قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیتوں میں بیان کیا گیا ہے[2]:-
۵۸- اَلَّذِیْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِیْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا یَتَّقُوْنَ ○ (الانفال ۸- آیت ۵۸)	۵۸" وہ لوگ جن سے تم نے عہد و پیمان کیا، پھر وہ ہر بار اپنے عہد کو توڑتے ہیں اور ڈرتے نہیں۔" (الانفال ۸- آیت ۵۸)
۵۹- فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ○ (الانفال ۸- آیت ۵۹)	۵۹" پس اگر تم اُن کو لڑائی میں پاؤ تو اُن کے ساتھ ایسا سلوک کرو کہ جو لوگ (کمک کے لئے) اُن کے پیچھے ہیں وہ (ڈر کر) بھاگ جائیں۔" (الانفال ۸- آیت ۵۹)۔

[1] ہشامی صفحہ ۷۷۰۔ [2] بیضاوی جلد اول صفحہ ۲۷۱۔

۶۰ - وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ۝

(الانفال ۸ - آیت ۶۰)

۶۰ - "اور اگر تم کو کسی قوم کی طرف سے خیانت (فریب) کا اندیشہ ہو تو مساوات کا خیال رکھ کر اُن کے عہد کو اُن پر اُلٹ دو، درحقیقت اللہ فریب کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا"

(الانفال ۸ - آیت ۶۰)۔

۶۱ - وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ۝

(الانفال ۸ - آیت ۶۱)

۶۱ - "جو لوگ کفر کرتے ہیں یہ نہ سمجھیں کہ وہ (بچ کر) نکل گئے، وہ (ہم کو) عاجز نہیں کر سکتے"

(الانفال ۸ - آیت ۶۱)

۶۲ - وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝

(الانفال ۸ - آیت ۶۲)

۶۲ - "اور (فوجی) قوت سے اور گھوڑے باندھے رکھنے سے جہاں تک ممکن ہو ان کے (مقابلہ کے لئے) سامان مہیا کرو، تا کہ تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر اپنا خوف بٹھاؤ، اور اُن کے سوا دوسروں پر بھی، جن کو تم نہیں جانتے، اور اللہ اُن کو جانتا ہے، اور راہ خدا میں تم جو کچھ خرچ کرو گے، وہ تم کو پورا پورا دیا جائے گا، اور تمہاری حق تلفی نہ ہوگی"

(الانفال ۸ - آیت ۶۲)۔

۶۳ - وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

(الانفال ۸ - آیت ۶۳)

۶۳ - "اور (اے پیغمبر) اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اُس کی طرف جھکو، اور اللہ پر بھروسا رکھو۔ کیونکہ وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے"

(الانفال ۸ - آیت ۶۳)۔

۶۴- وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

(الانفال ۸-آیت ۶۴)

۶۴ "اور اگر وہ تم کو فریب دینے کا ارادہ کریں تو کچھ پرواہ نہیں۔کیونکہ) درحقیقت اللہ تمہارے لئے کافی ہے، (اے پیغمبر!) وہی (خدائے قادر مطلق) تو ہے جس نے اپنی مدد سے اور مسلمانوں سے تم کو قوت دی، اور اُن (مسلمانوں) کے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی، اگر تم تمام زمین کے خزانے بھی صرف کر دیتے تو بھی اُن کے دلوں میں اُلفت نہیں پیدا کر سکتے تھے، مگر اللہ نے اُن میں اُلفت پیدا کی، بے شک وہ غالب اور حکیم ہے۔"

(الانفال ۸- آیت ۶۴)-

۶۵- يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

(الانفال ۸-آیت ۶۵)

۶۵ "اے پیغمبر! اللہ اور مومنین میں سے وہ لوگ جو تمہارے فرمانبردار ہیں، تم کو کافی ہیں۔"

(الانفال ۸- آیت ۶۵)

۶۶- يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ

(الانفال ۸- آیت ۶۶)

۶۶ "(اے پیغمبر!) مسلمانوں کو (ایذا دینے والوں کے ساتھ) لڑنے کے لئے آمادہ کرو۔"

(الانفال ۸- آیت ۶۶)

۲۶- وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صَيَاصِيهِمْ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا ٥

(الاحزاب ۳۳- آیت ۲۶)

۲۶ "اور اہل کتاب (یہود) میں سے جن لوگوں نے اُن (مشرکین) کی مدد کی تھی، اللہ نے اُن کو اُن کے قلعوں سے نیچے اُتارا اور اُن کے دلوں میں ایسا رُعب ڈالا کہ تم (لڑنے والوں کے) ایک فریق کو قتل اور ایک کو قید کرنے لگے۔"

(الاحزاب ۳۳- آیت ۲۶)

۲۹۔ قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ۝

(التوبہ ۹۔ آیت ۲۹)

۲۹۔ "اہل کتاب میں سے جو لوگ نہ خدا کو مانتے ہیں اور نہ روز آخرت کو، اور نہ اُن چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام بتایا ہے، اور نہ دین حق کو تسلیم کرتے ہیں، اُن لوگوں سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں"۔[1]

(التوبہ ۹۔ آیت ۲۹)۔

۱۲۴۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝ (التوبہ ۹ آیۃ ۱۲۴)

۱۲۴۔ "اے ایمان والو ان کفار میں سے جو لوگ تمہارے آس پاس ہیں اُن سے لڑو، اور چاہیئے کہ وہ تم لوگوں میں شدت (کرارا پن) معلوم کریں، اور یہ جان لو کہ اللہ اُن کے ساتھ ہے جو (زیادتی سے) بچنے والے ہیں"۔ (التوبہ ۹۔ آیت ۱۲۴)

[1] اگر اس آیت کا تعلق جنگ تبوک سے نہیں ہے تو یہاں اہل کتاب سے مراد یہودیان خیبر ہیں۔ سر ولیم میور اس کو یہود و نصاریٰ کے برخلاف مخالفانہ اعلان کہتے ہیں، اور یہ لکھتے ہیں کہ:۔

"اسلام کی علیحدگی اور اس کی وہ حیثیت جو مذہبی آزادی کے خلاف روز بروز بڑھتی جاتی تھی اُس اعلان سے کافی طور پر ظاہر ہوتی ہے جو یہود و نصاریٰ کے برخلاف جاری کیا گیا تھا، کہ وہ خانہ کعبہ کی متبرک رسوم ادا کرنے اور اُس کے مقدس حدود میں داخل ہونے کے قابل نہیں ہیں، اور یہ کہ احکام الٰہی کے بموجب آنحضرت کو اُن سے جنگ کرنی چاہیئے، تاوقتیکہ وہ اسلام کی فوقیت کو تسلیم کر کے جزیہ ادا کرنا قبول کریں"۔ (سیرت محمدی جلد دوم صفحہ ۱۹۹)

جس حکم کا حوالہ سر ولیم میور نے دیا ہے، اُس کا تعلق اُن لوگوں کے برتاؤ سے ہے جنہوں نے مسلمانوں کے برخلاف ہتھیار اُٹھائے تھے، نہ کہ اُن کی عام حالت سے۔ یہود و نصاریٰ کے برخلاف اس بات کا کوئی اعلان جاری نہیں کیا گیا تھا کہ وہ خانہ کعبہ کی متبرک رسوم ادا کرنے اور اس کی مقدس حدود میں داخل ہونے کے قابل نہیں ہیں۔ برعکس اسکے نصارائے بخران کو جبکہ وہ مدینہ پہنچے، حضرت پیغمبر صلعم نے اپنی مسجد میں ٹھیرایا، اور وہیں وہ لوگ اپنی نمازیں پڑھتے تھے۔ (ابن ہشام صفحہ ۴۰۲)۔

۳۰۔ بنی قریظہ سعد بن معاذؓ کے فیصلہ پر رضامند ہو گئے تھے، جو اَوسی یعنی اُن کے معین و مددگار بنی اوس کے قبیلہ سے تھا۔

سعد بن معاذ کا فیصلہ

آنحضرت ؐ نے اس فیصلہ پر اتفاق کیا۔ سعدؓ نے حکم دیا کہ قیدیوں میں سے مردوں کو قتل کرنا چاہیئے۔ آنحضرت ؐ نے اس فیصلہ کو ناپسند کیا اور یہ فرمایا "تُو نے ایک مَلِک (بادشاہ) کے فیصلہ کی مانند فیصلہ کیا ہے"۔ لفظ مَلِک سے آپ کی مراد تھی "ایک خود مختار حکمران"۔ بخاری (کتاب الجہاد) کی سب سے معتبر روایت میں لفظ مَلِک (بمعنی بادشاہ) موجود ہے۔ مگر بخاری کے تین اور مقاموں (کتاب المناقب، کتاب المغازی، اور کتاب الاستیذان) میں راوی کو شک ہے کہ آنحضرت ؐ نے لفظ "اللّٰہ" فرمایا تھا، یا لفظ "مَلِک"۔ مسلم نے بھی لفظ مَلِک لکھا ہے، اور ایک جگہ یہ جملہ بالکل نہیں دیا گیا۔ سعد بن معاذ کے انتقال کے بعد صرف اُس کی یادگار کو عظیم الشان بنانے کے لئے، اس واقعہ کے بعض راویوں نے یہ بیان کر دیا کہ آنحضرت ؐ نے یہ فرمایا تھا کہ سعدؓ نے ایک مَلَک (فرشتہ) کی مانند فیصلہ کیا ہے، بعض راویوں نے لفظ مَلِک (بادشاہ) کی تعبیر اس طرح کی ہے کہ اُس کے معنی "اللّٰہ" ہیں۔ آنحضرت ؐ نے لفظ مَلَک بمعنی فرشتہ، یا لفظ مَلِک جو مجازاً بمعنی "اللّٰہ" مستعمل ہوتا ہے، ہرگز ارشاد نہیں فرمایا، آپ نے صرف مَلِک فرمایا، جس کے لفظی معنی "بادشاہ" یا "حکمرانِ مطلق" کے ہیں[1][2]

۳۱۔ یہودیانِ خیبر کے برخلاف جو مہم بھیجی گئی تھی اُس کی حیثیت محض دفاعی تھی۔

یہودیانِ خیبر کے مقابلہ میں دفاعی مہم

جب سے بنی نضیر اور بنی قریظہ اسلامی جمہوریت کے برخلاف سازش کرنے کی پاداش میں مدینہ سے جلاوطن ہو کر اہلِ خیبر سے جا ملے تھے اُسی وقت سے اہلِ خیبر اس جرم کے مرتکب ہوئے کہ اُنہوں نے قرب و جوار کے قبیلوں کو مدینہ پر

---

[1] ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۸ مطبوعہ یورپ ۱۹۰۹ء۔ تہذیب الاسماء امام نوادی صفحہ ۲۷۷ مطبوعہ یورپ ۱۸۴۹ء

[2] بیضاوی جلد دوم صفحہ ۱۲۶۔ ملاحظہ ہو۔

حملہ کرنے کے لئے برانگیختہ کرنا شروع کر دیا، بنی غطفان کے ساتھ ربط و اتحاد پیدا کیا، اُنہوں نے احزاب یعنی قبائل عرب کے اُس جتھے کے ساتھ شامل ہو کر جنگ میں نمایاں حصہ لیا تھا، جس نے مشترکہ قوت سے مدینہ پر حملہ کرنے کی غرض سے جنگ خندق میں مدینہ کا محاصرہ کر لیا تھا۔ ان لوگوں نے اور بالخصوص سلام بن ابوالحقیق نضری نے جو بنی نضیر کا سردار تھا، بنی فزارہ اور دیگر بدوی قبائل کو مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لئے بھڑکایا۔ اُنہوں نے مسلمانوں پر حملے کرنے کے لئے بنی سعد بن بکر کے ساتھ اتحاد پیدا کیا۔ بنی سعد یعنی قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ منجملہ اُن احزاب (گروہ) کے تھے جنہوں نے مدینہ کا محاصرہ کیا تھا۔ تھوڑے عرصہ بعد اُسیر بن زارم[1] نے جو بنی نضیر مقیم خیبر کا سردار تھا، مدینہ پر مشترکہ قوت سے حملہ کرنے کے لئے بنی غطفان کے ساتھ اُسی قسم کے تعلقات قائم کئے، جیسے کہ اُن کے پہلے سردار نے قائم کئے تھے۔ بنی غطفان مع بنی فزارہ اور بنی مُرّہ کے جو اُن کے قبیلہ کی شاخیں تھیں، فدک کے قُرب و جوار میں جو خیبر میں واقع ہے، ہمیشہ شرارت کے منصوبے باندھتے رہتے تھے۔ یہ لوگ بہت عرصہ سے اہل مدینہ کو دھمکیاں دے رہے تھے، اور اپنے حملوں کا خوف دلا رہے تھے۔ ہجرت کے ساتویں سال آنحضرتؐ کو بروقت خبر ملی کہ اہل خیبر اور بنی غطفان باہم مل کر جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔ آپ جلدی سے مدافعت کے لئے روانہ ہوئے، اور فوراً خیبر کی طرف کوچ کیا۔ آپ نے اُن کی باہمی امداد کے روکنے کے لئے بمقام رجیع[2] قیام فرمایا، جو خیبر اور غطفان کے درمیان واقع تھا۔ پس یہ حملہ یکایک اور بلا اشتعال طبع نہ تھا، جیسا کہ سر ولیم میور کہتے ہیں۔ صاحب موصوف لکھتے ہیں :-

[1] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۶۵ و ۶۶ و ۶۶۔ [2] ابن اثیر جلد ۲ صفحہ (۱۶۶)۔

"محمد (صلعم) کو یہودیان خیبر کی طرف سے غالباً کسی ابتدائی حملہ کا انتظار تھا (اُس قبیلہ کی
"سرسبز زمینوں اور دیہات ہی کو اپنے پیروؤں کے لئے آنحضرت ؐ نے مخصوص کیا تھا) یا
"آپ کا ایسا خیال تھا کہ اُن کے معین و مددگار یعنی غطفان کی طرف سے کوئی ایسی وجہ
"ہاتھ آجائے جس سے آپ کو حملہ کرنے کا بہانہ مل جائے۔ مگر جب کوئی موقع ایسا نہ ملا
"تو آپ نے اسی سال کے موسم خزاں میں یکایک اور بلا اشتعال طبع اُن کے علاقہ
"پر حملہ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا[1]۔"

جو کچھ میں اوپر بیان کر چکا ہوں، اُس سے یہ بات ظاہر ہو جائیگی کہ خیبر کا حملہ اپنی حیثیت میں محض دفاعی تھا۔

باب پنجم

نصاریٰ یا رومی

تبوک کی مہم جو سب سے پہلی تھی۔

۳۲۔ آنحضرت ؐ کی سب سے پہلی مہم تبوک[2] کی مہم تھی اور یہ بھی محض دفاعی تھی۔ شام سے آنے والے مسافر اور تاجر یہ خبر لائے تھے کہ شام کی سرحد پر رومیوں کی طرف سے بڑی فوج جمع ہوئی ہے۔ اُنہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ شاہنشاہ یونان ہرقل یعنی قیصر روم نے جو اُس وقت حمص میں مقیم تھا، فوج کو ایک سال کی تنخواہ پیشگی دے دی ہے، تاکہ سپاہی ایک طولانی مہم کے لئے ساز و سامان سے بخوبی درست اور تیار ہو سکیں، صحرائے شام کے مقابل

[1] سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ (۶۱)۔ [2] ابن ہشام صفحہ ۸۹۴، ۸۹۵۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۱۸ مطبوعہ یورپ ۱۹۰۹ء۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۱۱ مطبوعہ یورپ۔

بنی لخم، بنی جذام، بنی عاملہ، اور بنی غسان رومی نشانوں (جھنڈوں) کے ارد گرد جمع ہو رہے تھے، اور مقدمتہ الجیش (ہراول) پہلے سے بمقام بلقاء موجود تھا۔ آنحضرت ؐ نے اس خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے فی الفور عزم کیا۔ جب آپ سرحد شام کے قرب و جوار میں بمقام تبوک پہنچے تو آپ نے کسی فوج کو مقابلہ کے لئے نہ پایا۔ وہاں اُس خطرہ کا جس کے پیش آنے کا اندیشہ تھا، کوئی نشان موجود نہ تھا، اور اسی لئے آنحضرت ؐ نے مع اپنی فوج کے مدینہ کو مراجعت فرمائی۔ یہ واقعہ ہجرت کے نویں سال پیش آیا تھا۔

۲۳۔ پیغمبر اسلام (صلعم) کے تمام غزوات کا بیان اس پر ختم ہو جاتا ہے۔

خاتمہ — میں اُمید کرتا ہوں کہ میں نے عمدہ اور معقول دلائل سے، اور نہایت ہی یقینی اور نہایت ہی معتبر تاریخی ذرائع سے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ یہ تمام غزوات ابتدائی جنگ یا حملہ کی حیثیت نہیں رکھتے تھے، بلکہ وہ برعکس اس کے محض مدافعت اور حفاظت کی لڑائیاں تھیں، ابتدائی مسلمانوں پر اس لئے ظلم کئے گئے کہ اُنہوں نے دین محمدی کو قبول کیا تھا، اُن کے ملکی اور مذہبی حقوق تلف کئے گئے، وہ وطن سے نکالے گئے، مال و متاع سے محروم کئے گئے، اور ان سب مصیبتوں کے بعد، قریش اور اُن کے احزاب (گروہ) یعنے یہود اور دیگر قبائل عرب نے اُن پر ابتداءً حملہ کیا۔ اُنہوں نے نہ تو انتقام لینے کے لئے جنگ کی تھی، اور نہ دین اسلام کو بزور اسلحہ قبول کرانے کے لئے، اور نہ اُن قافلوں کے لُوٹنے کے لئے جو اُن کے شہر کے قریب سے گزرتے تھے۔ جنگ کی اجازت مسلمانوں کو صرف اس لئے دی گئی تھی کہ مُشرکین اُن سے جنگ کرنے یا اُن پر حملہ کرنے میں سبقت کرتے تھے، اور ظلم و تعدی کرتے تھے، اُنہوں نے بلا وجہ صحیح مسلمانوں کو اُن کے وطن سے بے وطن کیا تھا۔ پس مسلمانوں نے

اُن ہی لوگوں کے مقابلہ میں ہتھیار اُٹھائے، جنہوں نے اولاً مسلمانوں کو ترک وطن پر مجبور کیا اور بعد ازاں اُن پر حملہ کیا۔ لہٰذا یہ فعل قانونِ اقوام اور مقدس قانونِ قدرت کے بالکل مطابق تھا۔ اہلِ مدینہ نے آنحضرت ؐ کو صرف دشمنوں سے بچانے کا معاہدہ کیا تھا[1]۔ وہ قریش کے اُس قافلہ کو جو مدینہ کے پاس سے گزر رہا تھا، لوٹنے کے لئے نہ تو جا سکتے تھے اور نہ جانا چاہتے تھے، اور آنحضرت ؐ اور آپ کے انصار بھی اس کام کے روادار نہ تھے، اور نہ ہو سکتے تھے۔

باب ششم

مذہبی مزاحمت

۳۴۔ اُن لوگوں نے بڑی غلطی کی ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ:-

> آنحضرت ؐ نے مذہبی مزاحمت کی ہرگز تعلیم نہیں دی۔

"مسلمانوں کا ایک عام فرض جس کی پابندی اُن کے لئے لازمی قرار دی گئی تھی یہ ہے کہ وہ کافروں پر خدائی انتقام (غضب الٰہی) نازل کرنے کا وسیلہ بنیں۔ اُن کو قتل کیا جائے تاوقتیکہ وہ جزیہ ادا نہ کریں، جزیہ ادا کرنے کی صورت میں اُن کو کچھ اور تکلیف نہ دی جائے، یہاں تک کہ وہ خود ہی جہنم میں داخل ہو جائیں[2]۔"

آنحضرت ؐ نے قریش اور یہود کے ساتھ اس وجہ سے کہ وہ آپ کی رسالت کے منکر تھے جنگ نہیں کی، اور نہ اس وجہ سے کہ آپ اُن پر غضب الٰہی نازل کرنے کا

[1] ابن ہشام صفحہ ۳۰۲ مطبوعہ یورپ۔ بیضاوی جلد اول صفحہ ۲۵۰ مطبوعہ یورپ۔

[2] "اسلام زیر حکومت عرب" از میجر آر۔ ڈی۔ اوسبورن مطبوعہ لندن ۱۸۷۶ء صفحہ ۲۷۔

ذریعہ تھے، بلکہ برعکس اس کے آپ نے یہ کہا کہ "میں تو صرف ایک نذیر ہوں، (یعنی عذاب الٰہی سے ڈرانے والا)۔

دیکھو آیات مندرجہ ذیل :-

۲۸۔ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ ؕ

(الکہف ۱۸۔ آیت ۲۸)

۲۸۔ "اور (اے پیغمبر!) لوگوں سے کہو کہ حق (یعنی قرآن) تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے، پس جو شخص چاہے مانے، اور جو چاہے نہ مانے۔"

(الکہف ۱۸۔ آیت ۲۸)۔

۲۵۷۔ لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ۙ

(البقرہ ۲۔ آیت ۲۵۷)

۲۵۷۔ "دین میں زبردستی (کا کچھ کام) نہیں ہے۔"

(البقرہ ۲۔ آیت ۲۵۷)۔

۷۳۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰی مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝

(المائدہ ۵۔ آیت ۷۳)

۷۳۔ "بے شک جو لوگ ایمان لائے ہیں (یعنے مسلمان) اور جو یہودی ہیں اور صابی اور نصاری ان میں سے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائے۔ اور نیک عمل کرے، تو (قیامت میں) اُن پر کوئی خوف نہ ہوگا، اور نہ وہ رنج و غم میں مبتلا ہوں گے۔"

(المائدہ ۵۔ آیت ۷۳)

عین جنگ کی حالت میں بھی مشرکوں کو اجازت تھی کہ وہ آکر وعظ سنیں، اور پھر اُن کو اُن کی امن کی جگہ واپس بھیج دیا جاتا تھا۔[1] آنحضرت ؐ کی جنگیں مشرکین سے جزیہ وصول کرنے کی غرض سے بھی نہیں تھیں، جزیہ اُن ہی لوگوں پر لگایا جاتا تھا جو آپ کی پناہ میں آتے تھے، پھر بھی اُن باقاعدہ محصولوں (زکوٰۃ و صدقات وغیرہ) سے

[1] دیکھو سورۂ توبہ ۹۔ آیت ۶۔ اصل آیت اس کتاب کے فقرہ ۱۷ میں پہلے نقل ہو چکی ہے۔

جو مسلمانوں کو اسلامی جمہوریت کے مصارف کے لئے ادا کرنے پڑتے تھے۔ یہ لوگ بری تھے

برعکس اس کے آنحضرت ؐ نے صرف حفاظت خود اختیاری کی صورتوں میں ہتھیار اٹھائے تھے جیسا کہ پہلے ثابت ہو چکا ہے۔ اگر آنحضرت ؐ قیام مدینہ کے بعد، قریش اور اُن کے مددگاروں کے متواتر حملوں سے اپنی جان بچانے میں غفلت کرتے تو ظن غالب تھا کہ آپ مع اپنے پیروؤں کے نیست و نابود ہو جاتے۔ پس وہ اپنی جان بچانے کے لئے اور نیز اپنی اخلاقی و مذہبی آزادی کی حفاظت کی غرض سے لڑتے تھے۔

یہ لڑائیاں کس معنی میں مذہبی لڑائیاں تھیں؟

۳۵- اس معنی میں اس لڑائی کو مذہبی جنگ کہہ سکتے ہیں، کیونکہ مخالفت مذہبی بناء پر شروع ہوئی تھی، اور قریش نے مسلمانوں کو اسی وجہ سے تکلیفیں دے دے کر جلا وطن کیا تھا کہ انہوں نے دین آبائی یعنی بت پرستی کو ترک کر کے دین اسلام یعنی ایک سچے خدا کی پرستش اختیار کی تھی، مگر وہ اس معنی میں ہرگز مذہبی لڑائی نہ تھی کہ کفار سے زبردستی اسلام قبول کرانے کے لئے اُن پر حملہ میں سبقت کی جائے۔

سر ولیم میور کی کیسی بڑی غلطی ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ جنگ مذہبی حیثیت سے تجویز کی گئی تھی۔ صاحب موصوف یہ لکھتے ہیں:-

"مکہ سے مسلمانوں کی جلا وطنی کے باعث یہ لڑائیاں فی الحقیقت درست اور بجا تھیں، مگر جنگ کا "بڑا اور واقعی نتیجہ پوشیدہ نہ رہا، وہ یہ کہ اسلام کی فتح ہو۔ مسلمانوں کو لڑنے کا حکم تھا تاوقتیکہ "خالص خدا کا دین نہ ہو جائے"۔[1]

جن آیتوں سے مذہبی مزاحمت پر استدلال کیا جاتا ہے، انکی تفسیر

۳۶- قرآن مجید کی جن آیات کی طرف اُوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ وہ حسب ذیل ہیں:-

[1] سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۹۷-

۱۸۶۔ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ○

(البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۶)

۱۸۶۔ "اور جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی اللہ کی راہ (یعنے دین کی حمایت) میں اُن سے لڑو، اور زیادتی نہ کرو، کیونکہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے"

(البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۶)۔

۱۸۷۔ وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْكُمْ فِیْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ ○

(البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۷)

۱۸۷۔ "اور اُن کو (جو تم سے لڑتے ہیں) جہاں پاؤ قتل کرو، اور جہاں سے اُنہوں نے تم کو نکالا ہے (یعنے مکہ سے) تم بھی اُن کو وہاں سے نکال دو، اور فتنہ و فساد، خونریزی سے بھی زیادہ سخت ہے، اور جب تک حرمت والی مسجد (خانہ کعبہ) کے پاس وہ خود تم سے نہ لڑیں، تم بھی اُس جگہ اُن سے نہ لڑو، پس اگر وہ تم سے لڑیں تو تم بھی اُن کو قتل کرو، ایسے کافروں کی یہی سزا ہے"۔

(البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۷)۔

۱۸۸۔ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○

(البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۸)

۱۸۸۔ "پھر اگر وہ باز آئیں تو اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے"

(البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۸)

۱۸۹۔ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَكُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ○

(البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۹)

۱۸۹۔ "اور اُن سے یہاں تک لڑو کہ ملک میں فتنہ، فساد باقی نہ رہے، اور اللہ کا حکم چلے (یعنے مسلمانوں کو مذہبی آزادی مل جائے) پھر اگر وہ (فساد سے) باز آئیں (تو اُن پر کسی طرح کی زیادتی نہیں کرنی چاہیئے) زیادتی تو ظالموں کے سوا کسی پر روا نہیں ہے"۔ (البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۹)

قرآن مجید کی ان آیتوں سے عموماً، اور پچھلی آیت سے خصوصاً یہ ثابت ہوتا ہے کہ

جنگ، حفاظت خود اختیاری کی بنا پر، اور صلح، امن اور مذہبی آزادی کے قائم رکھنے اور فتنہ (ایذا رسانی) کے دفع کرنے کے لئے، مجبوراً تجویز کی گئی تھی۔

کفار کی ایذا رسانی (فتنہ) کے روکنے سے غرض یہ تھی کہ دین اسلام اُس مذہبی مزاحمت اور زبردستی سے آزاد اور بری ہو جائے، جو مسلمانوں کو دوبارہ بُت پرستی کی طرف لوٹ آنے کے لئے مشرکوں کی طرف سے عمل میں لائی جاتی تھی، یا بعبارت دیگر خالص اور کامل طور پر خدا کا دین ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم کو اپنے مذہب میں آزادی حاصل ہو جائے، کوئی تم کو ایذا نہ دے سکے، اور بُت پرستی اختیار کرنے اور اسلام ترک کرنے پر مجبور نہ کر سکے، اُس وقت تمہارا دین خالص اور آزاد ہوگا؛ اور تم کو شرک پر مجبور کئے جانے کا اندیشہ باقی نہ رہے گا۔

سورۂ ہشتم (انفال) میں بھی اُسی آیت کا اعادہ کیا گیا ہے:-

۳۹- قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوا إِن يَنتَهُوا يُغْفَرْ لَهُم مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَإِن يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ ٥ (الانفال ۸- آیت ۳۹)	۳۹- "جو لوگ کافر ہیں اُن سے کہو کہ اگر (شرارت سے) باز آجائیں[1]، تو اُن کے پچھلے قصور معاف کر دئیے جائیں گے اور اگر پھر ایسا کریں گے[2]، تو اگلے لوگوں کی روش پڑ چکی ہے[3]، (وہی اُن کا حال ہوگا)۔" (الانفال ۸- آیت ۳۹)-
۴۰- وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ۚ فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ	۴۰- "اور ان سے لڑو یہاں تک فتنہ فساد نہ رہے اور اللہ کا دین پھیلا پورا چلے (یعنے مسلمانوں کو پوری مذہبی آزادی مل جائے) پھر اگر وہ باز آجائیں، تو جو کچھ وہ کریں گے اللہ

[1] یعنے تم پر حملہ کرنے اور تم کو ایذا دینے سے باز آجائیں، اور تم کو تمہارے گھروں میں داخل ہونے، اور مسجد الحرام (خانۂ کعبہ) کی زیارت سے نہ روکیں۔

[2] یعنے اگر تم پر دوبارہ حملہ کریں اور جنگ کی ابتدا کریں۔

[3] مراد اُن لوگوں سے ہے جنھوں نے بدر میں شکست کھائی تھی۔ بیضاوی جلد ا صفحہ ۳۰۶ مطبوعہ یورپ ۱۸۴۶ء

بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ٥	اُس کو دیکھتا ہے (اُسی کے موافق اُن کو جزا دے گا)"۔
(الانفال ۸ - آیت ۴۰)	(الانفال ۸ - آیت ۴۰)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قریش کے مقابلہ میں صرف اُسی حالت میں جنگ تجویز کی گئی تھی جبکہ وہ باز نہ آئیں، اور صرف اُن کے فتنہ کے انسداد اور دفعیہ کے لئے تھی، اور جب مزاحمت اور ایذارسانی دفع ہو جائے، یا باقی نہ رہے، اُس وقت کہا جاسکتا ہے کہ دین اسلام تمامتر خدا کا دین ہو گیا، اور مسلمان خدائے حقیقی کے ساتھ کسی کو شریک قرار دینے پر مجبور نہیں رہے۔

سر ولیم میور کی رائے اور اُن کی لغزش

۳۷۔ سر ولیم میور اپنی کتاب کے آخری باب میں، جو آنحضرت ﷺ کی صورت (خُلق)، اور سیرت (خُلق) کے متعلق ہے آپ کے مدنی زمانہ پر ریویو (نظر) کرتے ہوئے یہ لکھتے ہیں:۔

"مذہبی مزاحمت نے آزادی کی جگہ، اور زبردستی نے ترغیب کی جگہ جلد لے لی۔

"اسلام کا امتیازی نشان اب یہ کلمہ ہو گیا کہ، جہاں پاؤ کافروں کو قتل کرو":۔

"خدا کی راہ میں لڑو یہاں تک کہ مخالفت مٹ جائے، اور دین صرف خدا ہی کا ہو جائے"۔[۱]

یہاں سر ولیم میور اپنی پہلی رائے سے صریح طور پر اختلاف کرتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب کی چوتھی جلد کے صفحہ ۳۰ پر پہلے تسلیم کر چکے ہیں کہ جو طریقہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں اختیار کیا تھا، وہ یہ تھا کہ لوگوں سے کوئی تعرض نہ کیا جائے، اور وہ آہستہ آہستہ بلا اکراہ و اجبار مسلمان ہو جائیں، اور جب آپ فتحمند ہو کر مکہ میں داخل ہوئے، اُس وقت بھی آپ نے اُسی تجویز کے اختیار کرنے کا قصد کیا تھا۔ صاحب موصوف کے الفاظ یہ ہیں:۔

"اس تحریک نے آنحضرت ﷺ کو زمانہ قیام مکہ کے مختصر کرنے پر مجبور کیا۔ اگرچہ اس شہر نے خوشی

[۱] سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۳۱۹۔

"سے آپ کے اقتدار کو تسلیم کیا تھا، مگر جملہ باشندگان مکہ نے اس نئے مذہب کو قبول نہیں کیا
"تھا، یعنے باضابطہ طور پر آپ کے دعوٰی پیغمبری کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ شاید آپ نے اس وقت
"بھی اُسی طریقہ پر کاربند رہنے کا قصد کیا، جو مدینہ میں اختیار کیا تھا، وہ یہ کہ لوگوں سے
"کوئی تعرض نہ کیا جائے، اور وہ آہستہ آہستہ بلا اکراہ و اجبار مسلمان ہو جائیں"۔

یہ واقعہ ہجرت کے آٹھویں سال کے آخر کا ہے۔ آنحضرتؐ کی وفات ہجرت کے گیارھویں سال کے شروع میں ہوئی ہے، پس یہ سوال قدرتی طور پر پیدا ہوتا ہے کہ یہ انقلاب جو بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے مذہبی مزاحمت شروع کردی تھی کس وقت ہوا؟ اور سر ولیم میور کیسے اور کس بناء پر کہتے ہیں کہ اس انقلاب کا نشان اُسی وقت سے ملتا ہے جبکہ آپ مدینہ میں وارد ہوئے تھے؟ یہود کا قبیلہ بنی قریظہ جس نے اہل مدینہ کے برخلاف بغاوت کی تھی، اس کے ساتھ ہجرت کے پانچویں سال جو سلوک کیا گیا، اُس کی بابت سر ولیم میور یہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے اُس وقت تک لوگوں کو اسلام لانے پر مجبور کرنے کا یا اُس کے قبول کرنے کی وجہ سے اُن کو سزا دینے کا کوئی اظہار نہیں کیا۔ میور صاحب کے الفاظ یہ ہیں:-

"جو مرجح وجوہات کی بنا پر آنحضرتؐ نے اپنا کام شروع کیا تھا، وہ محض پولٹیکل (سیاسی)
"تھیں، کیونکہ اب تک آپ نے لوگوں کو اسلام لانے پر مجبور کرنے یا اُس کے قبول نہ کرنے کی
"وجہ سے اُن کو سزا دینے کا کوئی اظہار نہیں کیا تھا[۱]"

ایک فٹ نوٹ (ذیلی حاشیہ) میں صاحب موصوف یہ رائے اس طرح ظاہر کرتے ہیں:-

"آنحضرتؐ اپنے الہام و وحی میں اب تک اُسی اصول مسئلہ کا اعادہ کرتے رہے، جس پر آپ
"مکہ میں کاربند تھے، اور وہ یہ تھا کہ 'میں تو عام طور پر وعظ و نصیحت کرنے والا ہوں'

---

[۱] سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۲۸۲

"جیسا کہ باب آئندہ میں دکھایا جائے گا۔"

آگے چل کر سرولیم میور آنحضرتؐ کے ورُود مدینہ کے بعد پہلے دوسال کا حال بیان کرتے کرتے (جلد سوم کے صفحہ ۳۲ پر) ایک فٹ نوٹ (ذیلی حاشیہ) میں اس امر کو ان لفظوں میں تسلیم کرتے ہیں :۔

"ہم محمد (صلعم) کے ارادہ میں کوئی ایسی ترقی نہیں دیکھتے جس سے صاف طور پر مفہوم ہوتا ہو کہ آپ دوسروں پر اپنے دین کا بار زبردستی ڈالنا چاہتے تھے۔ فریقین کی موجودہ حالت جو اُس وقت تھی، ایسی حالت میں اس اصول کا پیش کرنا خطرناک ہوتا۔"

رائے مذکور پر مزید بحث

۴۸۔ بیانات مذکورہ بالا سے یہ امر صاف ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ کے قیام مدینہ کے تین جداگانہ زمانوں میں یعنے پہلے دوسال میں پانچویں سال میں، اور آٹھویں سال میں، ہر ایک زمانہ کی بابت سرولیم میور نے خود تسلیم کیا ہے کہ آنحضرتؐ کا کوئی ارادہ نہ تھا کہ لوگوں سے زبردستی اپنا مذہب قبول کرائیں، اور نہ آپ نے اس امر کا اظہار کیا کہ لوگوں کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے یا اس کے قبول نہ کرنے کی وجہ سے اُن کو سزا دی جائے اور یہ کہ اہل مدینہ آہستہ آہستہ بلا اکراہ و اجبار مسلمان ہوئے تھے، اور یہی طریقہ آپ نے فتح مکہ کے وقت اختیار کیا تھا۔

سرولیم میور کی یہ رائے کہ "مذہبی مزاحمت نے آزادی کی جگہ اور زبردستی نے ترغیب کی جگہ جلد لے لی" دعوائے بے دلیل اور اُن کی آراء سابقہ کے بالکل خلاف ہے، لہٰذا اب اس رائے کا کوئی موقع و محل باقی نہیں رہا۔ ۸ھ کے اختتام تک، جبکہ مکہ فتح ہوا، یہ بات مسلّم ہے، کہ مسلمانوں کی طرف سے مذہب کو زبردستی منوانے کے لئے کوئی اذیت یا مزاحمت عمل میں نہیں آئی۔ آنحضرتؐ کی وفات ۱۱ھ کے ابتدا میں واقع ہوئی۔ درمیان کے دوسال میں جنگ کا شور و غوغا معدوم ہو گیا تھا، عرب کے تمام اطراف و جوانب سے وفد اور سفارتیں

آنحضرت ؐ کی خدمت میں حاضر ہونی شروع ہو گئی تھیں، اور مذہبی مُزاحمت یا کسی شخص کے بجبر و اکراہ دینِ اسلام قبول کرنے کی ایک مثال بھی موجود نہیں ہے[1]۔

[1] سر ولیم میور جو آنحضرت ؐ پر، بزمانہ قیام مدینہ، مذہبی ایذا رسانی کا الزام لگانے میں نہایت سرگرم ہیں، اُن کو آنحضرت ؐ کے دہ ۱۰ سالہ قیام مدینہ کے زمانہ میں، جو واقعات و حوادث سے معمور ہے، مذہبی تعصب یعنی بزور شمشیر مسلمان بنانے کی صرف ایک مثال بہت تلاش اور جستجو کرنے پر دستیاب ہوئی ہے۔ میرا اشارہ سفارت خالد کی حکایت کی طرف ہے یہ سفارت سنہ ۱۰ ھ میں نصارائے نجران کے ایک قبیلہ، بنی حارث کی طرف روانہ کی گئی تھی، یہ لوگ آنحضرت ؐ کے ساتھ صلح کا عہد نامہ کر چکے تھے، اور مسلمانوں نے اس بات کی ضمانت اور ذمہ داری کی تھی اور اُن کو پورا اطمینان دلا دیا تھا کہ وہ اپنے دین کی پیروی میں آزاد ہیں۔ سر ولیم میور کے بیان کے موافق خالد بن ولید کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ اُن کو اسلام قبول کرنے کے لئے دعوت دی جائے، اور اگر انکار کریں تو تین دن کے بعد اُن پر حملہ کیا جائے، اور اطاعت پر مجبور کیا جائے (میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۲۲۴) آنحضرت کے تذکرہ نویسوں نے اس حکایت کا جو حال بیان کیا ہے وہ ایسا لغو ہے کہ اُس کا یقین نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ یہ واقعہ بالکل صحیح ہے کہ بنی حارث یعنے نصارائے نجران نے صرف ایک سال پیشتر سنہ ۹ ھ میں اپنا ایک وفد آنحضرت ؐ کی خدمت میں روانہ کیا تھا، اور امن و حفاظت کی شرائط آپ سے طے ہو گئی تھیں (میور صاحب کی سیرت محمدی جلد دوم صفحہ ۲۹۹۔ اور ابن ہشام صفحہ ۴۰۱) سر ولیم میور کا یہ عذر کہ بنی حارث دو فرقوں میں منقسم تھے، ایک عیسائی، اور دوسرا بُت پرست، اور یہ کہنا کہ خالد کی یہ کارروائی قبیلہ بنی حارث کے اُس حصہ کے ساتھ عمل میں آئی تھی جو اس وقت تک بُت پرستی کی تاریکی میں پھنسا ہوا تھا، سراسر بے بنیاد ہے، اگرچہ یہ عذر اُن کی عجیب قسم کی زیرکی و ذکاوت پر دلالت کرتا ہے جس کے ذریعہ سے انہوں نے سفارت خالد کی بابت موضوع روایت کی تطبیق اس واقعہ کے ساتھ کر دی ہے کہ بنی حارث نے آنحضرت ؐ کے ساتھ، حفظ و امان اور رواداری اور آزادی کا معاہدہ کیا تھا۔

صاحب موصوف ایک نوٹ لکھتے ہیں:۔

"میں یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ خالد کی یہ کارروائی بنی حارث کے اُس قبیلہ کے خلاف عمل میں آئی تھی " جو اس وقت تک بُت پرست تھا۔ بہر صورت قبیلہ مذکور کے اس عیسائی حصہ کے خلاف نہ تھی جس کے " ساتھ پہلے معاہدہ ہو چکا تھا" (سیرت محمدی جلد چہارم، فٹ نوٹ صفحہ ۲۲۴)۔

اسلام سے بہت عرصہ پہلے بنی حارث کے عیسائی ہو جانے کا حال ہشامی صفحہ ۴۰۱ و ۴۰۲۔ اور تاریخ گبن باب چہل و دوم صفحہ ۲۰۔ فٹ نوٹ۔ اور میور صاحب کی سیرت محمدی جلد اول مقدمہ ۲۲۸ یا ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۲۳۔ ابن ہشام صفحہ ۹۵۸ ملاحظہ ہو۔

آنحضرت ؐ نے قیام مدینہ کے زمانہ میں صبر و تحمل اور ترغیب و تحریص کی اُس پالیسی (مصلحت) سے ہرگز انحراف نہیں کیا، جو اپنی رسالت کی کامیابی کے لئے آپ نے (حسب فرمان الٰہی) قرار دی تھی۔ اور اس اصول کو فی الفور یا کچھ مدت کے بعد کسی وقت میں بھی آپ نے تبدیل نہیں کیا۔ مدینہ میں آپ نے اُسی فیاضانہ عقیدہ کا وعظ فرمایا کہ دیگر مذاہب کے عقائد کا لحاظ رکھا جائے (یعنی کسی کو زبردستی مسلمان نہ بنایا جائے) اور لوگوں کو بار بار اس امر کا یقین دلایا کہ میں صرف واعظ اور ہادی ہوں اور کھلم کھلا ظاہر کر دیا کہ ہمارے مذہب کی رو سے دین کے معاملہ میں جبر اور زبردستی کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔

یہ **آیات قرآنی مدنی** ہیں، جو امر زیر بحث کے متعلق مدینہ میں آنحضرت ؐ پر نازل ہوئی ہیں :-

۵۹۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ○

(البقرہ ۲۔ آیت ۵۹)

۵۹ "بے شک جو لوگ ایمان لائے ہیں (یعنی مسلمان) اور جو یہودی ہیں، اور نصارٰے اور صابی، ان میں سے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائے، اور نیک عمل کرے، تو (قیامت میں) اُن کو اُن کا اجر اُن کے پروردگار کی طرف سے ملے گا، اور اُن پر کوئی خوف نہ ہوگا، اور نہ وہ رنج و غم میں مبتلا ہوں گے۔"

(البقرہ ۲۔ آیت ۵۹)

۱۹۔ وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ وَالْاُمِّیّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ط فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اھْتَدَوْا ج وَاِنْ

۱۹ "اور (اے پیغمبرؐ) اہل کتاب اور (عرب کے اُمّی (ناخواندہ) لوگوں سے کہو کیا تم اسلام لاتے ہو؟ پس اگر اسلام لے آئیں، تو بے شک راہ راست پر آ گئے،

وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ ؕ وَ اللّٰہُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ (آل عمران ۳۔ آیت ۱۹)	اور اگر مُنہ پھیر لیں، تو (اے پیغمبر!) تم پر (احکام الٰہی کا) پہنچا دینا ہے، اور بس، اور اللہ بندوں کو دیکھ رہا ہے" (آل عمران ۳۔ آیت ۱۹)
۹۹۔ مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَ اللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا تَکْتُمُوْنَ ۝ (المائدہ ۵۔ آیت ۹۹)	۹۹ "پیغمبر کے ذمہ صرف (احکام الٰہی کا) پہنچا دینا ہے اور جو کچھ تم لوگ کُھلم کُھلا کرتے ہو اور جو چھپا کر کرتے ہو، اللہ اُس کو جانتا ہے"۔ (المائدہ ۵۔ آیت ۹۹)
۵۴۔ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْہِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَیْکُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِیْعُوْہُ تَہْتَدُوْا ؕ وَ مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ۝ (النور ۲۴۔ آیت ۵۴)	۵۴ "(اے پیغمبر لوگوں سے) کہو کہ اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر تم روگردانی کرو (تو تبلیغ رسالت کا) جو بار رسول پر ڈالا گیا ہے اُس کے جواب دِہ وہ ہیں، اور (اطاعت کا) جو بار تم پر ڈالا گیا ہے اُس کے جواب دِہ تم ہو، اور اگر تم رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے، اور رسول کی ذمہ داری تو صرف (احکام کا) صاف طور پر پہنچا دینا ہے"۔ (النور ۲۴۔ آیت ۵۴)
۲۵۷۔ لَاۤ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ ۟ۙ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ۚ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ یُؤْمِنْۢ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی ٭ لَا انْفِصَامَ لَہَا ؕ وَ اللّٰہُ	۲۵۷ "دین میں زبردستی (کا کچھ کام) نہیں ہے ہدایت، گمراہی سے الگ ظاہر ہو گئی ہے، پس جو شخص جھوٹے معبودوں[1] کو نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے، تو اُس نے مضبوط رسّی کو پکڑ لیا، جو ٹوٹنے والی نہیں ہے، اور اللہ سُنتا اور

[1] یہ ایک نام ہے، جس کا اطلاق ایک یا زیادہ بُتوں پر ہوتا تھا، خاص کر ایک "لات" اور "عُزّیٰ" پر، جو کہ کے قدیم بُت تھے۔ (بیضاوی جلد ۱ صفحہ ۱۳۱ مطبوعہ یورپ)۔

سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ٥ (البقرہ ۲ - آیت ۲۵۷)	جانتا ہے۔" (البقرہ ۲ - آیت ۲۵۷) -
۸۲ - مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰی فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا (النساء ۴ - آیت ۸۲)	۸۲ - "جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے روگردانی کی تو (اے پیغمبر) تم سے اس کی بازپرس نہ ہوگی) ہم نے تم کو ان لوگوں کا پاسبان بنا کر نہیں بھیجا۔" (النساء ۴ - آیت ۸۲)

۳۹ - اسلام کا امتیازی کلمہ ہرگز یہ نہیں تھا کہ "جہاں پاؤ کافروں کو قتل کرو" بلکہ یہ جملہ محض حفظ نفس اور جنگ دفاعی کے موقع پر کہا گیا تھا اور صرف اُن لوگوں سے متعلق تھا جنہوں نے مسلمانوں کے برخلاف ہتھیار اُٹھائے تھے۔

آنحضرت کی جنگوں کا مقصد -

آیات سورۂ بقرہ ۲ - آیت ۱۸۹ و سورۂ انفال ۸ - آیت ۴۰، فقرہ ۱۷ و فقرہ ۳۷ میں پہلے نقل ہو چکی ہیں، اور اُن کے سیاق اور مفہوم سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیتیں صرف اُن باشندگان مکہ کے ساتھ جنگ کرنے کی تاکید کرتی ہیں، جو مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ ان آیتوں میں لڑائی کا مقصد ٹھیک ٹھیک بیان کیا گیا ہے، اور اُن کا مفہوم صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایذا رسانی اور خانہ جنگیاں موقوف ہوں، مگر سر ولیم میور نے لفظ "فتنہ" کا ترجمہ "جنگ یا مخالفت" کیا ہے۔ خود صاحب موصوف نے اپنی کتاب کی جلد دوم صفحہ ۴۷ کے فٹ نوٹ (ذیلی حاشیہ) میں اسی لفظ کا ترجمہ "ایذا رسانی" کیا ہے، دیکھو آیتہ:-

۱۰ - اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ الخ (بروج ۸۵ - آیتہ ۱۰)	۱۰ - "درحقیقت وہ لوگ جو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایذا دیتے ہیں" الخ (بروج ۸۵ - آیت ۱۰)

ا؎ بیضاوی جلد ا صفحہ ۱۰۵ مطبوعہ یورپ ۱۸۴۸ء - ۲؎ بیضاوی جلد دوم صفحہ ۳۹۶ -

اس آیت میں اصل لفظ فتنوا[1] ہے جو لفظ " فتنہ " سے مشتق ہے ہم نہیں جانتا کہ میور صاحب ایک ہی لفظ کے جو ایک ہی کتاب میں واقع ہے، خواہ مخواہ دو ترجمے کیوں کرتے ہیں، (دیکھو سورۂ بقرہ آیت ۱۸۷۔ اور سورۂ انفال آیت ۴۰)۔

قرآن مجید کی نویں سورۃ یا سورۂ براۃ

> **قرآن مجید کی نویں سورت کا ابتدائی حصہ صرف قریش سے متعلق ہے جنہوں نے نقض عہد کیا تھا**

۴۰۔ سر ولیم میور، قرآن مجید کی بعض آیات سورۂ نہم ۹ کا ذکر کرتے ہوئے جو ۹ھ میں حج اکبر کے موقع پر نازل ہوئیں، اور سورۂ مذکور کی ابتدائی سات آیتوں (یعنی پہلی آیت سے ساتویں آیت تک) کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں:۔

> **جو احکام اس سورۃ میں مذکور ہیں اگر بوجہ مصالحت ہو جاتی کے ان پر عمل درآمد نہیں ہوا**

" یہ آیتیں جو ابھی نقل کی گئی ہیں، دین محمدی کی تکمیل کرنے والی تھیں، " جہاں تک کہ اُن کا تعلق بت پرست قبائل و اقوام سے تھا۔ صلح کے چند واقعات کو " مستثنٰی کر کے اُن سب لوگوں کے برخلاف جنگ کا ایک عام اعلان کیا گیا، جس میں " صلح کی کوئی گنجائش نہ تھی[2]"

یہ بات صحیح نہیں ہے۔ صاحب موصوف اور اُن کے پیرو بھی غلطی کرتے ہیں کہ سورۂ نہم (براۃ) کی ابتدائی آیتوں کی بابت فرض کر لیتے ہیں کہ وہ در اصل ۹ھ کے

---

[1] لفظ " فتنوا " ماضی مطلق کا صیغہ جمع غائب ہے اور اس کا مصدر " فتنہ " ہے۔

[2] سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۲۱۱۔

اختتام پر بعد فتح مکہ[ل] نازل ہوئی ہیں، اُن کی غرض یہ ہے کہ بُت پرستوں کے ساتھ مسلمانوں کا جو معاہدہ اور اتحاد تھا، وہ منسوخ سمجھا جائے، حرم مکہ کے اندر اور باہر ہر جگہ اُن سے لڑنے کی اجازت بھی جائے، اور یہ کہ جہاں کہیں وہ ملیں اُن کو قتل کیا جائے، اُن کا محاصرہ کیا جائے، اور اُن پر گھات لگائی جائے۔ یہ سورۃ بالعموم نقض عہد کرنے اور ناقابل مصالحت جنگ کا اعلان کرنے سے دراصل کوئی تعلق نہیں رکھتی اور جس موقع کا اُوپر ذکر کیا گیا ہے، اُس موقع پر ابتداءً نازل نہیں ہوئی تھی، قرآن مجید کی سورۂ نہم کی ابتدائی آیتیں، جن کو میں نے ضروری تشریح کے ساتھ فقرہ (۱۷) کے آخر میں تمام وکمال نقل کر دیا ہے، اُن کی شان نزول ابتداءً فتح مکہ سے قبل ہے، جبکہ وہاں کے بُت پرستوں (قریش) نے صلح حدیبیہ کو توڑا تھا۔ اُن کے نقض عہد کا حال آیات ۴، ۸، ۱۰، ۱۲، میں صاف طور پر بیان کیا گیا ہے، اور جن بُت پرستوں نے عہد شکنی نہیں کی، اُن کے عہد ناموں کو پورا کرنے اور اُن کا لحاظ رکھنے کے لئے اُن ہی آیتوں میں مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے۔ پس جو حملہ آور نقض عہد کے مرتکب ہوئے تھے اور جنھوں نے بنی بکر کے اُس حملہ میں جو اُنہوں نے بنی خزاعہ پر کیا تھا، دوسرے لوگوں کو مسلمانوں کے برخلاف ہتھیار اُٹھانے کے لئے اغوا کیا تھا، ایسے ہی حملہ آوروں کی بابت مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ آیات زیر بحث کی اشاعت کی تاریخ سے چار ماہ کے بعد اُن سے لڑیں، اُن کا محاصرہ کریں اور اُن کو قید کر لیں۔ مگر خوش قسمتی سے ابوسفیان نے اشہر الحرم (متبرک مہینوں[ب]) کے شروع ہونے سے قبل، اور چار ماہ کی مدت منقضی ہونے سے پیشتر ہی مصالحت کر لی۔ اہل مکہ نے بغیر خونریزی کے اطاعت قبول کی، لہٰذا یہ امر صاف ظاہر ہے کہ

ل "اسلام اور اُس کا بانی" از جے۔ ڈبلیو۔ ایچ۔ سٹابرٹ۔ بی اے صفحہ ۱۷۹ مطبوعہ لندن ۱۸۷۶ء

ب بیضاوی جلد اول صفحہ ۳۸۱ مطبوعہ یورپ ۱۸۴۶ء۔

قرآن مجید کی سورۂ نہم کے شروع میں جو احکام درج ہیں، اُن کا عمل درآمد کبھی نہیں ہوا۔ وہ ایک "غیر تعمیل شدہ خط" کی مانند رہے، اور میں خیال کرتا ہوں کہ ہمیشہ اسی طرح رہیں گے۔ جہاں تک مجھے علم ہے تقریباً تمام یورپین مؤرخ اس دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں کہ سورۂ نہم جو عموماً سورۂ براۃ کے نام سے بھی موسوم ہے، اس کی ابتدائی آیتوں کا اعلان آنحضرت صلعم نے ۹ھ کے آخر میں کیا تھا۔ مگر حقیقت امر یہ ہے کہ اشہر الحرم (متبرک مہینوں) کے آغاز سے پہلے ۸ھ میں غالباً بماہ شعبان اُن کا اعلان ہو چکا تھا، یعنے اُس زمانہ میں جبکہ آنحضرت صلعم نے ماہ رمضان میں جانب مکہ کوچ کیا تھا، اور یہ کوچ جنگ کے ارادہ سے نہ تھا کیونکہ جنگ ماہ ذیقعدہ و ذیحجہ، و محرم کے گزرنے کے بعد واقع ہونے والی تھی (اس سے پہلے لڑائی ہو نہیں سکتی تھی)، بلکہ آپ کا عزم اس غرض سے تھا کہ اس مصالحت اور قرارداد کی بنا پر جو آنحضرت صلعم اور ابو سفیان کے درمیان طے ہو چکی تھی، مکہ پر قبضہ کریں۔ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ قرآن مجید کی سورۂ نہم کی ابتدائی آیتیں ابتداء ۹ھ کے آخری مہینے میں نازل اور شائع ہوئی تھیں، تو اس صورت میں یہ آیتیں بیکار اور بیفائدہ ہوئی جاتی ہیں، بغیر اس کے کہ اُن میں کوئی مقصد و مدعا مضمر ہو۔ ان آیتوں میں اُن ہی لوگوں سے لڑنے کی ہدایات مذکور ہیں، جنھوں نے بعض معاہدوں کو توڑا تھا، مسلمانوں کے مقابلہ میں دوسروں کو مدد دی تھی، اور خود بھی اُن پر حملہ کیا تھا۔ ان آیتوں نے اُن قبائل کے ساتھ اعلان جنگ کیا تھا، جو خون کے رشتوں اور حسن معاہدہ کا کچھ لحاظ نہ رکھتے تھے، اور جنھوں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں ابتدا جنگ کی تھی۔ جس زمانہ میں ان آیتوں کے اعلان کا دعوےٰ کیا جاتا ہے۔ ۹ھ کے آخری مہینے میں اور تمام ۱۰ھ میں اُس زمانہ میں یا اُس کے بعد تمام عرب

ہیں ایسے اشخاص کی تعداد زیادہ نہ تھی۔ اس زمانہ میں تو تقریباً تمام عرب بطوع و رغبت آنحضرتؐ کا مطیع و فرماں بردار ہو چکا تھا۔"

اس تمام مدت میں عرب کے ہر ایک قبیلہ سے مدینہ میں سفارتیں آتی ہیں اور پیغمبر اسلامؐ اُن کو حفاظت و حمایت اور دوستانہ سلوک کا اطمینان دلاتے تھے۔ طبل جنگی کی صدا اور قرنا کا شور اس وقت مدینہ سے معدوم ہو چکا تھا۔ اس بنا پر ہم بالیقین کہہ سکتے ہیں کہ یہ آیتیں سال نہم کے آخر میں نازل نہیں ہو سکتی تھیں، اور نہ اُس موقع پر نازل ہوئیں جیسا کہ متعدد مؤرخین کا دعوےٰ ہے، جن میں مسلمان اور یورپین دونو شامل ہیں۔ نظر بوجوہ مندرجہ بالا آیات مذکورۃ الصدر کے نزول کا سب سے زیادہ مناسب موقع و محل وہی ہے جب کہ قریش اور اُن کے مددگاروں نے ۸ھ میں صلح نامہ حدیبیہ کو توڑا تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مکّہ باہمی مصالحت سے مفتوح ہو گیا۔ بہت سے مسلمان مفسر اس امر میں متفق الرائے ہیں۔[1] لہٰذا یہ آیتیں جن میں عہد شکنوں اور حملہ آوروں کے مقابلہ میں ہتھیار اُٹھانے کا حکم ہے، اور نیز یہ حکم ہے کہ جہاں کہیں وہ ملیں یعنی خواہ حرم (خانہ کعبہ کی مقدس مسجد) کے اندر یا باہر اُن کو تہ تیغ کیا جائے، مگر ان آیتوں کے احکام کی تعمیل اس لئے نہیں کی گئی کہ قریش نے مسلمانوں سے مصالحت کر لی تھی۔

---

[1] بیضاوی جلد اول صفحہ ۱۰۵۔

باب ہشتم

قریش کے قافلوں کی ادّعائی مزاحمت

قریش کے قافلوں کی ادّعائی مزاحمتیں جن کی تعداد (۹) بیان کی جاتی ہے۔

۱۴۱۔ مورخین یوروپ جنہوں نے آنحضرت صلعم کی سیرت لکھی ہے، اس بات کا دعوے کرتے ہیں کہ ہجرت کے کچھ عرصہ بعد مسلمانوں نے قریش کے متعدد قافلوں کو جو ملک شام کی طرف آمد و رفت رکھتے تھے مزاحمت کرکے تاخت و تاراج کیا۔

یہ ادّعائی یورشیں حسب ذیل ہیں:۔

(۱) آنحضرت صلعم کے وارد مدینہ ہونے سے سات ماہ بعد ایک مہم بسرکردگی حضرت حمزہؓ روانہ کی گئی، جس نے ایک قافلہ پر جس کا سردار ابو جہل تھا، یکایک حملہ کیا۔[۱]

(۲) اس کے ایک ماہ بعد ایک جماعت ابو عبیدہؓ کے ماتحت ایک اور قافلہ کے تعاقب میں جس کا سردار ابو سفیان تھا، روانہ کی گئی۔[۲]

(۳) ایک اور مہینہ گزرنے کے بعد ایک تیسری یورش بسرکردگی سعدؓ اُس رستہ پر گھات لگانے کے لئے روانہ ہوئی جہاں قریش کے قافلہ کے گزرنے کی توقع تھی۔[۳]

(۴) ہجرت کے بارہ ماہ بعد خود آنحضرت صلعم نے بمقام ابوا قریش کے ایک

---

[۱] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۲۔ [۲] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۲ -

[۳] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۳ +

قافلہ کو لوٹنے کے لئے ایک چوتھی کوشش کی[1]۔

(۵) اگلے مہینے آنحضرت ؐ نے دوبارہ **بواط** کی طرف کوچ کیا جس سے آپ کا مقصد صرف ایک قافلہ کو تاخت وتاراج کرنا تھا، جو **اُمیّہ بن خلف** کی ذاتی حفاظت میں قیمتی مال واسباب سے مملو تھا[2]۔

(۶) دو تین ماہ بعد ایک اور مالدار قافلہ پر حملہ کرنے کے لئے جو **ابوسفیان** کی ماتحتی میں شام کی طرف جاتا تھا، آنحضرت ؐ **عشیرہ** کی جانب روانہ ہوئے[3]

بیان کیا جاتا ہے کہ ان تمام مہموں میں مسلمانوں کو کامیابی نہیں ہوئی، بلکہ ہر مہم میں قافلے اپنی ہوشیاری اور چوکسی کی وجہ سے مسلمانوں کے تعقب سے صحیح وسالم بچ نکلے[4]۔

(۷) ماہ رجب ۲ھ میں کوئی چھ آدمیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کو قریش کے قافلہ کی گھات لگانے کے لئے، مقام **نخلہ** کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا گیا۔ بمقام نخلہ ان لوگوں کو ایک کشمکش پیش آئی، جس میں قافلہ کا ایک ہمرقہ مارا گیا۔ اور دو قیدی معہ مالِ مسروقہ مدینہ کی طرف لائے گئے۔ اس پر آنحضرت ؐ بہت ناراض ہوئے اور آپ نے **عبداللہ بن جحش** سے فرمایا، "میں نے تجھے متبرک مہینے میں لڑنے کا حکم ہرگز نہیں دیا تھا"[5]۔

(۸) قریش کا وہ قافلہ جو مسلمانوں کے تعاقب سے صحیح وسالم راہ میں بچ کر نکل گیا تھا جیسا کہ پہلے نمبر ۶ میں بیان ہوچکا ہے، مکہ کی طرف واپس جا رہا تھا۔ آنحضرت ؐ کو اُس کے واپس لوٹ آنے کا اندیشہ تھا اور آپ نے حملہ کا ارادہ کیا،

---

[1] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۳۔ [2] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۴۔ [3] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۴۔
[4] میں نے ان مہمات کے ذکر میں سر ولیم میور کے بیان کی پوری پوری پیروی کی ہے۔ دیکھو سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۶۴-۶۹
[5] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۵۔ ابن ہشام صفحہ ۴۲۵۔

جس کا انجام یہ ہوا کہ بدر کی مشہور لڑائی پیش آئی[1]۔

(۹) کہا جاتا ہے کہ یہ تمام غارتگری کی مُہمّیں جو مکّہ کے قافلوں کی مزاحمت کے لئے عمل میں آئیں ہجرت کے پہلے اور دوسرے سال میں یعنی جنگ بدر سے پہلے واقع ہوئی تھیں۔ اب مجھے مسلمانوں کی تاخت و تاراج کی صرف ایک باقیماندہ مثال بیان کرنی ہے، جو قریش کے قافلہ پر کی گئی، اور ۶ھ میں بمقام العیص وقوع میں آئی۔ یہ حملہ بالکل کامیاب ہوا[2]۔

۴۲۔ میں پہلے (فقرات ۲۱ لغایت ۲۴ میں) بصراحت بیان کر چکا ہوں کہ یہ ابتدائی مُہمّیں جو نمبر ۱ سے نمبر ۸ تک درج کی گئی ہیں، ان کی تائید معتمد اور مستند روایتوں سے نہیں ہوتی، اور میں یہ بھی بیان کر چکا ہوں کہ مہم نمبر ۲ و نمبر ۵ و نمبر ۶ کی نوعیت کی بابت ظنِ غالب کیا ہے؟

اُن حالات میں جو آنحضرت ؐ کے گرد و پیش تھے قافلوں کی مزاحمت ناممکن تھی۔

اُس وقت آنحضرت ؐ اور آپ کے پیرو جس حالت میں تھے اُس کے لحاظ سے لڑائی کی چھیڑ چھاڑ یا لُوٹ مار کا حملہ اُن کے لئے ایک امر محال تھا۔ مدینہ کے باشندوں نے جہاں پیغمبر (صلعم) مع اپنے اصحاب کے پناہ گزین ہوئے تھے اور جن کی دعوت پر آنحضرت ؐ اُن کے شہر میں داخل ہوئے تھے، باقرار صلح بذریعہ حلف شرعی اس بات کا عہد کیا تھا، کہ ہم پیغمبر (صلعم) کو آپ کے دشمنوں سے اسی طرح بچائیں گے، جس طرح کہ ہم اپنے عیال و اطفال کو بچاتے ہیں تاوقتیکہ آنحضرت ؐ خود اُن پر حملہ آور نہ ہوں[3]۔ آنحضرت ؐ نے اُن کے ساتھ یہ مقدس عہد

[1] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۹۔ بیضاوی جلد اول صفحہ ۳۲۵۔ [2] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۶۳۔

[3] "اہل مدینہ نے پیغمبر (صلعم) کو صرف (دشمنوں کے حملہ سے بچانے کا عہد و پیمان کیا تھا، نہ کہ قریش پر حملہ کرنے میں آپ کے ساتھ شامل ہونے کا" (سیرت محمدی از میور جلد سوم صفحہ ۱۴۔ بیضاوی جلد اول صفحہ ۳۵۸ مطبوعہ یوروپ ۱۸۴۶ء۔) ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۸۔ آغانی جلد ۴ صفحہ ۲۰۔

پیمان کیا تھا کہ وہ لوٹ مار نہ کریں، اور تاخت وتاراج کے مرتکب نہ ہوں[1]۔

نظر بوجوہ مندرجہ بالا، یہ بات محال تھی کہ اہل مدینہ اُن متواتر حملوں اور لوٹ کھسوٹ کی اجازت دیتے یا اُن سے چشم پوشی کرتے جو (معترضین کے خیال کے موافق) آنحضرتؐ نے قریش کے قافلوں پر کی تھیں، اور اگر بالفرض پیغمبر (صلعم) یا آپ کے رفقا میں سے بعض اشخاص ایسا کرنے کی جرأت کرتے، تو اہل مدینہ تو آپ کا ساتھ کسی طرح دے ہی نہیں سکتے تھے۔ مگر فرض کر لو کہ اہل مدینہ نے اس امر کی اجازت دیدی کہ آنحضرت قریش کے مقابلہ میں ہتھیار اُٹھا کر اُن کے ساتھ اپنی عداوت کا اظہار کریں، اور جب آنحضرتؐ نے آس پاس کے قبائل کے مملوکات و مقبوضات پر (معاذ اللہ) مداخلت اور دست درازی شروع کی، اُس وقت بھی اُنہوں نے کوئی روک ٹوک نہ کی، اور بلا وجہ خلاف انصاف قافلوں کو ستایا گیا، ان باتوں کو تسلیم کرکے میں یہ سوال کرتا ہوں کہ آیا یہ بات ممکن تھی کہ اہل مدینہ اُن مصائب و آلام سے محفوظ رہیں، جن میں اُن کا مبتلا ہونا اس وجہ سے یقینی تھا کہ انہوں نے پیغمبر (صلعم) کو پناہ دی تھی؟ انہوں نے عرصہ دراز تک خانہ جنگیوں کے دُکھ اٹھائے تھے، اور بُعاث کی وہ خونریز لڑائی، جو چند سال قبل وقوع میں آئی تھی اور جس نے ملک پر فالج کا سا اثر ڈال کر اہل مُلک کو عاجز و ناتوان کر دیا تھا۔ ابھی تک اُن کی یاد میں بالکل تازہ تھی۔

۴۳۔ فرض کرو کہ مکّہ کے عام قافلوں کی یہ ادّعائی مزاحمتیں، مسلمانوں کی طرف سے فی الحقیقت	قافلوں کی مزاحمت اگر وقوع میں آئی ہو تو وہ بطور انتقام تھی۔

[1] بخاری نے رُواۃ کے معمولی سلسلہ کے ساتھ عبادہ بن صامتؓ سے یہ روایت کی ہے، "میں اُن نقیبوں میں سے ہوں جنہوں نے پیغمبر (صلعم) کے ساتھ معاہدہ کیا تھا کہ ہم خدا کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو شریک نہیں کریں گے، چوری نہیں کریں گے، زنا کے مرتکب نہ ہوں گے، قتل عمد کے مرتکب نہ ہوں گے، اور لوٹ مار نہیں کریں گے۔" (صحیح بخاری، کتاب المغازی۔ باب وفود انصار)۔

وقوع میں آئیں، جیسا کہ آنحضرت ؐ کے تذکرہ نویسوں نے بیان کیا ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ آیا وہ تمام مزاحمتیں اہل عرب کے "**قانون بین الاقوام**" یا "**دستور قدیم**" اور اقوام کے "**جنگی قانون**" کی رُو سے حق بجانب نہ تھیں؟ اس امر کا ثبوت قطعی طور پر ہو چکا ہے اور اُس میں کسی بحث وجدال کی گنجائش نہیں ہے، کہ مسلمانوں کو اُن کے ایذا دینے میں، اور نئے دین کے قبول کرنے والوں کو، جبکہ وہ اپنے امن پسند مذہب کے فرائض ادا کرنے میں مصروف تھے، ناقابل برداشت تکلیفیں پہنچا کر، وطن مالوف سے اُن کو جلاوطن کرنے میں پیش قدمی کرنے والے، اور پہلے حملہ کرنے والے مشرکین مکہ ہی تھے۔

اگر ابتداءِ جنگ کے ان تمام اسباب کو اور نیز "**قانون بین الاقوام**" اور "**قانون قدرت**" کو ملحوظ خاطر رکھا جائے تو کہا جا سکتا ہے۔ کہ **قانون** اور **انصاف** دونو اس امر میں مسلمانوں کے طرفدار تھے کہ وہ اپنے خان ومان اور مال ومتاع کو دوبارہ حاصل کرنے بلکہ اپنے مصائب کا **انتقام** لینے اور مظالم کی مکافات کرنے کے لئے بھی اپنے ظالموں اور ایذادہندوں کے ساتھ جنگ کریں، تاوقتیکہ اُن کا وہ مقصد حاصل نہ ہو جس کے طالب وہ عرصۂ دراز سے تھے۔ جب خود اہل مکہ نے اوّل اوّل مسلمانوں کے خلاف جنگ کا صور پھونکا، تو **حفاظت خود اختیاری** کے حق اور نیز **جنگی ضرورت** نے مُسلمانوں کو مجبور کیا کہ دشمن کے مال ومتاع کو ضائع کر دیں اور آمد ورفت کے اُن رستوں اور ذریعوں کو روک دیں جن سے اُس کی تجارت کو ترقی ہو رہی ہے، اس لئے کہ "جب ایک سلطنت دوسری سلطنت کے ساتھ برسرِ جنگ ہو۔ تو اُسی وقت سے اُس کو بالعموم یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ دشمن کے تمام مال ومتاع پر، خواہ وہ کسی قسم کا ہو اور کہیں سے دستیاب ہو، قبضہ کر لے، اور جو مال و

متاع اس طرح حاصل ہو، اس کو اپنی ملکیت قرار دے کر خواہ اپنے استعمال میں لائے، یا جن لوگوں نے اس غنیمت کو حاصل کیا ہے اُن کو عطا کر دے[لہ]۔

باب نہم

ادعائی خونریزیاں

ادعائی قتل و خونریزی کی مثالیں جو مخالف پیش کرتے ہیں۔

۴۴۔ بعض مجرم، جن سے اسلامی جمہوریت کے خلاف سخت بغاوت کا جرم سرزد ہوا تھا، قتل کیے گئے۔ ان مجرموں کا قتل اور قتل عمد کی بعض دیگر مثالیں جو معتبر شہادتوں پر مبنی نہیں ہیں، اُن کی بابت آنحضرت ؐ کے بعض یورپین تذکرہ نویس بیان کرتے ہیں کہ یہ خونریزیاں آپ کی منظوری و پسندیدگی یا آپکی مسامحت اور چشم پوشی کی بدولت وقوع میں آئی ہیں۔ ان کی تعداد پانچ یا چھ ہے، اور اُن کو خونریزی (یا خفیہ قتل) کے نام سے اس لئے موسوم کیا گیا ہے کہ اُن قیدیوں کے مقدموں کی نہ تو کسی جج اور جوری (پنچایت) کے ذریعہ سے تحقیقات کی گئی اور نہ کسی باضابطہ کورٹ مارشل (جنگی عدالت) کے ذریعہ سے ان ملزم اشخاص کے لئے یا تو پرائیویٹ (شخصی و ذاتی) عداوت کی وجہ سے سزائے موت تجویز کی گئی تھی، دی گئی یا سلطنت کے خلاف سخت بغاوت کی وجہ سے، جو ایک ناقابلِ معافی جرم ہے مگر، جیسا کہ میں اس کے بعد ثابت کروں گا، یہ نہیں

لہ دیکھو وہیٹن صاحب کی کتاب "اصول قانون بین الاقوام" صفحہ ۲۱۹ مطبوعہ بوسٹن ۱۸۵۵ء اور لیبر صاحب کی تحریر "سول لبرٹی" اور "پولیٹیکل سائنس" جلد دوم صفحہ ۲۵۰ مطبوعہ فلاڈلفیا ۱۸۸۱ء۔

کہا جاسکتا کہ قتل کی زیر بحث صورتوں کی بابت آنحضرتؐ نے اپنی پوری رضامندی ظاہر کی تھی، یا یہ کہ اُن کا ارتکاب آپ کی براہ راست ترغیب اور منظوری سے عمل میں آیا تھا۔

قتل کی یہ ادّعائی مثالیں حسب ذیل اشخاص کے متعلق ہیں۔ اور جن کی تعداد سات ہے۔

۱۔ عصماء بنت مروان۔ ایک یہودی عورت۔ (ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۸)۔

۲۔ ابوعفک۔ ایک یہودی۔ (ابن ہشام صفحہ ۹۹۴۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۹)

۳۔ کعب ابن اشرف۔ ایک یہودی شاعر۔ (ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۲۱۔ ابن ہشام صفحہ ۵۴۸)۔

۴۔ سفیان بن خالد ہذلی۔ (ابن ہشام صفحہ ۹۸۱)۔

۵۔ ابورافع۔ ایک یہودی جس کا پورا نام سلام بن ابی الحقیق نضری ہے جو کعب ابن اشرف کے قتل کے بعد یہود خیبر کا سردار بنا تھا۔ (ابن ہشام صفحہ ۷۱۴، ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۶۶)۔

۶۔ اُسیر بن زارم۔ (ابن ہشام صفحہ ۹۸۰۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۶۶)۔

۷۔ ابوسفیان کے قتل کا اقدام۔ (ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۶۸۔ ابن ہشام صفحہ ۹۹۲)۔

۷۵۔ قبل اس کے کہ ان صورتوں میں سے ہر ایک صورت کی شہادت کی

مسٹر پول کی رائے

صداقت اور عدم صداقت پر رائے دی جائے، اور یہ دکھایا جائے کہ آنحضرتؐ کو کہاں تک ان باتوں کا علم تھا، میں مسٹر سٹینلے لین پُول کے ایک اقتباس سے فائدہ اٹھاؤں گا، صاحب موصوف نے مسٹر ای ڈبلیو۔ لین کی کتاب "انتخاب قرآن" کے مقدمہ میں جو خود اُنہوں نے

لکھا ہے، اپنی نظرِ عمیق اور فکرِ صحیح سے، جیسا کہ اُن کا دستور ہے اس خصوصیت میں حسب ذیل رائے ظاہر کی ہے :۔

"چند مشہور یہودیوں کا قتل عموماً خونریزی یا خفیہ قتل سے تعبیر کیا جاتا ہے، کیونکہ ہر مجرم
"کے قتل کے لئے خفیہ طور پر ایک مسلمان بھیجا گیا تھا۔ اس کی وجہ قریب قریب ایسی
"بدیہی ہے کہ اُس کے لئے کسی شرح کی ضرورت نہیں۔ مدینہ میں کوئی پولس، یا قانونی
"عدالتیں، یا جنگی عدالتیں نہیں تھیں، لہٰذا ضروری تھا کہ محمد (صلعم) کے پیرؤں میں
"سے کوئی نہ کوئی شخص موت کے فتوے کی تعمیل کرنے والا ہو، اور بہتر تھا کہ یہ کام
"چُپ چاپ کیا جائے، اس لئے کہ کسی شخص کا کُھلم کُھلا اُس کے قبیلہ کے سامنے
"قتل کیا جانا ایک نزاع اور زیادہ تر خونریزی و انتقام کا موجب ہوتا، یہاں تک
"کہ تمام شہر اُس فتنہ و فساد میں شامل ہو جاتا۔ اگر ایسے کاموں کے لئے لفظ
"خفیہ قتل" کا اطلاق ہوتا ہے، تو یہ "خفیہ قتل" مدینہ کے اندرونی انتظام سلطنت
"کا جزو لاینفک تھا۔ اُن لوگوں کا قتل کیا جانا ضروری تھا، اور اُس کا سب سے
"بہتر طریقہ وہی تھا۔ میں نے اپنے اس قول میں یہ بات فرض کرلی ہے کہ محمد (صلعم)
"کو قتل کے فعل کی اطلاع تھی، اور وہ محض پرائیویٹ (شخصی) انتقام کی صورت نہ
"تھی، مگر جس بنا کی شہادت پر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ قتل محمد (صلعم) کے حکم سے عمل میں
"آئے تھے، متعدد صورتوں میں وہ شہادت بالکل ناکافی یا اس قدر مشتبہ ہے کہ ہم
"اس کو قابل اعتبار قرار نہیں دے سکے"۔[1]

---

[1] دیکھو "انتخاب قرآن" از مسٹر ایڈورڈ ولیم لین، "مع مقدمہ" از سٹینلین پول۔ مقدمہ کتاب مطبوعہ ٹروبنر اینڈ کو۔ لندن ۱۸۷۹ء۔

۱۔ عصماء بنت مروان

۲۷۔ میجر اوسبورن لکھتے ہیں کہ :۔

عصماء بنت مروان

"سب سے پہلی مقتول ایک عورت مسماۃ عصماء دختر مروان تھی،
"اُس نے پیغمبر (صلعم) اور آپ کے اصحاب کی ہجو میں کچھ اشعار نظم کئے تھے' اور آنحضرت م
"نے غضبناک ہو کر علی الاعلان یہ کہا تھا کہ کون شخص مجھے اس عورت سے نجات
"دے گا؟ عمیر نے جو ایک نابینا مگر جوشیلا مسلمان تھا، یہ گفتگو سُنی اور آدھی رات
"کو چھپکے چھپکے اُس کمرہ میں گھس گیا، جہاں عصماء مع اپنے بچوں کے پڑی سوتی تھی!
"وہ اندھیرے میں ادھر اُدھر ٹٹولنے لگا، یہاں تک کہ اُس کا ہاتھ سوتی ہوئی عورت
"پر پڑا، اور پھر فوراً ہی اُس نے اپنی تلوار اُس کے سینہ میں بھونک دی[۱]"

عربی مؤرخوں نے عصماء کے قتل کی داستان کو مختلف طور پر بیان کیا ہے اور جن شہادتوں پر اس داستان کی بُنیاد ہے وہ بجاء خود آپس میں ایک متناقض اور متضاد ہیں۔ **واقدی**، **ابن سعد** اور **ابن ہشام** اس قتل کی بابت ایک نہایت عجیب بات بیان کرتے ہیں کہ **عمیر بن عدی نابینا** نے آدھی رات کو اُسے قتل کیا۔ ایک نابینا شخص رات کی سُنسان خاموشی میں ایک اجنبی آدمی کے مکان میں گھس کر قتل عمد کا مرتکب ہو، اور کوئی اُسکو گرفتار نہ کرے، (کیا خوب) **ڈاکٹر ڈویل** لکھتے ہیں کہ عمیر، عصماء کا پہلا شوہر تھا، اور ممکن ہے کہ کینہ دیرینہ اور ذاتی عداوت اس قتل کا باعث ہو۔ **ابن عساکر** اپنی تاریخ میں (دیکھو سیرت شامی[۲]) بیان کرتا ہے کہ عصماء، میوہ فروش تھی، اُس

---

[۱] اسلام زیر حکومت عرب" از آر۔ ڈی اوسبورن صفحہ ۰ مطبوعہ لندن ۱۸۷۶ء۔

[۲] "سیرت شامی" جس کا پورا نام "سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد" ہے شیخ (دیکھو صفحہ ۷۶)

کے قبیلہ کے کسی شخص نے اُس سے پوچھا "تمہارے پاس عُمدہ تر پھل بھی ہیں"؟ اُس نے کہا "ہاں" اور یہ کہہ کر اپنے گھر میں داخل ہوئی، وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ عصماء کچھ لینے کے لئے نیچے جھکی، اُس شخص نے چُپ و راست مُڑ مُڑ کر نظر کی اور یہ دیکھ کر کہ کوئی پاس موجود نہیں ہے، ایک سخت ضرب اُس کے سر پر لگائی اور اس طرح اس کا کام تمام کیا۔

عصماء کے قتل کی داستان قابل اعتبار نہیں۔

۴۷۔ مؤرخین یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ عصماء کے مصنفہ اشعار سے ناراض ہو کر **عمیر بن عدی** نے بذات خود اپنی مرضی اور خواہش سے اس کے قتل کا بیڑا اُٹھایا تھا[۱]۔ ممکن ہے کہ وہ حسد یا نفرت کی وجہ سے اپنے قاتل کی تلوار کی بھینٹ چڑھی ہو، مگر اس کے قتل سے درحقیقت آنحضرت ؐ کا مطلق کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ اہل مدینہ کو دھوکا دے کر مسلمانوں کے ایک عہد نامہ کو توڑے جانے کا باعث ہوئی تھی، جس کے ذریعہ سے یہودیوں اور مسلمانوں کے حقوق اور حدود کا قطعی فیصلہ ہو گیا تھا، اسی لئے وہ اپنے ہاتھوں قانون کی حفاظت سے بری ہو گئی تھی۔

ابن اسحاق اس بارہ میں خاموشی سے گزر جاتا ہے، اور عصماء کے متعلق کسی معاملہ کا ذکر تک نہیں کرتا۔ **واقدی** اور **ابن سعد** یہ نہیں بیان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ابوعبداللہ محمد بن یوسف الدمشقی متوفی ۹۴۲ھ کی تصنیف ہے۔ صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں کہ مصنف نے تین سو سے زیادہ کتب تواریخ کا خلاصہ اس کتاب میں درج کیا ہے۔ افسوس ہے کہ یہ نایاب کتاب اب تک نہیں طبع ہوئی اور اب تک علمی دُنیا اس کے فائدہ سے محروم ہے۔ ریاست رامپور کے کتب خانہ میں اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔ حیدر آباد میں بھی مولوی حسن الزمان صاحب کے پاس اس کا ایک نسخہ ہے۔ اور لکھنؤ میں مولانا حامد حسین صاحب مرحوم کے کتب خانہ میں اس کتاب کا ایک ناقص حصہ موجود ہے۔ غالباً مصنف مرحوم نے بزمانہ قیام لکھنؤ اس نسخہ سے فائدہ اُٹھایا ہوگا۔ (ملاحظہ ہو کشف الظنون جلد ۲ صفحہ ۱۰ مطبوعہ قسطنطنیہ سنہ ۱۳۱۱ھ و فہرست کتبخانہ ریاست رامپور صفحہ ۲۰۴ مطبوعہ سنہ ۱۹۰۲ء۔ فن سیر کتاب ۳۲ (عبداللہ خان کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن ۱۹ فروری سنہ ۱۹۱۲ء)

[۱] دیکھو واقدی کی کتاب مغازی صفحہ ۱۷۲ و ۱۷۳ مطبوعہ کلکتہ، بپٹسٹ مشن پریس، باہتمام اے۔ وان کریمر۔ (ابن ہشام صفحہ ۹۹۵ مطبوعہ یورپ سنہ ۱۸۶۰ء۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۸)۔

کرتے کہ آنحضرت م نے عصماء کے اشعار سے جن میں اسلام کی توہین کی گئی تھی، تنگ آکر آزردگی سے یہ جملہ کہا کہ "اس عورت سے کون مجھے رہائی دے گا؟"[ا] برعکس اس کے واقدی لکھتا ہے کہ عمیر نے خود اپنی مرضی سے اُس کی جان لینے کی قسم کھائی تھی[۲]۔ صرف ابن ہشام نے، بغیر کسی سند اور حوالہ کے، یہ بیان کیا ہے کہ آنحضرت م نے عصماء کے اشعار سُن کر یہ ظاہر کیا کہ "کیا بنت مروان سے میرے لئے (یعنی مجھے اُس کے شر سے رہائی دینے کے لئے) کوئی نہیں ہے؟" حکایت مذکور کے اس مضمون کی تصدیق قدیم ترین مؤرخوں کی تائیدی شہادت سے نہیں ہوتی، اور ہم اُس پر کسی طرح کا اعتماد کرنے کے لئے مائل نہیں ہیں[۳]۔

۲- ابو عفک

۴۸- بیان کیا جاتا ہے کہ ابو عفک نے جو قبیلہ بنی عمرو سے تھا، مسلمانوں کی سلطنت کے خلاف عداوت اور بغاوت کی آگ بھڑکا کر مسلمانوں کو غصہ دلایا تھا، یہ اُس زمانہ کا واقعہ ہے جبکہ ایک شخص مسمٰی حارث بن سوید اس جرم پر قتل کیا گیا، کہ اُس نے اپنے ایک رفیق کو ایسی حالت میں کہ وہ دونوں کر پہلو بہ پہلو جنگ اُحد میں دشمنوں سے لڑ رہے

ابو عفک

[ا] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۱۸۔ [۲] واقدی صفحہ ۱۷۲۔ طبع کلکتہ ۱۸۵۶ء۔

[۳] سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ

"ہشامی میں لکھا ہے کہ محمد (صلعم) نے عصماء کے اشعار سے دق ہو کر علی الاعلان یہ کہا کہ "اس عورت سے کون مجھے رہائی دے گا"۔"

مگر ابن ہشام میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس کا ترجمہ "علی الاعلان" کیا جاسکے۔ ابن ہشام صفحہ ۹۹۵ مطبوعہ ۱۸۶۰ء۔ اصابہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۔ ابن ہشام صفحہ ۵۵۰۔

تھے، مار ڈالا تھا۔[1] بنی عمرو کے ایک مسلمان نے **ابوعفک** کے قتل کا عہد کیا، اور یکایک اُس پر حملہ کر کے اپنی تلوار کی ایک بیرحمانہ ضرب سے اُس کا کام تمام کر دیا۔ **ابن اسحاق** کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ؐ نے **ابوعفک** کی بابت کہا تھا کہ "اس موذی سے کون مجھے نجات دےگا؟"[2]

یہ مؤرخ اس بات کی **سند** یا مأخذ بیان نہیں کرتے، وہ یہ نہیں بتاتے کہ اُن کو کس ذریعہ سے اُن الفاظ کی اطلاع حاصل ہوئی، جو آنحضرت ؐ کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں کہ آپ نے **ابوعفک** کی نسبت اپنے اصحاب کی روبرو فرمائے تھے، اس کے ساتھ ہی یہ امر مقتضائے انصاف نہیں ہے کہ **ابن اسحاق** اور دیگر مورخین جن سے اپنے دعوے کے اصلی ماخذ بتانے میں فروگزاشت ہوئی ہے، اُن کی شہادت کی تحقیق وتنقید اور موازنہ کئے بغیر ہی اس معاملہ میں جلدی سے بلا غور وخوض کوئی رائے قائم کر لی جائے۔ قطع نظر اس کے جو الفاظ اُوپر نقل کئے گئے ہیں، وہ **قطعی حکم** کے مرادف نہیں ہیں، اور اس آخری شرط (قطعی حکم) کو مان لینے کے بعد بھی اُن کا مفہوم "**قتل وخونریزی**" قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ **سر ولیم میور** لکھتے ہیں کہ " ابن سعد صاف کہتا ہے کہ یہ فعل پیغمبرؐ کے حکم سے عمل میں آیا تھا" (جلد سوم صفحہ ۱۳۳ ۔فٹ نوٹ)۔ مگر کاتب مذکور (یعنے ابن سعد) یا دیگر مؤرخین کے لئے اپنے وہم اور تخیل سے آزادانہ طور پر کام لینا، یا نہایت کمزور بنیاد پر خواہ قطعاً بغیر کسی معقول بنیاد کے ایسے احکام

---

[1] ابن ہشام صفحہ ۹۹۴ و ۹۹۵ و ۱۸۲۔

[2] ابن ہشام صفحہ ۹۹۴۔ واقدی نے یہ جملہ نہیں لکھا۔ برعکس اس کے وہ یہ کہتا ہے کہ سالم بن عمیر نے یہ عہد کر لیا تھا کہ ابوعفک کو قتل کرے یا مر جائے۔ واضح ہو کہ ابن سعد کی بھی یہی رائے ہے اور یہی الفاظ ہیں جو واقدی نے بیان کئے ہیں۔ ملاحظہ ہو ابن سعد جلد دوم صفحہ ۱۹ مطبوعہ برلن سنہ ۱۹۰۹ء۔

اپنے دل سے گھڑ لینا، جو آنحضرت ؐ نے ہرگز نہیں دئیے، بہت آسان بات ہے۔ تذکرہ نویسیوں کا میلان ہمیشہ اس امر کی طرف ہے کہ امر واقعی سے قطع نظر کرکے اصحاب رسول کو اُن کی ذمہ واری سے سبکدوش کیا جائے، اور کل الزام آنحضرت ؐ کے ذمہ ڈال کر اصحاب کے افعال کو حق بجانب قرار دیا جائے۔

۴۔ کعب بن اشرف

۴۹۔ کعب بن اشرف ایک با اثر یہودی تھا، اور قبیلۂ بنی نضیر سے تعلق رکھتا تھا۔ جنگ بدر میں اہل مکہ کی شکست سے

کعب بن اشرف

سخت برافروختہ ہو کر وہ تھوڑے عرصہ بعد مکہ کو روانہ ہوگیا، اور اُس نے قریش کو مسلمانان مدینہ سے انتقام لینے کے لئے جوش دلایا۔ مدینہ واپس آکر علانیہ اسلامی جمہوریت سے اظہار عداوت کیا۔ وہ ایک دغاباز اور زمانہ ساز آدمی تھا، کیونکہ اُس نے نہ صرف مسلمانوں کی وفاداری سے انحراف کیا، بلکہ اُن کے دشمنوں کے درمیان بغاوت کا وعظ بھی کیا۔ ایسی حالتوں میں وہ قانون جنگ اور قانون بین الاقوام کی رو سے قتل کا مستوجب تھا، اور اسی لئے مدینہ میں اُس کا سر قلم کیا گیا تھا۔ طریقۂ قتل یہ تھا کہ ایک ناگہانی حملہ یا دھوکے سے اس کا کام تمام کیا گیا، مگر آنحضرت ؐ نے نہ تو اُس کے خُفیہ قتل کے لئے اور نہ قتل عمد کے لئے سخت احکام ہرگز جاری نہیں کئے۔ وہ اپنی دغابازی کی وجہ سے سزائے موت کا سزاوار تھا، اور ایسے وقت جبکہ جوری (پنچایت) کے ذریعہ سے مجرموں کی سزادہی کے لئے کوئی قانونی عدالت موجود نہ تھی، یہ سزا باضابطہ طور پر اس کو دی گئی، کیونکہ اُس صورت میں قانونی سزا کے عمل میں لانے کے لئے ہر شخص مجاز تھا۔ اگر اس امر کو

تسلیم کر لیا جائے کہ آنحضرتؐ نے یہ دُعا کی تھی کہ "اے پروردگار! ابن اشرف کی علانیہ بغاوت اور اس کے اشعار کی وجہ سے کسی طریقہ سے جو تیرے نزدیک عمدہ ہو، مجھے ابن اشرف سے نجات دے" یا یہ فرمایا تھا کہ کون شخص ابن اشرف کے ہاتھ سے مجھے آرام دے سکتا ہے[1]"؟ تو بھی یہ الفاظ قتل یا قتل عمد کے حکم کی حد تک نہیں پہنچتے، اور قتل مخفی کا مفہوم تو کسی طرح بھی پیدا نہیں ہوتا۔

کعب کے قتل میں آنحضرتؐ کی کوئی شرکت نہیں ہوسکتی تھی

۵۰۔ جن راویوں اور مؤرّخوں نے آنحضرتؐ کے غزوات کا حال قلمبند کیا ہے، وہ بالعموم ایسے واقعات کے متعلق غلط اور غیر معتبر تفاصیل بیان کرتے ہیں، جو ہرگز لائق اعتماد نہیں ہیں سب سے قدیم مؤرّخ محمدؐ بن اسحاق جس کی تصنیف موجود ہے، یہ نہیں بیان کرتا کہ پیغمبر (صلعم) نے کعب سے نجات پانے کے لئے کبھی دعا کی۔ یا اپنے اصحاب سے اس امر کا ذکر کیا، حالانکہ سب سے پچھلے مؤرّخ اور راوی ہم کو یہ بتاتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے اپنے خاص حکم سے کعب کے قتل کی منظوری دے دی تھی۔

سر ولیم میور کہتے ہیں :۔

"میرا یہ دعوٰے ہرگز نہیں ہے کہ بیان مذکورہ بالا کی ہر ایک تفصیل خواہ وہ محمد (صلعم) کی ترغیب کی بابت ہو یا قاتلوں کے فریب کی بابت شک وشبہ سے بری ہے۔ اس قسم کے تماشوں کے ایکٹر (نقال)، ایسے نہیں تھے کہ اپنی کارگزاریوں کی عظمت بڑھانے اور اُن کی شان وشوکت دکھانے کے لئے اُن کو راستی سے دست بردار ہونے میں کچھ تامل ہوتا۔ ممکن ہے کہ اُن کی خواہش یہ بھی رہی ہو کہ دغابازی کے ایسے فعل کو جس پر اُس زمانے کا

[1] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۲۱ مطبوعہ یورپ ۱۹۰۹ء۔ مغازی واقدی صفحہ ۱۸۶ و ۱۸۷۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۱۰۔

"ادنیٰ درجہ کا، خلاق بھی چونکہ اُٹھتا تھا، صحیح قرار دینے کے لئے اُس کی ذمہ واری کا
"بار معصوم پیغمبر پہ ڈال دیا جائے۔ مگر ان دونو باتوں کی اہمیت کا باقاعدہ طور پر لحاظ رکھنے
"کے بعد بھی، اس معاملہ میں اس امر کے ثابت کرنے کے لئے کافی وجہ باقی رہتی ہے۔ کہ یہ
"قتل بدترین صورت سے وقوع میں آیا، اور خود محمد (صلعم) نے بذات خود اُس کی حمایت
"کی، یا یوں کہو کہ ترغیب دی[1]"

اس بارہ میں کوئی قوی شہادت موجود نہیں ہے، جس کی بناء پر کعب کے قتل کے لئے آنحضرت م کی ترغیب کا ثبوت دیا جا سکے۔ قتل کعب کی داستان کا دارومدار سب سے بڑھ کر اُن روایات پر ہے۔ جو جابر بن عبداللہ[2] اور ابن عباس سے بوساطت عکرمہ[3] مروی ہیں۔

ان میں سے کوئی شہادت بھی معتبر نہیں ہو سکتی، کیونکہ یہ لوگ نہ تو عینی گواہ ہیں، نہ انہوں نے آنحضرت م کو قتل کی ترغیب دیتے یا حمایت کرتے سُنا ہے، اور نہ یہ اپنی روایت کا حوالہ اور سند بیان کرتے ہیں۔ جابر بن عبداللہ اُس وقت لڑکے ہی تھے۔ اُن کو بوجہ اُن کی کمسنی کے[4] جنگ احد میں بھی شریک ہونے کی اجازت نہیں دی گئی، جو کعب ابن اشرف کے قتل زیر بحث کے بعد وقوع میں آئی تھی۔ ابن عباس[5] جابر سے بھی زیادہ کمسن تھے، اور اس کے علاوہ جس زمانہ کا یہ واقعہ ہے، اُس وقت وہ مکہ میں مقیم تھے۔ عکرمہ، ابن عباس

---

[1] سیرت محمدی از سر ولیم میور، جلد سوم۔ صفحہ ۱۴۷-۱۴۸۔

[2] دیکھو بخاری کتاب مغازی اور مسلم کتاب الجہاد۔

[3] محمد بن سعد کاتب واقدی اور محمد ابن اسحاق۔ محمد ابن اسحاق نے ابن ہشام میں صفحہ ۵۱۰ پر روایت کی ہے۔

[4] دیکھو اصابہ فی تمیز اصحابہ (یعنی اصحاب رسول کی سوانح عمری کا لغت) از ابن حجر عسقلانی حصہ اول نمبر ۱۰۲۱ صفحہ ۴۳۴ طبع کلکتہ۔

[5] اس وقت ابن عباس کی عمر صرف پانچ سال کی تھی، اور وہ مکہ میں تھے۔ اسی وجہ سے اس معاملہ میں اُن کی شہادت نہیں ہو سکتی۔

کا غلام تھا، اور جھوٹی روایتیں اور حدیثیں بنانے کا عادی اور اس وجہ سے بدنام تھا۔[1]

۴۔ سُفیان بن خالد ہُذلی

سفیان بن خالد ہُذلی

۵۱۔ جنگ اُحد میں مسلمانوں کی شکست کی وجہ سے مدینہ میں جو انقلاب واقع ہوا اُس کے بعد عرب کے مختلف مقامات میں بڑے بڑے مجمع ہوئے۔ بنی لحیان اور دیگر قرب وجوار کے قبائل اپنے سردار سفیان بن خالد ہذلی کے جھنڈے کے گرد، بمقام عُرنہ جمع ہوئے اور اس امر کا مصمم ارادہ کرلیا کہ اس موقع کو جبکہ جنگ اُحد میں مسلمانوں کی قسمت کا پانسا اُلٹ گیا ہے، اور وہ شکست کھا چکے ہیں، ہرگز ہاتھ سے نہ دیا جائے۔[2]

سر ولیم میور کہتے ہیں کہ :۔

"محمد (صلعم) نے یہ سمجھ کر کہ اُن کی حرکات کا دار و مدار سفیان پر ہے عبداللہ بن اُنیس کو اُس کے قتل کی ہدایات دے کر روانہ کیا"۔[3]

قاصد یہ حکم پاکر اس خدمت کی انجام دہی کے لئے آمادہ ہوا۔ جس کی تکمیل اُس نے اس طور پر کی کہ یکایک بلا اطلاع سفیان کو قتل کر ڈالا۔ قتل کی "ہدایات" کی بابت نہ تو ابن اسحاق نے کچھ لکھا ہے، اور نہ ابن ہشام اور ابن سعد نے۔ ممکن ہے کہ عبداللہ بن اُنیس کو سُفیان اور اُسکی

---

[1] یحییٰ بن سعید الانصاری، علی بن عبداللہ بن عباس، ابن المسیب، عطاء، ابراہیم بن میسرہ، محمد بن سیرینؒ قاسمؒ اور عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ عکرمہ دروغ گو تھا (دیکھو میزان الاعتدال ذہبی جلد ۲ صفحہ ۱۸۷، کوکب دراری شرح صحیح بخاری از شمس الدین کرمانی، اور معرفت انواع علم حدیث از ابو عبداللہ دمشقی)۔

[2] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۳۵۔ ابن ہشام صفحہ ۹۸۱ +

[3] سیرت محمدی از سر ولیم میور جلد سوم صفحہ ۲۰۰۔

فوج کی نقل و حرکت کے ملاحظہ کے لئے یا اس کی بابت خبر لانے کے لئے بھیجا گیا ہو، مگر یہ بات فرض کر لینے کے بعد بھی کہ آنحضرت ؐ کا فرض منصبی سفیان کا قتل کرنا ہی تھا ایسا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ آپ نے اُس کو قتل کی تعلیم دی تھی۔

۵۲- اہل عرب کے درمیان تعلقات جنگ میں سلطنتوں کا قانون بین الاقوام اور زمانہ قدیم کا **جنگی قانون** اور دستور، بلکہ یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ گزشتہ صدی عیسوی کا یورپین **قانون بین الاقوام** بھی، اس وسیع اصول کو جائز قرار دیتا تھا کہ "جنگ میں دشمن کے برخلاف جو کچھ بھی کیا جائے، جائز ہے، اُس کو قتل کیا جا سکتا ہے، اگرچہ وہ نہتا اور بے پناہ ہو، اُس کے مقابلہ میں دھوکے کا برتاؤ کر سکتے ہیں، اُس کو زہر بھی دے سکتے ہیں، یہاں تک کہ اُس کی جان و مال پر نہایت ہی غیر محدود حق حاصل ہو جاتا ہے[1]"۔ جنگ کی حالت میں خیانت یا بدعہدی کے سوا دشمن کے ساتھ ہر قسم کا دھوکا کرنے کی اجازت تھی۔ **بنکرشوک** جس نے **"قانون بین الاقوام"** کی بابت لکھا ہے اور جو **نیفنڈارف** کا جانشین اور **وُلف** اور **وٹیل** کا پیشرو ہے۔ اس مبحث پر یہ لکھتا ہے کہ :-

سفیان کا قتل متذکرہ بالا حق بجانب تھا۔

"صرف خیانت یا بدعہدی کو چھوڑ کر میں ہر قسم کے دھوکے کو جائز رکھتا ہوں، نہ اس لئے کہ "دشمن کے مقابلہ میں کوئی امر ناجائز ہے، بلکہ اس لئے کہ جب دشمن سے ہمارا عہد و پیمان "ہو جائے تو جہاں تک کہ اُس وعدہ کا تعلق ہے، اُس پر دشمن کا اطلاق نہیں ہو سکتا[2]"۔

سُفیان کے معاملہ میں کوئی خیانت یا دغابازی یا بدعہدی

---

[1] "اصول قانون بین الاقوام" از ہنری وہیٹن ایل۔ ایل۔ ڈی طبع ششم منقحہ ولیم بیچ لارنس مطبوعہ باسٹن ۱۸۵۵ء حصہ اول باب اول صفحہ ۲۷ جس پر بنکرشوک کا ترجمہ نقل کیا گیا ہے، اور صفحہ ۱۶۴ پر بنکرشوک اور وُلف کا قول نقل کیا گیا ہے۔

[2] ایضاً باب دوم صفحہ ۷۰۔

نہیں ہوئی تھی، اور نہ آنحضرت ؐ نے اُس کے قتل کے لئے کوئی اجازت دی تھی۔ اگر عبد اللہ ابن اُنیس کا بھیجنا ثابت ہو جائے (مگر یہ امر ثابت نہیں) تو آنحضرت ؐ نے اُس کو سُفیان کے مقابلہ میں جو جنگ کی تمام تیاریاں کر چکا تھا اور متعدد بَدوی قبائل کو آنحضرت ؐ پر حملہ کرنے کے لیے جمع کر چکا تھا اس لئے بھیجا تھا کہ اُس سے لڑ کر اُس کو قتل کرے۔ یہ ایک سیدھا اور راست بازانہ طریق عمل تھا جو قانون جنگ کے دستور کے مطابق جائز تھا۔ آنحضرت ؐ نے صاف اور صریح طور پر خیانت۔ فریب اور خفیہ قتل کی ممانعت کی تھی ایک موقع پر اپنے سپہ سالاروں اور سپاہیوں کو ایک جنگی مہم پر روانہ کرتے وقت آپ نے یہ الفاظ فرمائے تھے کہ:۔

"دغابازی اور خیانت نہ کرنا، مقتولوں کی لاشوں کو پارہ پارہ نہ کرنا (مُثلہ) اور کسی بچّے کو قتل نہ کرنا"[1]

آپ نے ایک زرّیں اصول بھی معیّن فرمادیا تھا کہ:۔

"ایمان خونریزی (یا خفیہ قتل) کا مانع ہے۔ کسی مومن کو خونریزی کا مرتکب نہ ہونا چاہیئے"[2]

۵۔ ابو رافع

۵۳۔ ابو رافع جو سلّام بن ابو الحقیق نضری کے نام سے بھی مشہور ہے۔ بنی نضیر کا سردار تھا اُس نے مدینہ میں مسلمانوں سے جنگ کی تھی، اور خیبر کی طرف جلاوطن کیا گیا تھا۔ جنگ احزاب میں اکثر بدوی قبائل کو

ابو رافع

---

[1] مُسلم۔ بروایت بریدہ، دیکھو مشکوٰۃ جلد پنجم باب الکتاب الی الکفار ربع سوم صفحہ ۳۳۳ مطبوعہ لاہور۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۴۴۔ ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۵۹۔ [2] ابوداؤد، کتاب الجہاد جلد دوم صفحہ ۲۶۔

مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے جمع کرنے میں اُس نے نمایاں حصّہ لیا، جبکہ اُنہوں نے مدینہ کا محاصرہ کیا تھا۔ بعد ازآں اُس نے بنی فزارہ اور دیگر بدوی قبائل کو مسلمانوں پر چھاپا مارنے اور لُوٹ مار کرنے کے لئے جوش دلایا۔ مسلمانوں کی ایک جماعت اُس کو مناسب سزا دینے کے لئے روانہ کی گئی، جس کے ہاتھوں وہ مارا گیا مگر اُس کے قتل کے بیانات تناقض اور اختلافات سے مملو ہیں۔ تاہم ان مختلف حکایتوں میں سے کسی میں یہ نہیں بیان کیا گیا کہ آنحضرت صلعم نے ابورافع کے خفیہ قتل کا حکم دیا ہو، ابن اسحاق نے تو ابورافع کا ذکر مطلق نہیں کیا۔

ابن ہشام لکھتا ہے کہ[1]:۔

"ابورافع فوج احزاب کو آنحضرت صلعم کے مقابلہ میں لایا تھا، اور قبیلہ خزرج کے بعض اشخاص نے اُس کے قتل کی اجازت طلب کی تھی، اور آنحضرت صلعم نے اُنکو اجازت دیدی تھی۔"

سر ولیم میور بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے اُن کو حکم دیا تھا کہ "ابوالحقیق کا کام تمام کردیا جائے[2]" مگر کاتب واقدی (ابن سعد، جس کی صاحب موصوف پیروی کرتے ہیں، صرف اس قدر لکھتا ہے کہ "آپ نے اُس کے قتل کرنے کا حکم دیا تھا" ابن سعد کے اصل الفاظ یہ ہیں " وامرھم بقتلہٖ"۔ "کسی شخص کا کام تمام کردینا" پوشیدہ قتل عمد کا مفہوم پیدا کرتا ہے جو خفیہ قتل یا خونریزی" کا مرادف ہے، مگر اصل کتاب کے الفاظ کا مفہوم ایسا نہیں ہے۔ ایک جماعت کو دشمن کے قتل کرنے یا اُس سے جنگ کرنے کے لئے روانہ کرنا، دونو باتوں کا مطلب ایک ہی ہے، اور ایسا

---

[1] سیرت محمدی (بر بنائے محمد ابن اسحاق) از عبدالملک ابن ہشام صفحہ ۷۱۴۔ اور ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۱۲۔

[2] سیرت محمدی از سر ولیم میور جلد چہارم صفحہ ۱۴۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۶۶

فعل جنگی قانون یا قانون بین الاقوام کے بموجب جائز ہے، کیونکہ عرب کا طریقہ جنگ اکثر یہ تھا کہ ایک آدمی سے ایک ہی آدمی لڑتا تھا۔

۶۔ اُسیر بن زارم[1]

۵۴۔ اُسیر بن زارم جو بنی نضیر کا سردار تھا، مسلمانانِ مدینہ سے سخت عداوت رکھتا تھا، اور مسلمانوں سے لڑنے کے لئے ایک مخالف قبیلہ یعنے بنی غطفان کے ساتھ شامل ہوگیا تھا۔ اس قبیلہ کی طرف سے مدینہ پر تاخت و تاراج کرنے کی غرض سے سُرعت کے ساتھ تیاریاں کی گئیں، اور اُسیر اس مہم کا ہیرو (سردار) قرار دیا گیا۔ اس پر آنحضرت ؐ نے اُس فتنہ انگیز باغی کو مدینہ میں لے آنے کا کام عبداللہ بن رواحہ اور بعض دیگر اشخاص کے سپرد کیا، اور یہ وعدہ کیا گیا کہ اگر عبداللہ پیغمبر (صلعم) کی خواہش کے مطابق اُسیر کو سمجھا کر لے آئے تو اُس کو یعنے (اُسیر بن زارم) کو خیبر[2] کا گورنر (حاکم) بنایا جائے گا، اور اُس کے ساتھ نمایاں اعزاز و اکرام کا برتاؤ کیا جائے گا۔ اُسیر نے حکم کی تعمیل کی اور مع اپنے ہمراہیوں کے مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ عبداللہ

اُسیر بن زارم

---

[1] یہ شخص بسیر بن زارم کے نام سے بھی مشہور ہے۔ ملاحظہ ہو ابن ہشام صفحہ ۹۸۰۔

[2] چونکہ خیبر اس وقت تک فتح نہیں ہوا تھا اس لئے نہ تو آنحضرت ؐ ایسا وعدہ کر سکتے تھے اور نہ یہودیوں کو اس بات کے یقین کرنے کی ترغیب ہو سکتی تھی اس لئے یہ داستان غلط ہے خلیفہ سید محمد حسن صاحب مرحوم نے اپنی کتاب اعجاز التنزیل صفحہ ۹۹ مطبوعہ ۱۳۰۶ھ اور سرسید احمد خاں مرحوم نے اپنی تفسیر القرآن جلد چہارم صفحہ ۹۸ مطبوعہ علیگڑھ ۱۳۱۵ھ میں غلط لکھا ہے کہ اُسیر بن زارم حکومت خیبر کے لالچ کی وجہ سے عبداللہ بن رواحہ کے ساتھ مدینہ آنے پر راضی ہوگیا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ اُسیر بن زارم شوال ۶ھ میں قتل ہوا، اور خیبر جمادی الاول ۷ھ میں فتح ہوا۔ یعنے قتل اُسیر بن زارم کے ایک سال کے بعد۔ ایسی حالت میں آنحضرت ؐ اُسیر بن زارم کو ایسی حکومت کا لالچ کیونکر دے سکتے تھے کہ جو ہنوز اُن کے قبضہ میں نہیں آئی تھی۔ (ملاحظہ ہو ابن سعد جلد دوم صفحہ ۶۶ و ۶۷ مطبوعہ یورپ ۱۹۰۹ء اور ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۱۰۵ مطبوعہ یورپ ۱۸۶۷ء)۔

بن اُنیس اور اُسیر ایک ہی اُونٹ پر سوار تھے۔ ابھی چھ میل بھی نہیں چلے تھے کہ اُسیر اپنی روانگی مدینہ کے ارادہ پر پشیمان ہوا، اُس نے عبد اللہ کی تلوار کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا، عبد اللہ نے اُونٹ سے کُود کر اُسیر کی ٹانگ کاٹ ڈالی، اُس نے بھی اس اثناء میں اپنے ڈنڈے سے جس سے اُونٹ کو ہانکتا تھا عبد اللہ کے سر کو زخمی کیا۔[1]

اب خواہ اُسیر مخفیہ طور پر قتل کیا گیا ہو، یا دغا سے مارا گیا ہو، خواہ اس نے فریب کا ارادہ کیا ہو، اور عبد اللہ نے حفاظت خود اختیاری کے طور پر اُس کو قتل کیا ہو، خواہ کچھ ہی صورت ہو اُسیر کی موت کے بیان میں یقیناً کوئی بات ایسی نہیں ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ آنحضرت ؐ نے اُس کو "خُفیہ پیغام دے کر اُس یہودی سردار کا کام تمام کرنے کے لئے بھیجا تھا" جیسا کہ سر ولیم میور تصریح کرتے ہیں[2]۔ قدیم ترین مؤرخین مثلاً ابن اسحاق نے اس حکایت کو بیان کیا ہے، اور زمانہ مابعد کی روایات غیر مطابق یکطرفہ، اور ناقص ہیں۔ باوجود ان غلطیوں کے کسی بیان سے ہم کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اُسیر کو قتل کرنے یا اُس سے لڑنے کے لئے احکام جاری کئے گئے ہوں، اور خُفیہ طور پر قتل کرنے کا تو احتمال بھی نہیں۔

۷۔ اقدام قتل ابوسُفیان بن حرب

۵۵۔ ابوسُفیان نے آنحضرت ؐ کے خُفیہ قتل کرنے کے لئے ایک بدوی عرب کو مدینہ روانہ کیا تھا۔ اس قاتل کی بد نیتی کا پتہ لگ گیا۔

اقدام قتل ابوسُفیان

[1] ابن ہشام صفحہ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ابن سعد جلد دوم صفحہ ۶۶۔

[2] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۱۶-۱۷۔ عیون الاثر صفحہ ۲۵۰ نسخہ قلمی کتب خانہ آصفیہ نمبر ۶۷ فن سیر ملاحظہ ہو۔

اور جس غرض سے وہ آیا تھا، اُس نے اُس کا اقرار کرلیا۔ ابن سعد کاتب واقدی نے بیان کیا ہے کہ :-

"آنحضرت ﷺ نے اسی وجہ سے عمرو بن اُمیۃ ضُمری کو ابوسُفیان کے قتل کے لئے بھیجا تھا"[1]

ہشامی کے قول کے موافق آنحضرت ﷺ نے خُبیب بن عدی اور اس کے رفقا کے قتل کا براہ راست انتقام لینے کے لئے جو بمقام رجیع قتل کئے گئے تھے، عمرو بن اُمیۃ ضُمری کو ابوسفیان سے لڑنے اور اُس کو قتل کرنے کی غرض سے مامور کیا تھا[2]۔ اب ابن اسحاق اور واقدی اس بارہ میں بالکل خاموش ہیں، ابن ہشام قتل کی بابت کچھ ذکر نہیں کرتا۔ صرف ابن سعد کاتب واقدی نے یہ روایت[3] درج کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قتل ابوسُفیان کا حکم دیا تھا، جس سے زمانۂ مابعد کے مؤرخوں نے نقل کیا ہے۔ اس روایت کی تقویت کے لئے کوئی خالص اور بے لوث شہادت موجود نہیں ہے، اور نہ یہ تو اتراً واقعی اور صحیح ہے، یہی وجہ ہے کہ ابن اسحاق بلکہ واقدی نے بھی، جو وضعی روایتوں کے نقل کرنے پر زیادہ مائل ہے، اس کو قبول نہیں کیا۔

آئرونگ اور میور صاحبان کے اقوال اور اس امر میں مصنف کی آخری بحث

۵۶۔ مسٹر واشنگٹن آئرونگ اقدام قتل مذکور کا حوالہ دے کر حسب ذیل لکھتے ہیں :-

"محمد (صلعم) اپنی زندگی کے اس زمانہ میں، کئی مرتبہ قاتلوں کے ہاتھوں سے قتل ہوتے ہوتے بال بال بچے۔ خود آنحضرت ﷺ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اپنے دشمنوں سے رہائی پانے کے لئے آپ نے (معاذ اللہ) ہتیارانہ وسائل

[1] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۲۰۔ میاں ابن سعد اصل عربی جلد ۲ صفحہ ۹۶ مطبوعہ یورپ ۱۹۰۹ء۔
[2] ابن ہشام صفحہ ۹۹۲-۹۹۳ مطبوعہ یورپ۔ [3] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۶۸۔ [4] ابن ہشام صفحہ ۳۶۲۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ [5] بیضاوی جلد ۱ صفحہ ۲۵۰۔

"کو استعمال کیا، کیونکہ کہا جاتا ہے کہ آپ نے ابوسفیان کے قتل کے لئے عمرو بن امیہ ضمری
"کو خفیہ پیغام دے کر بھیجا تھا مگر سازش کھل گئی اور قاتل نے تیزی کے ساتھ بھاگ کر اپنی
"جان بچائی۔ مگر یہ الزام اچھی طرح ثابت نہیں ہوتا، اور یہ امر (کسی کو خفیہ طور پر قتل کرانا)
"آنحضرت ؐ کی عام خصلت اور سیرت کے برخلاف ہے[1]"

سر ولیم میور لکھتے ہیں:۔

"اس امر میں امکان کا شائبہ ہے کہ یہ روایت بنی اُمیّہ کے فریق مخالف نے ابوسُفیان کو
"بدنام کرنے کی غرض سے وضع کی ہو، کہ وہ ایسا شخص تھا کہ محمد (صلعم) نے اس کو کشتنی
"وگردن زدنی سمجھا تھا۔ مگر اُن روایتوں کی شہادت کے مقابلہ میں جو بظاہر بے لاگ ہیں اور
"جن پر مؤرخین کا اتفاق ہے، ایسا خیال قابل وقعت نہیں ہے[2]"

مگر حقیقت یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے حکمِ قتلِ ابوسُفیان کی بابت ایسی روایات کا وجود نہیں ہے جو بظاہر بے لاگ ہوں، اور جن پر مؤرخین کا اتفاق ہو ایک اُور صرف ایک روایت ابن سعد کی ہے، جو بالکل غیر معتبر ہے، اور وہ بھی اُسی شخص کی زبانی جو قتل کا اقدام کرنے والا تھا، یہ شخص اسلام سے پیشتر ایک پیشہ ور قتال و سفاک اور ڈاکو تھا، لہٰذا اس کا بیان ہمارے لئے لائق اعتبار نہیں ہے۔

اگر بالفرض یہ امر تسلیم کر لیا جائے کہ آنحضرتؐ نے ابوسفیان کے قتل کیلئے جو آپ کے قتل کے لئے پہلے ہی کسی شخص کو بھیج چکا تھا، ضرور کسی آدمی کو روانہ کیا تھا، جیسا کہ ابن سعد نے بیان کیا ہے، تاہم یہ فعل مدافعت اور حفاظت خود اختیاری کے لحاظ سے حق بجانب تھا۔ یہ ایک طرح کا انتقام تھا، انتقام محض نہیں، بلکہ صرف ایسا ذریعہ تھا

---

[1] "محمد اور آپ کے جانشین" از واشنگٹن آئرونگ صفحہ ۱۸۰ مطبوعہ لندن ۱۸۶۹ء۔
[2] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم، صفحہ ۲۰ فٹ نوٹ۔

جس سے اپنی جان کی حفاظت، اور دشمن کو اُس کے فعل کی جزا دینی مقصود تھی۔ اور یہ بات جنگی قانون کے بموجب جائز ہے۔[1]

باب دہم

قیدیان جنگ وغیرہ کے قتل میں ادعائی بے رحمیاں

قیدیان جنگ کے ساتھ سلوک

۵۷۔ بعض جنگ کے قیدیوں کو قوانین جنگ کے موافق اُن کے جرموں کی پاداش میں قتل کی سزا دی گئی تھی۔ جس کے وہ مستحق تھے۔ بعض یورپین مؤرخ، جنھوں نے آنحضرت کی سیرت لکھی ہے، یہ دعوے کرتے ہیں کہ اُن قیدیوں کا قتل بیرحمانہ تھا، اور کفر اور پولٹیکل (سیاسی) مخالفت کے سوا اُن کا کوئی جرم نہ تھا۔[2]

مقتول اشخاص حسب ذیل تھے :۔

۱۔ نضر بن حارث۔

۲۔ عقبہ بن ابی معیط۔

۳۔ ابو عزہ شاعر۔

۴۔ معاویہ بن مغیرہ۔

قیدیان جنگ کی بابت قانون اقوام۔

۵۸۔ ہر ایک قیدی کی حالت پر نظر کرنے سے پہلے بطور تمہید مجھے یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ قانون بین الاقوام اور قانون جنگ

---

[1] دیکھو مضامین پولٹیکل سائنس" از فرانسس لیبر ایل۔ ایل۔ ڈی جلد دوم صفحہ ۲۵۰۔

[2] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۳۰۷۔

کی رو سے جنگ کا قیدی ایک پبلک (ملکی) دُشمن ہے، خواہ وہ مسلح ہو یا جنگ میں مدد دینے کے لئے مخالف کی فوج میں شامل ہو، اور جو میدان جنگ میں لڑتا ہوا یا مجروح ہو کر ہسپتال میں زیر علاج ہو، شخصی حیثیت سے اپنے آپ کو دُشمن کے حوالے کر دے یا بذریعہ عہد و پیمان کے، غرضیکہ گرفتار کنندوں کے ہتھے چڑھ جائے، خواہ کسی طرح ہو، ایسا شخص دشمن ہی سمجھا جائیگا۔ تمام سپاہی خواہ کسی قسم کے ہتھیاروں سے مسلح ہوں، تمام اشخاص جن کا تعلق مخالف مُلک کے عام بلوے سے ہو، تمام لوگ جو فوج کی قوت بڑھانے، اور بلا واسطہ مقصد جنگ کو ترقی دینے کے لئے فوج سے تعلق رکھتے ہوں، بجز ایسے اشخاص کے جو مذہبی پیشوا (عبّاد و زہّاد و علماے دین) ہوں، یا طبیب، ڈاکٹر، ملازمان شفاخانہ اور دایہ کی حیثیت سے شریک جنگ ہوں، تمام معذور اور بیکس آدمی، یا افسران فوج، خواہ میدان جنگ میں ہوں یا کہیں اَور، اگر وہ گرفتار ہو جائیں، تمام دشمن جو ہتھیار ڈال کر پناہ مانگ لیں، یہ سب قیدیان جنگ ہیں، اور اسی لئے جو مصیبتیں لڑائی کے قیدی کو جھیلنی پڑتی ہیں، اُن کو بھی جھیلنی پڑتی ہیں، اور جن حقوق کا وہ مستحق ہے وہی حقوق اُن کو دئے جاتے ہیں۔ ایک پبلک (ملکی) دُشمن ہونے کی حیثیت سے وہ کسی سزا کا مستوجب نہیں ہے، اور نہ اس سے کوئی انتقام لیا جاتا ہے، مثلاً یہ کہ فاتح قوم کی طرف سے قیدی کو تکلیف یا ذلت دی جائے، اُس کو بیرحمی سے قید کیا جائے، بھوکا مارا جائے، قتل کیا جائے، اُس کی لاش کو پارہ پارہ کیا جائے، یا اُس کے ساتھ کوئی اَور وحشیانہ بیرحمی کی جائے۔ مگر لڑائی کا قیدی اپنے اُن جرموں کا جوابدہ رہتا ہے جو اس نے گرفتاری سے پہلے، گرفتار کنندہ کے لشکر یا اُس کی قوم کے برخلاف کئے ہوں، اور جن کی سزا اُس کے اپنے حکّام نے اُس کو نہیں

دی۔ جملہ قیدیان جنگ اس امر کے مستوجب ہیں کہ اُن کے جرائم کا اُن سے انتقام لیا جائے +

۱۔ نضر بن حارث

نضر بن حارث کا قتل

۵۹۔ قیدیان جنگ میں سے ایک شخص مسمّٰی نضر بدر کی لڑائی کے بعد اس جرم کی وجہ سے قتل کیا گیا کہ اُس نے مسلمانانِ مکّہ کو سخت اذیتیں دی تھیں۔ نضر بن حارث نے اصحاب رسول کو جو سخت تکلیفیں پہنچائی تھیں مصعب نے وہ سب اس کو یاد دلائی تھیں (واقدی صفحہ ۱۰۱) لہٰذا قتل نضر کے معاملہ میں آنحضرتؐ کی طرف سے اپنے دشمنوں کے ساتھ کسی بیرحمی یا کینہ وری کا جوش ظاہر نہیں کیا گیا، جیسا کہ سر ولیم میور نے بیان کیا ہے[۱]۔ برعکس اس کے بعض محققین مثلاً ابن مندہ اور ابو نعیم نے اُس کے قتل کا انکار کیا ہے۔ (زرقانی جلد اول صفحہ ۱۴۵) وہ یہ کہتے ہیں کہ نضر بن حارث ۸ھ میں جنگ حُنین میں موجود تھا جو جنگ بدر سے چھ سال بعد واقع ہوئی تھی، اور آنحضرتؐ نے اُس کو سَو اُونٹ دئے تھے۔ سر ولیم میور نے بھی نہایت خاموشی سے ایک فٹ نوٹ میں (جلد ۳ صفحہ ۱۵۱) نضر بن حارث کا نام درج کیا ہے کہ اُس کو بمقام حُنین سَو اُونٹ دئے گئے تھے[۲]۔ اسی نضر بن حارث کا نام اُن قدیم ترین مہاجرین کی فہرست میں دکھایا گیا

---

[۱] محمد (صلعم) نے اپنے دشمنوں کے ساتھ بیرحمی اور کینہ وری کا جوش سب سے پہلے بمقام اُثیل ظاہر کرنا شروع کیا تھا۔ (میور صاحب کی سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۱۱۵)۔ اس کے بعد مصنف قتل نضر کا حال بیان کرتا ہے۔ ابن ہشام صفحہ ۴۵۸۔ واقدی صفحہ ۱۰۸۔ ابوداؤد جلد دوم صفحہ ۱۰۔ ابن ہشام اور ابن سعد نے یہ داستان بیان نہیں کی۔

[۲] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۱۱۰ میں بھی نضر کا نام اُن لوگوں کی فہرست میں درج ہے جن کو غنیمت حُنین میں سے سَو اُونٹ دئے گئے تھے۔

ہے جو ہجرت کر کے ابی سینا کی طرف چلے گئے تھے (زرقانی جلد اول صفحہ ۵۴۲)

ان اختلافات سے اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ قتل نضر کی داستان محض جھوٹی ہے۔ جن راویوں نے بمقام بدر نضر کے قتل ہونے کا ادّعا کیا ہے وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اُس کی بیٹی یا بہن نے آنحضرت کے پاس آکر چند اشعار پڑھے، جن کو سُن کر آپ پر ایسی رقّت طاری ہوئی کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اور آپ نے یہ فرمایا کہ "اگر میں پہلے یہ اشعار سُنتا، تو اُس کے قتل کا حکم نہ دیتا"۔ جو اشعار آنحضرت ؐ نے سُنے تھے اُن میں سے ایک یہ ہے۔

ماکان ضرّك لومننت و ربّما من الفتیٰ وهو المغیظ المحنق

(ترجمہ) "اگر آپ احسان کر کے اُس کو آزاد کر دیتے، تو اس سے کوئی نقصان نہ ہوتا، اور بسا اوقات ایک جوانمرد ایسی حالت میں کہ وہ غیظ و غضب میں مبتلا ہو دوسروں پر احسان کرتا ہے"۔

مگر زبیرؓ بن بکّار کہتا ہے کہ:۔

"میں نے بعض اہل علم کی گفتگو سُنی ہے جنھوں نے ان اشعار پر اس لئے اعتراض کیا ہے "کہ وہ بالکل موضوع اور کسی دوسرے شخص کے گھڑے ہوئے ہیں، اور میں خیال کرتا ہوں "کہ قتل نضر کی تمام داستان دروغ محض ہے"[1]۔

۲۔ عقبہ بن ابی معیط

۶۰۔ ایک اور قیدی مسمّٰی عقبہ بن ابی معیط ایسے ہی جُرم کی پاداش

---

[1] زبیر بن بکار یعنے ابو عبد اللہ نے ۲۵۶ھ میں بمقام مکہ معظمہ ایسے حال میں انتقال کیا جبکہ آپ وہاں کے قاضی تھے۔ ملاحظہ ہو الفہرست ابن ندیم صفحہ ۱۱۰ مطبوعہ یورپ ۱۸۷۱ء۔ آپ مشہور زبیر بن العوام کی اولاد میں سے ہیں۔

[2] زرقانی جلد اول صفحہ ۵۴۲ مطبوعہ مصر میں نضر بن حارث کی یہ تمام فرضی داستان نقل کی گئی ہے۔

قتل عقبہ میں جیسا کہ نضر کا جرم تھا، بدر کی لڑائی کے بعد قتل کیا گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جس وقت وہ قتل ہونے کو تھا' اُس نے سوال کیا کہ "میری چھوٹے لڑکے کی خبرگیری کون کرے گا؟" محمد (صلعم) نے جواب دیا "دوزخ کی آگ"! یہ حکایت بالکل وضعی اور جعلی ہے، اور اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ عقبہ کا تعلق قبیلہ "بنی نار" سے تھا، جس کا ترجمہ ہے "آگ کے بچے"۔ واقدی اس حکایت کی اسناد بیان نہیں کرتا، اور ابن اسحاق اپنے سے پیشتر صرف ایک سند بیان کرتا ہے، جس کی اسناد کا ایک اور درمیانی سلسلہ مقام واقعہ تک منقطع ہے۔ ابوداؤد نے مسروق سے اس کی روایت کی۔[1]، اور اس نے عبداللہ بن مسعودؓ کی سند پر اُس کو بیان کیا ہے، عبداللہ بن مسعودؓ نے نہ تو یہ ذکر کیا کہ وہ اس موقع پر موجود تھے۔ اور نہ یہ بھی بیان کیا کہ انہوں نے بواسطہ یا بلاواسطہ آنحضرت ﷺ سے سُنا تھا۔ علاوہ بریں جن حالات میں مسروق نے اس داستان کو بیان کیا ہے وہ نہایت مُشتبہ ہیں' اور ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں اختراع اور بُہتان سے کام لیا گیا ہے۔ ضحاک ابن قیس نے ایک ضلع کا انتظام سپرد کئے جانے کے لئے مسروق کو تجویز کیا تھا۔ عمارہ بن عقبہ نے اس پر اعتراض کیا، کیونکہ مسروق حضرت عثمان خلیفہ ثالث کے قاتلوں میں سے تھا۔ مسروق نے اس کے جواب میں بروایت ابن مسعود، عمارہ سے یہ کہا کہ "جب تیرا باپ قتل ہونے کو تھا تو اُس نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ "میرے چھوٹے لڑکے کی خبرگیری کون کرے گا"! آنحضرت ﷺ نے فرمایا "دوزخ کی آگ"! لہٰذا میں تیرے لئے اسی شے سے خوش ہوں جو آنحضرت ﷺ نے تیرے باپ کے لئے پسند کی تھی۔[1]

---

[1] ابوداؤد صفحہ ۳۶۵ – لاہور

عقبہ کے طریق قتل میں اور نیز اُس کے قاتل کی بابت اختلاف ہے۔ ابن اسحاق کا بیان یہ ہے کہ عاصم نے اس کو قتل کیا، اور ابن ہشام کا قول ہے کہ حضرت علی نے قتل کیا۔ ابراہیم التیمیؒ کی رائے یہ ہے کہ عقبہ بمقام عرق الظبیہ قتل کیا گیا، اور محمد بن شہابؒ ہاشمی کی رائے یہ ہے کہ وہ مصلوب ہوا، جس سے دیگر مورخین کو اختلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اس کا سر قلم کیا گیا تھا۔ ان وجوہات کی بنا پر مجھے عقبہ کے قتل کئے جانے کا بالکل یقین نہیں ہے +

۶۱۔ ابوعزہ جو اسیران بدر میں سے تھا، اور منجملہ اُن اشخاص کے تھا جو مسلمانان مکہ کو اذیت پہنچاتے تھے، اُس نے آنحضرت سے التجا کی کہ میری پانچ بیٹیوں پر رحم کھا کر مجھے چھوڑ دیا جائے۔ آنحضرت نے اُس کی جان بخشی کی اور اُس کو آزاد کر دیا۔[۳]

ایک لڑائی کے قیدی مسٹنے ابوعزہ کو بلا معاوضہ آزاد کیا گیا

یہ واقعہ صاف طور پر پیغمبر (صلعم) کی عام فیاضی اور جوانمردی پر دلالت کرتا ہے، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل عقبہ کی داستان آنحضرت کے عام اخلاق و عادات کے برخلاف ہے۔ ان وجوہ سے عقبہ کے قتل کی حکایت کو ایک افسانہ سمجھ کر بخوبی رد کر سکتے ہیں۔

۳۔ ابوعزہ شاعر (عمر بن عبد اللہ)

۶۲۔ ابوعزہ کو جو اسیرانِ بدر میں سے تھا، بغیر کسی فدیہ کے اس شرط

ابوعزہ باغی ثابت ہوا اور قتل کیا گیا

[۱] زرقانی جلد اول صفحہ ۴۱۱۔ مطبوعہ مصر
[۲] سیرت حلبی جلد دوم صفحہ ۲۷۱۔ مطبوعہ مصر۔
[۳] واقدی صفحہ ۱۰۵۔ انسان العیون یا سیرت حلبی جلد دوم صفحہ ۴۲۳ مطبوعہ مصر۔ ابن ہشام صفحہ ۵۵۶ و ۵۹۱۔ مطبوعہ یورپ۔

پرآزاد کیا گیا تھا کہ وہ آنحضرت ؐ کے برخلاف کسی جنگ میں پھر کبھی ہتھیار نہ اُٹھائے مگر وہ دغاباز ثابت ہوا۔ اُس نے عربوں کو آنحضرت ؐ سے لڑنے کی ترغیب دی، اور خود بھی مکہ کی حملہ آور فوج کے ساتھ شامل ہوا۔ اُس پر سزا کا فتوے جاری ہوا، اور وہ بمقام حمراء گرفتار کیا گیا، اور اس کو حسب ضابطہ سزاے موت دی گئی[1][2] یہ قتل جنگ کے قوانین و دستورات کے بالکل مطابق تھا۔ (دیکھو فقرہ ۵۸ کتاب ہذا)۔

۴۔ معاویہ بن مغیرہ

قتل معاویہ بن مغیرہ

۶۳۔ معاویہ بن مغیرہ بھی لڑائی میں قید ہو کر آیا تھا، اُس کو تین دن کی مُہلت اس شرط پر دی گئی کہ اگر مدّت معیّنہ کے بعد وہ مدینہ میں موجود پایا گیا تو قتل کیا جائے گا۔ مدّت منقضی ہو گئی اور وہ پھر بھی مدینہ میں چھپا بیٹھا رہا۔ آخر کار اس کا پتہ لگ گیا، اور زید اور عمار نے حمراء الاسد سے واپس آنے پر پانچ چھ روز بعد اس کو قتل کر دیا۔ ظاہر ہے کہ معاویہ نے مقررہ معاہدہ کے خلاف کیا، اور اُس کا مدینہ میں پوشیدہ طور پر قیام رکھنا جاسوس یا مُخبر کی حیثیت[2] سے ہوگا، جو خفیہ طور پر اطلاع حاصل کرنا یا بھید لینا چاہتا ہو۔

قتل ابن مغیرہ کا حق بجانب ہونا

۶۴۔ سر ولیم میور جنہوں نے اس شخص کا نام عثمان بن مغیرہ لکھا ہے اُس معاملہ میں اس کے حامی و مددگار ہیں۔ صاحب موصوف

[1] واقدی صفحہ ۱۰۵ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۶ء ہشامی صفحہ ۵۹۱۔ انسان العیون یا سیرت حلبی صفحہ ۲۴۴ مطبوعہ مصر۔ عیون الاثر فی المغازی والسیر صفحہ ۳۲۸۔ قلمی نایاب در کتب خانہ آصفیہ۔

[2] ابن ہشام صفحہ ۵۹۱۔ واقدی صفحات ۳۲۴-۳۲۵۔ زرقانی جلد ۲ صفحہ ۲۷۔

لکھتے ہیں کہ :-

" وہ اپنی رعایت کی مدت کے آخری دن تک بے احتیاطی اور بے پرواہی سے مدینہ میں "ٹھیرا رہا، اور اس وقت وہ مکہ کو روانہ ہوا"[1]

مگر ابن ہشام نے صاف طور پر لکھا ہے کہ " وہ تین دن کے بعد تک مدینہ میں ٹھیرا رہا اور وہیں چھپا ہوا پایا گیا" واقدی کی روایت کے موافق بھی وہ چوتھے دن گرفتار ہوا تھا۔ مگر یہ امر حقیقت سے بعید ہے، کیونکہ خود واقدی کا بیان ہے کہ آنحضرت م جنگ اُحد کے بعد حمراء الاسد میں پانچ روز مقیم رہے، پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ ابن مغیرہ نے چوتھے ہی دن حمراء الاسد سے واپس آنے والی اسلامی فوج سے بچ نکلنے کی کوشش کی ہو اور وہ اُسی روز رستہ بھول گیا ہو، جیسا کہ سر ولیم میور ظاہر کرتے ہیں -

ایک دشمن جس نے مدینہ پر چڑھائی کی اور آنحضرت م پر حملہ کیا تھا اُس کو گرفتاری کے بعد صاف اور واضح شرطوں پر تین دن کی مہلت دی گئی کہ " اگر تم تین دن کے بعد یہاں موجود پائے گئے تو قتل کئے جاؤ گے" اس کی سواری کے لئے اونٹ اور زادراہ مہیا کر دیا گیا تھا، وہ پانچویں یا چھٹے روز اُسی جگہ کے قریب چھپا ہوا پایا گیا، جس کی وجہ سے اس کی جان گئی۔ یہ ہے امر واقعی مگر سر ولیم میور مغیرہ کے قتل کی بابت یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ وہ "اپنے دشمن (یعنی آنحضرت م) کی فیاضی پر حد سے زیادہ بھروسا کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوا"[2]

---

[1] سیرت محمدی از سر ولیم میور جلد سوم صفحہ ۱۸۵۔

[2] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۱۸۵۔

اقدامِ قتلِ اسیرانِ بدر

۶۵۔ سرولیم میور لکھتے ہیں کہ :۔

اسیرانِ بدر کی بابت سرولیم میور کا غلط ترجمہ

"یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنگ بدر کے بعد تمام قیدیوں کو قتل کر دینے کا خیال کیا گیا تھا۔ روایت میں وارد ہوا ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے اس فعل کی ہدایت کی تھی"

ایک فٹ نوٹ میں صاحب موصوف لکھتے ہیں :۔

"پس محمد (صلعم) نے کہا 'سعید سے اُس کے بھائی کی موت کا ذکر نہ کرنا' (یعنی معبد جو ایک قیدی تھا' (دیکھو حوالہ بالا صفحہ ۱۱ نوٹ) مگر تم میں سے ہر شخص اپنے قیدی کو قتل کرے"۔ (واقدی صفحہ ۱۰۰)۔

پھر صاحب موصوف یہ بھی لکھتے ہیں :۔

"کوئی شخص اپنے بھائی کو قید نہ کرے بلکہ اُس کو قتل کرے" (صفحہ ۱۰۱)۔ مگر میں ان روایتوں پر زیادہ زور دینا نہیں چاہتا، بلکہ میرا میلان یہ ہے کہ یہ روایتیں قرآن (مجید) کی مندرجہ ذیل آیتوں کی بنا پر وضع کی گئی ہیں[1]"

ان روایتوں سے جن کو خود سرولیم میور موضوع سمجھتے ہیں۔ قتل اسیران کے خیال کی تائید نہیں ہوتی۔ واقدی کی جن روایتوں کا حوالہ اوپر درج کیا گیا ہے، اُن کا صحیح ترجمہ حسب ذیل ہے :۔

پہلی عبارت "سعید سے اُس کے بھائی کے قتل (یعنے مقتول ہونے) کا حال بیان نہ کرنا۔ پس وہ ہر ایک قیدی کو جو تمہارے قابو میں ہے، قتل کر دے گا" (واقدی صفحہ ۱۰۰)۔ اس کا مطلب صاف صاف یہ ہے کہ سعید کو

[1] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۱۱۔

اس بات کی اطلاع نہ ہونے دینا کہ اُس کا بھائی جو عمر یا ابو بردہ کے ہاتھوں مقتیہ ہو کر مقتول ہوا تھا، قتل کیا گیا ہے۔ اگر تم ایسا کروگے تو وہ غضبناک ہو کر ہر ایک قیدی کو جو اَب تمہارے قبضہ میں ہے، قتل کر دے گا۔ یہ نہایت عجیب بات ہے کہ سر ولیم میور اس جملہ کا ایسا ترجمہ کرتے ہیں کہ اُس کا مطلب یہ ہو جاتا ہے کہ "تم میں سے ہر شخص اپنے قیدی کو قتل کر دے"!

دوسری عبارت "کسی شخص کو اپنے بھائی کے قیدی کو نہیں لے جانا چاہیئے تاکہ وہ قتل کیا جائے" اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم میں سے کسی کو دوسرے شخص کا قیدی نہیں دینا چاہیئے۔ اگر تم ایسا کرو تو شاید دوسرا شخص لڑائی میں اُس قیدی کو مار ڈالے۔ **سر ولیم میور نے اس جملہ کا مطلب بالکل غلط سمجھا ہے۔**

قیدیوں کو آزاد کرنے کی وجہ سے قرآن میں آنحضرتؐ پر کبھی عتاب نازل نہیں ہوا

۶۶۔ چند موضوع روایتیں اس مضمون کی ہیں کہ قرآن مجید (سورہ انفال ۸۔ آیت ۶۸-۶۹) میں **اسیران بدر** کو رہا کر دینے کی وجہ سے آنحضرتؐ پر عتاب نازل ہوا تھا، جن کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرتؐ کو لازم تھا کہ اُن کو قتل کر دیتے۔ آیات مذکورہ کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے:-

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۚ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (الانفال ۸، آیات ۶۸-۶۹)

"کسی نبی کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اُسکے پاس قیدی رہیں جب تک نہ حتّٰی کہ وہ ملک میں خونریزی نہ کر لے تم تو دُنیا کا مال و متاع چاہتے ہو اور اللہ آخرت (کی نعمتیں) دینی چاہتا ہے اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔ اگر خدا کی طرف سے (معافی کی) تحریر نہ ہو چکی ہوتی۔ تو جو کچھ تم نے (فدیہ) لیا ہے، اسکی سزا میں ضرور تم پر بڑا عذاب نازل ہوتا" (آیات مفضل)

آیت نمبر ۶۸ کا اگر صحیح ترجمہ کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قیدیوں کو قتل نہیں کرنا چاہیئے۔ لفظ "حتّٰی" کے معنے ہیں "یہاں تک" یا "جب تک نہ" اور یہی لفظ **علت** یا **سبب** کا کام بھی دیتا ہے۔ میں دوسرے معنے کو ترجیح دیتا ہوں اور اس طرح ترجمہ کرتا ہوں:۔

"کسی نبی کے لئے مناسب نہیں ہے کہ قیدی اُس کے پاس اس غرض رہیں (یا لائے جائیں) کہ وہ ملک میں خونریزی کرے"۔

اس کا **مطلب** یہ ہے کہ نبی کے لئے یہ بات زیبا نہیں ہے کہ اسیران جنگ کو اس غرض سے گرفتار کرے کہ اُن کو قتل کر دیا جائے۔ یہ مفہوم قرآن مجید کی دوسری آیت کے موافق ہے (دیکھو سورۂ محمد ۴۷۔ آیت ۴)۔ یہ آیت اسیرانِ جنگ کے ساتھ سلوک کی دو صورتوں میں سے ایک صورت پیش کرتی ہے، یعنے یا تو ان کو احساناً (بلا معاوضہ) چھوڑ دیا جائے یا فدیہ (معاوضہ) لے کر۔

اس آیت میں اوّل تو اُن لوگوں پر عتاب ہے جو قیدیوں کو قتل کرنا چاہتے تھے (نہ کہ آنحضرتؐ پر) اور دوسرے اُن لوگوں پر جو اُن کو آزاد کرنے کے لئے فدیہ لینا چاہتے تھے۔ اُن کو چاہیئے تھا کہ بدون کسی مالی منفعت کے قیدیوں کو آزاد کر دیتے، اگر وہ اُن کی بلا معاوضہ آزادی میں کوئی خوبی سمجھتے۔

اسیرانِ جنگ کے ساتھ آنحضرتؐ کا فیاضانہ سلوک

۶۱۔ آنحضرتؐ اسیران جنگ سے ہمیشہ مہربانی کا برتاؤ کرتے تھے، اور اُن کو قتل کرنے یا قید کرنے کے قدیم دستور کو قرآن مجید نے بہت کچھ متروک اور (آخرکار) منسوخ کر دیا تھا۔

قرآن مجید حکم دیتا ہے کہ اسیران جنگ کو یا تو مفت چھوڑا جائے یا معاوضہ لے کر، مگر اُن کو قتل کیا جائے اور نہ غلام بنایا جائے۔

قرآن مجید میں ہے:۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۚ (محمد ۴۷۔ آیت ۴۔ ۵)	جب (لڑائی میں) کافروں سے تمہارا مقابلہ ہو، تو ان کی گردنیں مارو یہاں تک کہ جب ان کا زور توڑ لو تو ان کی مشکیں کس لو (یعنی قید کرلو) پھر اس کے بعد یا تو احسان رکھ کر یا معاوضہ لے کر (چھوڑ دو) یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے (لڑائی موقوف ہو جائے)"۔ (محمد ۴۷۔ آیت ۴۔ ۵)

اسیران بدر کی بابت سر ولیم میور لکھتے ہیں :-

"محمد (صلعم) کے احکام کے بموجب اہل مدینہ اور ان مہاجرین نے جن کے پاس گھر تھے "قیدیوں کو اپنے مکانوں میں جگہ دی اور بڑی خاطر و مدارات سے ان کے ساتھ پیش آئے

ان قیدیوں نے بعد میں یہ کہا تھا :-

"اہل مدینہ پر خدا کی رحمت ہو، انہوں نے ہم کو سواری دی جبکہ وہ خود پیدل چلتے تھے "انہوں نے ہم کو کھانے کے لئے گیہوں کی روٹی دی، جبکہ اس کی قلت تھی، اور خود کھجوروں "پر قناعت کی" (ابن ہشام صفحہ ۴۵۹)۔

یہ بات تعجب خیز نہیں ہے کہ جب ان قیدیوں کے دوست کچھ عرصہ بعد فدیہ دے کر ان کو چھڑانے آئے، تو ان میں بہتیرے آدمی جن کے ساتھ ایسا عمدہ سلوک کیا گیا تھا، علی الاعلان مسلمان ہو گئے، اور پیغمبر اسلام نے ان لوگوں کو بغیر فدیہ کے آزادی عطا فرمائی[1]

بنی مصطلق کے قیدی بھی بلا ادائے معاوضہ رہا کئے گئے[2]

---

[1] میور صاحب کی سیرت محمدی، جلد دوم صفحہ ۱۲۲ - ۱۲۳

[2] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۲۴۲ - ابن ہشام صفحہ ۷۲۵ - ابن سعد جلد دوم صفحہ ۴۶۔

بنی ہوازن جنگ حُنین میں قید ہوئے تھے، جو ہجرت کے آٹھویں سال میں پیش آئی تھی، مگر کسی معاوضہ (فدیہ) کے وصول کئے بغیر وہ سب آزاد کرئے گئے پہلے آنحضرت م نے اپنے قیدیوں کو رہائی دی، اور باشندگان مکہ و مدینہ نے خوشی سے آپ کے نمونہ کی پیروی کی[1]۔ ان قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی[1]۔

جب آنحضرت م کا لشکر ۶ھ میں بمقام حدیبیہ خیمہ زن تھا۔ اُس وقت قریش کے اسّی آدمیوں کی ایک جماعت، جیسا کہ مسلم نے اپنی "صحیح" میں بیان کیا ہے، یا حسب بیان ابن ہشام (صفحہ ۷۴۵)، چالیس[2] یا پچاس آدمیوں کی جماعت آپ کی لشکرگاہ کی چاروں طرف گشت کرتی تھی، اور ان کی غرض یہ تھی کہ بھولے بھٹکے مسلمانوں کو آنحضرت م کے کیمپ (لشکرگاہ) میں شامل ہونے سے روک دیا جائے، اور چونکہ انہوں نے پتھروں اور تیروں سے خود لشکرگاہ پر بھی حملہ کیا تھا، اس لئے اُن کو گرفتار کرکے آنحضرت م کی خدمت میں حاضر کیا گیا، آپ نے اپنی معمولی فیاضی سے اُن کو معاف اور آزاد کر دیا۔

خالد بن ولید نے اپنی فتح کے سال یعنے ۸ھ میں جبکہ وہ بنی جذیمہ کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے بھیجے گئے تھے، اُن لوگوں کو قید کرکے اُن کے قتل کا حکم دے دیا تھا۔ بعض مسلمانوں نے جو احکام قرآن سے زیادہ باخبر تھے، اور یہ جانتے تھے کہ قیدیوں کو یا تو بلا معاوضہ اور یا معاوضہ لے کر چھوڑ دینا چاہیئے، اس امر میں مداخلت کی اور اس پر یہ الزام لگایا کہ تم زمانہ جاہلیت کے فعل کے مرتکب ہوئے ہو۔ آنحضرت م نے نہایت ناراض ہو کر اس جبر پر رنج و افسوس کا اظہار کیا، اور دو دفعہ فرمایا "اے خدا! جو کچھ خالد نے کیا ہے میں اُس سے

---

[1] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۱۴۸ - ۱۴۹۔

[2] ابن ہشام، صفحہ ۷۴۵ - واقدی صفحہ ۲۸۶۔

بری ہولناک

قتل بنی قریظہ

اہل مدینہ کے خلاف بنی قریظہ کی بغاوت شدیدہ اور اُن کا قتل

۱۰۶۔ بنی قریظہ ایک یہودی قبیلہ تھا، اور مدینہ کے قرب وجوار میں آباد تھا، اُن لوگوں نے اسلامی جمہوریت کے ساتھ اس امر کا عہد و پیمان کیا تھا کہ ہم حملہ آوروں کے حملہ سے شہر مدینہ کی حفاظت کریں گے۔ ۵ھ میں جبکہ دس ہزار قریش اور دیگر بدوی قبائل نے مدینہ کا محاصرہ کیا، (اور واقعہ غزوہ خندق پیش آیا) تو بنی قریظہ نے مسلمانوں کی مدد کرنے کی بجائے اُن کی وفاداری سے منحرف ہو کر محاصرہ کرنے والے غنیم سے سازش کر لی۔ محاصرۂ مدینہ مختتم ہونے کے بعد مسلمانوں نے اُن کا محاصرہ کیا، آنحضرت صلعم نے اُن کو خوفناک سزا نہیں دی، بلکہ اُسی ثالث (سعد بن معاذ) نے دی تھی جس کو انہوں نے خود منتخب اور مقرر کیا تھا۔ اُن میں سے بعض کا قتل ہونا اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ اسیران جنگ تھے۔ بلکہ وہ باغی تھے۔ اُنہوں نے جنگ میں دغابازی کی تھی اور حسب منشائے قانون بین الاقوام سزائے موت کے مستحق تھے۔ اُن کا جرم یہ تھا کہ انہوں نے محاصرہ مدینہ کیوقت اہل مدینہ کے ساتھ سخت بدعہدی اور دغابازی کی تھی۔ جب بنی قریظہ نے مسلمانوں کی وفاداری سے منحرف ہو کر سلطنت اسلام کے دشمنوں کو امداد دی تھی، اس کے بعد ان میں اور مسلمانوں میں کوئی جنگ درحقیقت واقع نہیں ہوئی۔ مسلمانوں نے اُن کی سخت بدعہدی اور بغاوت کی سزا دیے

---

[۱] ابن ہشام صفحہ ۶۸۳۔ ۶۹۵۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۰۶ مطبوعہ یورپ ۱۹۰۹ء۔ بخاری کتاب المغازی صفحہ ۵۹۲ مطبوعہ کانپور ۱۳۲۳ھ۔ ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۱۴۵ مطبوعہ یورپ۔ مشکوٰۃ جلد ۳ صفحہ ۱۰۹۔ مطبوعہ لاہور۔

کے لئے اُن کا محاصرہ کیا تھا، اور اسی لئے یہ لوگ اسیران جنگ نہ تھے۔ اس قسم کے اسیران جنگ کو بھی جُرم بغاوت و بدعہدی کی سزا دی جاتی ہے۔ (واضح ہو کہ قاضی ابو یوسف نے بنو قریظہ کو باغیوں کی فہرست میں شریک کیا ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب الخراج صفحہ ۱۲۴ مطبوعہ مصر ۱۳۰۲ھ) عبداللہ خاں۔

"باغی دشمن کے ساتھ میدان جنگ میں، جنگ کے قانون اور دستور کے موافق سلوک کرنا، باضابطہ گورنمنٹ کے لئے ہرگز اس امر کا مانع نہیں ہوتا کہ بغاوت کے سرغنوں یا خاص خاص باغیوں کے جُرم بغاوت کی تحقیقات کی جائے، اور ان کے ساتھ باغیوں کا سا سلوک کیا جائے، تاوقتیکہ وہ لوگ عام معافی نامہ کے فرمان میں داخل نہ ہو جائیں"[1]

۶۹۔ بنی قریظہ کا تمام قبیلہ ہرگز مقتول نہیں ہوا اور نہ سب کے سب

> تمام بنی قریظہ ہرگز قتل نہیں کئے گئے

قیدی مرد ہی تہ تیغ کئے گئے[2] مقتولوں کی تعداد نسبتہً بہت کم تھی۔ یہ بات کہ وہ آنحضرت ؐ کے حکم سے قتل نہیں ہوئے، اور نہ سب کے سب مارے گئے۔ اور نہ اس کی بابت خدا تعالیٰ کی منظوری صادر ہوئی،

---

[1] دیکھو فرانسیس لیبر کی متفرق تحریرات جلد دوم مضامین پولٹیکل سائنس صفحہ ۲۷۲۔ مطبوعہ فلیڈلفیا ۱۸۸۱ء۔

[2] بعض بنی قریظہ آزاد کئے گئے منجملہ ان کے زبیرؓ ابن باطا عطیہؓ اور رفاعہؓ کا نام ہم کو معلوم ہے۔ آنحضرت ؐ نے ان لوگوں کو معاف کر دیا تھا۔ ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۱۴۷۔ ابن ہشام صفحہ ۶۹۱ و ۶۹۲ مطبوعہ یورپ۔ مشکوٰۃ جلد ۳ صفحہ ۱۰۷ مطبوعہ لاہور۔ تہذیب الاسماء صفحہ ۲۲۵ مطبوعہ یورپ۔ صحیح بخاری میں غزوہ بنی نضیر کے ذیل میں لکھا ہے کہ "بنی نضیر جلاوطن کر دئے گئے اور بنی قریظہ کی عورتیں اور بچے مسلمانوں میں تقسیم کر دئے گئے اور لڑنے والے مرد قتل کر دئے گئے۔ مگر بعض بنی قریظہ آکر آنحضرت ؐ سے مل گئے اور مسلمان ہو گئے۔ آپ نے ان کو آزاد کر دیا"۔ (بخاری پارہ سولہ صفحہ ۲۶ مطبوعہ لاہور)۔
صحیح بخاری کی اس روایت سے ثابت ہے کہ سب بنی قریظہ قتل نہیں ہوئے بلکہ اکثر چھوڑ دئے گئے ہیں۔ (عبداللہ خاں)۔

قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت سے ثابت ہے :-

وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَیَاصِیْهِمْ وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِیْقًاۚ

(الاحزاب ۳۳ - آیت ۲۶)

"اور اہل کتاب (یعنے یہودیوں) میں سے جن لوگوں نے مشرکوں کو مدد دی تھی اللہ تعالیٰ نے اُن کو اُن کے قلعوں سے نیچے اُتارا اور اُن کے دلوں میں تمہارا سا رعب بٹھا دیا کہ بعض کو تم قتل کرنے لگے اور بعض کو قید۔"

(الاحزاب ۳۳ - آیت ۲۶)۔

قتل کرنے اور قید کرنے کا فعل اُن ہی لوگوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے جو اس آیت کے مخاطب ہیں کہ یہ اُن کا ذاتی فعل ہے۔

(بیضاوی جلد دوم صفحہ ۱۲۶ مطبوعہ یورپ ۱۸۴۹ء۔ تفسیر مجمع البیان جلد ۲ صفحہ ۲۴۵) ۔ مطبوعہ طہران۔

بنی قریظہ کی عورتیں اور بچے فروخت نہیں کئے گئے

۷۰ - باقی ماندہ بنی قریظہ یعنے بالغ مرد، عورتیں اور بچے یا تو آزاد کر دئے گئے، یا فدیہ دے کر انہوں نے رہائی حاصل کی۔ فدیہ کا کچھ حال ابن سیّد النّاس کی کتاب "عیون الاثر فی المغازی والسیر" میں درج ہے۔ حضرت عثمان بن عفان رضؓ اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے (فدیہ) بہت سا روپیہ جمع کر لیا تھا۔ مگر سر ولیم میور بحوالۂ ہشامی یہ لکھتے ہیں :-

"باقیماندہ عورتیں اور بچے نجد کے بدوی قبائل میں گھوڑوں اور ہتھیاروں کے بدلے فروخت کئے جانے کے لئے بھیجے گئے۔"[1]

مگر اس فرضی داستان کی کوئی سند موجود نہیں ہے۔ ابو المعتمر سلیمان[2]

[1] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۲۷۹ - یا ابن ہشام صفحہ ۶۹۲ مطبوعہ یورپ۔

[2] سلیمان بن طرخان متوفی سنہ ۱۴۳ھ کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو "الفہرست ابن ندیم" صفحہ ۱۵۶ مطبوعہ یورپ ۱۸۷۱ء تہذیب التہذیب جلد چہارم صفحہ ۲۰۱ مطبوعہ حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۲۵ھ - تاریخ یافعی قلمی نایاب مخزونہ کتبخانہ آصفیہ (دیکھو صفحہ ۱۰۶)

نے اپنی کتاب میں جس میں آنحضرت صلعم کے غزوات کا ذکر ہے ایک اور حال بیان کیا ہے، جو زیادہ تر قرین قیاس ہے۔

مصنف موصوف لکھتا ہے:۔

"بنی قریظہ کا مال وغیرہ جو ہاتھ لگا تھا اُس میں سے ستّرہ[۱] گھوڑے آنحضرت صلعم نے لیکر اپنے لوگوں میں تقسیم کر دئیے[۱]۔ باقی ماندہ کے دو برابر حصّے کئے، نصف حصہ تو سعد بن عبادہؓ[۲] کے ساتھ شام کی طرف اور باقی نصف حصہ انس بن قیظی کے ساتھ بنی غطفان کے علاقہ میں بھیج دیا، اور یہ حکم دیا کہ وہاں ان جانوروں سے گھوڑوں کی نسل بڑھانے کا کام لیا جائے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور عمدہ گھوڑے حاصل کئے[۳]"

۱۷۔ بالغ مرد جو قتل ہوئے تھے ان کی تعداد میں بہت مبالغہ کیا گیا ہے۔ اگرچہ

مقتولوں کی مبالغہ آمیز تعداد۔

جب کوئی قتل ملک کے قانون بین الاقوام کے بموجب باضابطہ طور پر وقوع میں آئے، تو اُس وقت تعداد مقتولین کی کمی یا بیشی کا خیال کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اس موقع پر سب سے بہتر یہی ہے کہ مولوی سیّد امیر علی صاحب ساکن کلکتہ کی کتاب کا ایک اقتباس پیش کر دیا جائے جو اُنہوں نے اس مضمون پر لکھی ہے، اور جس میں بڑی دانشمندی سے اس واقعہ کی تنقید کی ہے۔

صاحب موصوف لکھتے ہیں:۔

"اب اگر مقتولوں کی طرف توجہ کی جائے تو ہر شخص فوراً یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ اُن کی تعداد میں مبالغہ کیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ چار سو آدمی تھے، اور بعض نے اس تعداد کو نو سو تک لکھا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۵) حیدر آباد دکن صفحہ ۱۴۱۔ فن تاریخ نمبر ۴۰۴۔ تہذیب الاسماء امام نووی صفحہ ۵۷۴ مطبوعہ یورپ سنہ ۱۸۴۶ء (عبداللہ خاں)۔ [۱] مغازی واقدی صفحہ ۳۷۲ مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۸۵۶ء۔

[۲] ابن ہشام نے بجائے سعد بن عبادہ کے سعد بن زید انصاری کا نام لکھا ہے۔ (عبداللہ خاں)

[۳] مغازی واقدی صفحہ ۳۷۴ مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۸۵۶ء۔ قرۃ العیون حصہ دوم جلد اول صفحہ ۱۴۲۔ تفسیر مجمع البیان طبرسی جلد

"پہنچا دیا ہے، اگرچہ عیسائی مورخین باختلاف اقوال عموماً سات سَو سے آٹھ سَو تک بتلاتے ہیں۔
"میں اس کو نہایت مبالغہ سمجھتا ہوں۔ چار سَو[1] کی تعداد میں بھی مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ روایا
"کا اس پر اتفاق ہے کہ بنی قریظہ کا سامان جنگ حسب تفصیل ذیل تھا:۔
"تین سَو زرہ بکتر، پانچ سَو ڈھالیں، پندرہ سَو تلواریں وغیرہ۔ مال غنیمت کی مقدار کو زیادہ
"دکھانے کی غرض سے راویوں نے ان اعداد میں غالباً مبالغہ کیا ہے۔ مگر اعداد مذکور کو صحیح
"مان کر اور اس امر کو ذہن نشین رکھ کر کہ اس قسم کے ہتھیار لڑنے والوں کی تعداد سے ہمیشہ
"بہت زیادہ رکھے جاتے ہیں، میں اس نتیجہ پر پہنچتا ہوں کہ جنگ میں شریک ہونے والوں
"کی تعداد دو سَو یا تین سَو سے زیادہ نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ غلطی غالباً اس لئے پیدا ہوئی
"کہ جس قدر مسلمانوں کے قبضہ میں آئے اُن کی تعداد کو مقتولین کے تعداد کے ساتھ گڈ مڈ
"کر دیا ہے[2]۔
"نو سَو بھی بڑی تعداد ہے۔ کیونکہ تمام قیدی رات کے وقت رملہ بنت الحارث[3] کے مکان
"میں رکھے گئے تھے، جو اتنی بڑی تعداد کے لئے کسی طرح کافی نہیں ہو سکتا تھا۔"

---

[1] ابن خلدون کی تحریر سے مقابلہ کرو، (مقدمہ ابن خلدون کا فرانسیسی ترجمہ از ایم ڈی سیلن، حصہ اول صفحہ ۱۴ مطبوعہ پیرس سنہ ... یا اصل عربی مقدمہ جلد اول صفحہ ۹ مطبوعہ پیرس۔ ابن خلدون نے اس جگہ مبالغہ آمیز شمار اعداد پر بحث کی ہے)۔ (عبداللہ خاں)

[2] سیرت محمدی از مولوی سید امیر علی ایم اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ اوڈی انر ٹیمپل بیرسٹر ایٹ لا صفحہ ۱۱۲ مطبوعہ ولیم اینڈ نارگیٹ۔ لندن ۱۸۷۳ء۔

[3] ابن ہشام صفحہ ۶۸۹ مطبوعہ یورپ۔ دیگر مورخین لکھتے ہیں کہ مرد، عثمان بن زید کے گھر میں اور عورتیں اور بچے رملہ بنت الحارث کے گھر میں قید رکھے گئے۔ دیکھو انسان العیون یعنی سیرت حلبی جلد سوم صفحہ ۹۳ مطبوعہ مصر۔

باب یازدہم

بعض متفرق اعتراضات کا ابطال

۱۔ اُمّ قرفہ

اُمِ قرفہ کا قتل قزاقی کی وجہ سے

۲۷۔ ایک عورت مُسمّاۃ اُمّ قرفہ (فاطمہ بنت ربیعہ) جو قزاقوں کی ایک بڑی جماعت کی سرغنہ ہونے کی حیثیت سے مشہور تھی، اُس کے بیرحمانہ قتل کی یہ حکایت کہ اس کی ہر ایک ٹانگ جُدا جُدا ایک ایک اُونٹ سے باندھی گئی، اور اس طرح چیر کر اُس کے دو ٹکڑے کر دئیے گئے امر واقعی نہیں ہے۔ صرف ابن سعد کاتب واقدی[1] نے ایسا لکھا ہے، اور واقدی، ابن اسحاق اور ابن ہشام کی قدیم ترین تواریخ میں یہ حکایت پائی نہیں جاتی۔ ابن سعد کاتب واقدی بھی نہیں کہتا کہ آنحضرت صلعم نے اس کے قتل کا حکم دیا تھا (جلد دوم صفحہ ۶۵) سر ولیم میور کا یہ قیاس قرین انصاف نہیں ہے کہ اس خونخوارانہ فعل میں آنحضرتؐ بھی شریک تھے، اور صاحب موصوف کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ اُنھوں نے کہیں یہ نہیں پڑھا کہ پیغمبر (صلعم) نے ایسے بیرحمی کے سلوک پر اظہار ناراضی کیا ہو[2] مگر اول تو یہ بیان محض افسانہ ہے اور دوسرے یہ کہ روایتیں بالعموم ہمیشہ نامکمل ہوتی ہیں، اور وہ روایات دراصل

---

[1] ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۶۵ مطبوعہ یورپ سنہ ۱۹۰۹ء۔

[2] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۱۳۔

اِس موقع کے متعلق بیان کی جاتی ہیں، اُس موقع کے حالات کے لحاظ سے ایک جگہ مجملاً بیان کی گئی ہیں، تو دوسری جگہ اُن کا بیان بالتفصیل موجود ہے۔ ابن ہشام نے یہ بیان کیا ہے کہ "زید بن حارثہؓ نے قیس بن مُسحّر کو اُمّ قرفہ کے قتل کا حکم دیا تھا، پس اُس نے اُس کو سختی سے قتل کیا (اصل الفاظ "قَتْلاً عَنِيفًا" ہیں۔ جن کا ترجمہ ہے "سخت قتل" دیکھو ابن ہشام صفحہ ۹۸۰)۔ مؤرخ موصوف نے یہ نہیں لکھا کہ جب وہ اس خوفناک سفارت (قتل اُمّ قرفہ) کو پورا کر کے واپس آیا تو آنحضرتؐ کو اس امر کی بابت اطلاع بھی دی گئی ہو۔ میں خیال کرتا ہوں کہ لفظ "عنیف" بمعنی شدید و درشت جو مؤرخ نے دراصل استعمال کیا تھا، ممکن ہے کہ اسی لفظ کی وجہ سے بڑھتے بڑھتے دو اُونٹوں سے باندھ کر قتل کرنے کی کہانی بن گئی ہو یعنی لفظ "عنیف" پر دور از کار شرحیں اور حاشیے چڑھانے سے مذکورہ بالا حکایت گھڑی گئی ہو۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔ ایک اور روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اُس کو دو گھوڑوں کی دُموں سے باندھا گیا تھا (دیکھو قسطلانی شرح بخاری جلد ششم صفحہ ۳۱ طبوعہ لکھنؤ یا مطبوعہ مصر صفحہ ۳۶۵)۔

۲۔ قزّاقان عرنہ

۳۷۔ بعض قزّاقان عرنہ نے، جو حال ہی میں اسلام لائے تھے، مدینہ کے اُونٹ لئے تھے، اور راعی (نگہبان کو جس کا نام یسار تھا) کے ساتھ سخت بیرحمی کا سلوک کیا تھا، کیونکہ انہوں نے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے تھے اور اس کی زبان اور آنکھوں میں نوکدار برچھی کی انیاں چبھوئی تھیں، یہاں تک کہ وہ جان بحق ہوا۔ کرز بن جابر فہری نے

قزّاقان عرنہ

قزّاقوں کا تعاقب کیا اور اُن کو گرفتار کر کے قتل کیا۔ سر ولیم میور کہتے ہیں کہ:-

"وہ موت کے سزاوار تھے، مگر جس طریقہ سے اُن کو موت کی سزا دی گئی وہ وحشیانہ

"اور بیرحمانہ تھا۔ آٹھ آدمیوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے گئے، اور اُن کی آنکھیں نکالی

"گئیں۔ ان بدنصیب اعراب کے بیڈول جسموں کو جن کی آنکھیں نکالی گئی تھیں، الغابہ

"کے میدان میں سولی پر چڑھایا گیا، یہاں تک کہ ان کا دم نکل گیا"۔[1]

چونکہ ان قزّاقوں نے نگہبان کے ہاتھ پاؤں کاٹے تھے۔ اس وجہ سے یہ بات مشہور ہو گئی کہ انتقام کے طور پر اُن کے ساتھ بھی ہاتھ پاؤں کاٹے جانے کا سلوک کیا گیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ؐ نے مُثلہ بنانے (یعنی ہاتھ پاؤں ناک کان وغیرہ اعضاء کے قطع کئے جانے) کا حکم کسی حالت میں بھی نہیں دیا۔ اس دستور سے آنحضرت ؐ کو اس قدر نفرت تھی کہ مختلف ذریعوں سے اس مضمون کی متعدد حدیثیں آپ سے مروی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے مُثلہ بنانے کی ممانعت فرمائی ہے، اس بنا پر کہ مبادا خدا

[1] دیکھو میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۱۹۔ بخاری پارہ ۲۱ صفحہ ۱۲۱ طبع لاہور میں یہ حکایت انس سے روایت کی گئی ہے، مگر انس اس امر کا گواہ نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت ؐ نے اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹے جانے کا حکم دیا ہو۔ کیونکہ انس خیبر کی مہم تک آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا تھا۔ اور اُن قزّاقوں کا قتل اس سے پہلے واقع ہوا تھا (یعنے شوال ۶ھ کو۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۶۷) ابن مردویہ کی کتاب میں اسی مضمون کی وہ حکایت بھی جو جابر سے مروی ہے، مُعتبر نہیں ہے۔ کیونکہ جابر جس کا بیان یہ ہے کہ مجھے آنحضرت ؐ نے قزّاقوں کے تعاقب کے لئے بھیجا تھا اور میں نے یہ کام کیا تھا، اس وقت تک مسلمان نہیں ہوا تھا۔ قسطلانی مصنّف مواہب نے ابن جریر طبری کی روایت کو جو اس بارہ میں بیان کی گئی ہے نامُعتبر یعنے "ضعیف" لکھا ہے۔ (دیکھو زرقانی شرح مواہب جلد دوم صفحہ ۱۴۱ مطبوعہ مصر)۔

کا حکم مجھے مُثلہ بنائے جانے کے لئے جاری ہوئے[1]۔

۴۷۔ سر ولیم میور اس کے آگے یہ لکھتے ہیں:۔

باضابطہ انتظام مجلس کے نہ ہونے کی وجہ سے قطع عضو یا جلاوطنی کی سزا عارضی طور پر بجائے قید کے تجویز کی گئی تھی۔

"غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد (صلعم) کو یہ سزا حدود انسانیت
"سے متجاوز معلوم ہوئی، چنانچہ آپ نے ایک الہام شائع کیا جس
"میں سزائے قتل کو محض موت یا پھانسی تک محدود کیا۔ مگر قطع
"ید اور قطع رجل کی منظوری ایک سزا کی حیثیت سے دی گئی ہے
"اور سرقہ کے جرم میں بھی قطع ید کو ایک مناسب سزا قرار دیکر
"اس کی تاکید کی گئی ہے، خواہ مجرم مرد ہو یا عورت۔ چنانچہ یہ وحشیانہ دستور تمام
"اسلامی دُنیا میں جاری ہے، مگر آنکھیں نکال لینا شرعی سزاؤں میں داخل نہیں
"سمجھا گیا"[2]

رہزنی، ڈکیتی اور سرقہ بذریعہ نقب زنی، ان سنگین جرائم کے لئے متبادل سزائیں تجویز کی گئی تھیں اور وہ یہ تھیں:۔

(۱) سزائے موت (۲) قطع عضو (۳) جلاوطنی (دیکھو سورہ مائدہ ۵۔ آیات ۳۷-۴۲)۔ یہ سزائیں واقعات جُرم کے موافق مقرر کی گئی تھیں پچھلی دو سزائیں عارضی قسم کی تھیں، اور جیل خانوں اور قید خانوں کا باضابطہ انتظام نہ ہونے کی وجہ سے بجائے قید کے رکھی گئی تھیں۔ جب اسلامی جمہوریت بالکل ابتدائی حالت میں تھی، اس زمانہ میں حملہ آور قریش اور اُن کے مددگاروں

---

[1] ابن ہشام نے دیکھو صفحہ (۷۶۳ مطبوعہ یورپ سنہ ۱۸۶۰ء) ابن اسحاق سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے سہیل بن عمرو کو مثلہ بنانے کے لئے اجازت طلب کی۔ مگر آنحضرت صلعم نے جواب دیا میں اُس کو مُثلہ نہیں بناؤں گا، اگر میں ایسا کروں تو اللہ تعالیٰ مجھے مثلہ بنا دیگا۔ اگرچہ میں پیغمبر ہوں۔" شرح معانی الآثار جلد ۲ صفحہ ۱۰۴ مصنفہ امام طحاوی مطبوعہ کانپور سنہ ۱۳۰۱ھ۔

[2] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۱۹۔

کی چڑھائیوں اور لڑائیوں نے وہ مصیبت برپا کر رکھی تھی کہ مدینہ میں حفظ جان اور امن و اطمینان کی حالت باقی نہیں رہی تھی، اور ایسی انتظامی تجاویز عمل میں نہیں لائی جاسکتی تھیں، جن کے ذریعے سے جیل خانوں کی عمارت، حفاظت اور استقامت اور جیل خانوں کے عملہ اور قیدیوں کا انتظام کیا جاسکے جب اسلامی جمہوریت میں جیل خانے قائم ہوگئے اُسی وقت قطع عضو اور جلا وطنی کی بجائے قید کی سزا مقرر ہوگئی۔ چونکہ اسیرانِ جنگ عام مجرموں میں داخل نہیں ہیں، اس لئے آنحضرتؐ اُن کو بعض اہل مدینہ کے سپرد کر دیتے تھے، جیسا کہ جنگ بدر کے اسیروں کو آپ نے سپرد کیا تھا، تاکہ وہ اُن لوگوں کو بطور مہمان کے اپنے گھروں میں رکھیں، کیونکہ اُن کو نظر بند رکھنے کے لئے قید خانے نہ تھے) رہے دیگر مجرم، یعنی رہزن، قزاق، ڈاکو اور نقب زن اُن کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا جاسکتا تھا، اور ایسی مہمان نوازی سے اُن کی خاطر و مدارات نہیں کی جاسکتی تھی۔ پس اُن کے لئے کوئی چارہ نہ تھا بجز اس کے کہ یا تو ایسے مجرموں کو جلا وطن کیا جائے، یا قطع عضو کی صورت میں اُن کو جسمانی سزا دی جائے۔[۱]

۳۔ کنانہ بن الربیع کی عقوبت

۷۵۔ مؤرخین کا بیان یہ ہے، (اور سر ولیم میور کے الفاظ حسب ذیل ہیں) کہ:۔

کنانہ کی عقوبت

"کنانہ، جو یہودیان خیبر کا سردار تھا، اُس نے اور اُس کے چچازاد بھائی نے برخلاف

[۱] آنریبل سید احمد خاں بہادر سی۔ آئی۔ ای نے اپنی تفسیر القرآن جلد دوم میں اس مضمون پر قابلیت کے ساتھ پوری بحث کی ہے۔ دیکھو سورۂ مائدہ ۵۔ آیت ۳۶ کی تفسیر صفحات ۱۹۸-۲۰۴ مطبوعہ علی گڑھ ۱۸۸۲ء۔

"اپنے معاہدہ کے اپنی دولت کا ایک حصہ روک لیا تھا (یعنے مسلمانوں کے حوالہ نہیں کیا
"تھا) - جب اس اقدام فریب دہی کا حال معلوم ہوا تو کنانہ بن الربیع کو بیرحمانہ سزا
"دی گئی، یعنے اُس کے سینہ پر آگ رکھی گئی، اس اُمید پر کہ وہ اس بات کا اقرار کرلے
"کہ باقیماندہ خزانہ فلاں مقام پر چھپایا گیا ہے - پھر محمد (صلعم) نے حکم دیا اور اُس سردار
"اور اس کے چچازاد بھائی کے سراُن کے جسموں سے قلم کیے گئے"[1]

کنانہ سے استحصال بالجبر کرنے اور اس کو کچھ خزانہ چھپانے کی پاداش میں قتل کرنے کی داستان سراسر جھوٹی اور مصنوعی ہے - کنانہ نے **محمد بن مسلمہ** کے بھائی **محمود** کو دغابازی سے قتل کیا تھا، اور اسی لئے وہ بطور قصاص قتل کیا گیا - اور قتل کے لئے **محمد بن مسلمہ** کے سپرد کیا گیا - (ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۶۹)

ایک بے سند روایت اس مضمون کی بیان کی گئی ہے کہ **زبیر بن العوام**، **کنانہ بن الربیع** کے سینہ پر چقماق اور فولاد کے ذریعہ سے آگ نکال رہا تھا - اگر یہ قصہ صحیح ہے تو بھی اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ آنحضرت صلعم کے حکم اور آپ کی منظوری سے ایسا کیا گیا ہو - برعکس اس کے **متعدد حدیثیں** خود آنحضرت صلعم سے مروی ہیں، جن میں آپ نے کسی شخص کو آگ سے سزا دینے کی ممانعت فرمائی ہے - **بخاری** نے عبداللہ بن عباس رض سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "صرف خدا آگ کا عذاب دے سکتا ہے" - **ابوداؤد** نے عبداللہ بن عباس رض سے یہ بھی روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "عذاب النار کسی شخص کو نہیں دینا چاہیئے - ایسا عذاب دینا مالک نار (خدا تعالی) ہی کا کام ہے"[2]

---

[1] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد ۴ صفحہ ۶۸ - [2] دیکھو مشکوٰۃ کتاب انتقام صفحات ۳۰۳-۳۰۴ - یا بخاری صفحہ (۱۰۲۳) مطبوعہ کانپور سنہ ۱۳۰۵ ہجری - کنانہ بن الربیع کو محمد بن مسلمہ نے قتل کیا تھا - حضرت زبیر نے قتل نہیں کیا - زرقانی جلد ۲ صفحہ ۲۷۰ - سیرت حلبی جلد ۳ صفحہ ۱۶۱ مطبوعہ مصر - عیون الاثر قلمی نایاب مخزونہ کتب خانہ آصفیہ صفحہ ۲۰۶ م - مشکوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۱۹ مطبوعہ لاہور - مغازی واقدی صفحہ ۲۱۶ مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۸۵۶ء -

(تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۹۳)۔

۴۔ ایک مغنیہ کا قتل

۷۶۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں :۔

ایک مغنیہ کا اتفاقی قتل۔

"وہ اُس عام معافی نامہ اور اعلان امن سے جو اہل مکہ کو دیا گیا تھا۔

"آنحضرتؐ نے دس بارہ [۱۲] آدمیوں کو مستثنےٰ کیا۔ مگر ان میں سے صرف

"چار آدمیوں کو درحقیقت قتل کیا گیا تھا ...... اگلے دو شخص وہ تھے جو اسلام

"سے مرتد ہو گئے تھے، جو مدینہ میں خونریزی کر کے مکہ کی طرف بھاگ کر چلے گئے تھے، اور

"حلفاً اسلام کو ترک کر چکے تھے۔ یہ دو نو قتل کئے گئے، اور ایک جاریۂ مغنیہ بھی جو اُن

"میں سے ایک شخص کی ملکیت تھی قتل کی گئی، یہ عورت ہجو آمیز اشعار کے ذریعہ سے

"پیغمبر (صلعم) کو ایذا دینے کی عادی تھی۔

"اُن کے نام عبد اللہ بن خطل[۱] اور مقیس بن صبابہ[۲] تھے۔ کہتے ہیں کہ پہلا شخص یعنے

"عبد اللہ بن خطل قتل عمد کا مرتکب ہوا تھا، اور دوسرے شخص (یعنے مقیس بن صبابہ)

"سے قتل بلا ارادہ سرزد ہوا تھا۔ عبد اللہ بن خطل کے پاس دو مغنیہ عورتیں تھیں۔ ان

---

[۱] عبد اللہ بن خطل مسلمان ہو گیا تھا۔ آنحضرتؐ نے ایک انصاری اور ایک مسلمان غلام کے ساتھ صدقہ وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ راستہ میں اس نے اپنے غلام کو کھانا پکانے کا حکم دیا۔ غلام اتفاقاً سو گیا اور کھانا پکانا بھول گیا اس خطا پر اس نے غلام کو قتل کر ڈالا اور مرتد ہو کر فرار ہو گیا تھا۔ (ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۱۹۰-۱۹۱- مطبوعہ یورپ۔ تاریخ الخمیس صفحہ ۹۰ جلد دوم مطبوعہ مصر)۔

[۲] مقیس بن صبابہ کے بھائی ہشام بن صبابہ کو ۶ھ میں غزوہ بنی مصطلق (مریسیع) کے دوران میں ایک انصاری نے مشرک سمجھ کر غلطی سے قتل کر ڈالا۔ چند روز کے بعد ہشام کا بھائی مقیس بن صبابہ مسلمان ہو گیا اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے مقتول بھائی کی دیت کا طالب ہوا۔ آنحضرتؐ نے دیت کا حکم دیا۔ دیت لینے کے بعد مقیس نے اس انصاری کو (جس نے اسکے بھائی کو قتل کیا تھا) مار ڈالا اور مکہ کو فرار ہو گیا اور مرتد ہو گیا۔ فتح مکہ کے بعد آنحضرتؐ نے جن باغیوں کے قتل کا حکم جاری فرمایا تھا منجملہ ان کے یہ مقیس بن صبابہ بھی تھا۔ مقیس اس خبر کو سُن کر چھپ گیا مگر نمیلہ بن عبد اللہ کنانی کو پتہ چل گیا اور اُس نے اُس کا کام تمام کر دیا۔ (ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۴۶، ۱۴۸-۱۹۰ مطبوعہ یورپ۔ تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۹۲ مطبوعہ مصر)

"دونو کے لئے سزائے موت کا حکم صادر ہوا، مگر ایک بچ نکلی، اور بعد ازاں رحم کر کے اس
"کی جان بخشی کی گئی، دوسری عورت کا قتل کیا جانا، اس موقع پر محمد (صلعم) کا بدترین
"فعل تھا (معاذ اللہ) جس کے آپ مرتکب ہوئے[1]"

عبداللہ بن خطل ایک نہایت بیرحمانہ قتل عمد کا مرتکب ہوا تھا، اور اغلب یہ ہے کہ وہ جاریہ مغنّیہ بھی، جس کا وہ مالک تھا اس کے جرم میں شریک تھی۔ اس عورت کا قتل اس بنا پر تھا کہ وہ اس فعل قبیح (قتل عمد) کے ارتکاب میں شریک جرم یا معین و مددگار تھی۔ لہٰذا اُس کا قتل ازروئے قانون جائز اور حق بجانب تھا۔ پس اس قتل کو بدترین فعل کیوں سمجھا جاتا ہے[2]؟ آنحضرت ؐ کو صنف ضعیف (عورات) کا بہت ہی زیادہ خیال رہتا تھا، اور لڑائیوں میں آپ نے تاکید کی تھی کہ "عورتوں کو قتل نہ کیا جائے" (بخاری کتاب الجہاد صفحہ ۴۲۳ مطبوعہ کانپور ۱۳۰۵ ہجری۔ اور مشکوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۱۰۱ مطبوعہ لاہور)، مگر قانون نے زن و مرد کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا، یعنے مرد اور عورت دونو بلحاظ استحقاق اپنے اپنے جرم کی سزا کے مستوجب ہیں۔

آنحضرت ؐ کا اپنے دشمنوں کے ساتھ فیاضانہ سلوک

۷۷۔ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ؐ کی عالی ہمتی، رحم اور عفو و درگزر کی مثال نہایت عجیب و غریب تھی مسٹر سٹینلے لین پول اپنی ذاتی فہم و فراست سے حسب ذیل لکھتے ہیں:۔

"مگر آخری سنگِ محراب ہجرت کے آٹھویں سال (۶۳۰ء) میں نصب کیا گیا، (یعنی اس سنہ

---

[1] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۱۳۱ فٹ نوٹ۔ اس مضمون کی پوری تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ الخمیس جلد دوم صفحہ ۹۰ تا ۹۴ مطبوعہ مصر۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۸۶ مطبوعہ یورپ۔ ابن ہشام صفحہ ۸۱۹ مطبوعہ یورپ۔
[2] ابن ہشام صفحہ ۸۱۹۔

"سب کام مکمل ہو گیا) جبکہ قریش کی ایک جماعت بنو بکر نے مسلمانوں کے ایک مددگار قبیلہ
"بنی خزاعہ پر حملہ کر کے صلح حدیبیہ کو توڑا اور محمد (صلعم) نے دس ہزار آدمیوں کو ہمراہ لیکر
"جانب مکہ کوچ کیا، اور چونکہ قریش کو اپنے بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہ آئی تھی لہٰذا شہر
"مکہ فتح ہو گیا۔ اب وقت تھا کہ پیغمبر (صلعم) خونخوارانہ فطرت کا اظہار کرتے۔ آپ کے
"قدیم ایذا دہندے (قریش) آپ کے قدموں میں آپڑے ہیں۔ کیا آپ اس وقت
"اپنے بیرحمانہ طریقہ سے اُن کو پامال کریں گے، سخت عقوبت میں گرفتار کریں گے، یا
"اُن سے انتقام لیں گے؟

"یہ وقت اُس شخص کے اپنے اصلی رنگ میں ظاہر ہونے کا ہے۔ اس وقت ہم
"ایسے مظالم کے پیش آنے کے متوقع ہیں، جن کے سُننے سے بدن پر رونگٹے کھڑے
"ہوں، اور جن کا خیال کر کے اگر ہم پہلے ہی سے نفرین و ملامت کا شور وغل مچائیں
"تو بالکل بجا ہو۔

"مگر یہ معاملہ کیا ہے؟ کیا بازاروں میں کوئی خونریزی نہیں ہوئی؟ ہزار مقتولوں کی
"لاشیں کہاں ہیں؟ واقعات سخت اور بے ہیئت ہوتے ہیں (کسی کی رورعایت نہیں کرتے)
"اور یہ ایک واقعی بات ہے کہ جس دن آنحضرت ؐ کو اپنے دشمنوں پر عظیم ترین فتح حاصل
"ہوئی، وہی دن آپ کو اپنے نفس پر سب سے زیادہ عالی شان فتح حاصل کرنے کا دن
"بھی تھا۔ قریش نے سالہا سال تک جو کچھ رنج اور صدمے دئیے تھے، اور بیرحمانہ تحقیر و
"تذلیل کی مصیبت آپ پر ڈالی تھی، آپ نے کُشادہ دلی کے ساتھ اُن تمام باتوں سے
"درگذر کی، اور مکہ کے تمام باشندوں کو ایک عام معافی نامہ دے دیا۔ جب محمد (صلعم)
"اپنے شدید ترین دشمنوں کے شہر میں بحیثیت ایک فتحمند کے داخل ہوئے، تو صرف
"چار مجرم، جو از روئے انصاف قصوروار قرار دے گئے تھے، واجب القتل اشخاص کی

لہ ابن ہشام صفحہ ۸۰۲۔

"فہرست میں داخل کیے گئے۔ فوج نے آپ کی مثال کی تقلید کی اور خاموشی اور امن "امان کے ساتھ شہر میں داخل ہوئی۔ نہ کوئی مکان لوٹا گیا اور نہ کسی عورت کی بے حرمتی "کی گئی۔"[1]

۵۔ ابو بصیر عتبہ بن اسید ابن جاریہ

۷۸۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ:۔

آنحضرت ؐ نے صلح نامہ حدیبیہ کے خلاف ابو بصیر کی کوئی حمایت نہیں کی۔

"پیغمبر (صلعم) نے ایک قطاع الطریق (رہزن) مسمّٰے "ابو بصیر کی رعایت و پاسداری ایسے طریقہ سے کی جو "صلح نامہ حدیبیہ کے الفاظ سے بشکل مطابقت رکھتی تھی، اور اس کے مضمون کے خلاف "تو یقیناً تھی۔"[2]

عہد نامۂ حدیبیہ جو قریش اور آنحضرت ؐ کے درمیان ہوا تھا اُس کی ایک شرط تھی کہ اگر کوئی شخص اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر آنحضرت ؐ کے پاس چلا جائے گا تو وہ اُس کے پاس واپس بھیج دیا جائے گا۔[3] تھوڑے عرصہ بعد ایک مسلمان مسمّٰی ابو بصیر (جس کا پورا نام عتبہ ابن اسید ابن جاریہ ہے) جو مکہ میں مقید تھا۔ بھاگ کر مدینہ چلا آیا۔ ازہر بن عبد عوف اور اخنس بن شریق جو اس کے سرپرست تھے، انہوں نے دو نوکروں کو ایک خط دے کر آنحضرت ؐ کی خدمت میں بھیجا اور اُن کو یہ ہدایت کی کہ فراری کو اس کے گھر واپس لے آئیں۔ آنحضرت ؐ نے فوراً تسلیم کیا کہ ابو بصیر کو حوالے کر دینا ہمارا فرض ہے اگرچہ اس نے عذر کیا اور واپس جانے سے انکار کرنے کا سبب یہ بتایا کہ مجھے

---

[1] دیکھو "انتخاب قرآن" مصنفہ سٹینلے لین پول کا مقدمہ صفحہ ۷، مطبوعہ لندن شرنبر اینڈ کو ۱۸۷۹ء۔

[2] سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۳۰۔ [3] ابن ہشام صفحہ ۷۴۷، مطبوعہ یورپ۔ تیسر محمدی جلد ۴ صفحہ ۳۰۔ ابن ہشام صفحہ ۷۵۱۔

مکہ میں قریش کے ظلم و ستم کی تکلیفیں اُٹھانی پڑتی تھیں مگر آنحضرت م نے یہ حجت پیش کی کہ شرائط صُلح کا توڑنا میرے لئے زیبا نہیں ہے اور ہمارے مذہب میں وعدہ خلافی اور غدر جائز نہیں ہے۔ اور **ابو بصیر** کو مکہ روانہ ہونے پر مجبور کیا گیا، مگر وہ صرف چند ہی میل گیا تھا کہ اس نے بمقام ذوالحلیفہ اُن ملازموں میں سے جن کی حراست میں تھا، ایک کی تلوار دھوکے سے چھین کر اُس کو قتل کر ڈالا، دوسرا ملازم مدینہ کو واپس بھاگ گیا، اور **ابو بصیر** بھی اُس کے پیچھے وہیں پہنچا۔ جب دوسرا شخص واپس آیا تو اس نے (ابو بصیر نے) یہ بحث اٹھائی کہ پیغمبر (صلعم) مجھے قریش کے حوالہ کر کے پہلے ہی عہد نامہ کی شرط کو حرف بہ حرف پورا کر چکے ہیں، مگر آنحضرت م نے جواب دیا، " اس شخص کی ماں کے حال پر افسوس (جس کا بیٹا ایسا نالائق نکلا!) اگر اس کے ساتھ کوئی شخص ہوتا تو یہ لڑائی کی آگ کو کیا کچھ بھڑکا دیتا"! جب **ابو بصیر** نے یہ سُنا تو وہ سمجھ گیا۔ کہ آنحضرت م اُس کو اُس کے سرپرستوں[1] یعنے قریش کے پاس دوبارہ واپس بھیجنے والے ہیں، لہٰذا وہ ساحل سمندر کی طرف بمقام العیص چلا گیا، اور وہاں اور لوگوں کے ساتھ شامل ہو کر، جو مکہ کی قید سے نکل کر اس کے ساتھ آ ملے تھے، مکہ کے قافلوں کو لوٹا کرتا تھا۔" (ابن ہشام صفحہ ۷۵۲ مطبوعہ یورپ - ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۵۷)۔

اس داستان سے جس کو مجمل طور پر **ابن اسحاق** نے بھی بیان کیا ہے، اور **ہشامی**، **زرقانی** اور **ابن القیم** نے زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت م نے صلح نامہ حدیبیہ کے الفاظ اور مضمون کی خلاف ورزی کی

---

[1] دیکھو زرقانی شرح مواہب لدنیہ جلد دوم صفحہ ۲۲۴ مطبوعہ مصر - زاد المعاد ابن قیم جلد اول صفحہ ۳۷۶ مطبوعہ کانپور ۱۲۹۸ھ - سیرت محمدیہ از محمد کرامت علی صاحب دہلوی کتاب سیرت محمدیہ، سیرت حلبی اور سیرت شامی سے جمع کی گئی ہے۔

کی تھی۔

آنحضرتؐ نے ابو بصیر کی رعایت و پاسداری ہرگز نہیں کی بلکہ اس کے خلاف عہد نامہ حدیبیہ کی شرائط کے موافق اُس کو قریش کے حوالے کر دیا تھا۔ اور جب وہ واپس آیا تو اُس کے پاس اس امر کے باور کرنے کی ہر ایک وجہ موجود تھی کہ آنحضرتؐ اُس کو دوبارہ اُسی جگہ بھیج دیں گے، جہاں سے وہ آیا تھا، مگر معلوم ہوتا ہے کہ ابو بصیر ساحل سمندر کی طرف بمقام العیص چلا گیا تھا، جو آنحضرتؐ کے علاقہ سے باہر تھا اور بالکل لب ساحل واقع ہوا تھا، اور وہاں سے گرفتار کر کے اس کو مکہ واپس بھیجنا آنحضرتؐ کا فرض نہ تھا، درانحالیکہ وہ آپ کے پاس موجود نہ تھا بلکہ آپ کے علاقہ سے باہر تھا۔ جبکہ آنحضرتؐ نے ایک دفعہ اس کو اُن لوگوں کے حوالے کر دیا جو اس کو واپس لے جانے کے لئے مدینہ بھیجے گئے تھے، اور پھر اس کو دوبارہ حوالے کئے جانے کا مطالبہ بھی نہیں کیا گیا، تو ایسی حالت میں اگر آنحضرتؐ اس کو مدینہ میں اپنے پاس ہی رہنے دیتے، تو میں خیال کرتا ہوں کہ اہل عرب کے قانون بین الاقوام یا خود عہد نامہ حدیبیہ کی شرائط کے بموجب بھی آنحضرتؐ پر انصافاً کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا تھا۔

۶۔ مددگاران قریش جنہوں نے مدینہ کا محاصرہ کیا تھا، اُن کے جتھے کو توڑنے کے لئے نعیم بن مسعودؓ کا تقرر

آنحضرتؐ نے دشمن کے کیمپ میں جھوٹی خبریں شائع کرنے کے لئے نعیم بن مسعود کو مقرر نہیں کیا تھا

۷۹۔ جب قریش اور اُن کے جتھے نے چند روز تک مدینہ

[1] ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۳۹ — ابن ہشام صفحہ ۷۸۱۔

کا محاصرہ کیا (یوم خندق کی طرف اشارہ ہے) تو مدینہ کی فوج کو شہر کی حفاظت اور جنگ کے لئے ہر وقت تیار رہنا پڑتا تھا، اور چونکہ اس فرض کا بار روز بروز بڑھتا جاتا تھا، اس لئے اسلامی فوج سخت پریشان اور درماندہ ہو گئی تھی۔ ایک شخص مسمیٰ **نعیم بن مسعود** نے، جو ایک ایسے قبیلہ عرب سے تھا، جس کا تعلق نہ تو مسلمانوں سے تھا اور نہ قریش سے، یہ بیان کیا کہ میں خفیہ طور پر دل میں مسلمان ہوں اور پیغمبر اسلام صلعم کی خدمت میں عرض کی کہ میں اس موقع پر کچھ خدمت انجام دینی چاہتا ہوں، آنحضرت صلعم نے اس بات کو منظور کیا، اور اس کو اس غرض سے مقرر کیا کہ اگر ممکن ہو تو مددگاران قریش (احزاب یعنے گروہ) کو محاصرہ سے باز رکھے اور یہ کہا کہ "لڑائی واقعی دھوکے کا کھیل ہے"۔ **نعیم** نے یہود اور قریش کے درمیان باہمی بے اعتباری کی تحریک پیدا کی۔ اس نے یہودیوں سے کہا کہ تم آنحضرت کے برخلاف جنگ نہ کرنا تاوقتیکہ اس امر کی ضمانت نہ ہو جائے کہ قریش تمہارا ساتھ نہ چھوڑیں گے اور اُول (رہن) کے طور پر اپنے کچھ آدمی تمہارے حوالے نہ کر دیں اور قریش سے یہ کہا کہ یہودی اُول کے طور پر تمہارے آدمی لینا چاہتے ہیں "تم اپنے آدمی اُنہیں نہ دینا، اُنہوں نے آنحضرت صلعم سے وعدہ کر لیا ہے کہ اُن لوگوں کو قتل کرنے کے لئے آپ کے حوالے کر دیں گے"[1]۔

یہ ایک روایت ہے، اور **دوسری روایت** اس مضمون کی ہے کہ خود یہودیوں نے اُول (رہن) کی درخواست کی تھی، مگر قریش نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ کہ **نعیم** نے یہودیوں کے پاس آکر کہا کہ جب تمہارا قاصد اُول کے مطالبہ کے لئے آیا تھا، میں وہاں **ابوسفیان** کے پاس موجود تھا اور **ابوسفیان** تمہارا مطالبہ پورا کرنے والا نہیں ہے[2]۔

[1] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد ۳ صفحہ ۲۶۰ و ابن ہشام صفحہ ۶۸۱۔ [2] سیرت حلبی یا انسان العیون جلد ۲ صفحہ ۹ مطبوعہ مصر ۱۲۸۰ھ۔

ایک تیسری روایت واقدی کی کتاب مغازی الرسول کے ضمیمہ میں بیان کی گئی ہے، جو معتمر بن سلیمان بن طرخان کا لکھا ہوا ہے، اس میں یہ حکایت مطلق بیان نہیں کی گئی، بلکہ ایک بالکل مختلف بیان اس مضمون کا ہے کہ مسلمانوں کے لشکر میں قریش کا ایک جاسوس تھا، جس نے عبداللہ بن رواحہ کو یہ کہتے سنا تھا کہ یہودیوں نے قریش سے یہ خواہش کی ہے، کہ ستر آدمی اُن کے پاس بھیج دئیے جائیں، اور جب یہ لوگ پہنچ جائیں گے تو یہودی اُن کو قتل کریں گے۔ نعیم بن مسعود قریش کے پاس گیا جو اُس کے پیغام کا انتظار کر رہے تھے۔ اور جو کچھ سنا تھا اُن سے کہہ دیا، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے[1]

یہ بیان اس کہانی سے جو ابن ہشام اور میور صاحب نے درج کی ہے، بالکل متناقض ہے، مگر بہرکیف اس حکایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت نے نعیم بن مسعود کو جھوٹ بولنے یا فریب دہی کی خبریں شائع کرنے کی اجازت دی تھی۔

۸۰۔ سر ولیم میور کی رائے حق بجانب نہیں ہے، جبکہ صاحب موصوف یہ لکھتے ہیں:۔

قانون بین الاقوام کی بموجب جنگ میں دھوکے کی اجازت

"جھوٹ اور دھوکے کے ذریعے غنیم کی جمعیت کو منتشر کرنے کے لیے نعیم بن مسعود کا تقرر، ہم بے شک پسند نہیں کر سکتے۔ مگر یہ امر عرب کی نگاہ میں آنحضرت کی خصلت پر شاید کوئی مخالف اثر پیدا کر سکے[2]"

آگے چل کر میور صاحب لکھتے ہیں:۔

"جب فوج احزاب (گروہ) نے مدینہ کا محاصرہ کیا تو محمد (صلعم) ایک دغا باز آدمی مسمی نعیم بن مسعود

---

[1] مغازی واقدی صفحہ ۳۶۸-۳۶۹۔ جو زیر اہتمام وان کریمر ۱۸۵۶ء میں بمقام کلکتہ طبع ہوئی ہے۔

[2] سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۲۸۲۔ ابن ہشام صفحہ ۶۷۵۔

"سے مدد لینے کے خواستگار رہوتے، تاکہ وہ جھوٹی اور فریب دہی کی خبریں پہنچا کر دشمنوں میں "(باہمی) بے اعتباری کا بیج بودے، کیونکہ آپ نے کہا تھا کہ لڑائی دھوکے کے کھیل کے "سوا اور کیا ہے؟[1]"

پہلی روایت سے جس کو میور صاحب نے نقل کیا ہے اور جس کے بالکل برعکس ایک دوسری (روایت ایسی ہی قوی موجود ہے) زیادہ سے زیادہ صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ؐ نے عربی کی ایک مشہور مثل "اَلحرب خدعۃ" کا ذکر کر کے جنگ میں "خدع" کو جائز قرار دیا ہے۔ قانون جنگ یا قانون بین الاقوام نے بھی اس امر کی اجازت اور منظوری دی ہے، کیونکہ لڑائی میں دھوکا دینا "جنگی مجبوری" ہے، (جس کے بغیر چارہ نہیں) اور جنگ کے قانون اور رسم و رواج کے بموجب جائز ہے۔

ایک زمانہ حال کا مصنف قانون بین الاقوام کی بابت حسب ذیل لکھتا ہے:-

"جنگی مجبوری اس امر کو جائز رکھتی ہے کہ مسلح دشمن یا دیگر اشخاص جن کی تباہی اتفاقیہ "طور پر ناگزیر ہو، اُن کی جان یا اُن کے اعضائے جسمانی کو علانیہ ضائع و برباد کیا جائے، "جبکہ فریقین بوقت جنگ مسلح ہو کر لڑ رہے ہوں، وہ اس امر کی اجازت دیتی ہے کہ دشمن "کے مال و اسباب کو بالکل ضائع کر دیا جائے، تجارت سفر یا آمد و رفت کی خشکی اور تری کی "راہوں کو مسدود کر دیا جائے، اور خورونوش یا اسباب زندگانی کو اُس سے باز رکھا جائے "اور دشمن کے ملک کا جو کچھ سامان فوج کی رسد یا حفاظت کے لئے ضروری ہو، اس پر اپنا "قبضہ کر لیا جائے، اور اس کو دھوکا دیا جائے جس سے کسی ایسے قول و قرار کی خلاف ورزی "لازم نہ آئے جو دوران جنگ میں معاہدوں کے متعلق یا تو واقعی طور پر فریقین کے درمیان

[1] سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۳۰۸-۳۰۹

"ہو چکا ہو یا جنگ کے قانون جدید کے بموجب اس کا وجود مسلم ہو۔"

۸۱۔ مگر فرض کرو (بفرض محال) کہ زمانہ حال کا اخلاق آنحضرت ؐ کی اس کارروائی کو پسند نہیں کرتا، جو (بقول سر ولیم میور) عرب کی نگاہ میں آنحضرت کی خصلت پر کوئی خلاف اثر مشکل سے پیدا کر سکتی تھی، تو کیا اخلاقی رائے اور قیاس میں اختلافات نہیں ہوتے؟ **اخلاقی اتحاد** جس کی مختلف زمانوں میں توقع رکھی جاتی ہے، وہ معیار یا واقعات کا اتحاد نہیں ہوتا، بلکہ میلان کا اتحاد ہوتا ہے۔

مسٹر لیکی کا اخلاقی معیار

مسٹر لیکی اخلاقی معیار کی بابت لکھتے ہیں:۔

"بعض وحشی اپنے ضعیف والدین کو قتل کر دیتے ہیں، شائستہ قومیں بھی بغیر کسی
"پشیمانی کے قتل اولاد کی مرتکب ہوتی رہتی ہیں: اہل روما میں جو لوگ سب سے بہتر
"تھے اُن کو بھی شمشیر آزمائی کے کرتبوں میں کوئی بات بیجا نہیں معلوم ہوتی تھی پولٹیکل
"(سیاسی) یا انتقامی خونریزیاں صدہا سال سے جائز اور قابل تسلیم سمجھی گئی ہیں۔ غلام
"بنانا بعض اوقات قابل عزت سمجھا گیا ہے، اور بعض اوقات قابل الزام۔ یہ سب واقعات
"اس امر کا قطعی ثبوت ہیں کہ ایک ہی فعل ایک زمانہ میں بے فرر اور دوسرے زمانہ میں
"مجرمانہ سمجھا جا سکتا ہے، لہٰذا یہ امر یقیناً صحیح ہے کہ اگر مؤرخانہ تنقید کی جائے تو اس ظاہری
"بیقاعدگی کی تشریح یا تخفیف اسی طرح ہو سکتی ہے کہ یہ اختلافات خاص خاص حالات کا
"مقتضا ہیں۔ یہ بات اکثر ظاہر کی گئی ہے کہ تیغ آزمائی کے کرتب اولاً انسانی قربانی کی
"ایک شکل تھی، جو مذہبی وجوہ سے اختیار کی گئی تھی۔ چونکہ وحشی لوگ اکثر اور خانہ بدوش
"زندگی بسر کرتے تھے، اور اُن کے لئے اپنے قبیلہ کے عمر رسیدہ اور بیکس اشخاص کی
"حفاظت ناممکن تھی، اس لئے قتل والدین کو قاتل اور مقتول دونو ایک رحمدلی کا کام
"سمجھتے تھے قبل اس کے کہ دادرسی کا ایک کارگر طریقہ باضابطہ طور پر قائم ہو شخصی انتقام کی

[1] دیکھو لیکی کی متفرق تحریرات جلد دوم صفحہ ۲۵۰۔

"جرائم سے محفوظ رہنے کا ذریعہ تھا، اور پولٹیکل طور پر یہی تعدی و دست درازی سے
"بچنے کا وسیلہ تھی۔ بعض وحشیوں کا چوری کے جرم کو محسوس نہ کرنا اس وجہ سے ہے کہ وہ
"اپنی تمام چیزیں مشترک رکھنے کے عادی تھے۔ اہل سپارٹا کا قانون جو چوری کو جائز
"رکھتا تھا، اس کی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ وہ لوگوں میں فنون جنگ کی مہارت پیدا کرنی چاہتے
"تھے، مگر خاص وجہ یہ تھی کہ لوگوں کے دلوں سے دولت جمع کرنے کا خیال دور کرنا چاہتے
"تھے، غلامی کے رواج کا محرک رحمدلی کا خیال تھا تاکہ فاتحین اپنے قیدیوں کو قتل کرنے
"سے باز رہیں۔ یہ تمام باتیں صحیح اور درست ہیں مگر اُن کا ایک اَور جواب بھی ہے جو
"زیادہ تر عام ہے۔ اس امر کی توقع نہیں کی جا سکتی، اور نہ یہ کسی کا دعویٰ ہے کہ اخلاقی
"اصول کے اطلاق کی بابت ہر زمانہ میں لوگ متفق الرائے تھے، البتہ اس بات پر زور
"دیا جاتا ہے کہ یہ اصول ہمیشہ یکساں رہے ہیں۔ جو باتیں ہم کو انتہا درجہ کی سفاکی
"اور ظلم معلوم ہوتی ہیں اُن میں سے بعض باتیں اُسی ہمدردی کے خیال سے دل
"میں پیدا ہوئی تھیں، جس کی خوبی کا تمام زمانوں میں تسلیم کیا جاتا اُن ہی بیرحمیوں کو
"پیش کر کے باطل کیا جاتا ہے۔ اور جہاں یہ صورت نہیں ہے وہاں بھی صرف اسی
"قدر نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ انسانیت کا معیار اُس زمانہ میں بہت ادنےٰ درجہ کا تھا،
"مگر یہ بات بہرحال تسلیم کی جاتی تھی کہ انسانیت اور رحمدلی ایک نیکی ہے اور ظلم ایک
"بدی ہے"[1]

قتل یہود کی بابت ادعائی اجازت

۸۲۔ آنحضرتؐ کے بعض تذکرہ نویسوں نے بیان کیا ہے اور یورپ کے بعض

ابن سنینہ کا قتل

تذکرہ نویسوں نے سرگرمی سے نقل کیا ہے کہ "کعب ابن اشرف

[1] دیکھئے یورپین اخلاق کی تاریخ از مسٹر لیکی "از ولیم ایڈورڈ ہارٹ پول لیکی ایم اے جلد اول صفحات ۱۰۱-۱۰۲

کے قتل کے بعد اگلی صبح کو محمد (صلعم) نے اپنے اصحاب کو عام اجازت دیدی تھی کہ جو کوئی یہودی تم کو اتفاق سے کہیں مل جائے، تم اُس کو قتل کر دو[1]" اور یہ کہ ایک مسلمان محیصہ نامی کا ایک یہودی سوداگر ابن سنینہ کو قتل کرنا اسی حکم کا بلاواسطہ نتیجہ تھا۔ سر ولیم میور اس کے آگے یہ لکھتے ہیں :-

"جب حویصہ نے محیصہ کو اپنے بھتیجے کے آدمی یعنے ایک یہودی کو قتل کر کے اُس
"کی دولت پر قبضہ کر لینے کی وجہ سے ملامت کی تو محیصہ نے جواب دیا تھا! جس نے مجھے
"اُس یہودی کے قتل کا حکم دیا تھا، اگر وہ مجھے تیرے قتل کا بھی حکم دیتا تو میں ایسا ہی کرتا
"حویصہ نے کہا، میں! کیا تو محمد (صلعم) کے حکم پر اپنے ہی بھائی کو قتل کر دیتا۔ اس خبطی
"(متعصب) نے جواب دیا، ایسا ہی کرتا۔ حویصہ نے جواب دیا، درحقیقت یہ عجیب بات
"ہے، کیا یہ نیا مذہب اس حد تک پہنچ گیا ہے؟ واقعی یہ عجیب وغریب دین ہے، اور
"حویصہ اسی وقت سے مسلمان ہو گیا[2]"

ابن اسحاق لکھتا ہے کہ یہ داستان قبیلۂ بنی حارثہ کے ایک آزاد کردہ غلام نے مجھ سے بیان کی تھی، اور اس نے محیصہ کی بیٹی سے روایت کی ہے، جس نے اپنے باپ سے اس کو سُنا تھا[3]۔

(۱) اب سُنئیے کہ اس پُراسرار شخص (بنی حارثہ کے آزاد کردہ غلام) کا حال بالکل معلوم نہیں ہے، لہذا اس داستان پر کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) قاتل جس کا نام ابن ہشام نے محیصہ بیان کیا ہے۔ اُس کی بیٹی کی بابت ہم کو کوئی علم نہیں ہے۔

---

[1] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۱۲۸۔ ابن ہشام صفحہ ۵۵۳۔
[2] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۱۲۹ یا مغازی واقدی صفحہ ۱۹۱۔
[3] ابن ہشام صفحہ ۵۵۴۔

(۳) خود محیصہ کی خصلت ایسی قابل عزت نہیں ہے کہ اُس کے بیان کو ذرا بھی سچا اور قابل اعتماد قرار دیا جا سکے ۔

(۴) آخر میں ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ جو داستان بیان کی جاتی ہے کہ آنحضرت نے اپنے اصحاب کو عام اجازت دیدی تھی کہ جو یہودی کہیں ملے اُس کو قتل کر دیا جائے، اور اسی لئے محیصہ نے ابن سنینہ کو قتل کر دیا تھا، اور حویصہ نے اسلام قبول کر لیا تھا، اس حکایت کے خلاف ایک اور روایت ابن ہشام نے (صفحہ ۵۵۴ لغایت ۵۵۵ پر) بیان کی ہے، جس نے ابو عبیدہ سے روایت کی ہے، اور ابو عبیدہ نے ابی عمرو المدنی سے روایت کی ہے کہ قتل بنی قریظہ کے دوران میں (دیکھو فقرہ ۶۸ کتاب ہذا) ایک شخص مسمّی کعب بن یہوذا کو قصاص کے لئے محیصہ کے سپرد کیا گیا تھا۔ جب اس نے مجرم کو قتل کیا تو حویصہ نے جو ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا اپنے بھائی کو ملامت کی محیصہ نے جواب دیا کہ "جس نے مجھے اس یہودی کے قتل کا حکم دیا تھا، اگر وہ تیرے قتل کا بھی حکم دیتا تو میں تجھے بھی قتل کر ڈالتا" حویصہ اپنے بھائی کے جواب پر بالکل حیران رہ گیا، اور متعجب ہو کر چلا گیا۔ رات کے وقت وہ بار بار بیدار ہوتا تھا، اور اس بات پر تعجب کرتا تھا کہ اس کا بھائی دین اسلام کا کیسا پکا جان نثار اور وفادار ہے۔ صبح کو اس نے کہا کہ "واللہ! یہ عجیب و غریب دین ہے"۔ اور اسلام قبول کرنے کی غرض سے پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ (ابن ہشام صفحہ ۵۵۴ تا ۵۵۵)۔

ان بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ قتل یہود کی ادعائی اجازت اور ابن سنینہ کا قتل، اور اس کی وجہ سے حویصہ کا اسلام لانا محض لغو اور بناوٹ ہے۔

۸۲- اگرچہ سر ولیم میور کو ایسی تمام غیر معتبر اور موضوع روایتیں جمع کرنے

بڑا شوق ہے جن کا اثر پیغمبر اسلام ؐ کی خصلت پر پڑتا ہو، مگر اس روایت کی صحت

سرولیم میور کا قول

میں اُن کو بھی شک ہے، اور وہ اس کا خلاف قیاس اور خلاف مصلحت ہونا بیان کرتے ہیں۔ صاحب موصوف لکھتے ہیں :۔

"مگر یہ حکم بذات خود ایک عجیب حکم ہے، اور ہر شخص یہ خیال کریگا کہ اُس میں کچھ قیود
"و شرائط ضرور ہونگی، جو یہاں صاف طور پر ظاہر نہیں کی گئیں۔ اس وقت پیغمبر صلعم کے
"مقصد کے لئے یہ بات یقیناً قرین مصلحت نہیں تھی کہ اس حکم کی سختی کے ساتھ تعمیل ہونے
"سے مدینہ کے بازاروں میں خون کا دریا بہ جائے، تاہم بہترین روایات کا صریح مضمون
"یہی ہے۔

"اس امر کا احتمال ہے کہ یہ حکم ایسے وقت میں جاری کردیا گیا ہو جبکہ محمد (صلعم)
"کو یہودیوں کی دغابازی کی وجہ سے اُن کے خلاف اشتعال پیدا ہو گیا تھا۔ اور
"ہشامی میں اس مضمون کی ایک روایت ہے کہ یہ حکم اس وقت شائع کیا گیا تھا جبکہ
"محمد (صلعم) نے بنی قریظہ کے تمام مردوں کے قتل کی ہدایت کی تھی، اور اگر دوسری روایت
"ایسی ہی قوی اور قطعی موجود نہ ہوتی تو ہشامی کی روایت کا مضمون غالباً صحیح تسلیم کر لیا
"جاتا۔"[1]

مگر جو روایت میور صاحب نے نقل کی ہے وہ سب سے عمدہ یا سب سے قوی روایت نہیں ہے، جیسا کہ میں اس سے پہلے ظاہر کر چکا ہوں۔ ہشامی یہ نہیں کہتا کہ وہ حکم بنی قریظہ کے قتل کے وقت جاری کیا گیا تھا، وہ تو صرف محیصہ اور حویصہ کا قصہ بیان کرتا ہے، جو اُس وقت پیش آیا تھا +

---

[1] سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۱۲۸-۱۲۹- فٹ نوٹ

یہود بنی نضیر کی جلاوطنی

۸۴۔ سر ولیم میور، یہود بنی نضیر کی جلاوطنی کو قابل الزام قرار دیتے ہیں، اور یہ لکھتے ہیں :۔

یہود بنی نضیر

"جس حیلہ سے بنی نضیر کا محاصرہ کیا گیا اور اُن کو جلاوطن کیا گیا (یعنے یہ کہ جبریل نے ان کے منصوبہ کی اطلاع دی تھی کہ وہ پیغمبر کی جان کے درپے ہیں) وہ ایک کمزور وجہ تھی، اور اس قابل نہ تھی کہ اُس کو ایمانداری کی وجہ کہہ سکیں[1]"

قرآن مجید کی پوری سورت میں خاص طور پر یہود بنی نضیر کا حال بیان کیا گیا ہے، مگر اُن کے اس جُرم کا اشارہ تک نہیں پایا جاتا جو سر ولیم میور نے بیان کیا ہے کہ "انھوں نے پیغمبر (صلعم) کی جان لینے کا قصد کیا تھا۔" اور نہ اس امر کا کہیں اشارہ ہے کہ اس وجہ سے اُن کو جلاوطن کیا گیا تھا۔ اس مضمون کی روایتوں کی کوئی سند یا تائید موجود نہیں ہے، وہ یک طرفہ ہیں اور ایک افسانہ کی حیثیت سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی ہیں۔ اگر کوئی ایسی روایت آنحضرت کے زمانہ میں جو صدر اول کے نام سے موسوم ہے، زبان زد ہوتی تو بلاشک اس مضمون کے بیسیوں راوی ہوتے۔[2] اُن کا جُرم دغابازی اور بدعہدی تھی[3]۔ اور

[1] سیرت محمدی (از سر ولیم میور جلد چہارم صفحہ ۲۰۸۔

[2] یہ روایات کہ آنحضرت (صلعم) کوئی خونبہا ادا کرنے کے لئے قبیلہ بنی نضیر سے مدد لینے گئے تھے اور انہوں نے آپ کی جان لینے کا اقدام کیا تھا (دیکھو میور صاحب کی سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۲۰۸-۲۰۹) جیساکہ ابن اسحاق نے (ابن ہشام صفحہ ۶۵۲ پر) روایت کی ہے، وہ روایت مرسل ہے، (دیکھو زرقانی جلد دوم صفحہ ۹۵ مطبوعہ مصر) لہذا یہ روایت آنحضرت کے زمانہ میں شائع نہیں ہوئی تھی۔

[3] موسیٰ ابن عقبہ جو آنحضرت کا ایک نہایت ہی قدیم تذکرہ نویس ہے اور جس کا انتقال ۱۴۵ھ میں ہوا ہے (موسیٰ بن عقبہ کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۳۶۰ مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۲۶ھ عبد اللہ خاں)، یہ لکھتا ہے کہ :۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۲۹ کتاب ہذا)

وہ مدینہ کے لئے ایک خوفناک عنصر تھے کیونکہ بد عہد یہود اور حملہ آور قریش کے درمیان یا اسلام کے دوسرے دشمنوں کے باہم کسی وقت میں ایسا ربط و اتحاد مدینہ کی امن و حفاظت کے نہایت مہلک اور خطرناک ثابت ہوتا مگر اُن کی جلاوطنی نہایت نرم سزا تھی۔

۸۵۔کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ؐ نے بنی نضیر کے محاصرہ کے وقت گرد و نواح کے کھجور کے درختوں کو کاٹ ڈالا تھا اور جو درخت سب سے عمدہ تھے اُن کو جلا دیا تھا، اور قرآن مجید کی سورہ حشر ۵۹ کی آیتوں کا اعلان کرکے اپنی کارروائی کو حق بجانب قرار دیا۔[1]

پھل دار درخت نہیں کاٹے گئے۔

مگر جو کھجور کے درخت کاٹے گئے تھے وہ پھل دار نہیں تھے اور بنی نضیر کے لئے یا عام اشخاص کے لئے اُن سے بکری کی غرض سے کوئی خوراک حاصل نہیں ہوتی تھی، قرآن مجید کی آیت جس کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے اس میں جو لفظ لینۃ (حشر ۵۹ آیت ۵ میں) آیا ہے وہ درخت بے ثمر کا نام ہے۔ لہذا کوئی پھل دار درخت ضائع نہیں کیا گیا (دیکھو زرقانی جلد دوم صفحہ ۹۸) صرف بے ثمر درخت کاٹے گئے تھے[2] (جن کی تعداد صرف سات ہے) اور ایسے درختوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۸)۔ "بنی نضیر کے خلاف حملہ لے جانے کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے قریش کو آنحضرت سے لڑنے کے لئے اغوا کیا تھا، اور مدینہ سے کمزور اور غیر محفوظ مقامات پر پتہ قائم کر دیا تھا ابن مردویہ، عبد بن حمید اور عبد الرزاق نے اس مضمون کی روایات بیان کی ہیں کہ بدر کے واقعہ کے بعد قریش نے یہودیان مدینہ کو آنحضرت ؐ سے جنگ کرنے کے لئے لکھا تھا اور بنی نضیر نے عہد نامہ کو توڑنے کا پکا ارادہ کر لیا تھا۔ (دیکھو زرقانی جلد ۲ صفحہ ۹۶ و ۹۸ مطبوعہ مصر)

[1] دیکھو میور صاحب کی سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۲۱۳۔ اور صفحہ ۲۰۳ فٹ نوٹ۔

[2] حواشی ابن ہشام صفحہ ۶۵۰ مطبوعہ یورپ، میں لکھا ہے کہ آنحضرت ؐ نے یہود بنی نضیر کا کوئی ایسا درخت نہیں جلایا جو بنی نوع انسان کے لئے کارآمد ہو۔ نیز ملاحظہ ہو بیضاوی کی تفسیر ذیل سورہ حشر ۵۹۔ آیت ۵ مطبوعہ یورپ صفحہ ۳۲۲ جلد ۲۔

کا کاٹا جانا حضرت موسےٰ ؑ کی شریعت میں بھی جائز ہے (دیکھو کتاب استثنا باب ۲۰ درس ۲۰-[له])

صُلح نامہ حدیبیہ سے عورتوں کا کیا تعلق تھا

صلح نامہ حدیبیہ سے عورتوں کا تعلق

۸۶- عورتیں صُلح نامہ حدیبیہ میں شامل نہیں تھیں۔ یہ جو صُلح نامہ میں شرط تھی۔ کہ قریش کا جو شخص مسلمانوں کے پاس چلا آئے گا اس کو قریش کے حوالہ کر دیا جائے گا، اس شرط کا تعلق صرف مردوں سے تھا اِس صلح کے زمانہ میں جو عورتیں مکہ سے مدینہ آتی تھیں حسب ہدایت سورۂ ممتحنہ ۶۰- آیت ۱۰- اُن کا امتحان کیا جاتا تھا، اور اگر اُن کا صدق دل سے اسلام لانا معلوم ہو جاتا تھا، تو اُن کو مدینہ میں رہنے دیا جاتا تھا۔

اُن کو مشرکوں سے نکاح کرنے کی ممانعت تھی۔ ان مسلمان عورتوں کے سرپرستوں کو اسلامی جمہوریت کی طرف سے وہ رقم ادا کی جاتی تھی جو اُنہوں نے اُن عورتوں پر صرف کی ہو۔ سر ولیم میور سورۂ ممتحنہ ۶۰- آیت ۱۰ سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ عورتیں اہل مکہ کی بیویاں تھیں، صاحبِ موصوف لکھتے ہیں:-

"عورتوں کے شوہروں کا کفر اُن کے پہلے نکاح کو باطل کر دیتا تھا، اور اب وہ باقاعدہ "طور پر مسلمانوں کے ساتھ از سرِنو عقد نکاح کر سکتی تھیں اور صرف یہ شرط تھی کہ اُن کے

[له] توراتِ مقدس کی اصل عبارت ذیل میں درج کی جاتی ہے:-

"چوں شہر را مدت مدید محاصرہ کنی و بقصد تسخیرش جنگ نمائی نے باید کہ درختانش را بضرب تبر از پا در "آری از آنرو کہ ثمرآنہا را خواہی خورد نے باید برید چہ آیا درخت چمن چون انسان ست ماند تا "در محاصرہ ترا مقاومت کند فقط آن درختاں را کہ بدانی کہ لائق خوردن نیست قطع و قمع آں جائز "و روا ست تا مقابل شہرے کہ با تو جنگ نماید آلات محاصرہ بسازی تا آنکہ بتصرف درآید۔ (کتاب "استثنا، باب ۲۰ درس ۲۰ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۲۸ء)۔

"وہ پہلے خاوندوں نے مہر کے طور پر جو نقد پیہ اُن پر صرف کیا ہے وہ اُن کو عطا کر دیا جائے"[1]

مگر اس امر کے ثابت کرنے کے لئے کوئی وجہ نہیں ہے کہ اُن عورتوں کے خاوند مکہ میں موجود تھے، اور نہ اس بات کا کوئی ثبوت ہے کہ اُن کے پہلے خاوندوں کے کفر کی وجہ سے اُن کے نکاح منسوخ ہو گئے تھے۔ چونکہ سورۂ نساء ۴۔ آیت ۲۸ میں شوہردار عورتوں کے ساتھ نکاح کی ممانعت ہے اور سورۂ ممتحنہ ۶۰۔ آیت ۱۰ جو زیر بحث ہے اُس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ وہ شوہردار عورتیں تھیں، لہٰذا میں از روئے انصاف یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ یہ آیت صرف الیسی عورتوں سے بحث کرتی ہے جن کا نکاح نہیں ہوا تھا۔ قرآن مجید کا یہ قانون نہیں ہے کہ فریقین میں سے کسی ایک کا کفر اُن کے پہلے نکاح کو قطع کر دیتا ہے۔ قرآن میں صرف اس امر کی تاکید ہے کہ نہ تو مسلمان مرد مشرک عورتوں سے نکاح کریں اور نہ مسلمان عورتیں مشرک مردوں سے، جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں (دیکھو البقرہ ۲۔ آیت ۲۲۰)۔

۷ ۸۔ سر ولیم میور سورۂ (ممتحنہ ۶۰۔ مکے) آیات ۱۰ لغایت ۱۲ کے نقل کرنے کے بعد یہ لکھتے ہیں:-

مسٹر سٹینلے کی رائے کی تائید۔

"سٹینلے نے جو کرنتھیوں کی تفسیر لکھی ہے (دیکھو پولس حواری کا "پہلا خط کرنتھیوں کے نام باب ۷ ورس ۱ تا ۲۰) اُس میں آیہ مندرجہ بالا کو نقل کر کے "یہ لکھا ہے کہ اس میں جو قاعدہ بیان کیا گیا ہے وہ "رسول (یعنی پولس حواری) کے "قاعدہ سے مشابہت رکھتا ہے" دیکھو جلد اول صفحہ ۱۲۵۔ مگر درحقیقت ان دونوں میں کوئی مشابہت نہیں ہے، انجیل کا قاعدہ آنحضرت کے قاعدہ سے بالکل مختلف ہے۔

"انجیل کا حکم یہ ہے "اگر کسی بھائی کی بیوی بایمان نہ ہو اور اُس کے ساتھ رہنے کو "راضی ہو تو اس کو نہ چھوڑے"۔ اور ایمان دار زوجہ کا غیر ایمان دار شوہر کے ساتھ

[1] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۲۴۔

"دبھی ایسا ہی حکم ہے۔ (پولوس حواری کا پہلا خط کرنتھیوں کے نام باب ۷ ورس ۱۲ تا ۱۶)۔
"مگر محمد (صلعم) زن وشوہر میں سے کسی فریق کے کافر ہو جانے پر عقد نکاح کا درحقیقت
"منسوخ ہو جاتا بیان کرتے ہیں اور نکاح کے معاہدہ کی بابت آپ کے ڈھیلے ڈھالے
"خیالات سے درحقیقت صرف ایسی ہی توقع کی جاسکتی تھی۔"[1]

میں خیال کرتا ہوں کہ سٹینلے کی رائے بالکل ٹھیک ہے اور انجیل اور قرآن کے احکام اس بارۂ خاص میں ایک دوسرے سے مشابہت تام رکھتے ہیں، کیونکہ یہ حکم کہ "مومن عورتیں مشرکوں کے واسطے جائز نہیں ہیں، اور نہ مُشرک مرد مومن عورتوں کے لئے جائز ہیں" اُن عورتوں سے تعلق نہیں رکھتا ہے جن کا پہلے سے نکاح ہو چکا ہے۔ اور یہ الفاظ کہ "کافر عورت پر کوئی حق قائم نہ رکھو . . . . اگر کوئی تمہاری عورت تم کو چھوڑ کر کافروں کے پاس چلی جائے . . . . ." ان الفاظ کا وہی مطلب ہے جو کرنتھیوں باب ۷ ورس ۱۵ کا مطلب ہے اور اُس کے الفاظ یہ ہیں "لیکن مرد جو باایمان نہ ہو اگر وہ علیحدہ ہو تو علیحدہ ہونے دو، ایسی حالت میں کوئی بھائی یا بہن پابند نہیں۔"[2]

---

[1] میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۱۴۴۔ فٹ نوٹ۔

[2] قرآن مجید کی آیات مع ترجمہ حسب ذیل ہیں:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ وَآتُوهُمْ مَا أَنْفَقُوا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ

"اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم اُن کے ایمان کا امتحان کرو اللہ تعالیٰ اُن کے ایمان کا حال بہتر جانتا ہے اگر تم اُن کو جان لو کہ مسلمان ہیں تو اُن کو کافروں کی طرف واپس نہ کرو نہ یہ عورتیں کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ کافران عورتوں کے لئے حلال ہیں اور جو کچھ کافروں نے اُن پر خرچ کیا ہے وہ اُن کو دو اگر وہ اور اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں ہے کہ اُن عورتوں کو اُن کے مہر دے کر اُن سے

(ملاحظہ ہو صفحہ ۱۴۳ کتاب ہذا)

۸۸- عقد نکاح کے متعلق آنحضرت ؐ کے خیالات مبہم نہ تھے۔ معاہدہ ازدواج

نکاح ایک مضبوط باہمی معاہدہ ہے

کی جو حالت قوم عرب میں تھی، آپ نے اُس معاہدہ کو اس سے زیادہ مضبوط اور نہایت مستثنےٰ صورتوں کے سوا ناقابل فسخ قرار دیا اور اُس کو ایک "مضبوط باہمی معاہدہ" فرمایا[1]۔ خود آنحضرت ؐ کی دختر زینب کا شوہر (ابو العاص بن الربیع) کافر تھا، اور جب بعد ہجرت مکہ میں کافروں کی طرف سے مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچنے لگیں تو وہ اپنے پدر بزرگوار (آنحضرت ؐ) کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۲)

اُجُوْرَهُنَّ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ○

(ممتحنہ ۶۰ - آیات ۱۰-۱۱)

نکاح کرلو، اور کافر عورتوں کی ناموس پر قبضہ نہ رکھو اور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب کرو، اور جو انہوں نے خرچ کیا ہے وہ تم سے طلب کرلیں، یہ اللہ کا حکم ہے جو تمہارے بارہ میں صادر فرماتا ہے، اور اللہ علیم حکیم ہے اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی تم سے علیحدہ ہو کر کافروں میں جا ملے، اور پھر تم کو اُن سے کوئی غنیمت ہاتھ لگے تو جن مسلمانوں کی بیویاں چلی گئی ہیں۔ جتنا انہوں نے خرچ کیا ہو اُن کو ادا کردو اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان لاتے ہو"۔

(ممتحنہ ۶۰ - آیات ۱۰-۱۱)۔

[1] دیکھو النساء ۴- آیت ۲۵- اس آیت کے الفاظ میثاقاً غلیظاً کا یہی ترجمہ راڈویل صاحب نے کیا ہے۔ میں نے اپنی ایک دوسری کتاب جس کا نام ہے "مجوزہ ملکی قانونی اور تمدنی اصلاحات زیر حکومت اسلام" میں صفحات ۱۲۹-۱۴۳ پر (جو سنہ ۱۸۸۳ء میں بمبئی ایجوکیشن سوسائٹی پریس میں چھپی ہے) اس امر میں پوری بحث کی ہے کہ آنحضرت نے طلاق کے رواج کو کم کرنے کی کس طرح کوشش کی، اور قوم میں آسانی سے عورتوں کو طلاق دے دینے کا جو دستور تھا، اُسکی ممانعت کے لئے قرآن مجید میں کیا کیا تدبیریں اختیار کی گئیں +

(نوٹ) من المترجم:- یہ کتاب جس کی طرف مرحوم مصنف نے اشارہ کیا ہے اُردو زبان میں ترجمہ ہو گئی ہے۔ مولانا عبدالحق صاحب بی اے (علیگ) نے ۸۸ صفحات کے ایک عالمانہ مقدمہ کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔ اردو ترجمہ کا نام "اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام" ہے جو دو حصوں میں شائع ہے۔

پاس چلی آئیں[1]۔ آنحضرت م نے زینب اور اُن کے کافر شوہر کے نکاح کو منسوخ نہیں کیا، اور جب آنحضرت م کا یہ داماد اپنی زوجہ کے مدینہ چلے آنے کے چھ سال بعد مدینہ میں آیا، تو آپ نے اُن کے سابق نکاح کی بنا پر دونو کو شامل کر دیا[2]۔ نہ تو از سرِ نو اُن کا نکاح ہوا اور نہ از سرِ نو مہر باندھا گیا۔ (دیکھو ابن عباس کی روایت مندرجہ کتب احادیث مؤلفہ احمد۔ ابو داؤد، ابن ماجہ و ترمذی)۔ فتح مکہ کے وقت صفوان بن امیہ، اور عکرمہ بن ابی جہل کی بیویاں مسلمان تھیں اور اُن کے نکاحوں کو آنحضرت م نے منسوخ نہیں کیا تھا۔ (دیکھو ابن شہاب کی روایت مندرجہ کتاب موطا از امام مالک صفحہ ۱۹۷، یا شرح موطا مسمّی مسوّی جلد ۲ صفحہ ۸ تا ۱۰ مطبوعہ دہلی ۱۲۹۳ھ اور طبقات ابن سعد کاتب واقدی) اسی طرح ابوسفیان اور حکیم بن حزام نے خود مسلمان ہو جانے کے بعد اپنی بیویوں کو اپنے پاس رکھا اور آنحضرت م نے ان کے پہلے ازدواجی تعلق کو قطع نہیں کیا۔ (دیکھو اس مضمون کی متعدد روایتیں کتاب بیہقی میں[3])۔ صرف طبقۂ مابعد کے فقہا نے غلطی

---

[1] بعض کمینہ خصلت قریش زینب کی روانگی کا حال سن کر تعاقب کے لئے روانہ ہوئے، اور اُنکو واپس لانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ پہلا شخص جو آن پہنچا وہ ہبار بن اسود تھا جس نے اُونٹ کو برچھی ماری اور زینب ایسی خوف زدہ ہوئیں کہ اُن کا حمل ساقط ہو گیا اور آخر کار اسی صدمہ سے آپ کا انتقال ہو گیا۔ (میور صاحب کی سیرت محمدی جلد ۲ صفحہ ۷) یا ابن ہشام صفحہ ۴۶۷۔ تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۹۳۔

[2] زاد المعاد ابن القیم جلد دوم صفحہ ۱۷۸۔ ابن ہشام صفحہ ۴۷۰۔ ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۲۰۴۔ تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۹۱ و ۹۲ مطبوعہ مصر۔

[3] موطا امام مالک صفحہ ۱۹۷ مطبوعہ دہلی ۱۳۰۷ھ اور زاد المعاد ابن القیم جلد ۲ صفحہ ۷۷ تا ۷۹ مطبوعہ کانپور ۱۲۹۸ھ میں یہ تمام حالات نہایت تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ بحث فی حکمہ صلے اللہ علیہ وسلم فی الزوجین یسلم احدھما قبل الآخر۔ امام شافعی رح نے زبردست دلائل سے ثابت کیا ہے کہ احد الزوجین کا کفر معاہدہ نکاح کو ساقط نہیں کرتا اور یہ تمام مثالیں جن کو مصنف نے متن میں نقل کیا ہے اُن سب کو امام موصوف نے بھی اپنی کتاب "اُم" میں درج کیا ہے (دیکھو کتاب الاُم جلد چہارم صفحہ ۱۸۵ مطبوعہ مصر ۱۳۲۲ھ)۔ (عبداللہ خاں)

سے سورۂ ممتحنہ ۶۰ کی آیت ۱۰ کا مطلب یہ سمجھا کہ فریقین میں سے کسی ایک کا کافر ہو جانا عقد نکاح کو فسخ کر دیتا ہے۔ (شرح معانی الاثار امام طحاوی جلد ۲ صفحہ ۱۷۹۔ کتاب السیر مطبوعہ مصطفائی ۱۳۰۰ھ)۔

باب دوازدہم

جہاد متعارف

قرآن مجید صرف دفاعی جنگوں کا حکم دیتا ہے

۸۹۔ تقریباً تمام مسیحی اور عام اسلامی مصنفوں کا خیال یہ ہے کہ مذہبی جنگ میں سبقت کرنی ایک اسلامی عقیدہ ہے، اور یہ کہ زبردستی مسلمان بنانے یا جزیہ وصول کرنے کی غرض سے قرآن مجید نے ایسی لڑائی کی اجازت دی ہے، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید نے کسی ایسے اصول کی تلقین نہیں کی، اور آنحضرت ؐ نے بھی اُس کی تعلیم نہیں دی اور نہ اُس کا وعظ فرمایا۔ آپ کا مشن (پیغمبری کا کام) یہ نہیں تھا کہ جنگ و جدل کیا جائے، یا بزورِ شمشیر لوگوں کو مسلمان بنایا جائے، یا اُن سے جزیہ وصول کیا جائے، یا اُن لوگوں کو جو اسلام قبول نہ کریں، نیست و نابود کیا جائے۔ آپ کی رسالت کا مقصد صرف یہ تھا کہ اہل عرب کے دلوں کو خدائے واحد کی سچی عبادت کے نور سے منور کیا جائے، ان کو نیکی اختیار کرنے اور بدی سے باز رہنے کی ہدایت کی جائے، اور اس مقصد کو آپ نے صداقت اور راستبازی سے پورا کیا۔ یہ بات کہ آنحضرت اور آپ کے اصحاب کو سخت تکلیفیں پہنچائی گئیں، وہ وطن سے بیوطن کئے گئے، اُن پر حملہ کیا گیا، اُن کے ساتھ جنگ کرنے میں پیش قدمی کی گئی، اور یہ کہ آنحضرت

اور آپ کے اصحاب نے دشمنوں کے حملوں کی مدافعت اپنے کانشنس (اعتقاد) کی آزادی مسلمانوں کی جان کی حفاظت، اور مذہبی آزادی حاصل کرنے کی غرض سے دفاعی جنگیں کیں، غنیم کی بہت زیادہ جمعیت کا اپنی قلیل تعداد سے مقابلہ کیا، دفاعی عہدنامے کرکے جنگ کے مقصد اعظم کو حاصل کیا، یعنے یہ کہ مسلمانوں کو مکہ اور مدینہ میں رہنے کے لئے آزادی مل جائے، کوئی اُنکو ستائے نہیں اور اُن کو مسجد الحرام (خانہ کعبہ) میں آزادانہ آمدورفت رکھنے اور اپنے مذہبی اعمال کو بے روک ٹوک ادا کرنے کی اجازت حاصل ہو جائے، یہ جملہ امور بالکل جُداگانہ اور غیر متعلق ہیں، اور مضمون زیر بحث یعنی جہاد متعارف سے اُن کا تعلق نہیں ہے، یعنے مذہب قبول کرانے اور جزیہ وصول کرنے اور بُت پرستوں کو نیست و نابود کرنے کی غرض سے مذہبی جنگ کرنی، جس کی بابت کہا جاتا ہے کہ یہ ایک اسلامی عقیدہ ہے۔ یہ تمام دفاعی جنگیں تھیں اور قرآن مجید کی آیتیں جو اُن سے متعلق ہیں، دائمی احکام نہ تھے، بلکہ بجائے خود ایک معین زمانہ اور خاص حالات سے مخصوص تھے۔ ان لڑائیوں کو ابتدائی جنگ کی نظیر قرار نہیں دے سکتے، اور نہ اُن آیتوں سے ابتداءً حملہ کرنے کا حکم یا عقیدہ مستنبط ہو سکتا ہے، اور اُن کا یہ مقصد ہے بھی نہیں۔ ابتدائی حملہ تو الگ رہا یہ لڑائیاں اسلامی جماعت یا جمہوریت کے لئے دفاعی جنگوں کی نظیر بھی نہیں ہو سکتیں، اور نہ وہ آیتیں اس قسم کی لڑائیوں کی ہدایت یا دستور العمل کا کام دے سکتی ہیں کیونکہ جن حالتوں میں آنحضرتؐ نے دفاعی جنگیں کی تھیں وہ مقامی اور عارضی تھیں۔ مگر تقریباً تمام یورپین مصنف یہ بات نہیں سمجھتے کہ قرآن مجید حملہ کی لڑائی یا ابتدائی جنگ کی تعلیم نہیں دیتا، بلکہ اس کو نامواقف حالات میں صرف دفاعی جنگ

کا حکم دینا پڑا تھا، اور اس کے حق بجانب ہونے کی وجہیں صاف صاف بیان کی گئی تھیں، اور تعدی یا ابتدائی حملہ کی ممانعت سختی کے ساتھ کی گئی تھی۔

شریعت اسلام اور جہاد۔

۹۰۔ اوّل تو جہاد[1] کی بابت جو احکام قرآن مجید میں وارد ہوئے ہیں، وہ سب کے سب محض مدافعت یا حفاظت خود اختیاری کے طور پر ہیں، اور اُن میں سے کوئی حکم بھی ایسا نہیں، جس کا حملہ کی لڑائی یا غیر مُسلموں پر چڑھائی کرنے سے کچھ تعلّق ہو۔ ثانیاً یہ امر خاص طور پر قابل غور ہے کہ یہ لڑائیاں ایک عارضی حیثیت رکھتی تھیں، اور اُن کو خواہ مخواہ زمانہ مابعد کے عملدر آمد کے لئے قطعی احکام یا آیندہ نسلوں کے لئے مذہبی ہدایات خیال نہیں کرنا چاہیئے[2]۔ ان لڑائیوں کی ضرورت اسی لئے پیش آئی تھی کہ مخالفانِ اسلام کے حملوں کی مدافعت کی جائے، اور وہ صرف عارضی تجاویز تھیں۔ عام فقہانے جہاں غیر مسلموں پر بلا اشتعال طبع حملہ کرنے کی اجازت دی ہے، وہ اُن کی غلطی ہے، مگر وہ بھی اس قسم کے جہاد کو **فرض عین** قرار نہیں دیتے بلکہ اُس کو **فرض کفایہ** کی فہرست میں داخل کرتے ہیں۔ فرض عین وہ حکم ہے جس کا بجالانا ہر ایک مسلمان پر لازم ہو، مگر غیر مُسلموں پر بلا اشتعال طبع یا ابتداءً حملہ کرنا ہر ایک مسلمان کا فرض نہیں ہے۔ ہدایہ میں لکھا ہے "جہاد کے مقدس حکم کی تعمیل اُس وقت کافی سمجھی جاتی ہے، جبکہ مسلمانوں کا کوئی گروہ یا کوئی قبیلہ اُس کی تعمیل کردے

[1] زاد المعاد ابن القیم جلد اول صفحہ ۳۱۰۔ مطبوعہ کانپور ۱۲۹۸ھ۔

[2] مکّہ کے ایک عالم فقیہ مسمّے عطا ابن ابی رباح جو پہلی صدی ہجری کے آخر میں زندہ تھے، اور "امام الفقہا" کے اعلےٰ درجہ پر ممتاز تھے (دیکھو فقرہ ۱۱۲ کتاب ہٰذا) اُن کا عقیدہ تھا کہ جہاد صرف اصحاب پیغمبر پر واجب تھا، اور اُن کے بعد کسی دوسرے شخص پر واجب نہ تھا (دیکھو فقرہ ۱۱۲ کتاب ہٰذا)۔ (عطا ابن ابی رباح کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب جلد ۷ صفحہ ۱۹۹ مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۲۶ھ۔ اور تہذیب الاسماء امام نووی صفحہ ۴۲۲ مطبوعہ یورپ ۱۸۴۲ء۔ عبید اللہ خاں) اور (تفسیر مجمع البیان طبرسی۔ ذیل سورۃ البقرۃ ۲۔ آیت ۲۱۲۔ مطبوعہ طہران جلد اول صفحہ ۱۲۷)۔

اور پھر باقیماندہ اشخاص سے اس کی تعمیل ساقط ہو جاتی ہے[1]۔

۹۱۔ فقہ اسلام کی رُو سے جہاد صرف اُس موقع پر فرض عین ہوتا ہے

جہاد فرض عین کب ہوتا ہے۔

"جہاں دعوت عام ہو (یعنے جب کفار کسی اسلامی ملک پر حملہ آور ہوں اور امام وقت ایک عام اعلان جاری کر کے سب لوگوں کو جہاد کا حکم دے) کیونکہ اس حالت میں تمام باشندوں پر لڑنا فرض عین ہو جاتا ہے[2]" اس جہاد کے لئے قانون اقوام اور قانون قدرت دونوں کی اجازت اور منظوری ہے۔

۹۲۔ ہدایہ (یعنے شرح فقہ اسلام از نور الدین علی مرغینانی المتوفی ۵۹۳ھ مدفن سمرقند) میں لکھا ہے :۔

ہدایہ کا ایک قول اور اُس کا ابطال۔

"وہ قتال غیر مسلموں کے ساتھ عمل میں لایا جاتا ہے، اگرچہ وہ پہلے حملہ آور نہ ہوں، جیسا کہ "مقدس نوشتوں کی مختلف عبارتوں سے ظاہر ہے، جن کا عموماً یہی مطلب سمجھا گیا ہے[3]"

قرآن مجید کی مقدس آیات اس دعوے کی تائید نہیں کرتیں، برعکس اس کے وہ اس دعوے کے بالکل ہی خلاف ہیں۔ قرآن مجید کی بہت سی آیتیں جو پہلے اس کتاب کے فقرہ ۷ میں نقل کی گئی ہیں ایسی ہیں جو ابتداءً جنگ کی صاف طور پر ممانعت کرتی ہیں۔ بعض اور آیتیں ایسی ہیں جو اس قدر واضح نہیں جیسی کہ آیات مذکورۂ بالا جن کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے، یا بالفاظ دیگر مشروط بشرائط نہیں ہیں۔ مگر

---

[1] ہدایہ یعنے فقہ اسلام کی شرح مترجمہ چارلس ہملٹن جلد دوم کتاب نہم باب اول صفحہ ۱۴۰ مطبوعہ لندن ۱۷۹۱ء یا اصل عربی جلد ۲ کتاب السیر صفحہ ۵۳۸ مطبوعہ مطبع مصطفائی کانپور ۱۲۹۹ھ۔

[2] ہدایہ یعنے فقہ اسلام کی شرح مترجمہ چارلس ہملٹن جلد دوم کتاب نہم باب اول صفحہ ۱۴۱ مطبوعہ لندن ۱۷۹۱ء یا اصل عربی جلد ۲ کتاب السیر صفحہ ۵۳۹ مطبوعہ مطبع مصطفائی کانپور ۱۲۹۹ھ۔

[3] ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۱ ترجمہ انگریزی۔ یا اصل عربی جلد ۲ صفحہ ۵۲۹ کتاب السیر۔

اصول تفسیر اور قرآن مجید کے عام مقصود و مفہوم سے، نیز آیات کے سیاق و سباق اور ہم مضمون آیتوں سے یہ بات ثابت ہے کہ ایک دو آیتیں جو بظاہر مشروط نہیں ہیں، اُن کا مفہوم بھی اُن دیگر آیتوں کے مطابق جو زیادہ تر صاف، واضح اور مشروط ہیں، اور نیز کُتب مقدسہ کی تفسیر کے عام قوانین کے موافق مشروط ہی سمجھا جائے گا۔ مصنفِ ہدایہ اور دیگر فقہا صرف اُن ہی ایک دو آیتوں کو قرآن مجید سے نقل کرتے ہیں جو بظاہر عام اور غیر مشروط ہیں، اور اُن کثیر التعداد مشروط آیتوں اور قرآن مجید کی عام مقصود و مفہوم سے چشم پوشی کرتے ہیں۔

اب ہم قرآن مجید کی دو نوع طرح کی آیتوں کو پہلو بہ پہلو دکھاتے ہیں:-

محدود یا مشروط آیات	عام یا غیر مشروط آیات
(۱) سورۂ بست و دوم۔ الحج ۲۲۔ آیات ۳۹ لغایت ۴۲۔ (۴۔ آیتیں)	(۱) سورۂ دوم البقرہ ۲۔ آیت ۲۴۵ (اس آیت کو نمبر ۲۴۶ کے ساتھ ملا کر پڑھو)
(۲) سورۂ دوم البقرہ ۲۔ آیات ۱۸۶ لغایت ۱۸۹۔ ۲۱۲۔ ۲۱۴ (جملہ ۶۔ آیتیں)۔	(۲) سورۂ نہم التوبہ ۹۔ آیت ۱۲۴۔ ان آیتوں کے سیاق۔ ان کی ہم مضمون آیتوں اور اُن کی تواریخ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیتیں قرآن مجید کے عام مفہوم کے موافق، محدود اور مشروط ہیں۔
(۳) سورۂ چہارم النساء ۴۔ آیات ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۸۶۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳ (۷۔ آیتیں)	
(۴) سورۂ ہشتم الانفال ۸۔ آیات ۳۹ لغایت ۴۱۔ ۵۸۔ ۶۱ لغایت ۶۳۔ ۷۰۔ ۷۲۔ (جملہ ۱۴۔ آیتیں)	
(۵) سورۂ نہم التوبہ ۹۔ آیات الغایت ۱۵۔ ۲۹۔ ۳۶ (جملہ ۱۷۔ آیتیں) قرآن مجید کی یہ تمام آیتیں فقرہ ۱۷۔ اور فقرہ ۹ میں پہلے نقل کی گئی ہیں۔	

اصول تفسیر قرآن

۹۳- اب غور طلب یہ امر ہے کہ قرآن مجید میں صرف دو آیتیں ہیں (یعنے سورۂ دوم البقرہ ۲- آیت ۲۴۵- اور سورۂ نہم التوبہ ۹- آیت ۱۲۴) جن میں غیر مسلموں سے لڑنے کا حکم ظاہرا غیر مشروط یا مجمل طور پر ہے۔ "مشروط آیات" کے عنوان سے جو آیتیں نقل کی گئی ہیں، اُن میں کچھ جملے جُدا کر کے یا آدھی آدھی آیتیں نکال کر، اور سیاق کلام کو نظر انداز کر کے شائد کچھ اور آیتیں بھی آپ پیش کر سکیں، مگر ان مجمل آیتوں سے اور نیز دیگر آیات کے بے تعلق اور جداگانہ ٹکڑوں سے، تفسیر کے کسی اصول کے موافق یہ ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا کہ غیر مسلموں سے بلا اشتعال طبع اور بغیر کسی حد یا پابندی کے علے الاطلاق جنگ کرنے کا حکم ہے۔ قرآن مجید اور نیز دیگر کتب مقدسہ کی تفسیر کا ایک اصول یہ ہے کہ جب ایک ہی مضمون کے دو حکم پائے جائیں، ایک مشروط یا خاص اور دوسرا غیر مشروط یا عام، تو خاص کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اور "حکم عام" کی تعبیر بطور "حکم خاص" کی جاتی ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ "عام" کا مفہوم مجمل سمجھا جاتا ہے اور "خاص" مصنف کے منشاء کو زیادہ واضح طور پر ظاہر کرتا ہے۔ وہ تفسیری اصول یہ ہے:-

"جہاں کوئی آیت مبہم ہو، یا اس کا طریقہ بیان غیر معمولی ہو۔ یا اس میں کسی مسئلہ پر
"بالاجمال مختصر بحث کی گئی ہو، یا وہ مسئلہ تعمیم کے ساتھ بیان کیا گیا ہو، ایسی حالت میں
"اس کی تفسیر دیگر آیات کے موافق کرنی چاہیئے، جہاں وہی مسئلہ زیادہ صراحت کے
"ساتھ بیان کیا گیا ہو، یا اس مضمون پر زیادہ وضاحت سے بحث بیان کی گئی ہو۔ کسی
"ایک آیت یا عام اور مطلق آیت کی تفسیر بہت سی مقیّد، مشروط اور محدود آیات کے
"برخلاف نہیں کرنی چاہیئے: بلکہ ضرور ہے کہ وہ تفسیر اُن کے موافق ہو اور مناسب قیود
"وشرائط کا لحاظ رکھ کر کی جائے۔"[1]

[1] اتقان علامہ سیوطی نوع ۴۹ صفحہ ۳۲۵ مطبوعہ مطبع احمدی سنہ ۱۲۸۰ھ۔

۹۴۔ فقہا یا عام قانون کے جامع اگر اس بارہ میں غلطی پر ہوں تو کچھ تعجب نہیں، کیونکہ اُنہوں نے اس قانون کو بلالحاظ اس امر کے کہ صرف قرآن مجید سے اُس کی تدوین کی جائے۔ عموماً یا حقیقۃً مختلف ذرائع سے جمع کیا ہے، اس قانون (فقہ) کے شارح اُس کے اغراض اور اصول و اخلاق کی حمایت میں اور جو فتوحات بزمانۂ خلفا واقع ہوئی ہیں، اُن کو قرآن مجید کی سند پر درست اور بجا قرار دینے کے لئے بڑی کوشش کرتے ہیں۔ اُسی کوشش میں وہ سخت غلطی کرتے ہیں جو ہرگز قابل درگزر نہیں اور وہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی جدا گانہ آیتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے نقل کرتے ہیں جو نہ تو پوری پوری مطلب خیز ہوتی ہیں اور نہ اُن کا مفہوم ہی "عام" ہوتا ہے۔ وہ اپنے اس طریق عمل سے اُن کثیر التعداد مشروط اور "خاص" آیتوں کو جو مضمون زیر بحث کے متعلق زیادہ صاف اور واضح ہیں، نظر انداز کرتے ہیں۔

عام قانون یعنی فقہ اور اس کے شارح

۹۵۔ کفایہ شرح ہدایہ کے مصنف نے، جو ساتویں صدی ہجری میں تھا، متن کی اُس عبارت کی شرح میں جو پہلے فقرہ ۹۲ میں نقل ہو چکی ہے اور جس کا مضمون یہ ہے کہ:۔

صاحب کفایہ کا قول

"کفار کے ساتھ قتال بالسیف کیا جائے، گو وہ پہلے حملہ آور نہ ہوں" حسب ذیل لکھا ہے۔

"اُن کفار سے جو اسلام قبول نہ کریں، اور جزیہ ادا نہ کریں لڑنا لازم ہے، اگرچہ وہ مسلمانوں پر ابتداءً حملہ آور نہ ہوں"۔

مصنف ہدایہ نے اس ابتدائی حملہ کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ کیونکہ کلام اللہ کے یہ الفاظ کہ "اگر وہ لوگ تم سے لڑیں یعنی پہلے حملہ کریں تو تم اُن کو قتل کرو"[۱]

[۱] یہ ترجمہ ہے البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۷ کے ان لفظوں کا "فَإِن قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ" اس آیت کے پچھلے حصے کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو حملہ میں سبقت کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

صاف اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔ کہ غیر مسلموں سے صرف اُس وقت لڑنا لازم ہے جبکہ وہ لڑائی میں سبقت کریں مگر (صاحب کفایہ کے نزدیک) ایسا نہیں ہے بلکہ ان سے لڑنا ہی لازم ہے اگرچہ وہ پہلے حملہ نہ کریں[1]۔

۹۶۔ مذکورہ بالا قول کے سلسلہ میں مصنف موصوف حسب ذیل لکھتے ہیں، اور

شارح مذکور کے مزید اقوال

قرآن مجید کے بے شمار احکام جو حملہ کی لڑائی (ابتدا بجنگ) کی اجازت نہیں دیتے، اُن احکام کے ساتھ اپنے خیال کی تطبیق اس طرح کرتے ہیں :۔

"یہ بات جان لو کہ ابتدا میں پیغمبرؐ کو مشرکوں سے اعراض اور عفو و درگزر کرنے کا حکم تھا۔

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا، پس تم مہربانی سے عفو و درگزر کرو اور مشرکوں سے الگ رہو۔ (کفایہ

"جلد دوم صفحہ ۷۰۸۔ مطبوعہ کلکتہ کتاب السیر)۔

"پھر اللہ تعالیٰ نے مہربانی کے ساتھ وعظ و نصیحت اور عمدہ طریق سے بحث کرنے کا

"حکم دیا، اور یہ فرمایا۔ (اے پیغمبرؐ!) حکمت اور موعظہ حسنہ سے لوگوں کو اپنے پروردگار کے

"رستہ کی طرف بلاؤ، اور عمدہ [illegible] طریقہ سے اُن سے بحث کرو۔"

"پھر اُس نے جنگ کی اجازت د[illegible] جبکہ کفار ابتداءً حملہ آور ہوئے اور یہ فرمایا: جن

"مسلمانوں سے کفار لڑتے ہیں، اب اُن کو بھی لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے، کیونکہ اُن پر

"ظلم کیا گیا ہے۔ یعنی مدافعت کے طور پر لڑنے کی اجازت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا

"کہ اگر وہ تم پر حملہ کریں تو اُن کو قتل کرو۔ (البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۷)۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ

"اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں، تو تم بھی اُس کی طرف مائل ہو جاؤ۔ (الانفال ۸۔ آیت ۶۳)"

---

[1] ہدایہ مع شرح موسوم بہ کفایہ جلد دوم صفحہ ۷۰۸ کتاب السیر مطبوعہ کلکتہ۔ مڈیکل پریس ۱۸۳۴ء مسلمان مصنف بالعموم قرآن مجید کی آیتوں کے نمبروں کا حوالہ نہیں دیتے، وہ عموماً پہلا لفظ یا اس کا ایک ٹکڑا نقل کر دیتے ہیں۔ میں نے آیتوں پر نمبر لگا دئے ہیں اور فلوجل اور راڈویل جنہوں نے اپنے تراجم قرآن میں جس طرح آیتوں کے نمبر لکھے ہیں اُن ہی کے مطابق میں نے نمبر لگائے ہیں۔

"پھر ایک خاص زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ؐ کو عملی لڑائی کا حکم دیا، اور یہ فرمایا "اور جب ادب کے مہینے گزر جائیں، تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو، اور اُن کو گرفتار کرو" (التوبہ ۹ - آیت ۵)۔"

"اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہر وقت اور ہر ایک مقام پر مطلقاً جنگ کا حکم دیا، اور یہ فرمایا" اور اُن کے ساتھ جنگ کرو، یہاں تک کہ ظلم و ستم (فتنہ) باقی نہ رہے" (البقرہ ۲ آیت ۱۸۹ - اور اعراف ۷ - آیت ۔۔۔)"[1]

صاحب کفایہ کی رائے کا ابطال۔	۹۷ - یہاں صاحب کفایہ نے غیر مسلموں سے جنگ کرنے کے لئے قرآن مجید کی پالیسی (حکمت عملی) کے بزعم خود پانچ متواتر دور قرار دئے ہیں۔

دور اول ...... عفو و درگزر اور اعراض (الحجر ۱۵ - آیت ۸۵ - الانعام ۶ - آیت ۱۰۶)۔

دور دوم ...... دعوت ...... (النحل ۱۶ - آیت ۱۲۶)۔

دور سوم ... جنگ دفاعی .. (الحج ۲۲ آیت ۴۰ - البقرہ ۲ - آیت ۱۸۷ - الانفال ۸ - آیت ۶۲)۔

دور چہارم ... حملہ خاص اوقات میں (التوبہ ۹ - آیت ۵)۔

دور پنجم ... حملہ مطلقاً ... (البقرہ ۲ - آیت ۱۸۹ - الانفال ۸ - آیت ۴۰)۔

یہاں مصنف موصوف نے سورتوں کے نزول کی تواریخ - اور نیز قرآن مجید کا عام مقصد اور سورتوں کا مفہوم سمجھنے میں غلطی کی ہے، اور آیات کے سیاق و سباق کا بھی لحاظ نہیں رکھا جن آیتوں میں مشرکین سے اعراض کرنے، اُن سے الگ رہنے، اور عفو و درگزر اور چشم پوشی کے احکام مندرج ہیں، وہ آیات مدنی سورتوں میں بھی پائی جاتی ہیں، جو زمانہ مابعد میں نازل ہوئی ہیں، (دیکھو البقرہ ۲ - آیت ۱۰۳ - المائدہ ۵ -

[1] دیکھو کفایہ شرح ہدایہ جلد دوم صفحہ ۷۰۰ کتاب السیر مطبوعہ کلکتہ ۱۸۳۸ء۔

آیت ۴۶۔ النساء ۴۔ آیت ۹۲ و ۳۰ ۸ - اعراف ۷ - آیت ۱۹۸)- ان آیتوں کا جنگ یا صلح سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

آنحضرت کے منصب نبوت کا خاص اور اہم فرض یہ تھا کہ لوگوں کو خدا کے دین کی طرف دعوت دی جائے، اور یہ فرض کسی خاص زمانہ کے لئے محدود نہ تھا، جنگ اور صلح دونو موقعوں کے لئے یکساں تھا۔ عین جنگ کی حالت میں بھی پیغمبر (صلعم) پر لازم تھا کہ اگر دشمن طالب امن ہو تو اس کو پناہ دی جائے تاکہ وہ قرآن مجید کا وعظ سنے اور پھر اُس کو اُس کے مقام امن پر پہنچا دیا جائے (التوبہ ۹- آیت ۶)-

سورۂ نہم کی پانچویں آیت پر بحث۔

۹۸- سورۂ نہم (توبہ) کی پانچویں آیت میں پہلے حملہ کرنے یا ابتدا بجنگ کا حکم نہیں ہے۔ یہ آیت اُن متعدد آیتوں میں سے ہے جو اُس زمانہ میں نازل ہوئی تھیں۔ جبکہ اہل مکہ عہد نامہ حدیبیہ کو توڑ چکے تھے، اور بنی خزاعہ پر جو آنحضرت کے ساتھ عہد و پیمان رکھتے تھے، حملہ کر چکے تھے۔ اہل مکہ کو اطاعت قبول کرنے کے لئے چار مہینے کی مہلت دی گئی تھی جس کی خلاف ورزی میں اُن پر حملہ کیا جاتا تھا، کیونکہ انہوں نے عہد نامہ کو توڑا اور بنی خزاعہ پر حملہ کیا تھا۔ اُنہوں نے پہلے ہی اطاعت قبول کر لی، اور مکہ باہمی مصالحت سے فتح ہو گیا۔ جن آیات کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے (یعنی التوبہ ۹- آیات الغایت ۱۵ وغیرہ) اُن پر (بوجہ مصالحت) عملدرآمد نہیں کیا گیا، لہذا ان آیتوں میں حملہ کی لڑائی یعنی ابتدا بجنگ کا کوئی حکم نہیں ہے۔ اس مضمون پر کتاب ہذا کے فقرہ ۴۰ میں پوری بحث ہو چکی ہے، اور مفصل واقفیت حاصل کرنے کے لئے ناظرین کو اُسی مقام کا حوالہ دیا جاتا ہے۔

۹۹- البقرہ ۲ کی آیت ۱۹۰ میں ابتدا بجنگ کا حکم اطلاق کے ساتھ نہیں ہے

اگر آیات نمبر ۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸- اور ۱۸۹ کو ملا کر پڑھا جائے، تو اُن سے ثابت ہوگا کہ لڑائی کا حکم محض مدافعت کے لیے ہے۔ وہ آیتیں حسب ذیل ہیں:-

البقرہ ۲ کی آیت ۱۸۹ پر بحث۔

۱۸۶- وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ (البقرہ ۲- آیت ۱۸۶)-

۱۸۶- اور جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی خدا کی راہ میں اُن سے لڑو، اور زیادتی نہ کرو، اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔ (البقرہ ۲- آیت ۱۸۶)-

۱۸۷- وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۖ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۗ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝ (البقرہ ۲- آیت ۱۸۷)-

۱۸۷- اُن (لڑنے والوں) کو جہاں پاؤ قتل کرو اور جہاں سے اُنھوں نے تم کو نکالا ہے (یعنی مکہ سے) وہاں سے تم بھی ان کو نکال دو، اور فساد، خونریزی سے بڑھ کر ہے، اور مسجد حرام (خانہ کعبہ) کے قریب اُن سے نہ لڑو، پھر اگر وہ تم سے لڑیں تو تم اُن کو قتل کرو، ایسے کافروں کی یہی سزا ہے"۔ (البقرہ ۲- آیت ۱۸۷-)

۱۸۸- فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (البقرہ ۲- آیت ۱۸۸)

۱۸۸- پھر اگر وہ باز رہیں تو اللہ معاف کرنیوالا اور رحم کرنے والا ہے۔ (البقرہ ۲- آیت ۱۸۸)-

۱۸۹- وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلّٰهِ ۖ فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ (البقرہ ۲- آیت ۱۸۹)-

۱۸۹- اور یہاں تک اُن سے لڑو کہ ملک میں فساد (خونریزی) نہ رہے، اور خدا کا دین (حکم) جاری ہو پھر اگر فساد سے باز آ جائیں تو اُن پر کوئی زیادتی نہ کرو، کیونکہ زیادتی ظالموں کے سوا کسی پر جائز نہیں"۔

۱۰۰- اس کے علاوہ اس آیت (البقرہ ۲- آیت ۱۸۹) میں اور نیز الانفال ۸- آیت ۴۰

البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۹۔ اور الانفال ۸۔ آیت ۳۹ میں جنگ دفاعی کا حکم ہے۔

میں جنگ دفاعی کا حکم ہے مسلمانوں نے قریش کے ہاتھوں جن اذیتوں، حملوں، المختصر جن شدید ظلموں کی برداشت کی تھی وہ تمام مصائب نہایت واضح طور پر لفظ فتنہ[1] سے ظاہر ہوتے ہیں، جہاں دونوں آیتوں میں موجود ہے، لہذا مسلمانوں کے لڑنے یا کفار کے خلاف جنگ کرنے کا مدعا صاف ظاہر ہے، اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں پر جو مظالم ہوتے ہیں اُنکا انسداد کیا جائے۔

ان آیتوں کا تعلق قریش کے ظلم وستم سے صاف ظاہر ہے جس کے روکنے یا دور کرنے کے لئے اُن میں لڑنے کی تاکید کی گئی ہے، اور یہ صراحتاً جنگ دفاعی یا حفاظت خود اختیاری کی لڑائی تھی۔

آیات مذکورۂ بالا سے یہ بھی ثابت ہے کہ اہل مکہ مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچانے اور اُن پر حملہ کرنے سے باز نہیں آئے تھے، اور اسی لئے یہ شرط مقرر کی گئی تھی کہ اگر وہ اپنے حملوں اور دھاووں سے باز آجائیں تو آیندہ کوئی لڑائی نہیں ہوگی۔ اس امر کے ثابت کرنے کے لئے کہ یہ آیتیں آنحضرت کی دفاعی جنگوں سے تعلق رکھتی ہیں؛ یہ بیان بالکل کافی ہے۔

یہ تمام احکام مختص الوقت اور مختص المقام تھے۔

(۱۰) بالآخر، فرض کرو کہ قرآن مجید نے اہل مکہ کے مقابلہ میں، جو پہلے حملہ آور ہوئے تھے، حملہ کی لڑائیوں یا ابتدائی جنگ کی اجازت دی تھی، مگر اس سے عام قانون دفعۃً ہی کے اس اصول یا خیال کی تائید نہیں ہوتی کہ ان آیتوں کی بنا پر آیندہ زمانہ میں حملہ کی لڑائیاں جائز ہیں، کیونکہ قرآن مجید میں جس قدر آیتیں جنگ کے بارہ میں نازل ہوئی ہیں وہ سب کی سب یا تو اُن مشرکین عرب سے متعلق ہیں جو مسلمانانِ قرن اوّل کی مخالفت

[1] تاج العروس جلد ۹ صفحہ ۲۹۷ لغت فتن ملاحظہ ہو۔ (عبداللہ خاں)

میں عرصہ دراز تک مستقل رہے، یا یہودیوں سے تعلق رکھتی ہیں جو مسلمانوں سے معاہدہ کرکے اُن کے دشمنوں سے جا ملے تھے، اور مسلمانوں کے خلاف اُن کی مدد کرتے تھے۔ دیگر اشخاص جن کی وہ حالت نہیں ہے، جو مسلمانوں کی حالت مدینہ میں تھی اُن پر ان آیتوں کے احکام کی پابندی عائد نہیں ہوتی (دیکھو فقرہ ۹۰)۔

عینی کا قول اور اُس کا ابطال

۱۰۲۔ ہدایہ کے ایک اور شارح عینی (المتوفی ۸۵۵ھ) نے بھی کفایہ کی پیروی کی ہے، جس کی عبارت اُوپر نقل کی جا چکی ہے، اور قرآن مجید کی چند اور آیتیں بھی، جن کو صاحب کفایہ نے اپنی کتاب کفایہ میں چھوڑ دیا تھا، حملہ کی لڑائی کی بابت ذکر کی ہیں۔ وہ آیات حسب ذیل ہیں:۔

(۱) فَقَاتِلُوٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ○ (التوبہ ۹۔ آیت ۱۲)

(۱) "پس ان کفر کے پیشواؤں (سرغنوں) سے لڑو ان کی قسمیں بھی کچھ (قابل اعتبار) نہیں ہیں، تاکہ وہ باز آ جائیں۔" (التوبہ ۹۔ آیت ۱۲)۔

(۲) كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ○ (البقرہ ۲۔ آیت ۲۱۲)۔

(۲) "تم پر لڑائی فرض کی گئی ہے، اور وہ تم کو ناگوار ہے۔" (البقرہ ۲۔ آیت ۲۱۲)۔

(۳) اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (التوبہ ۹۔ آیت ۴۱)۔

(۳) "ہلکے اور بھاری (بے ہتھیار اور ہتھیار بند جس حالت میں تم ہو) نکل کھڑے ہو اور اپنی جان و مال سے خدا کی راہ میں جہاد کرو۔" (التوبہ ۹۔ آیت ۴۱)۔

پہلی آیت جب کہ اس کو تمام و کمال نقل کیا جائے، اس طرح پر ہے:۔

۱۲۔ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ

۱۲۔ "اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں، تو ان کفر کے پیشواؤں (سرغنوں) سے لڑو ان کی قسمیں بھی کچھ (قابل اعتبار) نہیں

لَعَلَّهُمْ يَنتَهُونَ ٥

(التوبہ ۹ - آیت ۱۲)۔

ہیں، تاکہ وہ باز آجائیں۔"

(التوبہ ۹ - آیت ۱۲)۔

اس آیت کے الفاظ سے پوری طرح ثابت ہے کہ وہ جنگ دفاعی سے تعلق رکھتی ہے، کیونکہ معاہدوں کا توڑنا، اور مذہب اسلام کی توہین کرنا اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے جو پیش نظر تھا مخالفوں سے لڑنے کی وجوہات تھیں، تاکہ حملہ آور باز رہیں۔ یہ آیت سورۂ نہم (توبہ) کی اُن ابتدائی آیتوں میں سے ہے، جن پر پہلے بحث ہو چکی ہے (دیکھو فقرہ ۴۰)۔

دوسری آیت (سورۂ بقرہ ۲ آیت ۲۱۲) ابتدائی جنگ یا حملہ کی لڑائی کی اجازت نہیں دیتی، کیونکہ اس سے آگے کی آیت (البقرہ ۲ - آیت ۲۱۴) اُن حملوں کا صاف صاف ذکر کرتی ہے جو حملہ آوروں نے مسلمانوں پر کئے تھے، فقرہ ۱۷ میں یہ آیت پوری نقل کی جا چکی ہے۔

تیسری آیت (التوبہ ۹ - آیت ۴۱) جنگ تبوک کے موقع پر نازل ہوئی ہے جو یقیناً ایک دفاعی تجویز تھی، اور فقرہ ۴۰ میں اس پر بحث ہو چکی ہے۔

سرخسی کا قول اور اس کا ابطال

۱۰۳۔ سرخسی معروف بہ شمس الائمہ (المتوفی ۴۸۳ھ) نے جیسا کہ علامہ ابن عابدین نے اپنی کتاب رد المحتار شرح الدر المختار[1] میں نقل کیا ہے، احکام جنگ کی اشاعت کے متعدد دور مقرر کئے ہیں، کتاب مذکور میں لکھا ہے کہ:-

"تم جان لو کہ لڑائی کا حکم بتدریج نازل ہوا ہے، اول تو پیغمبر (صلعم) کو تبلیغ اور اعراض و (یعنی مشرکین سے علیحدگی اور بے پرواہی) کا حکم ہوا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "تم کو

[1] دیکھو:- شرح الدر المختار جلد سوم صفحہ ۳۲۸ کتاب الجہاد مطبوعہ مصر ۱۲۷۹ھ۔ یا اصل محیط سرخسی نسخہ قلمی نایاب کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن فن فقہ حنفی نمبر ۱۷۔ کتاب السیر ورق ۳۲۲ (عبد اللہ خاں)

"جو حکم دیا گیا ہے اُس کو صاف صاف سُنا دو، اور مشرکوں سے اعراض کرو یعنی اُن کی مطلق
"پروا نہ کرو (الحجر ۱۵- آیت ۹۴)-
"اس کے بعد آنحضرت ؐ کو نرمی اور مہربانی سے بحث کا حکم دیا گیا، (اے پیغمبر!)
"حکمت اور موعظۂ حسنہ سے لوگوں کو اپنے پروردگار کے رستہ کی طرف بلاؤ، اور عمدہ ترین
"طریقہ سے ان سے بحث کرو" (النحل ۱۶- آیت ۱۲۵)-
"پھر مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دی گئی،" جن مسلمانوں سے کفار لڑتے ہیں اب اُن
"کو بھی لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے. . . ." (الحج ۲۲- آیت ۴۰)-
"پھر اُن کو اُس حالت میں لڑنے کی اجازت دی گئی جب کہ کفار حملہ آور ہوں، اور یہ
"حکم ہوا کہ" اگر وہ تم پر حملہ کریں تو اُن کو قتل کرو" (البقرہ ۲- آیت ۱۸۷)-
"بعد ازاں اُن کو الشہر الحرم (ادب کے مہینے) گزر جانے کے بعد لڑنے کا حکم ملا، اور
"جب ادب کے مہینے گزر جائیں، تو مشرکوں کو قتل کرو" (التوبہ ۹- آیت ۵)-
"اس کے بعد مطلق جنگ کا حکم دیا گیا،" اور خدا کی راہ میں لڑو. . . . .
" (البقرہ ۲- آیت ۱۸۶ و ۲۴۵)- پس یہ معاملہ اس طرح طے ہوا"
قرآن مجید میں مطلق جنگ یا حملہ کی لڑائی کا کوئی حکم نہیں دیا گیا- سورۂ نہم (توبہ)
کی پانچویں آیت کی تفسیر پہلے بیان کر چکا ہوں کہ وہ حملہ کی لڑائی کی اجازت نہیں
دیتی، اور سورۂ دوم (بقرہ) کی آیت ۱۸۶ کی بھی یہی کیفیت ہے- اس آیت میں صرف
اُن لوگوں سے لڑنے کا حکم ہے جو مسلمانوں سے لڑتے تھے- دوسری آیت یعنی سورۂ
مذکور کی آیت ۲۴۵ کا مفہوم آیت ۱۸۶ کے ذریعہ سے محدود ہے، اور آیت ۲۴۵
اس کی مفسّر ہے، یہ آیت **دفاعی کارروائی** سے متعلق ہے- آیات مذکورہ
بالا کتاب ہذا کے فقرہ ۱۷ میں نقل ہو چکی ہیں-

۴۰ ا- شہاب الدین احمد **ابن حجر مکی** کا قول حسب ذیل ہے:-

ابن حجر کا قول

"ہجرت سے پہلے لڑنے کی ممانعت تھی، کیونکہ پیغمبر (صلعم) کو صرف وعظ وتلقین
"اور عذاب الٰہی سے ڈرانے، اور کفار کی ایذا رسانیوں پر اُن کو دوست بنانے کے لئے
"صبر کرنے کا حکم تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو (بعد اس کے کہ کچھ اوپر ستر آیتوں میں
"لڑنے کی ممانعت ہو چکی تھی) اُس وقت لڑنے کی اجازت دی جبکہ کفار پہلے حملہ آور ہو گئے
"اور یہ فرمایا، خدا کی راہ میں اُن لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں' (البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۷)
"اور زہری سے یہ روایت صحیح طور پر مروی ہے کہ لڑائی کی اجازت میں پہلی آیت جو
"نازل ہوئی یہ تھی کہ "جن مسلمانوں سے کفار لڑتے ہیں اب اُن کو بھی لڑنے کی اجازت دی
"جاتی ہے، کیونکہ انھوں نے ظلم سہے ہیں (الحج ۲۲۔ آیت ۴۰)۔ یعنے لفظ یُقَاتَلون کی
"بنا پر لڑنے کی اجازت دی گئی تھی۔ اس کے بعد اشہر الحرم (ادب کے مہینوں) کے
"سوا اور مہینوں میں حملہ کی اجازت ان لفظوں میں دی گئی کہ 'جب ادب کے گذر جائیں'
"(التوبہ ۹۔ آیت ۵)۔

"بعد ازاں سنہ ۸ میں فتح مکہ کے بعد، اللہ تعالیٰ کے ان الفاظ سے کہ 'ہلکے اور بھاری
"(یعنے بے ہتھیار اور مسلح، جس حالت میں ہو) نکل کھڑے ہو' (التوبہ ۹۔ آیت ۴۱)۔
"اور نیز ان الفاظ سے 'تم سب مسلمان مشرکوں سے لڑو' (التوبہ ۹۔ آیت ۳۶) جہاد کا حکم
"دیا گیا۔ آیۂ جہاد یہی ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ پہلی آیت، آیۂ جہاد ہے، مگر دیگر اشخاص
"کی رائے میں یہ دونوں آیتیں ایک ہی مضمون یعنی جہاد سے تعلق رکھتے ہیں"[1]

قول مذکور کا ابطال

۱۰۵۔ مصنف موصوف نے عبارت سابقہ میں جو آیتیں نقل کی ہیں، اُن کی تفسیر پہلے بیان کر چکا ہوں، مگر صرف ایک آیت (یعنی التوبہ ۹ آیت ۳۶) پر بحث کرنی ہے، جس کو اُن مصنفوں نے، جن کے اقوال پہلے نقل کئے

[1] تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج، حصہ چہارم، صفحہ ۱۲۷۔ یا اسی کتاب کی شرح موسوم بہ نہایۃ المحتاج جلد ۷ صفحہ ۹ کتاب السیر مطبوعہ مصر۔

جا چکے ہیں، ذکر کرنے کی دلیری نہیں کی، کیونکہ وہ آیت اُن کے دعوے کے بالکل برعکس ہے۔ شاید ابن حجر کے بیان میں جلدی کی وجہ سے مسامحت ہوگئی ہے جس کی وجہ سے اُن کو معذور رکھا جاسکتا ہے، مگر میں یہ کہنے میں تامل نہ کروں گا کہ فقہا بالعموم جب اپنے خیالات کی تائید میں قرآن مجید کی آیات نقل کرتے ہیں تو آیت کے سیاق وسباق کا لحاظ نہ کرکے اس کا کسی قدر بے تعلق ٹکڑا نقل کردیتے ہیں اور اس طرح دیگر اشخاص بالخصوص یورپین مصنفوں کو اصل مقصد سے منحرف کرکے ایک عظیم اور ناقابل تلافی نقصان کا باعث ہوتے ہیں، جیسا کہ مسٹر لین کی اس شہادت سے ظاہر ہے جو کتاب ہذا کے فقرہ ۱۱۳ میں نقل کی گئی ہے۔

ابن حجر مکی نے جس کا ذکر فقرہ گزشتہ میں کیا جاچکا ہے جس آیت کا حوالہ دیا ہے وہ حسب ذیل ہے:۔

"تم سب مسلمان مشرکوں سے لڑو جیسا کہ وہ سب تم سے لڑتے ہیں" (التوبہ ۹۔ آیت ۳۶)

یہ آیت صراحۃً جنگ دفاعی کا ذکر کرتی ہے، اور اس میں مسلمانوں کی طرف سے حملہ کی لڑائی کا خفیف سے خفیف یا کمزور سے کمزور احتمال بھی نہیں ہے۔ یہ آیت تبوک کی مہم سے متعلق ہے۔

۱۰۶۔ نورالدین علی الحلبی (المتوفی ۱۰۴۴ھ) انسان العیون (المعروف به سیرت حلبی) میں جو پیغمبر صلعم کی سیرت پر لکھی گئی ہے۔ حسب ذیل لکھتے ہیں:۔

حلبی کا قول

"یہ بات پوشیدہ نہیں کہ آنحضرت (صلعم) دس سال سے بھی کئی سال زیادہ عرصہ تک
"لوگوں کو بغیر جنگ کے اسلام کی دعوت دیتے رہے، اُن کو عذاب الٰہی سے ڈراتے
"رہے اور عرب مکہ اور یہودیان مدینہ کی سخت اذیتوں کو صبر و تحمل سے برداشت کرتے
"رہے جو آنحضرت (صلعم) کو اور آپ کے پیروؤں کو پہنچائی گئی تھیں، کیونکہ اللہ تعالےٰ

" نے آپ کو عذاب الٰہی سے ڈرانے، کفار سے الگ رہنے اور اُن کی اذیتوں کو برداشت
" کرنے کے لیئے صبر کا حکم ان الفاظ میں دیا تھا " أَعْرِضْ عَنْهُمْ " یعنے اُن سے
" کنارہ کش رہو ' (المائدہ ۵ - آیت ۷۶) -

" اور نیز اس لفظ کے ذریعہ سے " واصبر " یعنے مصائب پر صبر کرو - (دیکھو النحل ۱۶
" آیت ۱۲۸ + کہف ۱۸ - آیت ۲۷ + لقمان ۳۱ - آیت ۱۶ + طور ۵۲ - آیت ۴۸ + اور مزمل ۷۳
" آیت ۱۰) آنحضرت ؐ کے اصحاب مکہ زد و کوب کے صدمہ اور تکلیفیں اُٹھا کر آپ کی خدمت
" میں حاضر ہوتے تھے اور آپ ان سے فرماتے تھے، تم صبر کے ساتھ برداشت کرو، مجھے
" لڑنے کا حکم نہیں ہے، کیونکہ ان کی تعداد مکہ میں بہت تھوڑی تھی - پھر جب ہجرت کے
" بعد مدینہ میں آپ کو استقلال حاصل ہوا، آپ کے پیرو بکثرت ہو گئے جو آپ کو اپنے آبا
" اور اولاد و ازواج سب سے بڑھ کر سمجھتے تھے اور کفار بُت پرستی پر جمے رہے اور آپ
" پر جھوٹے جھوٹے الزام لگاتے رہے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنگ کی اجازت
" دی مگر صرف اُن لوگوں کے مقابلے میں جو مسلمانوں سے لڑتے، اور اُن پر حملے کرتے
" تھے جیسا کہ اللہ تعالٰے فرماتا ہے ' اگر وہ تم سے لڑیں تو تم اُن کو قتل کرو ' (البقرہ ۲
" آیت ۱۸۷) - یہ حکم صفر ۲ ھ ہجری میں ہوا تھا ..... پھر تمام عرب کی فوج نے ہر
" طرف سے مسلمانوں سے لڑنے کے لیئے کوچ کیا - مسلمان تمام تمام راتیں مسلح بسر کرتے
" تھے اور دن میں بھی ان کی یہی حالت تھی، اور اُن کی یہ آرزو رہتی تھی کہ امن و امان سے
" ایسے حال میں رات بسر ہو کہ اُن کو خدا کے سوا کسی شخص کا خوف نہ ہو - اُس وقت یہ
" آیت نازل ہوئی ' جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اُن
" سے خدا کا وعدہ ہے کہ اُن کو ملک کی خلافت عطا کرے گا، جیسے اُن لوگوں کو خلافت
" عطا کی تھی جو اُن سے پہلے گزرے ہیں اور جس دین کو اس نے اُن کے لیئے پسند کیا
" ہے اس کو ان کے لیئے مضبوط کر دیگا، اور اُن کے خوف کے بعد اُس کے بدلے میں

"امن دیئے گا" (الفورہم ۲۔ آیت ۵۴) اس کے بعد جو لوگ جنگ نہیں کرتے تھے، ان پر پہلے
"حملہ کرنے کی اجازت دی گئی، مگر یہ اجازت ادب کے مہینوں یعنے رجب۔ ذیقعدہ۔ ذیحجہ
"اور محرم کے سوا اور مہینوں میں اس حکم کے بوجب دی گئی تھی" اور جب ادب کے مہینے
"گزر جائیں تو مشرکوں کو قتل کرو ..... (التوبہ ۹۔ آیت ۵)۔ پھر اگلے سال فتح مکہ کے
"بعد کسی شرط اور کسی وقت کا لحاظ کئے بغیر اور بغیر کسی پابندی کے مطلقاً جنگ کا حکم ان
"لفظوں میں دیا گیا، تم سب مسلمان مشرکوں سے لڑو، خواہ کوئی وقت ہو" (التوبہ۔ آیت ۳۶)
"پس یہ بات معلوم ہوگئی کہ جہاد ہجرت سے پہلے ماہ صفر ۲ھ تک ممنوع تھا کیونکہ اس
"زمانہ میں پیغمبر (صلعم) کو بغیر جنگ کئے جس کی ممانعت کچھ اوپر بیشتر آیتوں میں ہو چکی
"تھی صرف موعظت و تنبیہ کا حکم دیا گیا تھا۔ پھر صرف اُن لوگوں سے لڑنے کی اجازت
"ملی جو مسلمانوں سے لڑتے تھے۔ پھر اُن لوگوں سے جو مسلمانوں پر حملہ کرتے تھے، ادب
"کے مہینوں کے سوا دوسرے مہینوں میں لڑنے کی اجازت ملی۔ اس کے بعد اُن سے
"ہر وقت مطلق جنگ کرنے کا حکم دیا گیا خواہ وہ لڑیں یا نہ لڑیں، خواہ ادب کے مہینوں
"یا سال کے دوسرے مہینوں میں"۔[۲]

۱۰۷۔ نہ تو نویں سورۃ کی پانچویں آیت میں حملہ کی لڑائی کی اجازت ہے اور نہ چھتیسویں آیت میں۔ یہ دو نو آیتیں دفاعی جنگوں کے موقع پر نازل ہوئی تھیں اور اُن میں جن لوگوں کے خلاف لڑنے کا حکم ہے وہی حملہ آور تھے

حلبی کے قول کی غلطی

اس مضمون کے متعلق جتنی آیتیں حلبی نے نقل کی ہیں اُن سب پر پچھلے صفحوں میں فقرہ ۹۲ سے فقرہ ۱۰۶ تک بحث ہو چکی ہے، اور اُن کی تفسیر بیان کی جا چکی ہے۔

---

[۱] یہ آیت بطور پیشین گوئی کے نازل ہوئی ہے۔ تفسیر بیضاوی جلد دوم صفحہ ۲۹ سورۃ نور ۲۴۔ آیت ۵۴۔ مطبوعہ یورپ ۱۸۴۸ء ملاحظہ ہو۔ (عبداللہ خاں)

[۲] انسان العیون (المعروف بہ سیرت حلبی) حصہ دوم صفحات ۲۸۹ و ۲۹۱ باب ذکر مغازی مطبوعہ مصر۔

عینی کا ایک اور قول اور اس کا رد۔

۱۰۸۔ عینی شارح ہدایہ نے جس کی شرح بنایہ کے نام سے مشہور ہے، کفار سے حملہ آوری کی جنگ کو حق بجانب قرار دینے کے لئے قرآن مجید کی دو آیتیں[1] اور آنحضرت ؐ کی دو حدیثیں[2] نقل کی ہیں اور یہ لکھا ہے :-

"اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ مطلق احکام بذریعہ آیۂ :-

"فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ

"محدود اور مقید ہیں، یعنے اگر وہ تم سے لڑیں تو اُن کو قتل کرو (البقرہ ۲- آیت ۱۸۷)

"جس سے ثابت ہوتا ہے کہ لڑنا صرف اُس وقت لازم ہے جبکہ کفار جنگ میں سبقت

"کریں، جیسا کہ الثوری کا خیال ہے، تو جواب یہ ہے کہ یہ آیت دوسری آیت سے منسوخ

"ہوگئی ہے۔ پس اُن سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے' (البقرہ ۲- آیت ۱۸۹) اور

"اُن لوگوں سے لڑو جو خدا پر ایمان نہیں رکھتے (التوبہ ۹- آیت ۲۹)۔[3]

مگر یہ دعوٰی کہ "البقرہ ۲- آیت ۱۸۷- سورۂ مذکور کی آیت ۱۸۹- اور سورۂ نہم (توبہ) کی آیت ۲۹ سے منسوخ ہوگئی ہے" غلط ہے۔ یہ شارح موصوف کا ایک من گھڑت خیال ہے جس کی کوئی سند نہیں۔ اس کے علاوہ یہ دونو آیتیں (البقرہ ۲- آیت ۱۸۹ اور التوبہ ۹- آیت ۲۹) **دفاعی جنگوں** سے تعلق رکھتی ہیں۔ جیسے کہ فقرات ۹۶ تا ۹۹ میں پہلے تشریح کی جا چکی ہے۔

---

[1] یعنی سورۂ توبہ ۹- آیت ۲ اور ۱۰۔ ان آیتوں پر فقرہ ۸۷ میں پوری بحث ہو چکی ہے۔

[2] وہ حدیثیں یہ ہیں :-

(۱) "جہاد قیامت تک قائم رہے گا"

(۲) "مجھے لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک کہ وہ یہ اقرار نہ کریں کہ خدائے واحد کے سوا کوئی معبود نہیں ہے"۔

ان حدیثوں کے لئے فقرہ ۱۱۰ دیکھو (عینی جلد دوم صفحہ ۷۸۹ کتاب السیر مطبوعہ لکھنؤ)۔

[3] دیکھو عینی کی شرح ہدایہ جلد دوم حصہ دوم صفحہ ۷۹۰- مطبوعہ لکھنؤ مطبع نولکشور۔

۱۰۹۔ آیت ۱۸۹ کے الفاظ ہی سے فتنہ کی موجودگی کا ثبوت ملتا ہے یعنے

مضمون مذکور پر مزید بحث

حملہ آوروں کی طرف سے ظلم وستم ایذا و اذیت اور جنگ کی ابتدا ثابت ہے۔ اہل مکہ کے ظلم وستم کا انسداد کر کے مسلمانوں کو اپنی ملکی اور مذہبی آزادی دوبارہ حاصل کرنے کی ضرورت تھی۔ جس سے اُن کو کمال بے انصافی کے ساتھ محروم کیا گیا تھا۔ حملہ آوروں کی قوت کو دفع کرنے کے لئے مسلمانوں کی یہ لڑائی دفاع اور حفاظت کی غرض سے تھی۔ جس کا آیہ مذکورۂ بالا میں حکم ہے سورۂ نہم (توبہ) کی انتیسویں آیت اگر جنگ خیبر سے متعلق نہیں، تو جنگ تبوک سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ دونو جنگیں دفاعی حیثیت رکھتی تھیں۔ (دیکھو فقرہ ۲۰ تا آیت ۲۲ کتاب ہذا)۔

۱۱۰۔ اس کے علاوہ، فقہا ابوداؤد کی کتاب حدیث سے ایک حدیث نقل

جہاد کے متعلق دو حدیثیں اور اُن سے استدلال کی غلطی

کرتے ہیں، کہ آنحضرت[1] نے فرمایا "جہاد قیامت تک قائم رہے گا"[2] مگر اول تو جہاد کے لفظی اور قدیم معنے اور نیز قرآن مجید کی اصطلاح میں "نبرد آزمائی" یا "جنگ میں لڑنا" نہیں ہیں۔ اس لفظ کا مفہوم جیسا کہ عرب کے قدیم شعرا اور نیز قرآن مجید نے اس کو استعمال کیا ہے یہ ہے۔ "حتے المقدور کوشش کرنا" "محنت کرنا" "مشقت کرنا" "زور لگانا، اپنی حدِ قابلیت یا سعی وکوشش کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا" زور سے، محنت سے، غور وفکر سے، جانفشانی سے، سرگرمی سے یا ہمت سے کسی کام میں دل لگانا، متوجہ ہونا یا غوص کرنا، جفاکشی یا غیر معمولی محنت کرنا"

ثانیاً۔ یزید بن ابی شیبہ، جو اس حدیث کے سلسلہ رواۃ میں سے ہے، مجہول

[1] ہدایہ کتاب السیر جلد دوم صفحہ ۵۲۸ مطبوعہ لکھنؤ ۱۲۹۹ محشی مولانا عبدالحی مرحوم۔

[2] دیکھو عینی کی شرح ہدایہ جلد دوم حصہ دوم کتاب السیر صفحہ ۷۸۹۔ مطبوعہ لکھنؤ مطبع نولکشور

ہے یعنی اُس کی زندگی کے حالات معلوم نہیں ہیں، اس لئے اُس کی روایت سند نہیں ہوسکتی۔

بخاری میں اس مضمون کی ایک اور **حدیث** ہے کہ آنحضرت ؐ نے فرمایا۔ "مجھے لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے، جب تک کہ وہ یہ اقرار نہ کریں کہ خدائے واحد کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے"[1] یہ روایت آیات قرآنی کے بالکل برعکس ہے، جن میں **جنگ دفاعی** کا حکم ہے، یعنی اُس وقت تک لڑنے کا حکم ہے کہ فتنہ یعنی کُفار کی ایذا رسانی اور ملکی اختلاف اور نا اتفاقی دفع ہو جائے (دیکھو البقرہ ۲- آیت ۱۸۹- اور الانفال ۸- آیت ۴۰)، پس صاف ظاہر ہے کہ یا تو یہ تمام روایت موضوع (بناوٹی) ہے، یا بعض راویوں سے آنحضرت ؐ کے الفاظ کی تعبیر میں غلطی ہوئی ہے۔

۱۱۱- قرآن مجید نے حملہ کی لڑائی کی اجازت نہیں دی، نہ اس وقت جبکہ وہ

جہاد کے خلاف قدیم فقہا کی رائیں۔

نازل ہوا تھا اور نہ زمانہ آیندہ میں، جیسا کہ قدیم فقہا نے نتیجہ نکالا تھا، اب اس امر کا مزید **ثبوت قدیم** مسلمانوں کی رائے سے دیا جائے گا یعنی پہلی اور دوسری صدی ہجری کے فقہا مثلاً **ابن عمر** (فرزند حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی) **سفیان الثوری**، **ابن شبرمہ عطاء** اور **عمرو بن دینار**۔ ان تمام قدیم فقہا کا عقیدہ یہ تھا کہ جنگ مذہب کی رُو سے واجب نہیں ہے، بلکہ صرف جائز ہے، اور جنگ صرف اُن لوگوں کے ساتھ ہونی چاہیئے جو مسلمانوں پر حملہ کریں[2]۔

---

[1] عینی جلد دوم صفحہ ۹۰۷- بخاری کتاب الایمان صفحہ ۸ مطبوعہ لکھنؤ سنہ ۱۳۰۰۔
[2] دیکھو قاضی بدر الدین محمود بن احمد عینی (المتوفی ۸۵۵ھ) کی شرح ہدایہ موسوم بہ بنایہ، جو بالعموم عینی کے نام سے مشہور ہے جلد دوم صفحات ۹۰۷-۹۰۸- کتاب التیسیر مطبوعہ لکھنؤ میں یہ تمام رائیں نقل ہیں۔ علاوہ ازیں بخاری کتاب التفسیر میں حضرت عبداللہ بن عمر کا قول نقل ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری پارہ ۱۸ صفحہ ۶۲ مطبوعہ لاہور ۱۳۲۳ ہجری مطبع احمدی۔

۱۱۲- جن فقہا کے نام اوپر لکھے گئے ہیں، میں اُن کا تذکرہ یہاں مجمل طور پر بیان کرتا ہوں۔

فقہائے مذکور کی سوانح عمری

(۱) ابوعبدالرحمٰن عبداللہ ابن عمرؓ بن خطاب آنحضرتؐ کے اصحاب میں اپنی پارسائی، سخاوت، زہد، علم اور نیکیوں کی وجہ سے نہایت مشہور اصحاب میں سے تھے۔ اگرچہ اُن کو حق تھا کہ وہ بلحاظ اپنے خاندان کے سلطنت کے اعلےٰ ترین عہدوں کی خواہش کرتے، مگر انہوں نے اس طمع کے خیالات کی طرف کبھی توجہ نہ کی، ان کے مرتبہ اُن کی تعلیم و تلقین، اور اُن کی پاک زندگی کی وجہ سے مسلمانوں پر اُن کا بہت بڑا اثر تھا، وہ کسی فریق کی طرفداری میں اپنے اثر کو کام میں نہیں لاتے تھے اور نہ اُس کا بُرا استعمال کرتے تھے، وہ اُن خانہ جنگیوں میں جو مسلمانوں کے باہم پیش آئیں، بالکل الگ رہے، صرف فرائض مذہب کی پابندی میں مصروف رہے۔ تیس سال تک لوگ اطراف و جوانب سے مشورہ لینے اور احادیث سیکھنے کے لئے اُن کے پاس آتے رہے ... اُن کا انتقال سنہ ۷۳ھ (مطابق سنہ ۶۹۲ء) میں بمقام مکہ چوراسی سال کی عمر میں ہوا ....." (طبقات الفقہاء لابی اسحاق ۵- تہذیب الاسماء صفحہ ۳۵۷ مطبوعہ یورپ سنہ ۱۸۴۹ء - ابن سعد جلد ۴ - صفحہ ۱۰۵ تا ۱۳۸ مطبوعہ یورپ سنہ ۱۹۰۹ء)-

(۲) عطا ابن ابی رباح "فقہائے مکہ میں ان کا پایہ بلند تھا، وہ تابعی تھے، عابد و زاہد تھے، انہوں نے (حدیث و فقہ کا علم) جابر بن عبداللہ انصاری عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر اور بہت سے اصحاب رسول سے اخذ کیا تھا۔ عمرو بن دینار، الاعمش، الاوزاعی اور بہت سے دیگر اشخاص نے جو اُن کی تعلیم کو سنتے تھے ایک محدث کی حیثیت سے خود اُن کی سند کا حوالہ

لہ تہذیب الاسماء صفحہ ۴۲۲ مطبوعہ یورپ سنہ ۱۸۴۹ء - ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۳۴۷ مطبوعہ یورپ سنہ ۱۹۰۹ء۔

دیا ہے۔ مکہ میں مفتی کا منصب اُن کے اور مجاہد کے سپرد تھا، جس کے فرائض کو انہوں نے عمر بھر انجام دیا ۔ ۔ ۔ ۔ اُن کا انتقال ۱۱۵ھ (مطابق ۷۳۳ء) میں ہوا، بعض کا قول ہے کہ اٹھاسی ۸۸ برس کی عمر میں انتقال ہوا۔ (تذکرہ ابن خلکان ترجمہ از عربی مترجمہ بیرن میک گوکن دی سلین، جلد دوم صفحات ۲۰۳، ۲۰۴ مطبوعہ لندن ۱۸۴۳ء یا اصل عربی نمبر ۴۳۰ مطبوعہ یورپ ۱۸۳۵ء۔ ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۳۴۴۔ تہذیب الاسماء صفحہ ۴۲۲)۔

(۳) عمرو بن دینار۔ "ان کا شمار مشہور ترین تابعین میں ہے اور نہایت اعلیٰ پایہ کے محدث سمجھے جاتے ہیں، وہ ائمہ مجتہدین میں سے تھے ۱۲۶ھ (مطابق ۷۴۳ء) میں اسّی ۸۰ برس کی عمر میں انتقال ہوا۔ (طبقات الفقہاء۔ ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۳۵۳)۔

(۴) عبد اللہ بن شبرمہ، ابن طفیل۔ مشہور امام اور تابعی ہیں۔ کوفہ کے ممتاز فقیہ تھے۔ انہوں نے انس، الشعبی اور ابن سیرین سے اخذ حدیث کیا تھا، اور سفیان الثوری، سفیان بن عیینہ اور دیگر اشخاص اخذ حدیث میں اُن کا حوالہ دیتے ہیں، ان کی راستی اور بحیثیت ایک فقیہ کے ان کی عظمت سب کے نزدیک مسلم تھی۔ وہ متقی، عقیل، دیندار، اور فیاض تھے، حُسن تقریر اور شاعری کا ملکہ بھی رکھتے تھے۔ خلیفہ ابوجعفر منصور[1] کے عہد میں گرد و نواح کوفہ کے مزروعہ علاقہ (یعنی سواد کوفہ) کے قاضی تھے۔ ۹۲ھ (مطابق ۷۱۰ء) میں پیدا ہوئے اور ۱۴۴ھ (مطابق ۷۶۱ء) میں انتقال کیا۔ (طبقات الفقہاء شافعیہ۔ اور تہذیب الاسماء صفحہ ۳۴۸ مطبوعہ یورپ۔ معارف ابن قتیبہ صفحہ ۲۴۴ مطبوعہ یورپ ۱۸۵۰ء)

---

[1] اصل انگریزی کتاب میں سہو سے مصنف مرحوم نے بجائے المنصور کے خلیفہ مامون کا نام لکھا تھا۔ لہٰذا بسو تحقیق اس کی صحت کر دی گئی۔ (عبداللہ خاں)

(۵) سفیان الثوری - کوفہ کے رہنے والے، احادیث اور دیگر علوم میں نہایت اعلےٰ درجہ کے اُستاد تھے، اُن کی پارسائی، عبادت، صداقت، اور اُن کے زُہد کو سب لوگ تسلیم کرتے تھے، اور اُن کا شمار ائمہ مجتہدین میں ہوتا ہے . . . . سفیان بن عیینہ نے بیان کیا ہے کہ حلال و حرام کے علم میں سفیان الثوری سے زیادہ عالم میں کسی شخص کو نہیں جانتا . . . . سفیان کی ولادت ۹۵ھ مطابق ۷۱۳ء ہے، دیگر روایات کی رو سے اُن کی ولادت کا سال ۹۶ھ یا ۹۷ھ تھا ہے، ۱۶۱ھ میں بمقام بصرہ[1] انتقال کیا . . . . بعض کا قول ہے کہ سُفیان کا انتقال ۱۶۲ھ میں ہوا، مگر پہلا بیان زیادہ صحیح ہے" (تذکرہ ابن خلکان مترجمہ بیرن میک گوکن ڈی سلین، جلد اول صفحات ۵۷۶ تا ۵۸۰ مطبوعہ لندن ۱۸۴۳ء - یا اصل عربی وفیات الاعیان نمبر ۲۶۵ مطبوعہ ۱۸۳۵ء - تہذیب الاسماء صفحہ ۲۸۶ مطبوعہ یورپ ۱۸۶۹ء)

یورپین مصنفوں کی غلطی -

۱۱۳ - یوروپین مصنفوں کا دعویٰ ہے کہ قرآن مجید ملکی لڑائیوں کی یا بالفاظ دیگر غیر مسلموں سے بلا اشتعال طبع جنگ کی اجازت دیتا ہے، اس دعوے کی غلطی مسٹر ار کوہارٹ اور مسٹر ایڈورڈ ولیم لین کی شہادت سے ثابت ہے - مسٹر لین حسب ذیل لکھتے ہیں :-

"میں اُن علما کی رائے سے اور نیز اُس خیال سے جو یوروپ میں پھیلا ہوا ہے غلطی

" میں مبتلا ہو گیا تھا، اور میں نے جنگ مقدس (جہاد) کے قوانین کو زیادہ سخت ظاہر کیا

" تھا، مگر جب قرآن کو احتیاط سے مطالعہ کیا گیا، تو اس کے الفاظ و مفہوم کے موافق اور

" نیز فقہ حنفی کے موافق میں نے اُن قوانین کو ایسا سخت نہیں پایا - میں مسٹر ار کوہارٹ

" کا ممنون ہوں کہ صاحب موصوف نے مجھے اس بات کی ضرورت سمجھائی کہ میں اپنے سابقہ

---

[1] معارف ابن قتیبہ صفحہ ۲۹۹ - تاریخ یافعی قلمی نایاب کتب خانہ آصفیہ فن تاریخ نمبر ۶۸ صفحہ ۱۹۷ - واقعات ۱۶۱ھ - (عبد اللہ خاں)

"بیان پر جو جہاد کے متعلق تھا، نظر ثانی کروں، اور مجھے اپنے اس عقیدہ کو ضرور ظاہر کر
"دینا چاہیئے کہ قرآن کے سیاق کلام پر نظر کرنے کے بعد اس میں کوئی ایسا حکم نہیں نکلتا
"جس سے اشتعال طبع کے سوا کسی اور حالت میں جنگ کرنا صحیح قرار دیا جاسکے۱۵"

۱۱۴۔ اب میں یورپین مصنفوں کے متعدد اقوال، جن میں عیسائی پادری اور

سر ولیم میور کا قول۔

ہندوستانی مشنری بھی شامل ہیں، نقل کرتا ہوں، جن سے ثابت ہوگا کہ یہ لوگ جو ابتداءً بجنگ اور جبراً مسلمان بنانے کا الزام قرآن مجید اور آنحضرت کی طرف منسوب کرتے ہیں، راہ حق سے کیسے منحرف ہیں۔ سر ولیم میور بیان کرتے ہیں کہ اصول اسلام مقتضی اس امر کے ہیں کہ جنگ ہمیشہ جاری رکھی جائے، اور یہ لکھتے ہیں:—

"اسلام کے استحکام کے لئے بڑی ضرورت تھی کہ حملے پے درپے جاری رکھے جائیں،
"اور اسلام کا یہ دعوٰی کہ سب لوگ اس کو قبول کریں یا کم از کم اُس کی برتری اور فوقیت
"تسلیم کریں، بزور شمشیر منوایا جاتے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عرب کی سرحد میں یہ کام پورا
"ہوچکا تھا۔ اب صرف یہ کام باقی تھا کہ صحرائے شام کے مسیحی اور بُت پرست قبائل کو
"زیر کیا جائے، اور پھر بسم اللہ کر کے فارس اور روما کی سلطنتوں کے آگے پنجۂ آہنی ڈالا
"جائے (اُن کو لڑائی کا چیلنج دیا جائے)، جنہوں نے چار سال پہلے پیغمبر کی دعوت کو، جو
"سنجیدگی کے ساتھ بطور تہدید پیش کی گئی تھی، بنظر حقارت دیکھا تھا، اور جو اس وقت
"سزا پانے کے لئے تیار تھیں۲"

سر ولیم میور نے یہاں جس موقع کا حوالہ دیا ہے، وہ اس آفت کو دور کرنے کے لئے تھا جو بمقام موتہ پیش آئی تھی۔ آنحضرت ؐ نے بنی غسان کے بادشاہ

۱۵ دیکھو کتاب "ماڈرن ابجیپشن (جدید مصری)، از ایڈورڈ ولیم لین جلد اول، صفحہ ۱۱۱ نوٹ، طبع پنجم مطبوعہ لندن ۱۸۷۱ء
۲ میور صاحب کی سیرت محمدی، جلد چہارم صفحہ ۲۵۱-۲۵۲۔

کے پاس بمقام بُصریٰ ایک قاصد یعنی سفیر (حارث بن عُمیر ازدی) بھیجا تھا، جو قتل کیا گیا تھا، اور موتہ کی مہم اسی وجہ سے پیش آئی تھی مجرم سردار مسمّی شرجیل بن عمرو الغسّانی کو سزا دینے کے لئے ایک گروہ بھیجا گیا تھا، اس مہم کی بابت ہرگز خیال نہیں کیا جا سکتا کہ وہ لڑائی جاری رکھنے کے لئے جنگ جوئی کا جوش یا حملہ کی کارروائی تھی یا اپنے فوقیت کے دعویٰ کو بزور شمشیر قبول کرانے کی غرض سے تھی[1]۔

اسلام، حمد یا جنگ کی ابتدا کرنے والا نہیں ہے۔

۱۱۵- یہ امر کہ جس اسلام کی آنحضرت ؐ نے تعلیم دی تھی اُس میں ابتدائی لڑائی یا حملہ کا ذکر تک نہیں، قرآن مجید کے متعدد مقامات سے پوری طرح ثابت ہو چکا ہے۔ آنحضرت ؐ کی رسالت کا تمام زمانہ اس طرح گزرا کہ قریش مکہ نے آپ کو تکلیفیں پہنچائیں، آپ کے مواعظ و نصائح کو رد کیا، آپ کی توہین و تحقیر کی، اور بالآخر آپ کا خون ہدر کیا گیا، اور آپنے ہجرت کر کے ایک دور و دراز شہر میں پناہ لی، آپ وطن سے بے وطن کئے گئے، آپ پر حملے کئے گئے، محاصرہ کیا گیا، شکستیں دی گئیں، مکہ واپس جانے اور مقدس خانہ کعبہ کی زیارت سے آپ کو روکا گیا، اور یہ تکالیف اُن ہی دشمنوں یعنی قریش اور گرد و نواح کے دیگر قبائل کے ہاتھوں پہنچی تھیں جو اُن کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ نیز یہودیوں نے جو مسلمانوں پر حملے کرنے میں اپنے ساتھیوں یعنی قریش مکہ سے کچھ کم نہ تھے، مدینہ میں آنحضرت ؐ کے خلاف سازش کی اُنہوں نے قریش کو آنحضرت ؐ سے لڑنے کے لئے اغوا کیا، اور ایک کثیر التعداد فوج لے کر چڑھ آئے، یہ لوگ بدعہد اور باغی، اور خود قریش سے بھی زیادہ مُضر ثابت ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ؐ ہمیشہ خطروں اور مصیبتوں میں مبتلا رہے، اور ایسی حالت میں آپ کے لئے لڑائی میں سبقت کرنی ناممکن تھی، آپ کو مخالفوں پر حملہ کرنے کا کوئی وقت یا موقع

[1] دیکھو ابن سعد جلد دوم صفحہ ۹۲ مطبوعہ یورپ ۱۹۰۹ء۔

نہیں مل سکتا تھا، آپ نہ تو بزور شمشیر سب لوگوں کو مسلمان بنا سکتے تھے، اور نہ ان سے اسلام کی فوقیت تسلیم کرا سکتے تھے، اگر بالفرض آپ کا ایسا ارادہ ہوتا تو بھی یہ بات محال تھی۔ مگر آنحضرتؐ کے **اصول** سے یہ امر نہایت بعید تھا، کہ آپ تمام آدمیوں کو مقہور و مغلوب کرنے کا مقصد پیش نظر رکھتے۔ سر ولیم میور اپنے ریڈ لیکچر میں جو ۱۸۸۱ء میں، یعنی صاحب موصوف کے جس مضمون پر میں بحث کر رہا ہوں، اُسکے لکھنے سے ٹھیک بیس[1] برس بعد دیا گیا تھا، یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ:-

"اسلام نے عرب کی حدود اور اس کے سرحدی علاقوں سے جو کبھی باہر قدم رکھا ہے، تو اُس کی وجہ یہ تھی کہ کچھ ایسے ہی حالات پیش آ گئے تھے، ورنہ اس کا مقصد ایسا نہ تھا۔ دین اسلام دراصل اہل عرب کے لئے تھا، ابتدائی زمانہ میں شروع سے آخر تک اُس کی دعوت[2] کے مخاطب عرب ہی تھے"

اُسی لیکچر کے ایک فٹ نوٹ میں میور صاحب موصوف حسب ذیل لکھتے ہیں (دیکھو صفحہ ۵):-

"یہ سچ ہے کہ تین[3] چار سال پہلے محمد (صلعم) نے قیصر اور خسرو پرویز اور قرب و جوار کے دیگر سلاطین کے پاس سفارتیں بھیجی تھیں، اور اُن کو دین حق کے قبول کرنے کی دعوت دی تھی، مگر اس کے بعد ہرگز کوئی کارروائی کسی قسم کی عمل میں نہیں لائی گئی[4]"

۱۱۶ مسٹر فریکین آنحضرتؐ کی بابت حسب ذیل لکھتے ہیں:-

مسٹر فریمین کا قول

"محمد (صلعم) کے سامنے حضرت موسےٰؑ کی شریعت کا نمونہ موجود تھا، جس میں کنعان کی مجرم قوموں کے استیصال کے لئے بہت زیادہ سخت حکم نافذ کیا گیا تھا۔ گرد و نواح کی تمام طاقتوں، یعنی مسیحی، یہودی اور بت پرست سلطنتوں کا دستور العمل بھی آپ کے

[1] "ابتدائی خلافت اور عروج اسلام" یعنی ریڈ لیکچر بابت ۱۸۸۱ء از سر ولیم میور کے سی ایس۔ آئی ایل ایل ڈی صفحہ ۵ مطبوعہ لندن ۱۸۸۱ء۔

"ردبرو تھا، اگرچہ جو بدل اسلام اور مصر میں حکومت قسطنطنیہ کی طرف سے پیدا ہو گئی تھی
"جہاں مذہب اپنی پرانی صورت پر قائم تھا، اُس سے آپ یہ سبق حاصل کر سکتے تھے
"کہ مذہبی تشدد کی وجہ سے اُس کا مقصد کیسی آسانی سے فوت ہو جاتا ہے . . .
"اُن حالات کا لحاظ رکھنے کے بعد جو آنحضرت ؐ کو پیش آئے، آپ کا تلوار کی طرف رجوع
"کرنا دراصل الزام کی کوئی بڑی بنیاد نہیں ہے۔ آپ نے صرف زمانہ سابق کی نظیروں
"اور نیز گرد و نواح کی ہر ایک قوم کی نظیروں کی پیروی کی تھی۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں
"کیا۔ تاہم ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ ایسے اعلےٰ درجہ کے صاحب فہم و ذکاوت سے جیسے کہ
"محمد (صلعم) تھے معقول طور پر اس امر کی توقع رکھی جاسکتی تھی بلکہ ضرور رکھنی چاہیئے تھی
"کہ آپ کی شان منصب اور سابقہ نمونوں کے حیلے سے ارفع و اعلےٰ ہوتی"[1]

آنحضرت ؐ نے مخالفوں کے استیصال یا اُن سے جبراً اسلام قبول کرانے کے لیے حضرت موسےٰ ؑ اور حضرت یوشع ؑ کی پیروی کا ہرگز ڈھولے نہیں کیا۔ آپ نے اپنی اور اپنے پیروؤں کی جان بچانے کے لئے تلوار اُٹھائی تھی۔ ایسا ہرگز معلوم نہیں ہوتا کہ آنحضرت ؐ نے گرد و پیش کی قوموں یعنے عیسائیوں، یہودیوں، اور مصریوں کے طریق عمل کی نقل کرنے کی خواہش کی۔ آپ کی دفاعی جنگیں جو درحقیقت سب کی سب دفاعی تھیں، بہت نرم تھیں، خصوصاً عورتوں بچوں اور ضعیف مردوں کے ساتھ برتاؤ کے بارہ میں، جن پر حملہ کرنے کا کبھی حکم نہیں دیا گیا، اور ان سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ اسیران جنگ کے ساتھ بھی نرمی کا برتاؤ کیا جاتا تھا، اُن کو یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دیا جاتا تھا، یا فدیہ لے کر، مگر اُن کو غلام بنانے کا ہرگز حکم نہ تھا، حالانکہ گرد و نواح کی تمام قوموں کا

[1] "تاریخ و فتوحات اہل عرب" از ایڈورڈ اے فری مین، ڈی۔سی۔ایل۔ایل۔ڈی۔ صفحات ۶۱۔۶۲۔ مطبوعہ لندن ۱۸۵۶ء

طریقِ عمل اس کے خلاف تھا۔ یہ سچ ہے غلامی کا انسداد تھا (دیکھو سورہ محمد ۴۷۔ آیت ۵۔ اور ضمیمہ کتاب ہذا) آنحضرت ﷺ کی دفاعی جنگوں کا یہ ایک مفید نتیجہ تھا۔ جو بالعموم نوعِ انسان کے لئے ایک بڑی برکت کا موجب ہوا۔

۱۱۷۔ پادری سٹیفنز لکھتے ہیں :۔

پادری سٹیفنز کا قول

"قرآن میں مسلمانوں کو اُن لوگوں سے، جو پیغمبر اسلام کی نبوت کو نہ مانیں، لڑنے کا قطعی اور مطلق حکم موجود ہے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ اطاعت قبول کریں یا اگر وہ یہود و نصاریٰ ہوں، تو جزیہ ادا کر کے قبولیت اسلام سے بری ہو سکتے ہیں۔ ایک مسلمان کا مشن (مُدّعا) جیسا کہ قرآن میں بیان کیا گیا ہے کُھلم کُھلا نبرد آزمائی اور لڑائی میں سبقت ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ محمد (صلعم) نے اپنے شاگردوں کو وصیت کی تھی کہ جہاں ترغیب سے کام نہ چلے وہاں تم لوگ اشاعت دین کے لئے زبردستی سے کام لو۔ اور اس طرح دنیا میں لوٹ مار کرتے پھرو۔ 'اے پیغمبر! خدا کی راہ میں لڑو'۔ 'مومنوں کو لڑائی کا جوش دلاؤ'۔ یہ وہ احکام ہیں جن کی بابت محمد (صلعم) کو یقین تھا کہ وہ خدا کے دئے ہوئے ہیں۔ 'اُن لوگوں سے لڑو جو نہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روزِ آخرت پر'۔ 'بُت پرستوں پر سب مہینوں میں (یعنی ہمیشہ) حملہ کرو'۔ یہ ہیں نصیحتیں جو آنحضرت ﷺ نے اپنے شاگردوں کو کی تھیں[1]۔"

پادری صاحب نے قرآن مجید کے برخلاف جو کچھ تحریر کیا ہے اُس کی بابت اُن کی رائے بہت ہی غلطی پر ہے۔ حملہ کی لڑائی یا جبراً اسلام قبول کرانے کے لئے قرآن مجید میں کوئی مطلق یا قطعی حکم نہیں ہے، جو جملے مسٹر سٹیفنز نے نقل کئے ہیں، اُن میں کلام کے مضمون یا سیاق کا لحاظ نہیں رکھا گیا، آیتوں کو توڑ موڑ کر زبردستی اپنا مطلب

[1] "مسیحیت اور اسلام، بائیبل اور قرآن" از ریورنڈ۔ ڈبلیو۔ آر۔ ایم۔ سٹیفنز، مطبوعہ لندن ۱۸۷۷ء صفحات ۹۸-۹۹۔

نکالا ہے۔ کسی آیت کے متقدم و مؤخر کو نظر انداز کر کے اُس کے ایک ہی جملہ کو پیش کر دینے سے کوئی اصول یا مسئلہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ سیاق کلام، مفہوم عام، ہم مضمون آیات، اور عبارت کے متقدم و مؤخر کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ جن آیتوں کا حوالہ مسٹر سٹیفنسز نے دیا ہے، وہ سورۂ چہارم (نساء) کی آیت ۸۶۔ اور سورۂ نہم (توبہ) کی آیت ۲۹۔ اور آیت ۳۶ ہیں۔ یہ تمام آیتیں کسی دوسری جگہ پوری پوری نقل کی گئی ہیں اور اُن پر بحث ہو چکی ہے[۱]۔ یہ آیتیں محض دفاعی جنگوں سے متعلق ہیں۔

۱۱۹۔ مسٹر باسورتھ اسمتھ کہتے ہیں:۔

مسٹر باسورتھ اسمتھ کا قول۔

[۲] "جو قومیں آنحضرت کے گرد و پیش تھیں اُن کے خیالات عقائد میں زیادہ تر خالص عقیدہ یعنی عام مذہبی آزادی جس کی تاکید پیغمبر اسلام نے اول اول کی تھی، وہ رفتہ رفتہ مذہبی مزاحمت کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ اب وہ زمانہ نہ رہا۔ محمد (صلعم) کو کوئی نہیں ستاتا بلکہ وہ خود لوگوں کو آزار دیتے ہیں، ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں تلوار لے کر قوموں کے سامنے یہ تین باتیں پیش کرتے ہیں کہ ان میں سے کوئی ایک بات قبول کریں، یا اسلام لائیں، یا جزیہ دیں یا موت گوارا کریں"[۲]

آنحضرت نے اپنے طریق رواداری (مذہبی آزادی) کو کبھی نہیں بدلا، اور نہ اپنی تعلیم و تلقین کو مذہبی مزاحمت کے ساتھ تبدیل کیا، آپ کو مکہ اور مدینہ میں ہمیشہ اذیتیں اور تکلیفیں دی گئیں، مگر جہاں تک معلوم ہے آنحضرت بنفس نفیس دوسروں کے لئے باعث آزار کبھی نہیں ہوئے۔ یہ تینوں باتیں جن کا ذکر تو بہت کچھ

[۱] دیکھو فقرات ۱۷ و ۲۹ و ۱۲۶۔ کتاب ہذا۔

[۲] "محمد اور دین محمدی" یعنے وہ لکچر جو آر باسورتھ اسمتھ ایم۔ اے نے فروری اور مارچ ۱۸۷۴ء میں رایل انسٹیٹیوشن برطانیہ اعظم میں دئے تھے، طبع دوم صفحہ ۱۴۳ مطبوعہ لندن ۱۸۷۶ء۔

کیا جاتا ہے مگر ثبوت کچھ نہیں دیا جاتا، قرآن مجید میں ان کا کہیں ذکر نہیں۔ اس مضمون پر فقرات ۳۴ لغایت ۳۹ میں مفصل بحث ہو چکی ہے۔

۱۱۹۔ مسٹر جارج سیل اپنے ترجمہ قرآن کی مشہور و معروف تمہید میں آنحضرت ؐ کی رسالت کے تیرھویں سال کا حوالہ دیکر یہ لکھتے ہیں:۔

مسٹر جارج سیل کا قول۔

"اب تک محمد (صلعم) نے اپنے دین کی اشاعت منصفانہ وسائل سے کی تھی،
"پس ہجرت مدینہ سے پہلے آپ کے مقصد کی تمام کامیابی کو صرف ترغیب و تحریص سے منسوب
"کرنا چاہیئے نہ کہ جبرو اکراہ سے، کیونکہ عقبہ کی اس دوسری بیعت یا وفاداری کے حلف
"سے پہلے، آنحضرت کو جبر یا زبردستی سے کام لینے کی بالکل اجازت نہ تھی، اور قرآن کی
"متعدد آیات میں جن کی بابت آپ کا دعوےٰ تھا کہ وہ مکہ میں نازل ہوئی ہیں، آپ نے یہ
"ظاہر کیا ہے کہ میرا کام صرف تبلیغ اور وعظ و نصیحت ہے، مجھے کسی شخص پر اسلام قبول کرانے
"کے لیے جبر کرنے کا حکم نہیں ہے، اور یہ بات کہ لوگ ایمان لائیں یا نہ لائیں، مجھے اس سے
"کوئی سروکار نہیں، بلکہ یہ امر صرف اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے، آنحضرت ؐ اپنے اصحاب
"کو جبر سے کام لینے کی اجازت دینے کے اس قدر مخالف تھے کہ آپ نے اُن کو حکم دیا تھا کہ
"دین کے معاملہ میں جو تکلیفیں تم کو پہنچائی جائیں اُن کو صبر سے برداشت کرو [ا]ور جب خود
"آنحضرت ؐ کو اذیتیں دی گئیں تو آپ نے مزاحمت کرنے کی بجائے وطن مالوف سے مدینہ
"کی طرف ہجرت کرنا پسند کیا، مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ عظیم صبر و تحمل تمامتر اس وجہ سے تھا
"کہ زمانہ نبوت کے پہلے بارہ سال تک آپ کو اقتدار حاصل نہ تھا، اور آپ کے ظالم دشمنوں
"(قریش) کو بڑی فوقیت حاصل تھی، کیونکہ جونہی آنحضرت ؐ اہل مدینہ کی مدد سے اس قابل
"ہوگئے کہ اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرسکیں، آپ نے اعلان کر دیا کہ خدا نے مجھے اور میرے پیروؤں
"کو کافروں کے مقابلہ میں مدافعت کی اجازت دیدی ہے، اور آخرکار جب آپ کی جمعیت بڑھ
"گئی تو آپ نے یہ دعوےٰ کیا کہ مجھے اُن پر حملہ کرنے اور بزور شمشیر بت پرستی کو مٹا کر دین حق کے

"قائم کرنے کی اجازت بھی من جانب اللہ مل گئی ہے، آپ کو تجربہ سے یہ بات معلوم
"ہو گئی تھی کہ اگر جبر و تعدی سے کام نہ لیا گیا تو میرے مقاصد گو بالکل فوت نہ ہوں
"تاہم اُن کی ترقی کی رفتار بہت سست پڑ جائیگی، اور آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ جب
"کسی شے کے موجد محض اپنی ذاتی طاقت پر بھروسا کرتے ہیں، اور (اپنی راستے
"کے قبول کرانے کے لئے) دوسروں کو مجبور کر سکتے ہیں تو اُن کو شاذ و نادر ہی کوئی
"خطرہ پیش آتا ہے، جس سے ایک مدبّر سلطنت کے خیال کے موافق یہ نتیجہ نکلتا ہے
"کہ جن پیغمبروں نے ہتھیار اُٹھائے وہ کامیاب ہوئے، اور جنہوں نے ہتھیار نہ اُٹھائے
"وہ ناکام رہے، اگر حضرت موسےٰؑ۔ سائرس تھیسس۔ اور رومیولس ہتھیار
"نہ اُٹھاتے تو وہ اپنے قوانین و آئین کی تعمیل ہرگز نہ کرا سکتے۔ خواہ کتنی ہی مدت تک
"کوشش کرتے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ قرآن کی سب سے پہلی آیت جس نے محمد (صلعم)
"کو اپنی مدافعت کے لئے ہتھیار اُٹھانے کی اجازت دی، بائیسویں سورۃ (حج آیت ۴۰)
"میں ہے، اس کے بعد اسی مضمون کی بہت سی آیتیں نازل ہوئیں۔

"شاید یہ بات تسلیم کی جا سکتی ہے کہ محمد (صلعم) کو اپنے بے انصاف ایذا دہندوں
"کے مقابلہ میں مدافعت کے لئے ہتھیار اُٹھانے کا حق حاصل تھا مگر یہ امر کہ آیا بعد ازاں
"اپنے مذہب کے قائم کرنے کے لئے بھی اسی وسیلہ سے کام لینا چاہئیے تھا یا نہیں، ایک
"ایسا سوال ہے جس کا فیصلہ میں اس مقام پر نہیں کرونگا۔ نوع انسان کی راستے
"اس امر میں متفق نہیں ہے کہ دنیوی سلطنت اس قسم کے معاملات میں (یعنی دین کو
"تلوار کے زور سے پھیلانے میں) کہاں تک دخل دینے کی مجاز ہے یا اُس کو کہاں تک
"دخل دینا چاہیئے۔ کسی دین کو بزور شمشیر منوانے کا طریقہ اُس دین کے حق میں جو اس طرح
"جاری کیا جائے کچھ بہت اچھی راستے قائم نہیں کرتا۔ لوگ دوسرے مذہب والوں کو تو
"اس طریق عمل (یعنی جبراً مذہب قبول کرانے) کی اجازت نہیں دیتے، مگر اپنے مذہب

" کی ترقی کے لئے اُس قاعدہ کو تسلیم کرنے کے لئے رضامند ہیں، اُن کا خیال یہ ہے کہ
" اگرچہ جھوٹے مذہب کو حکومت کے زور سے جاری نہیں کرنا چاہیئے، تاہم سچے مذہب
" کو اس طرح جاری کر سکتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں حکومت رہی
" ہے اُنہوں نے ایسی حالتوں میں ہمیشہ جبر سے کام لیا ہے، اور جو لوگ ظلم سہتے رہے
" ہیں وہ ہمیشہ اس کے شاکی رہے ہیں[1]"

میں مسٹر جارج سیل کے اُن الفاظ سے جو اُنہوں نے آنحضرت ؐ کی نسبت لکھے ہیں، " اور آخر کار جب آپ کی جمعیت بڑھ گئی تو آپ نے یہ دعویٰ کیا کہ مجھے اُن پر حملہ کرنے اور بزور شمشیر بُت پرستی کو مٹا کر دینِ حق کے قائم کرنے کی اجازت بھی من جانب اللہ مل گئی ہے"، متفق نہیں ہوں، آنحضرت ؐ نے بجز **مدافعت یا حفاظت خود اختیاری** کے قریش یا دیگر اشخاص پر ہرگز حملہ نہیں کیا بُت پرستی کا استیصال آنحضرت کی رسالت کا **خاص مقصد** تھا اس کو بھی بزور اسلحہ حاصل نہیں کیا گیا نہ تو کسی شخص کو بہ جبر مسلمان بنایا گیا اور نہ خود آنحضرت ؐ کی تواریخ سے اس امر کا اشارہ پایا جاتا ہے، کہ بُت پرستوں کو بزور شمشیر وطن سے نکال کر اُن کا استیصال کر دینا آپ کی پیغمبری کے خاص مقصد میں داخل تھا۔ دشمنوں کی **ایذا رسانی** اور **ملکی اختلاف یا بدامنی** کا انسداد یا دفعیہ ضروری تھا، اور طاقت کے روکنے کے لئے طاقت ہی کا استعمال کیا گیا تھا، مگر اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا گیا۔ آنحضرت ؐ نے بزور شمشیر اسلام قبول کرانے کے لئے کسی شخص پر زور نہیں ڈالا۔

۱۲۰۔ **میجر آسبرن** نے اپنی کتاب " اسلام زیر حکومت عرب[2]" میں "مسئلہ جہاد" کے عنوان سے جہاد کی ایک نہایت باریک تصویر کھینچی ہے۔ میجر صاحب

میجر آسبرن کا قول

[1] دیکھو جارج سیل کے ترجمہ قرآن کی تمہید۔ باب دوم صفحہ ۲۷ - ۲۸۔
[2] دیکھو کتاب مذکور (مطبوعہ لونگ مینز گرین اینڈ کمپنی لنڈن) کے صفحات ۴۶ لغایت ۵۴۔

موصوف نے آنحضرت ﷺ کی ان دفاعی جنگوں کی تشریح اس طرح کی ہے کہ :-

"یہ لڑائیاں بہ معاش کا ایک ذریعہ تھیں جو اہل عرب کی طبیعت کے مناسب حال ہے اور ان کی نگاہ میں ان لڑائیوں سے اُن پر کسی ذلت یا بداخلاقی کا الزام نہیں لگتا تھا۔ یہ قزاقی کا کام تھا، تو پھر مسلمان اپنی قلیل معاش کو یہ مفید اور معزز پیشہ اختیار کر کے کیوں نہ حاصل کرتے؟ یہ پیشہ ایسے ہر شخص کے لیے جس کے ہاتھ میں تلوار ہو اور جو اُس سے کام لینا جانتا ہو، کھلا ہوا تھا .... ان کفار کو لوٹنا اور اُن بندگان خدا (یعنی اہل اسلام) میں سے بھوکوں کو روٹی اور ننگوں کو کپڑا دینے کے لئے اُن کے مال و متاع کا استعمال کرنا یقیناً ایسا کام تھا جو خدا تعالیٰ کی نظر میں نہایت پسندیدہ سمجھا جاتا تھا .... اور دین اسلام کو تلوار کا دین بنانے کے لئے یہ پہلا قدم تھا۔"

(دیکھو صفحات ۷۶-۷۷)۔

اس کے بعد **میجر صاحب موصوف** دوبارہ لکھتے ہیں کہ :-

"قرآن کی نویں سورۃ (توبہ) میں پیغمبر (صلعم) کا وہ اعلان جنگ شامل ہے جو آنحضرت ﷺ نے اسلام کے سوا تمام دیگر مذاہب کے پیروؤں کے خلاف شائع کیا تھا" (دیکھو صفحہ ۸۴)

اس کے بعد صاحب موصوف آٹھویں اور نویں سورۃ کی کئی آیتیں جن میں سے بعض آدھے آدھے جملے ہیں نہایت ہی بگاڑ کر سلسلہ وار نقل کرتے ہیں، مگر آیتوں کا نمبر نہیں دیتے۔ وہ آیتیں یہ ہیں :-

(۱) سورۂ نہم (توبہ) آیات ۲۰ و ۳۴ و ۳۵ و ۸۲ و ۱۲۱-

(۲) سورۂ ہشتم (انفال) آیت ۶۷-

(۳) سورۂ نہم (توبہ) آیات ۳۶ و ۲۹ و ۱۹-

(۴) سورۂ چہل و ہفتم (محمد) آیت ۴-

(۵) سورۂ نہم (توبہ) آیت ۵-

(۶) سورہ ہشتم (انفال) آیت ۴۲-

آخر میں اس **فاضل میجر** نے ان الفاظ میں نتیجہ نکالا ہے:-

"جنگ مقدس جس کا حکم مسلمانوں کو دیا گیا تھا اُس کی صورت یہ تھی جو اُوپر بیان ہوئی۔
"یہ محمد (صلعم) کا سب سے بڑا اور سب سے بدتر کارنمایاں تھا (**نعوذ باللہ من
"ھٰذہ الھفوات**) جب خود آنحضرت (صلعم) کو دشمنوں کی ضرررسانی سے تکلیفیں
"پہنچتی تھیں، اُس وقت آپ کو معلوم ہوا کہ جسمانی اذیتیں دلی اعتقاد کے تبدیل کرنے
"میں کس قدر کمزور ثابت ہوتی ہیں۔ جو اصول آپ نے تجویز کئے تھے اُن میں سے ایک
"یہ بھی تھا کہ مذہب میں کوئی زبردستی نہیں ہونی چاہیئے۔ ابتدائی زمانہ میں یہود ونصاریٰ
"کی بابت آپ نے فرمایا تھا کہ تم میں سے ہر شخص کو ہم نے ایک قانون دیا ہے اور
"ایک کھلا رستہ بتادیا ہے، اور اگر خدا چاہتا تو یقیناً تم کو ایک ہی اُمت بنا دیتا مگر اُس
"نے تم کو مختلف قوانین دینے مناسب سمجھے تاکہ جو قانون تم کو علیحدہ علیحدہ دیا گیا ہے اُس
"میں تمہارا امتحان کرے، پس نیک کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی
"کوشش کرو تم سب خدا کی طرف واپس جاؤ گے اور پھر وہ تم کو اس امر کے متعلق جس میں
"تم نے اختلاف کیا ہے صاف طور پر بتادے گا۔"

"مگر کامیابی کے نشہ نے (یہ دروغ محض ہے) آپ کے بہتر خیالات کی آواز کو بہت
"عرصہ پہلے ہی خاموش کر دیا تھا۔ اس عمر رسیدہ پیغمبر (یعنے آنحضرت ؐ) نے جو گویا قبر
"میں پاؤں لٹکائے بیٹھے تھے، اور جنہوں نے آخری میراث یہی چھوڑی تھی کہ جنگ کا
"ایک عام فرمان جاری کر دیا تھا، دشمنوں نے مخالفت کے زور سے ایک دوسرے مذہبی
"معلم (یعنی حضرت مسیح ؑ) کے اُن آخری الفاظ کو جو انہوں نے اپنے حواریوں سے
"کہے تھے، بالکل منسوخ کر دیا، وہ الفاظ جو حواریوں سے کہے گئے تھے، یہ ہیں:- "تم
"باہر جاؤ اور تمام قوموں کو امن و امان کی انجیل کا وعظ سناؤ۔ ان دو نو معلموں کے

"مختلف قسم کے حکموں کی جس طرح تعمیل کی گئی، اُس کا اختلاف بھی کچھ کم حیرت انگیز
"نہیں ہے، یعنی اہل عرب نے تو ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لیکر
"جلتے ہوئے شہروں کے شعلوں اور تباہ و برباد شدہ خاندانوں کی چیخ پکار کے درمیان
"اپنے دین کی اشاعت کی اور حواریان مسیح ؑ نے دُنیائے روما کی اخلاقی تاریکی میں
"روشنی کی نرم مگر ناقابل مزاحمت طاقت سے کام کیا، ازسرنو سوسائٹی (تمدن) کی بنیاد
"ڈالی اور خانگی اور قومی زندگی کے ناپاک چشموں کے منبع کو پاک و پاکیزہ بنایا۔"

۱۲۱- اس فاضل مصنف کو جس کا قول اوپر نقل کیا گیا ہے۔ یا تو پیغمبر اسلام (صلعم) کے غزوات کی ماہیت سمجھنے میں **غلط فہمی** ہوئی ہے اور یا انہوں نے دیدہ و دانستہ اُن کی نہایت ہی **غلط تعبیر** کی ہے جو جہل سے بھی بدتر ہے۔ صاحب موصوف نے دو امور میں سخت غلطی کی ہے۔

میجر آسبرن کے خیال کا ابطال۔

اوّلاً- میجر صاحب موصوف نے ان لڑائیوں کو فتحمندی اور جبر و تعدّی اور ظلم کی لڑائیاں قرار دیا ہے، حالانکہ یہ سب لڑائیاں ابتدائی مسلمانوں کے ملکی اور مذہبی حقوق کی حمایت میں کی گئی تھیں اور جیسا میں نے پہلے بیان کیا ہے مکہ میں مذہب کی وجہ سے مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچائی گئیں اُن کو ستایا گیا اور طرح طرح کی عقوبتوں میں مبتلا کیا گیا اور ایک مدت مدید تک وقتاً فوقتاً تازہ بتازہ اور سخت تجویزوں سے تکلیفیں دینے کے بعد اُن کو زیادہ تر سخت اور صعب مصائب میں مبتلا کیا گیا، اُن کو جلاوطن کیا گیا، اُنہیں اپنے پیارے رشتہ داروں اور دینی بھائیوں کو کُفّار کی ایذا رسانی کی مصیبتیں جھیلنے کے لئے مکہ میں چھوڑنا پڑا، اور جب انہوں نے مدینہ میں پناہ لی تو ایک کثیر التعداد جمعیت نے اُن پر حملے کئے، گرد و نواح کے متعدد قبائل عرب و یہود حملہ آور قریش کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اُنہوں نے مسلمانوں پر تباہ کُن حملہ کرنے شروع کئے اور پہلے سے بھی زیادہ سخت اور بھاری مصائب کی اُن کو دھمکی دینے لگے۔ اس بیان سے

یہ بات معلوم ہوگی کہ یہ لڑائیاں نہ تو فتوحات حاصل کرنے کے لیے تھیں اور نہ جبراً مسلمان بنانے کے لئے۔

ثانیاً۔ دوسری بڑی غلطی جس میں **میجر آسبرن** صاحب مبتلا معلوم ہوتے ہیں یہ ہے، کہ وہ لڑائی کے اُن احکام کو جو اہل مکہ یا دیگر حملہ آوروں کے مقابلہ میں صادر ہوئے تھے، اس امر پر محمول کرتے ہیں کہ جملہ منکرین اسلام کے مقابلہ میں جنگ کرنا دین اسلام کا ایک **عام فرض** قرار دیا گیا ہے۔ درحقیقت یہ احکام اُن ہی حملہ آوروں کے مقابلہ میں تھے جو ابتدائی مسلمانوں کے حقوق اور اُن کی آزادی میں نہایت سخت مداخلت کرنے کے واقعی مرتکب ہوئے تھے، اور جنہوں نے اُن کو بڑی بڑی تکلیفیں پہنچائی تھیں۔ یہ احکام اسلامی دُنیا کی آئندہ رہبری سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے اور نہ اب رکھتے ہیں۔

۱۲۲۔ میجر آسبرن کا یہ بیان کہ "نویں سورت (توبہ) میں پیغمبر (صلعم) کا وہ

قرآن مجید کی نویں سورت (توبہ)

اعلان جنگ شامل ہے جو آپ نے اسلام کے سوا تمام دیگر مذاہب کے پیرووں کے خلاف شائع کیا تھا" واقعات کی نہایت ہی غلط تعبیر ہے۔ کوئی بیان راستی سے اس قدر بعید نہیں ہوسکتا جیسا کہ صاحب موصوف کا یہ بیان ہے۔ نویں سورت (توبہ) میں، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ اس سورت کی ابتدائی آیتوں میں پیغمبر (صلعم) کا وہ **اعلان جنگ شامل ہے جو مشرکین مکہ کے مقابلہ میں شائع کیا گیا تھا**، یعنی وہ لوگ جنہوں نے عہد نامہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کر کے مسلمانوں پر حملہ کیا تھا (دیکھو سورۃ توبہ ۹۔ آیات ۴ و ۸ و ۱۰ و ۱۲ و ۱۳۔ اور کتاب ہذا کا فقرہ ۱۷)۔ ان لوگوں کو صلح کی شرائط طے کرنے کے لئے چار مہینے کی مہلت دی گئی تھی۔ انہوں نے اطاعت قبول کی اور مکہ باہمی مصالحت سے فتح ہوگیا، اور اسی وجہ سے وہ جنگ جس کا اعلان ان آیتوں

میں کیا گیا ہے، پیش نہیں آئی۔ جن لوگوں نے عہد ناموں کو نہیں توڑا تھا اُن کا ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے، اور اُن سے اعلان جنگ یا مہلت صلح کا کوئی تعلق نہیں ہے (دیکھو التوبہ ۹۔ آیات ۴ و ۷ جو فقرۂ ۷ا میں نقل ہو چکی ہیں) پس یہ بات صاف ظاہر ہے کہ جنگ کا اعلان صرف **نقض عہد** کرنے والوں اور حملہ آوروں کے مقابلہ میں شائع کیا گیا تھا، نہ کہ اسلام کے سوا تمام دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے مقابلہ میں۔ میں نے اس کتاب کے فقرۂ ۴۰ میں سورہ نہم (التوبہ ۹) کے متعلق مزید بحث کی ہے، اس سورۃ کی دیگر آیات **مہم تبوک** سے متعلق ہیں جو اپنی حیثیت میں محض دفاعی مہم تھی، جیسا کہ کتاب ہذا کے فقرہ ۳۲ میں بیان گیا ہے (فقرۂ ۴۲ بھی دیکھو)۔

پادری ویری کی رائے اور اس کا رد۔

۱۲۳۔ پادری ای۔ ایم ویری ایم۔ اے اپنے نوٹ میں جو صاحب موصوف نے **سیل صاحب** کے ترجمہ قرآن کی تمہید پر لکھا ہے حسب ذیل تحریر کرتے ہیں:۔

"اگرچہ محمد (صلعم) نے بلاشبہ موسےٰ ؑ کو اپنا نمونہ قرار دیا تھا، اور جب آپ نے کفار سے جہاد کرنے کا حکم دیا تو اپنے آپ کو موسےٰ ؑ کا پیرو خیال کیا تھا۔ تاہم جہاں تک کفار سے جنگ کرنیکا تعلق ہے، اُن میں باہمدگر کوئی مشابہت نہیں ہے۔ بنی اسرائیل کو بنی کنعان کے قتل کا حکم اس حیثیت سے دیا گیا تھا کہ وہ لوگ بنی کنعان کے قلع و قمع کے لئے ایک الٰہی آلۂ کار قرار دئے گئے تھے [مگر محمد (صلعم) نے جنگ کو لوگوں کے جبراً مسلمان بنانے کا ایک وسیلہ بنا دیا]۔ بنی اسرائیل کو اجازت نہ تھی کہ بنی کنعان کو جبراً اپنے مذہب میں داخل کریں، (دیکھو خروج باب بست وسوم[۲۳] درس ۳۲ و ۳۳) مگر مسلمانوں سے اس امر کی استدعا کی جاتی ہے کہ وہ بزور شمشیر دوسروں کو مسلمان بنائیں"[۱]

[۱] قرآن کی ایک مبسوط تفسیر بشمول ترجمہ جارج سیل وتمہید مع حواشی و اصلاح مزید از: پادری۔ ای۔ ایم ویری ایم اے صفحہ ۲۲۰۔ مطبوعہ لندن ٹروبنر اینڈ کو ۱۸۸۲ء۔

آنحضرت (صلعم) نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں دفاعی جنگ کا حکم دینے اور قوت کو قوت سے دفع کرنے میں حضرت موسیٰ ؑ کے قدم بہ قدم چلتا ہوں۔ حضرت موسیٰ ؑ کی جنگوں میں جو محض فتحمندی، حملے، استیصال اور جلاوطنی کی لڑائیاں تھیں اور آنحضرت (صلعم) کی جنگوں میں جو محض دفاعی طور پر کی گئی تھیں، ذرا بھی کوئی مشابہت نہیں ہوسکتی۔ آنحضرت (صلعم) نے لڑائی کو اس حیثیت سے جاری رکھ کر کہ وہ جبراً مسلمان بنانے کا ایک ذریعہ ہو، ہرگز اپنے عہد کو مقدس نہیں بنایا، اور کسی شخص کو محض تلوار کی قوت سے ہرگز مسلمان نہیں بنایا۔ مسٹر ٹی۔ ایچ۔ ہورن۔ ایم۔ اے اہل کنعان کے استیصال کی بابت حسب ذیل لکھتے ہیں :-

"جب خدا کے تحمل کا زمانہ منقضی ہوگیا تو اس کے بعد بھی ان دو باتوں میں سے ایک "بات اُن کے سامنے پیش کی گئی، کہ وہ یا تو کسی دوسری جگہ نکل جائیں جیسا کہ فی الحقیقت "دوسرے لوگوں نے کیا تھا، یا اطاعت قبول کریں، اور بُت پرستی ترک کر کے اسرائیل "کے خدا کی عبادت کریں۔ (احکام مندرجہ استثنا باب بستم درس ۱۰ الغایت ۱۷ کے ساتھ "مقابلہ کرو)[1]

"یہ فعل درحقیقت جبراً اور بزور شمشیر دین قبول کرانا تھا"

۱۲۴۔ قرآن مجید میں صرف ایک ہی مثال ہے جس میں آنحضرت (صلعم) کے دفاعی جنگ کی بابت یہودیوں کی تاریخ سے ایک تمثیل پیش کی گئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر حضرت شموئیل[2] سے درخواست کی ہے، کہ آپ ہمارے لئے ایک پادشاہ تجویز کریں جو

> یہودیوں کی تاریخ سے ایک مثال۔

---

[1] دیکھو کتاب مقدس تنقیدی مطالعہ اور علم کی تمہید" از ٹامس ہارٹ ویل ہورن ایم۔ اے جلد دوم صفحہ ۵۲۴ مطبوعہ لندن ۱۸۲۶ء۔

[2] ابن اثیر جلد اول صفحہ ۱۵۱ تا ۱۵۴۔ بیضاوی جلد اول صفحہ ۱۲۷ تا ۱۲۰ مطبوعہ یورپ ۱۸۴۸ء البقرہ ۲۔ آیت ۲۴۷ کے ذیل میں ملاحظہ کرو۔

اہل فلسطین کے مقابلہ میں ہمارے لئے دفاعی جنگ کرے، کیونکہ انہوں نے بنی اسرائیل پر بہت زیادہ ظلم کئے تھے۔ **شاول** (طالوت) بنی اسرائیل کا بادشاہ مقرر کیا گیا اور حضرت داؤد نے **گولایتھ** کو جس کو قرآن مجید میں **جالوت** کہا گیا ہے[1] قتل کیا، اور یہ جنگ بنی اسرائیل کی مدافعت میں کی گئی تھی۔ میں نے اس کتاب کے فقرہ ۷ میں قرآن مجید کی اُن آیتوں کو نقل کر دیا ہے، جو اس مضمون سے متعلق ہیں، (یعنی سورۂ بقرہ ۲۔ آیت ۲۴۷۔ اور آیت ۲۵۷) اور اب بھی ایک آیت نقل کی جاتی ہے:۔

۲۴۷۔ اَلَمۡ تَرَ اِلَی الۡمَلَاِ مِنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مُوۡسٰی ۘ اِذۡ قَالُوۡا لِنَبِیٍّ لَّہُمُ ابۡعَثۡ لَنَا مَلِکًا نُّقَاتِلۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ قَالَ ہَلۡ عَسَیۡتُمۡ اِنۡ کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الۡقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوۡا ؕ قَالُوۡا وَ مَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ قَدۡ اُخۡرِجۡنَا مِنۡ دِیَارِنَا وَ اَبۡنَآئِنَا ۔ ۔ ۔

(البقرہ ۲۔ آیت ۲۴۷)۔

۲۴۷۔ "(اے پیغمبر) کیا تم نے بنی اسرائیل کے سرداروں (کے حال) پر نظر نہیں کی جبکہ انہوں نے موسیٰ کے بعد اپنے پیغمبر (شموئیل) سے کہا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کیجئے کہ ہم راہ خدا میں لڑائیں، پیغمبر نے کہا اگر قتال تم پر فرض کیا جائے تو تم سے کچھ بعید نہیں کہ تم نہ لڑو، انہوں نے کہا کہ ہم اپنے گھروں اور اپنے بال بچوں سے تو نکالے جا چکے۔ اب ہمیں کیا ہوا جو ہم خدا کی راہ میں نہ لڑیں۔ . . . . . .

(البقرہ ۲۔ آیت ۲۴۷)۔

اس سے ظاہر ہے کہ قرآن یا آنحضرت ؐ نے یہودیوں کی تاریخ سے جو مثال پیش کی تھی وہ محض اُن کی دفاعی جنگ تھی۔

حضرت موسیٰ ؑ کے احکام متعلق جنگ

۱۲۵۔ یہ بات نہایت غیر منصفانہ ہے کہ مسیحی لوگ (مؤرخ) آنحضرت ؐ کے **غزوات** کی بابت بہت کچھ مبالغہ کرتے ہیں،

[1] بیضاوی جلد اول صفحہ ۱۲۷ مطبوعہ یورپ ۱۸۴۸ء۔

جن کی حیثیت محض دفاعی تھی اور حضرت موسیٰ ع - حضرت یوشع ع اور دیگر معزز اور متقدر اشخاص کی نہایت ہی بیرحمانہ جنگوں کی بابت جو خداء تعالیٰ کے خاص حکم کے بموجب حصول فتح اور استیصال کفار کی غرض سے عمل میں لائی گئی تھیں، حیلے تراشتے اور ان کی حمایت کرتے ہیں (دیکھو گنتی (الاعداد) ورس ۳۱ اور استثنا ورس ۲۱ وغیرہ) مگر جو کچھ مسٹر ویری کہتے ہیں اُس پر بھی غور کرو، صاحب موصوف قرآن مجید کی سورۂ دوم (البقرہ ۲) کی آیت ۱۸۷ کی تشریح میں حسب ذیل تحریر کرتے ہیں:-

"(آیت ۱۸۷) واقتلوھم ..... اس قسم کی آیتوں کی بابت بعض حامیانِ دینِ "مسیحی نے پیغمبر عرب ص کی بیرحمانہ خصلت ظاہر کرنے کے لئے بہت کچھ مبالغہ کیا ہے اور "ان سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ آنحضرت ص (معاذ اللہ) ایک دغاباز اور آپ کا قرآن "(معاذ اللہ) ایک فریب تھا - ہم اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ محمد (صلعم) بیرحم "تھے، (محض لغو ہے) مگر ہمارے نزدیک اس قسم کا حملہ (اعتراض) اگر اس کی نسبت "کم سے کم راے ظاہر کی جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ نہایت ہی ناقابل اطمینان ہے "کیونکہ وہی حملہ (اعتراض) پلٹ کر عہد عتیق کی کُتب مقدسہ پر عائد ہو سکتا ہے اگر محمد (صلعم) "کا یہ دعویٰ تسلیم کر لیا جائے کہ آپ کو خدا کی طرف سے بُت پرستی کے استیصال کا حکم دیا "گیا تھا، کہ جو بُت پرست اپنے گناہوں پر پشیمان نہ ہوں اُن کو قتل کیا جائے تو اُسکے تسلیم "کر لینے کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ آنحضرت (صلعم) کے طریق عمل پر کوئی اعتراض قائم نہیں ہو "سکتا - امر تنقیح طلب یہ ہے کہ آیا خدا نے آنحضرت ص کو بت پرستوں کے قتل کا ایسا ہی حکم "دیا تھا جیسا اُس نے بنی کنعان اور عمالقہ کے قلع و قمع کا حکم دیا تھا، مسلمانوں کی اس حیثیت "کو تسلیم کر لینے کے بعد کہ خدا نے آنحضرت ص اور آپ کے اصحاب کو ضرور ایسا حکم دیا تھا، "اس میں آنحضرت ص کے اخلاق کی حمایت بالکل اسی بنیاد پر کی جا سکتی ہے جس بنیاد پر

"یسیعی حضرت موسیٰ ؑ اور حضرت یوشع ؑ کے اخلاق کی حمایت کرتے ہیں[1]"

پادری ٹی پی ہیوز کا قول

۱۲۶- پادری ٹی پی ہیوز اپنی کتاب میں جس کا نام ہے، (نوٹس آن محمڈنزم) حسب ذیل لکھتے ہیں :-

"جہاد (جس کے لفظی معنی کوشش کے ہیں) کفار کے خلاف ایک مذہبی جنگ ہے جس کی تاکید محمد صلعم نے قرآن میں کی ہے۔

"سورۂ چہارم (النساء ۴- آیت ۹۷) میں لکھا ہے۔

"فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ	"پس تم (اے پیغمبرؐ) راہ خدا میں لڑو"
"فَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجٰہِدِیْنَ	"اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو فضیلت دی ہے"
"(النساء ۴- آیت ۹۷)	(مسٹر ہیوز نے "لڑنے والوں" ترجمہ کیا ہے)

"سورۂ چہل و ہفتم (محمد ۴۷) میں یہ لکھا ہے :-

"وَالَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ	"اور جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے، اُن کے اعمال کو خدا
"فَلَنْ یُّضِلَّ اَعْمَالَہُمْ۔	"ہرگز ضائع نہیں ہونے دے گا۔" (محمد ۴۷- آیت ۵)
"(محمد ۴۷- آیت ۵)	(مسٹر ہیوز نے یہ غلط ترجمہ کیا ہے کہ جو لوگ دین حق کی حمایت میں لڑتے ہیں[2])

پہلی آیت جو مسٹر ہیوز نے نقل کی ہے جنگ دفاعی سے تعلق رکھتی ہے۔ خود اسی آیت میں صاف اور صریح بیان موجود ہے جس سے ظاہر ہے کہ اس کا تعلق دفاعی جنگ سے ہے، مگر شاید مسٹر ہیوز اس پر مائل نہیں ہوئے کہ اُس آیت کو پورا پورا نقل کیا جائے۔ صاحب موصوف آدھا جملہ نقل کرتے ہیں اور اسی آیت کے دیگر الفاظ و کلمات سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ یہ آیت فقرہ ۷ میں نقل ہو چکی ہے۔ اُس کے الفاظ حسب ذیل ہیں :-

---

[1] دیکھو تفسیر قرآن از ویلیری صفحہ ۳۵۸۔

[2] کتاب "نوٹس آن محمڈنزم" یعنی اسلام کے مذہبی نظام کے حالات از پادری ٹی۔ پی۔ ہیوز ایم۔ آر۔ اے۔ ایس سی ایم ایس مشنری افغانان صفحہ ۲۰۱ طبع دوم ۱۸۷۸ء۔

فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا تُکَلَّفُ اِلَّا نَفْسَکَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّکُفَّ بَاْسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَاللّٰہُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْکِیْلًا ٥

(النساء ۴ - آیت ۸۶)۔

"پس (اے پیغمبرا) تم راہ خدا میں لڑو، تم پر اپنے نفس کے سوا اور کسی کی ذمہ واری نہیں ہے، اور مسلمانوں کو ترغیب دلاؤ، اُمید ہے کہ اللہ تعالےٰ کافروں کے زور کو روک دے اور اللہ کا زور سب سے زیادہ قوی اور اُس کی سزا سب سے زیادہ سخت ہے"

(النساء ۴ - آیت ۸۶)۔

اہل مکہ اور اُن کے مددگاروں کا مسلمانوں کو سخت ایذائیں دینا، اُن کو شکنجۂ عقوبت میں مبتلا کرنا، اُن پر شدید حملے کرنا، اِن تمام باتوں کی طرف لفظ "**بأس**" اشارہ کرتا ہے، جو اصل آیت میں موجود ہے؛ اور جس کا ترجمہ، زور، شدت، سختی وغیرہ الفاظ سے کیا جاتا ہے، یہ لفظ آیہ سابقہ یعنی آیت ۷۷ میں آیا ہے، اور اس سے ثابت ہے کہ جس جنگ کا یہاں حکم دیا گیا ہے وہ دشمنوں کے حملوں کو روکنے اور قوت کو قوت سے دفع کرنے کے لئے تھی۔

پادری ٹی۔ پی۔ ہیوز کی یہ بات نہایت غیر منصفانہ ہے کہ صاحب موصوف نے ایک آیت کے نصف جملے کو توڑ مروڑ کر یا اُس کے سیاق و سباق سے قطع نظر کر کے اپنے ایک خاص مدعا کو ثابت کرنے کے لئے پیش کیا ہے۔

۱۲۷۔ دوسری آیت جو مصنف موصوف نے نقل کی ہے۔ وہ محض غلط ترجمہ ہے

لفظ "جہاد" کا مفہوم

اصل عربی میں کوئی ایسا لفظ موجود نہیں جس کا ترجمہ "لڑائی" یا جنگ کیا جاسکے، اس آیت کا صحیح ترجمہ جو سورۂ نساء ۴ کی آیت ۹۷ سے نقل کیا گیا ہے۔ حسب ذیل ہے۔

وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی ۚ وَفَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجٰھِدِیْنَ

"اور خدا کا وعدۂ نیک سب ہی سے ہے اور اللہ تعالےٰ نے ثواب عظیم کے اعتبار سے جہاد

عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ٥ (النساء ۴ - آیت ۹۷)۔	دسعی) کرنیوالوں کو (گھر میں) بیٹھ رہنے والوں پر فوقیت دی ہے" (النساء ۴۔ آیت ۹۷)۔

جس لفظ کا ترجمہ "سعی کرنے والا" کیا گیا ہے وہ دراصل لفظ "مجاہد" ہے جس کی جمع مجاہدین ہے۔ اور یہ لفظ جہاد سے مشتق ہے، اس کا مفہوم قدیم عربی زبان اور تمام قرآن مجید میں یہ ہے، "حتہ المقدور کوشش کرنا"۔ "سعی کرنا" "جانفشانی کرنا۔ کسی کام میں محنت، تندہی، جوش، سرگرمی، شوق یا ہمت سے مصروف ہونا"[1] اس لفظ کے معنے جنگ یا لڑنا نہیں ہیں۔ بعد کو اس کے معنے مذہبی لڑائی قرار پائے مگر قرآن مجید میں یہ لفظ کبھی اس معنے میں مستعمل نہیں ہوا۔

۱۲۸ ۔ تیسری مثال جو مسٹر ہیوز نے نقل کی ہے، وہ بھی سورۂ چہل و ہفتم

سورۂ چہل و ہفتم (محمد ۴۷) آیت ۵ پر بحث

(محمد ۴۷) آیت ۵ کے ایک جملہ کا غلط ترجمہ ہے، اصل عربی لفظ "قُتِلُوا" ہے جس کے معنے ہیں، "وہ لوگ جو قتل کئے جائیں" نہ کہ "وہ لوگ جو لڑیں" جیسا کہ مصنف نے غلط تشریح اور غلط تعبیر کی ہے۔ اس جملہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے :۔ "اور وہ لوگ جو قتل کئے جائیں۔ اُن کے اجر کو خدا ضائع نہ ہونے دے گا"۔

بعض نے اس لفظ کو قَاتَلُوا پڑھا ہے جس کے معنے ہیں "وہ لوگ جنہوں نے قتال کیا"۔ لیکن عام، معتبر اور مسلّم لفظ "قُتِلُوا" ہی ہے۔ یعنی "وہ لوگ جو قتل کئے جاتے ہیں" اگر یہ بات مان لی جائے کہ پہلا ہی لفظ صحیح ہے، تو بھی اُس کی تشریح دوسری متعدد آیتوں کو مدّنظر رکھ کر کی جائے گی، جن کا مفہوم جنگ دفاعی ہے نہ کہ حملہ کی لڑائی، صرف یہی نہیں، کہ قرآن مجید میں، حملہ کرنے کی تعلیم نہیں دی گئی بلکہ ہمیشہ اُس کی ممانعت کی گئی ہے، (دیکھو البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۶) وہ آیت حسب ذیل ہے :۔

[1] یہ تمام تفصیل تاج العروس جلد دوم صفحہ ۳۲۹ مطبوعہ مصر لغت جہد کے ذیل میں اور لسان العرب جلد ۴ صفحہ ۰۷ ۔ مطبوعہ مصر۔ اور مغرب لغت فقہ

۱۸۶۔ وَقَاتِلُوا فِی سَبِیلِ اللّٰہِ الَّذِینَ یُقَاتِلُونَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِینَ ٥

(البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۶)۔

۱۸۶۔ "اور جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی اللہ کی راہ میں اُن سے لڑو اور زیادتی نہ کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

(البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۶)۔

اس آیت کی رو سے صرف **جنگ دفاعی** کی اجازت اور ہر قسم کے حملہ کی ممانعت تھی۔ دیگر آیات جو مسلمانوں کے لڑنے کے متعلق ذکر کی گئی ہیں اُن سب کی تعبیر اس آیت کے مطابق ہونی لازم ہے +

۱۲۹۔ پادری **ملکم میکال** حسب ذیل لکھتے ہیں:۔

ریورنڈ مسٹر ملکم میکال کا قول۔

"قرآن دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ دارالاسلام، یعنی اسلام کا ملک" "اور دارالحرب، یعنی دشمن کا ملک۔ پس جو لوگ مسلمان نہیں ہیں وہ سب" "اسلام کے مخالف ہیں۔ لہذا سچے مسلمانوں کا فرض ہے کہ کفار کے خلاف جنگ کریں، یہاں تک کہ وہ" "یا تو اسلام قبول کریں یا قتل ہو جائیں۔ اس کو جہاد یا جنگ مقدس کہتے ہیں جس کا خاتمہ صرف" "اُس صورت میں ہو سکتا ہے کہ یا تو دُنیا کے کفار سب کے سب اسلام قبول کر لیں، یا اُن کا ایک" "ایک آدمی مارا جائے۔ پس خلیفہ اسلام کا مقدس فرض یہ ہے کہ جب موقع پیش آئے، غیر مسلم دُنیا" "پر جہاد کیا جائے مگر دارالحرب یعنی غیر مسلم دنیا کے پھر دو حصے کئے گئے ہیں۔ یعنے بُت پرست اور اہل" "کتاب، اہل کتاب سے وہ لوگ مراد ہیں، جن کے پاس الہام الٰہی کے مقدس نوشتے موجود ہیں، یعنے" "یہود و نصاریٰ اور سامرہ[1]۔ دارالحرب کے تمام باشندے کافر اور اسی لئے نجات کے دائرے سے" "خارج ہیں، مگر اہل کتاب کو اس دنیا میں خاص حقوق دئے گئے ہیں، اگر وہ اسلام کی مقرر کی ہوئی

[1] سامرہ کی تحقیق کے لئے ملاحظہ ہو بیضاوی جلد اول صفحہ ۴۰۲۔ سورہ طٰہٰ ۲۰۔ آیت ۸۷ کے ذیل میں یا تاج العروس جلد سوم صفحہ ۲۰۹ لغت سمر۔ تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۹۱۔ سامرہ وہ لوگ ہیں جن میں سے ایک شخص نے حضرت موسےٰ کے عہد میں گوسالہ بنایا تھا۔ گوسالہ بنانے والے کا نام تو قرآن مجید میں موجود نہیں ہے مگر تفسیر کی کتابوں میں اس کا نام موسےٰ بن ظفر لکھا ہے۔ (عبدالصمد خاں)

"شرطوں کو قبول کرلیں۔ دیگر کفار کو اپنے لئے ان دو باتوں میں سے ایک بات یعنی اسلام یا تلوار
"کا پسند کرنا ضروری تھا، اہل کتاب کو ایک تیسری بات کے مان لینے کی بھی اجازت تھی، یعنی اطاعت
"قبول کرکے جزیہ ادا کریں۔ لیکن اگر وہ اطاعت قبول کرنے سے انکار کریں اور سچے مومنوں کے
"مقابلہ میں جنگ کرنے کی جرأت کریں، تو پھر فوراً ان کی حالت بھی دارالحرب کے دیگر کفار کی مانند
"ہوجاتی ہے، اور اُن کو یا تو سرسری طور پر قتل کیا جاسکتا ہے، یا غلاموں کے طور پر فروخت کیا جاسکتا ہے"[1]
میں نہایت افسوس کرتا ہوں۔ کہ پادری صاحب موصوف نے قرآن مجید کی بابت جو دعوے کئے ہیں سراسر غلط ہیں۔ قرآن مجید میں نہ تو دنیا کی ایسی تقسیم ہے اور نہ کہیں اُس میں دارالاسلام اور دارالحرب جیسے الفاظ کسی جگہ پائے جاتے ہیں۔ سچے مومنوں کے لئے قرآن مجید میں اس مضمون کا کوئی حکم نہیں ہے کہ کفار کے ساتھ اُس وقت تک جنگ کی جائے جب تک وہ اسلام کو قبول نہ کریں اور اسلام کے قبول نہ کرنے کی صورت میں اُن کو قتل کیا جائے۔ الفاظ "دارالاسلام" اور "دارالحرب" مسلمانوں کے عام قانون (فقہ) میں پائے جاتے ہیں اور وہ صرف عملداری یا حکومت کی بحث میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ کوئی مسلمان عامل کسی فوجداری مقدمہ میں ایک ایسے مجرم کو سزا نہیں دے گا۔ جس نے غیر ملک میں جُرم کا ارتکاب کیا ہو۔ یہی صورت دیوانی عدالتوں میں ہے۔[2] یہ ضرور نہیں کہ دارالحرب کے تمام باشندے غیر مُسلم ہی ہوں۔ جو مسلمان غیر ملک کے بادشاہ سے

---

[1] دیکھو رسالہ نائن ٹینتھ سینچری (اُنیسویں صدی) لندن بابت دسمبر ۱۸۷۷ء صفحہ ۸۴۲۔

[2] اس مضمون پر میری اُس کتاب میں جس کا عنوان ہے "مجوزہ ملکی قانونی اور تمدنی اصلاحات اسلامی حکومتوں میں" پوری بحث کی گئی ہے، دیکھو کتاب مذکور کے صفحات ۲۲ لغایت ۲۵۔ انگریزی مطبوعہ ایجوکیشن سوسائٹی پریس ۱۸۸۳ء یا ترجمہ اُردو صفحات ۶۰ تا ۶۲ مطبوعہ مفید عام آگرہ ۱۹۱۰ء۔ (چراغ علی)

عارضی یا مستقل طور سے اُس کے مُلک میں سکونت کی اجازت حاصل کرلیں، وہ دارالحرب کے باشندے ہوسکتے ہیں۔ یعنے وہ مُلک جو مسلمانوں کی عملداری سے باہر ہے یا جو مسلمانوں سے برسرِ جنگ ہو۔

عام قانون (فقہ مروجہ) کی ناقابل قبول رائے۔

۱۷۰۔ صرف عام قانون یعنے فقہ کے جنگی اور سیاسی ابواب میں یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے جو غیر مسلموں سے بلا اشتعال طبع جنگ کرنے اور اہل کتاب اور دیگر بُت پرستوں سے بجز اہل عرب کے جزیہ لینے کی اجازت دیتا ہے، کیونکہ فقہ حنفی کے بموجب مشرکین عرب کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ یا تو اسلام لائیں یا تلوار سے قتل کئے جائیں۔ ہمارے فُقہا اپنے خیال کی تائید میں مسلمانوں کے الہامی قانون اور احادیث پیغمبر سے یا بالفاظ دیگر کتاب اور سُنّت سے اپنی رائے کی تائید میں اقتباسات پیش کرتے ہیں، خواہ اُن کا طرز استدلال اور اُن کی بحث کے نتائج کیسے ہی لغو اور ناقابلِ قبول ہوں۔ وہ غیر مسلموں سے جنگ کرنے اور اُن سے جزیہ لینے کے خیال کی تائید میں قرآن مجید کی نویں سورۃ اور دیگر سورتیں پیش کرتے ہیں۔ یہ آیتیں کتاب ہذا میں کسی دوسرے موقع پر نقل کی گئی ہیں اور اُن کی تشریح کی جاچکی ہے۔ قرآن مجید سے یہ جنگی اصول استنباط کرنا فُقہا کا منطقی مغالطہ اور بالکل کمزور دلیل ہے۔ یہ آیتیں صرف اُن لڑائیوں سے علاقہ رکھتی ہیں جو پیغمبر اسلام (صلعم) اور آپ کے اصحاب نے محض اپنے دفاع کے لئے کی تھیں۔ آنحضرت ؐ کے زمانہ میں بلا اشتعالِ طبع جنگ کرنے اور جزیہ لینے سے ان آیتوں کا کوئی تعلق نہ تھا، اور نہ وہ آیندہ جنگی فتوحات کے لئے دستور العمل قرار دی جاسکتی تھیں، ان لڑائیوں کا فعل صرف عارضی اور اُن کی حیثیت محض دفاعی تھی۔ مسلمانوں کا عام قانون یعنے فقہ ہرگز خدائی قانون یا ما فوق البشریت نہیں ہے۔ وہ زیادہ تر غیر یقینی روایات اہلِ عرب کے

اوضاع و اطوار اور رسم و رواج بعض خفیف قیاسی نتائج جو قرآن مجید سے اتفاقاً نکل آئے ہیں، اور فقہا کے کثیر التعداد سوفسطائی دلائل پر مشتمل ہے۔ جب یہ قانون مدون ہوا ہے یعنے چوتھی صدی ہجری میں اُس وقت سے کسی اسلامی ملک کے روشن خیال مسلمانوں نے کسی زمانہ میں بھی اُس کو مقدس یا ناقابل تغیر ہرگز خیال نہیں کیا۔ جملہ مجتہدین اور اہلِ حدیث اور دیگر غیر مقلدین ائمہ اربعہ کی مذہبی فقہ یا عام قانون کا کوئی لحاظ نہیں کرتے تھے۔

سورۂ چہل و ہشتم (فتح ۴۸) آیت ۱۶۔ اور سورۂ چہل و ہفتم (محمد ۴۷) آیات ۴ و ۵ پر بحث

۱۳۱۔ سورۂ چہل و ہشتم (فتح ۴۸) کی آیت ۱۶ کو فقہا نے اپنے مسئلہ جہاد کی تایید میں عام طور پر تو نقل نہیں کیا، مگر شاذ و نادر ہی کسی شخص نے نقل کیا ہے۔ یہ آیت بصورتِ امر یا حکم نہیں ہے، بلکہ وہ ایک پیشین گوئی کی شان رکھتی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

۱۶۔ قُل لِّلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ ۝ (فتح ۴۸ - آیت ۱۶)	۱۶۔ ”(اے پیغمبر!) اُن اعراب (دیہاتی لوگوں) سے جو (سفر حدیبیہ سے) پیچھے رہ گئے ہیں کہو کہ عنقریب تم بڑے لڑنے والوں (اہل فارس و روم) سے مقابلہ کے لئے بلائے جاؤ گے، کہ تم اُن سے لڑو گے یا وہ اطاعت قبول کریں گے[1] (فتح ۴۸۔ آیت ۱۶)۔

[1] سر ولیم میور اور قرآن مجید کے دیگر یوروپین مترجم اس لفظ (يُسْلِمُونَ) کا یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ ”وہ اسلام قبول کریں گے“ (دیکھو سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۹۳ کا فٹ نوٹ)۔ اس لفظ کا ترجمہ یہ ہونا چاہیئے کہ ”وہ اطاعت قبول کریں گے“۔ اس لفظ میں فقہا اور مفسرین کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ بعض اشخاص لفظ ”یسلمون“ کا یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ ”وہ اسلام قبول کریں گے“ اور بعض یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ ”وہ اطاعت قبول کریں گے“۔ ایک ہی لفظ کی تعبیر میں ایسا اختلاف صرف فرقہ بندی کی طبیعت کا نتیجہ ہے ہر ایک فریق اپنا مطلب نکالنا چاہتا ہے۔ جن فقہا کی یہ رائے تھی کہ مشرکوں یا اور بت پرستوں سے یا تو جنگ کی جائے، اور یا وہ لوگ جزیہ ادا کر کے اسلامی حکومت کے مطیع ہو جائیں، انہوں نے تو اس لفظ کے اصلی معنے ”اطاعت“ لئے ہیں۔ جن لوگوں کا یہ خیال تھا کہ اہل کتاب کو صرف باجگزار بنانا چاہیئے، اور دیگر تمام بت پرستوں اور مشرکوں کو مجبور کیا جائے کہ وہ یا تو قتل ہوں یا اسلام لائیں، وہ اس لفظ کے اصطلاحی معنے لیتے ہیں ”اسلام قبول کرنا“ مگر چونکہ اس آیت میں شرعی حکم نہیں ہے اس لئے ہم فقہا کی سوفسطائی بحث کو تسلیم نہیں کر سکتے۔

سورۂ چہل و ہفتم (محمد ۴۷) کی آیت ۴ و ۵۔ اس مضمون کی دیگر آیتوں کی مانند دفاعی جنگ سے تعلق رکھتی ہے، اور کسی شخص نے حملہ کی لڑائی کی تائید میں ان آیتوں کو کبھی پیش نہیں کیا۔ یہ آیتیں پہلے فقرہ ۷ ،۶ میں نقل کی جا چکی ہیں، آیندہ غلامی کی موقوفی جس کا حکم پانچویں آیت میں ہے اس پر جداگانہ ضمیمہ میں بحث کی گئی ہے۔ عرب مثل اُن دیگر وحشی قوموں کے جو اُن کے گردوپیش تھیں جنگ کے قیدیوں کو یا تو قتل کر دیتے تھے یا اُن کو غلام بنا لیتے تھے، مگر قرآن مجید کے اس حکم نے ان دونو بیرحمی کے دستوروں کو موقوف کر دیا۔ اس کے بعد قیدیوں کو نہ تو قتل کیا جا سکتا تھا۔ اور نہ غلام بنایا جا سکتا تھا۔ بلکہ اُن کو فدیہ لے کر یا بلا ادائے فدیہ آزاد کر دینا ضروری تھا۔

تمت بالخیر

ضمیمۂ اوّل

قرآن میں لفظ جہاد کس معنی میں آیا ہے اور جنگ و جدل اُس کا غلط مفہوم سمجھا گیا ہے

> لفظ جہاد یا جہد کے معنے جنگ اور کروسیڈ کے نہیں ہیں۔

۱۔ مشہور لفظ "جہاد یا جہد" جو قرآن کی متعدد آیات میں آیا ہے، اور جس کے معنی عیسائی اور مسلمان دونوں نے کفار کے ساتھ خصومت یا جنگ و جدل کے لئے ہیں، نہ تو اُس کے معنے قدیم عربی زبان میں، نہ علمائے ادب کے نزدیک، لڑائی، قتال، خصومت یا جنگ کے ہیں، اور نہ قرآن میں کبھی اس مفہوم پر اس کا اطلاق ہوا ہے عربی زبان میں جنگ و پیکار کے لئے الفاظ حَرب و قتال استعمال کئے جاتے ہیں۔

> جہاد وغیرہ کے معنے قدیم عربی زبان میں

۲۔ لفظ "جھد یا جاھد" کے معنے ہیں' ایک شخص نے کوشش یا محنت کی، یا اپنا زور اور کوشش و لیاقت خرچ کی، جفاکشی کی، یا غیر معمولی مشقت اُٹھائی[1]۔ مثلاً "جَاھَدَ فِی الْاَمْرِ" کے معنے ہیں، اُس نے خوب کوشش سے کام کیا، اور اپنی لیاقت وطاقت سے پورا کام لیا[2]۔ "جھاداً" حاصل مصدر ہے یعنے مشقت، محنت، تکلیف، ماندگی، تھکان[3]۔

---

[1] ماخوذ از صحاح جوہری (متوفی ۳۹۵ھ یا ۳۹۸ھ) اساس البلاغہ زمخشری (متولد ۴۶۷ھ متوفی ۵۳۸ھ) لسان العرب لابن مکرم (متولد ۶۳۰ھ متوفی ۷۱۱ھ) قاموس الفیروزآبادی (متولد ۷۲۹ھ متوفی ۸۱۷ھ) مد القاموس مصنفہ مسٹر لین کتاب اول حصہ دوم۔ صفحہ ۴۷۳۔ [2] مصباح فیومی تصنیف ۷۳۴ھ۔

[3] ماخوذ از صحاح اساس لابن الاثیر جزری مصنف نہایہ (متوفی ۶۰۶ھ) مغرب المطرزی (متولد ۵۳۶ھ متوفی ۶۱۰ھ) مصباح و قاموس۔ دیکھو مد القاموس مصنفہ لین کتاب اول۔ حصہ دوم صفحہ ۴۷۴۔

جوہری، جو اہل لغت میں ایک بڑا نامور شخص ہے، اور جس کی کتاب میں قدیم عربی زبان کے معنے اور مفہوم بھی بیان کیے گئے ہیں، اپنی صحاح میں لکھتا ہے کہ:-

"جَاهَدَ فی سبیل اللہ جھادۃً وجھادًا" اور نیز "اجتھد اور تجاھد" کے معنے ہیں اُس نے زور لگایا اور جفاکشی کی-

فیومی مصنف مصباح المنیر، جس میں اُس نے قدیم عربی معنے اور محاورات کے الفاظ بکثرت درج کیے ہیں، لکھتا ہے:-

"جاھد فی سبیل اللہ جھادًا اور اجتھد فی الامر" کے معنے ہیں اُس نے اللہ کے کام میں اپنی طاقت اور کوشش سے پورا پورا کام لیا-

۳- اور یہ جو "جہاد" کے معنے دشمن سے لڑنے کے ہو گئے ہیں یہ صرف متاخرین نے لئے ہیں، اور اصطلاحی معنے کہلاتے ہیں مسٹر لین لکھتے ہیں:-

لفظ جہاد کے آخری یا اصطلاحی معنے

"جَاهَدَ کے یہ معنے کہ اس نے لڑائی کی، یا جنگ کی، اور کفار سے قتال وغیرہ کیا، مسلمانوں
"نے لئے ہیں۔ مصنف قاموس کی طرح یہ معنے وہی اہل لغت لیتے ہیں جو عربی الفاظ کے قدیم
"معنے لینے کے پابند نہیں رہے ہیں۔"

مسٹر لین، جو مد القاموس کے مشہور مصنف ہیں، اور جنہوں نے عربی انگریزی لغت کی کتاب لکھی ہے، صاف صاف لکھتے ہیں کہ:-

"لفظ "جہاد" سے لڑائی لڑنے کا مفہوم لینا صرف اسلام کے زمانہ کا تراشا ہوا ہے، قدیم
"عربی زبان میں اُس کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ ہم آیندہ چل کر ثابت کریں گے کہ مسلمان
"جو جہاد کے معنے لڑائی لڑنے کے لیتے ہیں وہ قرآن کے نازل ہونے کے بعد اس کے
"مفہوم میں داخل کیے گئے ہیں اور جس طرح اس کا استعمال قرآن میں ہوا ہے وہ اُس
"کے قدیم محاورے اور اُس کے وضعی و اصلی معنے میں ہوا ہے۔"

۴- وہ عربی زبان جو قدیم کہلاتی ہے، یا جو لغت کے نام سے تعبیر کی جاتی ہے۔ اور جو عربی کے قدیم اور صحیح معنی و مفہوم کے معلوم کرنے کا ذریعہ ہے وہ وہ زبان ہے جو جزیرہ نمائے عرب میں بعثت نبی آخر الزماں سے قبل بولی جاتی تھی۔ رسول اکرم کی وفات کے بعد عربی میں بہت جلد غیر زبانوں کے الفاظ شامل ہو گئے۔ اس کی وجہ مسلمانوں کی وہ عظیم الشان فتوحات تھیں جو اُس زمانہ میں اُنہیں حاصل ہوئی تھیں۔

قدیم عربی زبان اور عربی شعرا

قدیم شعرا وہ ہیں جو بڑی بڑی فتوحات کے قبل مر گئے تھے۔ یہی لوگ عربی محاورات اور الفاظ کے ٹھیک ٹھیک معنے کے لئے حجت مانے جاتے ہیں۔ یہ شعرائے جاہلی کہلاتے ہیں یعنی شعرای زمانہ جاہلیت۔ ان قدیم شعرا کے بعد جو شاعر ہوئے اُنہیں مُخضرم اور اسلامی شعرا کہتے ہیں۔ مُخضرم وہ شاعر ہے جس کی عمر کا کچھ حصہ رسول اللہ سے پہلے اور کچھ بعد گزرا، اور جو آپ کے حین حیات دائرۂ اسلام میں داخل نہ ہوا ہو۔ اسلامی شعرا وہ مسلمان شعرا ہیں جو پہلی اور دوسری صدی ہجری میں گزرے ہیں اور مُولّد ایک چوتھے طبقہ کے شعرا ہیں جنہوں نے اسلامی شعرا کی تقلید کی ہے۔ سب سے پہلے وہ شعرا قدیم ہیں جو ولادت باسعادت رسول اکرمؐ سے صرف کوئی ایک صدی پیشتر ہوئے ہیں، اور اُن سے دوسرے درجہ پر وہ ہیں جو آپ سے ایک صدی بعد تک زندہ رہے ہیں۔ اسلامی شعرا کا زمانہ پہلی دو صدیاں ہیں؛ یعنی یہ لوگ عربی زبان کی ابتدائی خرابی کے زمانہ میں تھے، مگر اُن کے عہد میں اس خرابی کو پوری وسعت نہیں ہوئی تھی۔

مولد شعرا کا زمانہ وہ ہے جب کہ زبان عربی بخوبی خراب ہو چکی تھی، یہ زمانہ دوسری صدی ہجری کی ابتدا یا وسط سے شمار کیا جاتا ہے۔

۵- لفظ "جہد و جہاد" اور اُن کے پندرہ ۱۵ مشتقات قرآن شریف کی آیات

جہاد اور جہد کی تعریف اور گردان۔

ذیل میں واقع ہوئے ہیں :-

۱۔ جَاهَدَ، العنکبوت ۲۹، آیت ۵۔ التوبہ ۹، آیت ۱۹۔

۲۔ جَاهَدَاكَ، لقمٰن ۳۱، آیت ۱۴۔ العنکبوت ۲۹، آیت ۷۔

۳۔ جَاهَدُوْا، البقرہ ۲، آیت ۲۱۷۔ الانفال ۸، آیت ۷۲ و ۷۵ و ۷۴۔ التوبہ ۹، آیت ۱۶ و ۲۰ و ۸۹۔ الحجرات ۴۹۔ آیت ۱۵۔ آل عمران ۳، آیت ۱۴۲۔ النحل ۱۶، آیت ۱۱۰۔ العنکبوت ۲۹، آیت ۶۹۔

۴۔ يُجَاهِدُ، العنکبوت ۲۹۔ آیت ۵۔

۵۔ يُجَاهِدُوْنَ، المائدہ ۵۔ آیت ۵۴۔

۶۔ يُجَاهِدُوْا، التوبہ ۹، آیت ۴۴ و ۸۱۔

۷۔ تُجَاهِدُوْنَ، الصف ۶۱۔ آیت ۱۱۔

۸۔ جِهَاد، الفرقان ۲۵، آیت ۵۲۔ الحج ۲۲، آیت ۷۸۔ التوبہ ۹۔ آیت ۲۴۔ الممتحنہ ۶۰، آیت ۱۔

۹۔ جَهْدَ، المائدہ ۵، آیت ۵۳۔ الانعام ۶، آیت ۱۰۹۔ النحل ۱۶، آیت ۳۸۔ النور ۲۴، آیت ۵۳۔ الفاطر ۳۵، آیت ۴۲۔

۱۰۔ جُهْدَ، التوبہ ۹، آیت ۷۹۔

۱۱۔ جَاهِدْ، التوبہ ۹۔ آیت ۷۳۔ التحریم ۶۶، آیت ۹۔

۱۲۔ جَاهِدْهُمْ، الفرقان ۲۵، آیت ۵۲۔

۱۳۔ مُجَاهِدِيْنَ، النساء ۴، آیت ۹۵۔ محمد ۴۷، آیت ۳۱۔ الحج ۲۲ آیت ۷۸۔

۱۴۔ مُجَاهِدُوْنَ، النساء ۴، آیت ۹۵۔

۱۵۔ جَاهِدُوْا، المائدہ ۵، آیت ۳۵۔ التوبہ ۹، آیت ۴۱ و ۸۶۔

۱۶۔ قرآن شریف کی کل چھتیس ۳۶ آیتوں میں الفاظ مذکورہ بالا وارد ہوئے

ان سورتوں اور آیتوں کے نام واعداد جن میں یہ الفاظ آئے ہیں

ہیں، وہ سورتیں اور آیتیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:۔
البقرہ ۲، آیت ۲۱۵۔ آل عمران ۳، آیت ۱۳۶۔ النساء ۴، آیت ۹۷۔ المائدہ ۵، آیت ۳۹ و ۵۸ و ۵۹۔ الانعام ۶، آیت ۱۰۹۔ الانفال ۸، آیت ۷۴ و ۷۵ و ۷۶۔ التوبہ ۹، آیت ۱۶ و ۱۹ و ۲۰ و ۲۴ و ۴۱ و ۴۴ و ۷۴ و ۷۳ و ۸۰ و ۸۲ و ۸۷ و ۸۹۔ النحل ۱۶، آیت ۴۰ و ۱۱۱۔ الحج ۲۲، آیت ۷۷۔ النور ۲۴، آیت ۵۲۔ الفرقان ۲۵ آیت ۵۴۔ العنکبوت ۲۹، آیت ۵ و ۷ و ۶۹۔ لقمٰن ۳۱، آیت ۱۴۔ الفاطر ۳۵، آیت ۴۰۔ محمد ۴۷ آیت ۳۳۔ الحجرات ۴۹، آیت ۱۵۔ الممتحنہ ۶۰، آیت ۱۔ الصف ۶۱، آیت ۱۱۔ التحریم ۶۶، آیت ۹۔

قرآن میں ان الفاظ کے کیا معنے لئے گئے ہیں

۷۔ منجملہ مقامات مذکورۂ بالا المائدہ (آیت ۵۸)، الانعام (آیت ۱۰۹)، النحل (آیت ۴۰)، النور (آیت ۵۲)، الفاطر (آیت ۴۰) اور التوبہ (آیت ۸۰) میں جو الفاظ "جَھْد اور جُھْد" آئے ہیں، اور جن پر اس قسم × کا نشان لگایا گیا ہے، وہ بحث سے خارج ہیں۔ ان سب آیات میں سوائے ایک آخری مقام کے، اُس کے معنے صریحاً نہایت پختہ قسموں یا زوردار قسموں یا بہت بڑی مضبوط اور جوشیلی قسموں کے ہیں۔ اور آخری مقام پر اس سے مراد وہ تھوڑی سی خوراک ہے جس پر ایک قلیل البضاعت شخص مشکل سے گزر کر سکتا ہے۔ باقی آیات دو قسم کی ہیں۔ پہلی وہ جو مکّی سورتوں میں واقع ہوئی ہیں۔ چونکہ اس وقت تک مسلمانوں نے اپنی حفاظت کے لئے ہتھیار نہیں اُٹھائے تھے، اگرچہ کہ وہ مظالم سے تکلیف سہہ رہے تھے۔ لہٰذا مسلمان مفسّرین و فقہا اور نیز عیسائی مصنفین نے بالاتفاق "جہاد" سے اُس کے اصلی معنے جفاکشی، کوشش، زور اور محنت کے ساتھ کام کرنے کے لئے ہیں۔ دوسری وہ آیات ہیں جن میں وہ لفظ مدنی سورتوں میں آئے ہیں۔ یہ اس وقت نازل ہوئی تھیں جب کہ مسلمان اپنی حفاظت کے لئے

ہتھیار اُٹھا چکے تھے۔ اس زمانہ کی مناسبت سے ان الفاظ کے بالکل ایک نئے اور عارضی معنے مذہبی غارت گر لڑائی کے لئے گئے۔ تاہم اس زمانہ کی بعض آیات میں مسلمان اور عیسائی مصنفین نے اس لفظ کو اپنے اصلی اور وضعی معنے میں بھی لیا ہے۔

۸۔ میں اس سے بالکل متفق ہوں، کہ بعد کی عربی زبان میں، یعنے اُس زبان میں جو رسول مقبول ؐ کے زمانہ کے بعد کی ہے، جب کہ زبان بڑی تیزی سے خراب ہوتی جا رہی تھی، لفظ "جہاد" کے معنے جنگ یا لڑائی کے لئے جاتے تھے، لیکن یہ معنے صرف فوجی محاورہ تک محدود تھے۔ پھر اس کے بعد سے فنون سپہ گری میں اس لفظ کے معنے لڑائی لڑنے یا مذہبی جنگ کرنے کے ہو گئے۔ اور متاخرین میں اُس کا یہ مفہوم مسلمانوں کی کتب فقہی اور اخیر زمانہ کے لغتوں میں بھی داخل ہو گیا۔ لیکن یہ اخیر کی بگڑی ہوئی یا متاخرین کی زبان اُس کے معنے کی تصدیق کے لئے کوئی قابل اعتبار سند تسلیم نہیں کی جا سکتی۔

جہاد کے اصطلاحی معنے

مسٹر ایڈورڈ ولیم لین اپنے لغت مد القاموس کے مقدمہ (صفحہ ۸ و ۹) میں لکھتے ہیں کہ:۔

"رائے عام سے یہ فیصلہ ہو گیا ہے، کہ کوئی شاعر، یا کوئی دوسرا شخص قدیم زبان کے الفاظ "کے معانی صرفی ونحوی، یا علم عروض، کے بارہ میں قطعی اور واجب التسلیم سند نہیں ہو سکتا "جب تک کہ وہ اشاعت اسلام سے قبل نہ مر چکا ہو۔ عہد اسلام سے کچھ پہلے اور کچھ بعد "زندہ نہ رہا ہو، اُن کی اصطلاح کے مطابق جاہلی مُخَضْرَم نہ ہو، جسے بعض مُخَضْرِم یا مُحَضْرَم یا مُحَضْرِم "بھی کہتے ہیں۔ مخضرم سے دوسرے درجہ پر اسلامی شعرا ہیں۔ چونکہ اُس زمانہ میں زبان کی "خرابی بہت بڑھ گئی تھی، یہاں تک کہ جن لوگوں کی زبان بہت شایستہ مانی جاتی تھی وہ بھی "اس سے نہ بچے تھے۔ لہٰذا اسلامی شاعر پہلے دو طبقوں کی طرح قطعی اور واجب التسلیم "نہیں مانے جاتے تھے۔ اس سے بعد کے درجہ کا شاعر، جو سب سے آخری درجہ ہے،

" مولد کہلاتا ہے، جو یقیناً بعد کی زبان والا ہے وہ صرف علم عروض میں مستند مانا جا
" سکتا ہے۔ مولدین کی ابتدا کا زمانہ بخوبی صاف صاف نہیں بتلایا گیا ہے۔ لیکن وہ دوسری
" صدی ہجری کے وسط سے پہلے ہونا چاہیئے، کیونکہ اصلی زبان کا زمانہ قریب قریب پہلے
" صدی ہجری کے اختتام پر ختم ہو جاتا ہے۔ اور یہ وہ زمانہ ہے کہ اس وقت اشاعت
" اسلام سے قبل کے لوگ بہت کم زندہ تھے۔ اس طرح پر اچھے اسلامی شعرا اول درجہ
" کے زبان دانوں کے طبقہ میں شمار کئے جا سکتے تھے اور علی العموم کئے جاتے ہیں۔ اگرچہ
" وہ زبان قدیم کے الفاظ اور اُن کے معانی صرفی و نحوی اور مسائل علم بلاغت میں قطعی سند
" نہیں تسلیم کئے جاتے۔"

مسٹر ٹامس شیبزی ایم اے لکھتے ہیں:۔

" ہجرت نبوی سے ایک ہی صدی کے اندر سلطنت اسلامیہ کا شغرا اور ملتان سے لیکر مراکو اور
" پیرینیز تک پھیل گئی تھی۔ اور عرب کے پڑھے لکھے لوگ ایسی مختلف نسلوں کے ساتھ رہنے لگے تھے
" جس سے اُن کی زبان خراب ہونے لگی تھی۔ صرف جاہلی شاعر، جو اشاعت اسلام سے پہلے مرگیا
" ہو، یا مخضرم جو اشاعت اسلام کے آغاز میں موجود ہو، زبان میں مستند اور قابل اعتبار
" سمجھا جاتا تھا۔ اسلامی شاعر، جو اشاعت اسلام کے بعد پیدا ہوا بہت کم رتبہ کا خیال کیا
" جاتا تھا۔ پہلی صدی کے بعد کے شاعر مولدین کہلاتے ہیں، وہ صرف انشاء پردازی کے لحاظ سے
" مستند سمجھے جاتے ہیں، عربی زبان میں اُن کی سند تسلیم نہیں کی جاتی۔"[1]

۹۔ تمام شارحین مفسرین اور فقہا تسلیم کرتے ہیں۔ کہ جَہد اور جِہاد کے ابتدائی اور وضعی معنے زور، قابلیت اور مشقت کے ہیں۔ اور لڑائی اور مذہبی جنگ اصطلاحی اور استعارتی معنے ہیں۔ ابن عطیہ سورۃ العنکبوت کی آیت ۶۹ کی نسبت کہتا ہے کہ "وہ مکی ہے" اور عرفی جہاد کے حکم سے پہلے نازل ہوئی"

مسلمان شارحین وغیرہ

[1] مقامات حریری (مترجمہ ٹامس شیبزی ایم۔اے) جلد اول دیباچہ۔ صفحہ ۶۷۔

(فتح البیان فی مقاصد القرآن، جلد دوم، صفحہ ۱۰۷، مصنفہ مولوی صدیق حسین خاں)

خطیب قسطلانی اپنی کتاب ارشاد الساری فی شرح البخاری میں لکھتا ہے کہ:۔

"جہاد" جَهْد سے نکلا ہے، جس کے معنے محنت، مزدوری کے ہیں۔ یا جُهْد سے مشتق ہے، جس کے معنے زور و طاقت کے ہیں، اور اصطلاحی معنے اسلام کی تائید میں کفار سے جنگ کرنے ہیں" (جلد پنجم صفحہ ۲۶)۔

محمد علاؤ الدین الحصکفی (متوفی ۱۰۸۸ھ) مصنف الدر المختار شرح تنویر الابصار، مصنفہ الشیخ التمرتاشی (متوفی ۱۰۰۴ھ) باب الجہاد میں لکھتا ہے کہ:۔

"لفظ جہاد، قدیم زبان میں، جَاهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کا اسم مصدر ہے۔ اصطلاح فقہ میں اُس کے معنے ہیں، کفار کو سچے دین کی طرف بلانا، اور بصورت انکار اُن سے لڑنا۔"

ابن عابدین شامی کتاب مذکور کی شرح میں لکھتا ہے کہ:۔

"جَاهَدَ کے اسم مصدر کے معنے ہیں، اپنی طرف سے کامل کوشش کرنا، اُس کے عام معنے ہیں، اس میں وہ شخص بھی داخل ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کرتا ہے[۱]"

جہاد اپنے اصلی معنے سے بدل کر مذہبی جنگ کے متبدل معنے میں کب سے لیا گیا۔

۱۰۔ یہ بات تمام اہل لغت، شارحین، اور فقیہ تسلیم کرتے ہیں کہ قدیم عربی میں جہاد کے معنے محنت اور خوب کوشش کرنے کے ہیں۔ اُس کے متبدلہ یا اصطلاحی معنے، صرف متاخرین کے زمانہ میں، نزول قرآن سے بہت بعد لئے گئے ہیں۔ اس لئے یہ بالکل نامناسب ہے کہ قرآن میں ہر جگہ اُس کے نوتراشیدہ معنے لئے جائیں۔ اس کے علاوہ اس کو وہ تمام مسلمان مفسرین اور انگریزی مترجمین قرآن بھی تسلیم کرتے ہیں، جو اس لفظ کو تمام مکی اور ابتدائی مدنی سورتوں میں، اُس کے اصلی اور لفظی معنوں میں لیتے ہیں[۲]۔ اور ایسی صرف چند آخری مدنی سورتیں ہیں،

[۱] حاشیہ رد المختار علی الدر المختار جلد ۳ صفحہ ۳۳۷ مطبوعہ مصر۔ [۲] (کتاب ہذا کے ۱۹۲ صفحہ پر دیکھو)

جن میں مفسرین اور مترجمین نے جہاد کے اصلی معنے سے عدول کیا ہے۔ اور متاخرین کے اصطلاحی اور غیر وضعی مفہوم کو ترجیح دے کر اُس میں مذہبی جنگ کے معنے پہنائے ہیں۔

۱۱۔ میں یہاں لفظ "جہاد" اور اس کے مشتقات اور اس کے مختلف صیغوں کے معانی، جو کئی انگریزی ترجموں میں لیے گئے ہیں، ایک دوسرے کے مقابل دکھلانا چاہتا ہوں۔ اول تو اس غرض سے کہ مسٹر جارج سیل اور ریوزنڈ جے۔ ایم راڈول وغیرہ یورپین مصنفین علی العموم اس کے اصلی، ابتدائی اور قدیمی معنے لیتے ہیں۔ اور دوسرے یہ دکھانے کے لیے، کہ یہ لوگ بعض مقامات پر، ایک ہی لفظ سے ایک ہی قسم کی آیتوں میں، اس کے لفظی و اصطلاحی معانی لینے میں کیسا اختلاف

قرآن کی وہ تمام آیات جن میں جہاد یا اس کے مشتقات آئے ہیں۔

لہ (از صفحہ ۱۹۲ کتاب ہذا) عہدنامہ مدینہ میں جو سلسلہ ھ میں ہوا تھا لفظ جہاد استعمال ہوا تھا۔ اسی کے متعلق سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ:۔

"اس لفظ کے معنی بعد کو اصطلاح میں جہاد (مذہبی جنگ) یا لڑائی کے ہو گئے۔ اگر اس عہدنامہ میں بھی ہم اس لفظ کے یہی معنی قائم کریں تو اس فقرے کے متعلق یہ شبہ پیدا ہوگا کہ یہ بعد کو اضافہ کیا گیا ہے کیونکہ اس وقت تک آنحضرت (محمد صلعم) کی جانب سے بظاہر کسی ایسے ارادہ کا اظہار نہیں ہوا تھا جس سے پایا جاتا کہ وہ دوسروں سے بجبر اپنا مذہب قبول کرانا چاہتے ہیں۔ قبائل عرب کی اس وقت کی حالت کے لحاظ سے اس اصول کا پیش کرنا خطرناک ہوتا۔ قرآن مجید میں بعض جگہ مثلاً العنکبوت ۲۹ آیت ۵ و ۶۹۔ الحج ۲۲، آیت ۷۸ اور چند دیگر مقامات میں یہ لفظ بہت ہی عام معنوں میں استعمال ہوا ہے۔"

(سیرۃ محمدی مصنفہ سر ولیم میور جلد سوم صفحہ ۳۲ مطبوعہ لندن ۱۸۶۱ء)

اس کے بعد البقرہ ۲۔ آیت ۲۱۵ کے متعلق جس میں یہی لفظ آیا ہے سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ:۔

"لفظ جہاد انہیں معنوں میں ہے جیسا کہ بعد کو مذہبی جنگ کے معنوں میں استعمال ہونے لگا تھا۔ لیکن غالباً اس وقت تک اس کے یہ خاص معنی پیدا نہیں ہوئے تھے۔ ہجرت سے قبل یہ لفظ عام معنوں (کوششوں) میں استعمال ہوتا تھا اور غالباً جنگ بدر تک انہیں معنوں میں مستعمل ہوتا رہا۔"

(سیرۃ محمدی مصنفہ سر ولیم میور جلد سوم صفحہ ۷، فٹ نوٹ مطبوعہ لندن ۱۸۶۱ء)

کرتے ہیں۔

اس کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ مسٹر راڈویل ایم۔ اے، قرآن کے سب سے پہلے انگریزی مترجم مسٹر جارج سیل، اور سب سے آخری مترجم مسٹر ڈبلیو۔ ایچ پامر سے زیادہ صحیح معنے لیتے ہیں۔ موخرالذکر (پامر) کی حالت اس معاملہ میں سب سے زیادہ ناقابل اطمینان ہے۔ کیونکہ انہوں نے ہر ایک مقام پر بجز چھ مقامات، یعنے العنکبوت (آیت ۷)، المائدہ (آیت ۳۹ و ۵۹)، النساء (آیت ۹۷) اور التوبہ (آیت ۴۷ و ۹۵) کے لفظ جہاد کے معنے لڑائی کے لئے ہیں، جس سے اُن کی نسبت یہ فرض کرنا کچھ بے محل نہ ہوگا کہ انہوں نے آیات سابقہ اور لاحقہ کی طرف بہت ہی کم توجہ کی ہے۔

نمبر	نمبر سورۃ و آیت	آیت	انگریزی ترجمہ: سیل	راڈویل	پامر
۱	لقمٰن ۳۱۔ آیت ۱۴۔	وَاِنْ جَاہَدَاکَ عَلٰٓی اَنْ تُشْرِکَ بِیْ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْہُمَا اور اگر تیرے ماں باپ تجھ سے اس امر پر مجبور کریں کہ تو ہمارے ساتھ خدائی میں کسی کو شریک بنائے جسکی تیرے پاس کچھ بھی حجت نہیں ہے تو تو اُن کی بات نہ مان۔	کوشش کرنا	مجبور کرنا	کوشش کرنا
۲	الفرقان ۲۵۔ آیت ۵۲	فَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَجَاہِدْہُمْ بِہٖ جِہَادًا کَبِیْرًا ۝ تو اے پیغمبر تم کافروں کا کہنا نہ مانو۔ اور قرآن کی مدد سے اُن کا خوب زور سے مقابلہ کرو	اُن کا بڑے زور سے مقابلہ کرو	قرآن کی مدد سے بڑے زور سے مقابلہ کرو	دلیری سے لڑو دلیری کی لڑائی
۳	الحج ۲۲۔ آیت ۷۷	وَجَاہِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِہَادِہٖ۔ اور اللہ کی راہ میں کوشش کرو جیسا کہ اس کا حق ہے۔	اللہ کے دین کی تائید کیلئے لڑائی کرو۔	دلاورانہ کوشش کرو۔	دلیری سے لڑو

نمبر شمار	نمبر سورۃ و آیت	آیت	انگریزی ترجمہ سیل	راڈویل	پامر
۴	النحل ۱۶-آیت ۱۱۱	ثُمَّ جَاهَدُوا وَ صَبَرُوا۔ پھر کوشش کی اور مصائب پر صبر کیا۔	پیچھے دین کی حمایت میں اس کے بعد لڑائی کی۔	لڑائی کئے	دلیرانہ لڑائی کئے ہیں۔
۵	العنکبوت ۲۹-آیت ۵	وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ۔ اور جو محنت کرتا ہے۔ وہ اپنی ذات کے لئے محنت کرتا ہے۔	کوشش کرتا ہے۔	سعی کرتا ہے	دلیرانہ لڑتا ہے دلیرانہ لڑائی۔
۶	ایضاً آیت ۷	وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا۔ اور اگر تیرے ماں باپ مجبور کریں کہ تو ہمارے ساتھ کسی کو شریک کرے جسکی تیرے پاس کوئی حجت نہیں ہے تو اُن کا کہنا مان۔	کوشش کرنا	کوشش کرنا	کوشش کرنا
۷	ایضاً۔ آیت ۶۹	وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ اور جن لوگوں نے ہمارے واسطے کوشش کی ہم بھی اُن کو ضرور اپنا راستہ دکھائیں گے۔	بڑی کوششیں کیں۔	کوشش کی	دلیری کی لڑائی
۸	النحل ۱۶-آیت ۴	وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ۔ اور یہ لوگ خدا کی بڑی سخت قسمیں کھاتے ہیں	بڑی سنجیدگی سے۔	بڑی مذہبی صورت سے	بڑی زور سے
۹	الفاطر ۳۵-آیت ۴۲	وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ۔ اور یہ لوگ خدا کی بڑی پختہ قسمیں کھایا کرتے تھے	بڑی سنجیدگی کے ساتھ۔	نہایت پختہ	نہایت زور سے
۱۰	البقرۃ ۲-آیت ۲۱۵	الَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ۔ اُن لوگوں نے اللہ کے رستے میں ہجرتیں بھی کیں اور مصیبتیں بھی اٹھائیں۔ یہی ہیں جنہیں اللہ کی رحمت کی امید ہے۔	خدا کے لئے لڑائی۔	لڑائی	لڑائی لڑنا

نمبر شمار	نمبر سورت و آیت	آیت	انگریزی ترجمہ: سیل	انگریزی ترجمہ: راڈویل	انگریزی ترجمہ: پامر
۱۱	آل عمران ۳۔ آیت ۱۳۶۔	اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا کیا تم نے یہ خیال کر لیا کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ ابھی تک اللہ نے ان لوگوں کو نہیں پرکھا جنہوں نے کوشش کی وَيَعْلَمَ الصَّابِرِيْنَ۔ ہیں اور نہ یہ پرکھا کہ کون صابر ہیں۔	اُن لوگوں کو جو دلیری سے جنگ کرتے ہیں۔	جنہوں نے جوان مردی کی	جو خوب لڑے
۱۲	الانفال ۸۔ آیت ۷۳۔	اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ کے راستے میں اپنے جان و مال سے فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ کوشش کی۔	اپنے مال اور جانیں اللہ کی دین کی حمایت کے لیے لڑائی میں لگا گے۔	اپنی جان و مال خدا کے کام میں خرچ کئے۔	اپنی جان اور مال کے ساتھ خوب دلاوری سے لڑائی کئے۔
۱۳	الانفال ۸۔ آیت ۷۵	وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کئے اور فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ اللہ کے راستہ میں جہاد بھی کئے۔	خدا کے دین کے لیے لڑے	لڑائی کئے	دلاوری سے لڑائی کئے
۱۴	ایضاً آیت ۷۶	وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا اور جو لوگ بعد کو ایمان لائے اور ہجرت کئے اور وَجَاهَدُوْا مَعَكُمْ۔ تمہارے ساتھ ہو کر محنت بھی کئے۔	تمہارے ساتھ ہو کر لڑے	لڑائی کئے	دلاوری سے لڑائی کئے۔

نمبر شمار	نمبر سورت و آیت	آیت	انگریزی ترجمہ		
			سیل	راڈویل	پامر
۱۵	الانعام ۶- آیت ۱۰۹	وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَہْدَ اَیْمَانِہِمْ لَئِنْ اور اللہ کی بڑی سخت قسمیں کھا کے کہتے ہیں جَآءَتْہُمْ اٰیَۃٌ لَّیُؤْمِنُنَّ بِہَا کہ اگر کوئی معجزہ اُنہیں دکھلایا جاوے تو وہ اس پر ایمان لے آئیں گے۔	بڑی سنجیدگی سے	بڑے عہد کے ساتھ	نہایت زور سے
۱۶	محمد ۴۷- آیت ۳۳	وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجٰہِدِیْنَ مِنْکُمْ اور تم کو ہم ضرور آزمائیں گے تاکہ تم میں جہاد کرنیوالے اور صابر وَالصّٰبِرِیْنَ۔ پر صبر کرنیوالے ہیں انہیں جانچ لیں۔	جو جوانمردی سے لڑتے ہیں	دلاور	جنہوں نے دلاوری سے لڑائی کی
۱۷	الصف ۶۱- آیت ۱۱	تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُجَاہِدُوْنَ خدا اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اپنے مال فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ اور اپنی جانیں اللہ کی راہ میں لڑا دو۔	اپنا مال اور اپنی جانیں اللہ کے سچے دین کی حمایت میں لگا دو	بڑی دلاوری کے ساتھ	بڑی دلاوری سے لڑائی لڑنا۔
۱۸	النساء ۴- آیت ۹۷	لَا یَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ جن مسلمانوں کو کوئی معذوری نہیں اور وہ بیٹھ رہے ہیں تو وہ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَالْمُجٰہِدُوْنَ فِیْ لوگ ان لوگوں کے برابر نہیں ہوسکتے جو اپنے مال اور سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِہِمْ وَاَنْفُسِہِمْ جان سے خدا کی راہ میں محنت کر رہے ہیں۔ اللہ نے فَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجٰہِدِیْنَ بِاَمْوَالِہِمْ مال اور جان سے محنت کرنیوالوں کو بیٹھ رہنے والوں	پہلا مجاہدون وہ لوگ جو اپنے مال اور جانیں اللہ کے دین کی حمایت میں لگاتے ہیں۔ دوسرا مجاہدین وہ لوگ جو اپنے مال اور جانیں خرچ کرتے ہیں تیسرا مجاہدین وہ جو لڑتے ہیں	پہلا- خدا کے سچے دین کی دلاوری سے حمایت کرنے والے۔ دوسرا- دل سے جنگ کرتے ہیں تیسرا زور سے	پہلا- زور سے دوسرا- زور سے تیسرا- زور سے

نمبر شمار	نام سورہ و آیت	آیت	انگریزی ترجمہ: سیل	راڈویل	پامر
		وَ اَنْفُسِہِمْ عَلَی الْقَاعِدِیْنَ دَرَجَۃً پر درجہ کے اعتبار سے بڑی فضیلت دی ہوا ور وَ کُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی ؕ وَ فَضَّلَ خدا کا وعدہ نیک تو سب ہی سے ہے اور اللہ نے اللّٰہُ الْمُجٰہِدِیْنَ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ ثواب عظیم کے اعتبار سے محنت کرنیوالوں کو بیٹھ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝ رہنے والوں پر بڑی برتری دی ہے۔			
۱۹	النور ۲۴- آیت ۵۲	وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَہْدَ اَیْمَانِہِمْ اور اللہ کی بڑی پکی قسمیں کھا کرتے ہیں کہ اگر آپ انہیں لَئِنْ اَمَرْتَہُمْ لَیَخْرُجُنَّ حکم کریں تو وہ گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہونگے	بڑی سنجیدگی سے	بڑی سنجیدگی سے	بڑی زور سے
۲۰	التحریم ۶۶- آیت ۹	یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ جَاہِدِ الْکُفَّارَ اے پیغمبر کافروں اور منافقوں کے وَ الْمُنٰفِقِیْنَ ساتھ کوشش کرو۔	منافقین کے روبرو دلائل پیش کرو۔	لڑائی کرو	زور سے لڑائی کرو۔
۲۱	التوبہ ۹- آیت ۷۴	یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ جَاہِدِ الْکُفَّارَ وَ اے پیغمبر کفار اور منافقین کے ساتھ جانفشانی الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْہِمْ کرو اور ان پر سختی کرو۔	لڑائی لڑ	جھگڑا کر	دلاوری سے کوشش کر

نمبر شمار	نمبر سورۃ و آیت	آیت	انگریزی ترجمہ: سیل	راڈویل	پامر
۲۲	الممتحنہ ۶۰- آیت ۱	إِنْ كُنتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي اگر تم ہماری راہ میں محنت کرنے اور ہماری وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي۔ رضامندی ڈھونڈنے نکلے ہو۔	میرے مذہب کی حمایت میں لڑائی لڑنے کو۔	لڑنے کو	زور سے لڑائی کرتا
۲۳	الحجرات ۴۹- آیت ۱۵	ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ پھر انہوں نے کسی طرح کا شک و شبہ نہیں کیا اور اللہ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔ کے راستہ میں اپنے جان و مال سے کوشش کی۔	جن لوگوں نے کہ اپنے مال اور جان سے اللہ کے دین کی حمایت میں کوشش کی	اپنے مال اور جان لگا کر جنگ کرتے ہیں	اپنے مال اور جان لگا کر دلاوری سے جنگ کرتے ہیں
۲۴	التوبہ ۹- آیت ۱۶	أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ کیا تم نے ایسا جان رکھا ہو کہ چھوٹ جاؤ گے اور ابھی الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ اللہ نے اُن لوگوں کو پرکھا تک بھی نہیں تم میں سے جو محنت کرتے ہیں۔	تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے اس کے دین کو ڈھونڈا ہے۔	دلاوری سے	زور سے لڑائی لڑے
۲۵	ایضاً آیت ۱۹	كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ مثل اُس شخص کے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان جَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔ لایا اور اللہ کے راستہ میں محنت کرتا ہے	لڑتا ہے	لڑتا ہے	زور سے
۲۶	ایضاً- آیت ۲۰-	الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کئے اور اللہ کے فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ راستہ میں اپنے مال اور جان سے محنت کئے	اس کے دین کے واسطے لڑے۔	دلاوری سے لڑے۔	بڑے زور سے لڑے۔

نمبر شمار	نمبر سورۃ و آیت	آیت	انگریزی ترجمہ		
			سیل	راڈویل	پام
۲۷	التوبہ ۹ - آیت ۲۴	أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ اگر اللہ اور اس کے رسول اور راہ خدا میں فِي سَبِيلِهِ محنت کرنے سے زیادہ عزیز ہوں۔	ترقی کرنے سے	کوشش سے	زور سے لڑائی لڑنے سے
۲۸	ایضاً - آیت ۴۱	انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا مسلمانو! ہلکے بے ہتھیار ہو یا بھاری باہتھیار خدا کی راہ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ میں مال اور جان سے کوشش کرنے کو نکل کھڑے ہوا کرو	اللہ کے دین کی ترقی کے واسطے اپنے مال اور جان لگا دو۔	اپنے مال اور جان لگا کر لڑائی کرو	اپنے مال اور جان سے لڑائی کرو۔
۲۹	ایضاً - آیت ۴۴	لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ اے پیغمبر وہ لوگ جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَن يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ لائے ہیں وہ تو تم سے اس بات کی اجازت مانگتے ہی وَأَنفُسِهِمْ نہیں کہ اپنے مال اور جان سے کوشش نہ کریں۔	اللہ کے سچے دین کی ترقی کے واسطے جان و مال لگانا۔	اپنے مال اور جان کے ساتھ لڑنا۔	زور سے لڑائی کرنا
۳۰	ایضاً - آیت ۸۲	كَرِهُوا أَن يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ اور راہ خدا میں اپنے مال اور جان سے انہیں فِي سَبِيلِ اللَّهِ کوشش کرنا ناگوار ہو۔	اللہ کے سچے دین کی ترقی کے واسطے جان و مال لگانا۔	اپنی جان اور مال کے ساتھ لڑنا	اپنے جان اور مال کے ساتھ زور سے لڑنا
۳۱	ایضاً - آیت ۸۷	وَإِذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ أَنْ آمِنُوا بِاللَّهِ	لڑائی کے لیے نکلو	لڑائی کرو	بڑے زور سے لڑائی کرو۔

نمبر شمار	نمبر سورۃ و آیت	آیت	انگریزی ترجمہ		
			سیل	راڈویل	پامر
		وَجَاهَدُوا مَعَ رَسُولِهِ اور اس کے رسول کے ساتھ مل کر کوشش کرو			
۳۲	التوبہ ۹ - آیت ۸۸	لٰكِنِ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ لیکن رسول نے اور جو لوگ کہ اُن کے ساتھ ایمان لائے ہیں جَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ۔ اُن سب نے اپنی جان و مال سے کوششیں کیں۔	اپنے مال اسباب سے کوشش کرو	مال اور جان سے لڑائی لڑو۔	اپنے مال اور جان سے تلو سے لڑائی کرو
۳۳	المائدہ ۵ - آیت ۳۹	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور اس کے پاس پہنچنے کا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ وسیلہ ڈھونڈھتے رہو۔ اور اس کے رستہ میں کوشش کرو	اس کے دین کے لئے لڑو۔	دل سے لڑو	خوب جفاکش ہو جاؤ۔
۳۴	ایضاً - آیت ۵۸	أَهٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ کیا یہ وہی لوگ ہیں جو بڑے زور سے اللہ کی قسمیں کھاتے أَيْمَانِهِمْ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ۔ تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔	بڑی مضبوطی سے	نہایت سنجیدگی سے	بڑی زور سے
۳۵	ایضاً - آیت ۵۹	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ اے مسلمانو! جو ایمان لائے ہو تم میں سے اگر کوئی اپنے دین دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَ سے پھر جائیگا تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگ موجود کردیگا جنہیں وہ يُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ دوست رکھتا ہوگا اور وہ اُسے دوست رکھتے ہونگے۔	وہ خدا کے دین کے لئے لڑینگے	وہ لڑیں گے	دلاوری سے

نمبر شمار	نمبر سورۃ و آیت	آیت	انگریزی ترجمہ سیل	راڈویل	پامر
		عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي مسلمانوں کے ساتھ نرم اور کافروں کے ساتھ کڑے سَبِيلِ اللّٰهِ۔ ہوں گے اور اللہ کی راہ میں خوب کوشش کریں گے			

اُن آیات قرآنیہ کی توضیح و تشریح جن میں لفظ جہاد مذکور ہوا ہے۔

۱۲- وہ آیات جن میں جہاد اور اس کے مشتقات کا ذکر تھا اپنی کیفیت کے ساتھ اوپر نقل کر دی گئی ہیں۔ اب میں آگے چل کر تمام آیات مذکورہ بالا کا صحیح ترجمہ لکھوں گا، اور جہاں تک ممکن ہے تاریخی ترتیب سور کو ملحوظ رکھوں گا اور میری رائے اور کیفیتیں بھی مندرج ہوں گی اور جہاں ضرورت پڑے گی مسلمان مفسرین کی عبارتیں بھی نقل کروں گا +

۱- مکّی سورتیں

۱۳- وَ إِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا

(۱- سورہ لقمان ۳۱ آیت ۱۴-)

اور اگر تیرے ماں باپ تجھے اس امر پر مجبور کریں کہ تُو ہمارے ساتھ کسی ایسے کو خدائی میں شریک کرے جس کی تیرے پاس کوئی حجت ہی نہیں ہے تو تُو اُن کی بات نہ مان

سورۂ لقمان مکّی سورتوں میں ایک نہایت قدیم سورت جو بعثت کے چھٹے اور دسویں سال کے درمیانی عرصہ میں نازل ہوئی تھی، اس میں ماں باپ سے برتاؤ کرنے کی نصیحت کی گئی ہے، اور حکم دیا گیا ہے کہ اُن سے نہایت ہی محبت سے پیش آؤ، لیکن اگر وہ بُت پرستی اور شرک کے لئے ترغیب دیں تو اُن کا کہنا نہ مانو۔

یہاں "جَاهَدَاكَ" کے یہ معنے ہیں کہ "اگر تیرے ماں باپ دونوں تجھے

ڈانٹیں، یا اس کی سعی و کوشش کریں (کہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دیوتا یا دیبی کو شریک کرے)"۔ اس موقع پر اس معنے کے سوا کسی مترجم اور مفسر نے اس لفظ کے معنے لڑائی کرنے یا دشمنی یا جنگ کے نہیں لئے۔

۱۴۔ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيرًا فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا

۲۔ الفرقان ۲۵ آیت ۵۲ و ۵۴

علاوہ بریں اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانیوالا اٹھا کھڑا کر دیتے تو اے پیغمبرؐ تم کافروں کا کہنا نہ مانو بلکہ اُس (قرآن کی دلائل) سے (جاہد) اُن کا مقابلہ (جہاداً کبیراً) بڑی زور سے یا بڑی محنت و مشقت سے کرو۔

اس کا تعلق صریحاً قرآن سے، یا اس تنبیہ سے ہے جس کا ذکر آیت بالا میں آچکا ہے۔ اس لئے یہاں اگر لفظ جہاد کا ترجمہ "اُن کے ساتھ زور سے لڑنے کا کیا جائے یا جس طرح ہنری پامر صاحب نے (دیکھو جلد ۲ صفحہ ۸۸) "زور سے لڑنے کی تحریک" کا کیا ہے، تو بالکل غلط ہوگا۔ مسٹر سیل اور ریورنڈ مسٹر راڈویل اور علیٰ ہذا مسلمان مفسرین بھی اس کا ترجمہ بمعنی جنگ نہیں کرتے۔ امام فخر الدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ) اپنی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں:۔

"بعض لوگ جَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا کے یہ معنے لیتے ہیں کہ وعظ کرنے میں کوشش کرو۔ لیکن بعض یہ بھی کہتے ہیں، کہ اُس کے معنے لڑائی کے ہیں، اور بعض دونو معنے لیتے ہیں لیکن سب سے پہلے معنے صحیح تر ہیں۔ کیونکہ یہ سورت مکہ معظمہ میں نازل ہوئی تھی، اور جنگ کرنے کا حکم اس سے کچھ مدت بعد ہجرت ہو چکنے سے پیچھے دیا گیا ہے" (جلد چہارم صفحہ ۴۹۰)

۱۵۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

۳۔ الحج[۱] ۲۲ آیت ۷۶ و ۷۸

مسلمانو! اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں رکوع کرو، سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو۔ تاکہ تم اپنے دل کی مراد کو پہنچو۔ اور (جاہدوا) اللہ کے راستہ میں کوشش کرو

[۱] یہ سورۃ مشہور ہے کہ مکہ میں نازل ہوئی لیکن غالباً یہ بات اس کے آیت ۱-۲۴-۲۳-۵۶-۶۰-۶۵-۶۶-۶۷ اور ۷۵ کی نسبت ہے مسٹر میور نے اس کو مکی سورتوں کے اخیر میں پانچویں درجہ میں رکھا ہے۔ نولڈ صفحہ ۱۵۸۔ ریورنڈ راڈویل صفحہ ۵۰۰۔

وَجَاہِدُوا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِہَادِہٖ ھُوَ اجْتَبٰکُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرَاہِیْمَ ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ۔	اس قدر کہ جس قدر (حقّ جہادہ) کوشش کرنے کا حق ہے۔ اُس نے تم کو دوسرے لوگوں میں منتخب کیا ہے۔ اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں ہے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا ہے جو تمہارے باپ ابراہیم کا تھا انہیں نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے

اس جگہ مسٹر سیل اور مسٹر پامر اس لفظ کا ترجمہ "لڑائی کرنا" کرتے ہیں، جو بالکل غلط ہے۔ اس کے یہ معنے نہ تو قدیم زبان میں ہیں اور نہ وضعی ہیں۔ راڈویل اُس کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ "دلاورانہ کوشش کرو"۔ سر ولیم میور کہتے ہیں "یہاں اسکا استعمال عام مفہوم میں زیادہ تر ہے" (جلد سوم صفحہ ۳۲)

یہ آیت اُس بڑے اصول کی ایک مختصر اور مجمل صورت ہے جو دوط کے باب ششم ورس پنجم میں، اور مرقس کے باب دوازدہم ورس تیس ۳۰ میں اور لوقا کے باب دہم ورس ۲۷ میں ہے۔ یعنے :-

"تجھے اپنے سارے دل اور ساری جان سے، اور اپنی ساری ضمیر اور سارے زور سے اپنے خدا کو پیار کرنا چاہیئے"۔

اور نیز لوقا باب ۱۳، ورس ۲۴ میں ہے :-

"تو راستی کے دروازہ میں داخل ہونے کی کوشش کر"

۱۶- مَنْ کَفَرَ بِاللّٰہِ مِنْ بَعْدِ اِیْمَانِہٖٓ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ وَلٰکِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْکُفْرِ صَدْرًا فَعَلَیْہِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰہِ وَلَہُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ثُمَّ اِنَّ رَبَّکَ لِلَّذِیْنَ ہَاجَرُوْا مِنْ بَعْدِ (۴- النحل ۱۶- آیت ۱۰۸ و ۱۱۱)	جو شخص کفر کے لئے مجبور کیا جائے مگر اُس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو اُس سے کچھ مواخذہ نہیں لیکن جو شخص ایمان لائے پیچھے خدا کے ساتھ کفر کرے اور کفر بھی کرے تو جی کھول کر تو ایسے لوگوں پر خدا کا غضب ہے۔ اور ان کے لئے بڑا سخت عذاب ہے۔ پھر جن لوگوں نے مبتلائے مصیبت ہونے کے بعد گھر

مسٹر پامر نے یہاں جاھدو اور یجاھد کے معنے دلاوری سے لڑائی لڑنے کے لئے ہیں، اس میں اُنہوں نے بڑی غلطی کی ہے۔ مسٹر سیل اور ریورنڈ راڈویل نے اس کا ترجمہ "کوشش کرنا اور سختی کرنا کیا ہے اور یہ صحیح ہے۔ ایسے ہی مسٹر ولیم میور نے بھی صحیح ترجمہ کیا ہے جنہوں نے اس کا مطلب بیان کیا ہے کہ اس آیت میں اُس کا عام مفہوم مراد ہے۔ (سیرت محمدی جلد ۳ صفحہ ۳۲)۔

۱۸- وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا۔ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۔

۶- العنکبوت ۲۹ آیت ۷۔

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اگر ماں باپ تیرے درپے ہوں کہ تو کسی کو ہمارا شریک ٹھہرائے جس کی تیری پاس کوئی دلیل نہیں ہے تو تو اُن کا کہنا نہ مان تم سب کو ہمارے طرف لوٹ کر آنا ہے پھر جو تم کرتے رہو ہم تم کو بتا دیں گے۔

اس آیت میں کسی شارح نے "جاھدا" کے معنے جنگ یا کروسیڈ کے نہیں لئے ہیں۔ اس لئے یہ مشکل کسی طرح حل نہیں ہوتی کہ اسی کتاب کے دوسرے مقامات پر اس لفظ کے اصلی اور قدیم معنوں سے کیوں عدول کیا گیا ہے۔

۱۹- وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ

۷- العنکبوت ۲۹ آیت ۶۹

اور جن لوگوں نے ہمارے کام میں (جَاهَدُوا) کوشش کیں ہم بھی انہیں ضرور اپنے راستے دکھائیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ ہے جو نیک کام کرتے ہیں۔

مسٹر پامر یہاں اس لفظ کے یہ معنے لیتے ہیں کہ "جنہوں نے لڑائی کی" حالانکہ اس کے برخلاف مسٹر سیل، ریورنڈ راڈویل، اور سر ولیم میور نے اس کا ترجمہ "کوشش کی، سعی کی، اور محنت کی" لکھے ہیں۔ جہاد کے اصلی معنے کروسیڈ یا جنگ و جدل کے اُس وقت مروّج نہ تھے جب کہ قرآن شریف نازل ہوا تھا۔

۲۰- وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَہْدَ اَیْمَانِہِمْ لَا یَبْعَثُ اللّٰہُ مَنْ یَّمُوْتُ بَلٰی وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ۔

۸- النحل ۱۶- آیت ۴۰

اور یہ لوگ خدا کی بڑی سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ جو مرجاتا ہے خدا اُس کو اُٹھا کر نہیں کھڑا کرتا- اسے پیغمبر ان سے کہہ دو ضرور اُٹھا کھڑا کرے گا- یہ وعدہ اس کا برحق ہے- اور اس کا ایفا ضرور ہے مگر اکثر لوگ اس کا یقین نہیں کرتے۔

مسٹر سیل نے اُس کا ترجمہ کیا ہے "نہایت سنجیدگی سے" اور راڈویل نے "بڑی مذہبی قسمیں" کیا ہے- اور مسٹر پامر نے "بڑی پختہ قسمیں"۔

۲۱- وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَہْدَ اَیْمَانِہِمْ لَئِنْ جَآءَہُمْ نَذِیْرٌ لَّیَکُوْنُنَّ اَہْدٰی مِنْ اِحْدَی الْاُمَمِ فَلَمَّا جَآءَہُمْ نَذِیْرٌ مَّا زَادَہُمْ اِلَّا نُفُوْرًا۔

۹- الفاطر ۳۵- آیت ۴۰

اور یہ لوگ اللہ کی بڑی (حجت سے) قسمیں کھایا کرتے تھے کہ اُن کے پاس کوئی ڈرانے والا آئے گا تو وہ ہر ایک اُمت سے زیادہ سیدھی ہونگی پھر جب ڈرانے والا اُن کے پاس آپہنچا تو اُس کے آنے سے اُن کی نفرت کو اور ترقی ہوئی۔

مسٹر سیل کا ترجمہ ہے "بڑی سجیدہ قسم" راڈویل کا "بڑی زور کی قسم" اور پامر کا "بڑی زور آور قسم"

۲- مدنی سُورتیں

۲۲- اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ہَاجَرُوْا وَ جٰہَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

۱۰- البقرہ ۲- آیت ۲۱۵

اور جو لوگ ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں ہجرتیں کیں اور اللہ کے راستہ میں خوب کوششیں بھی کیں یہی ہیں جو خدا کی رحمت کی اُمید لگائے بیٹھے ہیں- اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

مسٹر سیل اور ریورنڈ راڈویل "جاھدوا" کا ترجمہ کرتے ہیں "وہ لڑتے ہیں" اور مسٹر پامر لکھتے ہیں "وہ جو لڑائی کرتے ہیں" لیکن اس کے اصلی معنے بدل

دینے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ سر ولیم میور اس آیت کا ترجمہ حسب ذیل کرتے ہیں:

"لیکن وہ جو ایمان لاتے ہیں اور جو ایمان کی خاطر ہجرت کرتے ہیں اور خدا کے رستہ میں خوب
" دل سے کوشش کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو خدا کی رحمت کی اُمید لگائے بیٹھے ہیں۔ کیونکہ خدا
"بخشنے والا اور مہربان ہے"[1]

وہ پھر ایک فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں:۔

" یہ جہاد کا لفظ وہی ہے جس کے معنے آگے چل کر مذہبی لڑائی کے ہو گئے ہیں۔ لیکن غالباً
" اس وقت تک یہ معنے اُس کے نہیں مستعمل ہوئے تھے۔ ہجرت سے پیشتر تک اس کا عام مفہوم
" لیا جاتا تھا۔ اور شاید جنگ بدر تک ایسا ہی رہا"[2]

میں یہاں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آنحضرت م کے ایام حیات میں اس لفظ کے معنے "مذہبی لڑائی" کے کبھی نہیں لئے گئے، اور قرآن شریف میں ہجرت سے پہلے نہ ہجرت کے بعد اس کے یہ معنے کبھی لئے گئے۔

اس آیت میں ہجرت کا جو ذکر جہاد کے لفظ کے ساتھ کیا گیا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے معنے اُس محنت و مشقت اور پریشانی کے ہیں جو مہاجرین کو اپنے خاندانوں کو اپنے دشمنوں کے ہاتھوں میں اپنے ملک سے بھاگتے وقت غیر محفوظ چھوڑ کر اُٹھانی پڑی تھی۔

۲۳۔ ۱۱۔ آل عمران ۳ آیت ۱۳۶۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ۔

کیا تم نے یہ خیال کر لیا ہے کہ تم جنت میں جا کر داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تک اللہ نے نہ کچھ جانچا کہ تم میں سے کنھوں نے (جاھدوا) کوشش کی ہیں۔ نہ یہ جانچا کہ کون صابر ہیں۔

[1] سیرت محمدی جلد ۳۔ صفحہ ۷۔
[2] سیرت محمدی فٹ نوٹ۔ جلد ۳ صفحہ ۷ مطبوعہ لندن ۱۸۶۱ء۔

ریونڈ راڈویل "جاھدوا" کا ترجمہ کرتے ہیں "دلاورانہ کام کئے"۔ اور مسٹر سیل اور پامر کی موافقت نہیں کرتے، جنہوں نے اُس کا ترجمہ کیا ہے "زور سے لڑائی کی، یا "خوب لڑائی کی"۔

لیکن چونکہ اس کا تعلق مہاجرین سے ہے، اس لئے لفظ "جاھدوا" سے غالباً وہ لوگ مراد ہیں، جنہوں نے محنتیں کیں، اور مکہ سے ہجرت کے زمانہ میں مصائب جھیلیں۔

۲۴- اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓىِٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُهَاجِرُوْا وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰی قَوْمٍ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ○

۱۲- الانفال ۸ آیت ۷۲-

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرتیں کیں اور (جاھدوا) اللہ کے راستہ میں اپنے جان و مال سے کوششیں کیں اور وہ لوگ جنہوں نے مہاجرین کو جگہ دی۔ اور اُن کی مدد کی۔ یہی لوگ ہیں جو ایک کے وارث ایک ہیں۔ اور جو لوگ ایمان تو لے آئے لیکن ہجرت نہیں کی۔ تو تم مسلمانوں کو اُن کی وراثت سے کچھ تعلق نہیں یہاں تک کہ ہجرت کر کے تم میں آملیں۔ ہاں اگر دین کے بارہ میں تم سے مدد کے طالب ہوں تو تم کو اُن کی مدد کرنی لازم ہے مگر اس قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ تم میں اور اُن میں صلح کا عہد و پیمان ہو۔ اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اُسکو دیکھ رہا ہے

مسٹر سیل اس آیت میں جہاد (یا جاھدوا) کا ترجمہ کرتے ہیں "انھوں نے لڑائی میں اپنی جان و مال لگا دئے"۔ راڈویل لکھتے ہیں "اُنھوں نے اپنی جان و مال خرچ کر دئے"۔ پامر کا ترجمہ ہے "اُنھوں نے اپنی دولت اور اپنی جان سے بڑے زور سے لڑائی کی"۔

چونکہ لفظ "جہاد" اپنی ذات اور اپنے مال و دولت کے لئے بولا گیا ہے اس لئے اس مقام پر اس کے اصطلاحی معنے لڑائی کے نہیں لئے جا سکتے۔

۲۵- وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ○

(۱۳- الانفال ۸ آیت ۷۵)

اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرتیں کیں۔ اور اللہ کے رستے میں (جاھدوا) کوششیں بھی کیں اور جن لوگوں نے ہجرت کرنیوالوں کو جگہ دی اور اُن کی مدد کی۔ یہی لوگ پکے مسلمان ہیں اُن کے گناہ معاف کئے جائیں گے اور انہیں کے لئے تعظیم کے ساتھ روزی ہے۔

سیل نے ترجمہ کیا ہے "لڑائی کی" راڈویل نے لکھا ہے "لڑائی کی" پامر کے الفاظ ہیں "خوب لڑائی کی"۔ اس آیت میں کوئی لفظ بھی ایسا نہیں ہے جس سے جاھدوا کے اصلی و لفظی اور صحیح مفہوم سے عدول کرنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہو۔ اور یہ پایا جاتا ہو کہ اُس کو اُس مفہوم میں استعمال کیا جائے جو قرآن کے بعد گھڑا گیا ہے۔

۲۶- وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○

(۱۴- الانفال ۸ آیت ۷۶)

اور جو لوگ بعد کو ایمان لائے۔ اور ہجرتیں کیں اور تمہارے ساتھ میں ہو کر کوششیں بھی کیں۔ تو وہ تم ہی میں داخل ہیں اور رشتہ دار اللہ کی کتاب کے مطابق ایک دوسرے کے ترکہ کے زیادہ حقدار ہیں۔ بے شک اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

سیل کا ترجمہ "لڑائی کی" راڈویل کا "لڑائی کی" پامر کا "خوب لڑائی کی"۔ یہاں بھی کوئی معقول وجہ نہیں ملتی کہ جس سے لفظ جاھدوا کے اصلی معنے بدل

دئے جائیں۔ اور ایسے معنے لئے جائیں جو نہ تو قرآن میں کبھی لئے گئے اور نہ قدیم زبان عربی میں استعمال کئے گئے۔

۲۷۔ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَہْدَ اَیْمَانِہِمْ (۱۵۔ الانعام ۶۔ آیت ۱۰۹)	اور کفار اللہ کی بڑی پکی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں۔

سیل، "بڑی سنجیدہ قسم"۔ راڈویل "بڑی پابند کرنے والی قسم"۔ پامر "بڑی پختہ قسم"۔

۲۸۔ وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجَاہِدِیْنَ مِنْکُمْ وَالصَّابِرِیْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَکُمْ۔ (۱۶۔ محمد ۴۷۔ آیت ۳۳)	اور اے مسلمانو ہم تم سب کو ضرور آزمائینگے تاکہ تم میں محنت جو کرنے والے اور مصائب کو برداشت کرنے والے ہیں اُن کو ہم معلوم کریں اور تمہارے اصلی حالات کو جانچ لیں۔

سیل "جو جوانمردانہ لڑتے ہیں"۔ راڈویل "دلاورانہ"۔ پامر "جو جوانمردانہ لڑے"۔

"مجاہد" لفظ "مقاتل" کا کہیں مرادف وہم معنے نہیں ہے۔

۲۹۔ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُجَاہِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ (۱۷۔ الصف ۶۱ آیت ۱۱۔)	اللہ پر اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کے راستہ میں اپنے مال اور جانوں سے کوشش کرو۔

ترجمہ سیل، "جو جوانمردانہ لڑے"

ترجمہ راڈویل "جو جوانمردانہ لڑے"

ترجمہ پامر "جو خوب لڑتے ہیں"

عبادت کی دو قسمیں کی گئی ہیں۔ ایک جسمانی جس میں دماغی محنت بھی داخل ہے دوسری مالی۔ یہاں مسلمانوں کو یہ نصیحت کی گئی ہیں۔ کہ وہ جسمانی اور مالی دونوعبادتیں بجالائیں۔

۳۰۔ لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (۱۸۔ النساء ۴۔ آیت ۹۷)	جن مسلمانوں کو کوئی معذوری نہیں اور وہ بیٹھ رہے تو یہ لوگ درجہ میں اُن کے برابر نہیں ہو سکتے جو اپنے مال

غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ط	اور جان سے خدا کی راہ میں (مجاہدون) کوشش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مال اور جان سے (مجاہدین) کوشش کرنیوالوں کو بیٹھ رہنے والوں پر درجہ کے اعتبار سے بڑی فضیلت دی ہے اور اللہ کا وعدہ نیک تو سب ہی مسلمانوں سے ہے مگر اللہ نے (مجاہدین) کوشش کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر بڑی عظمت دی ہے۔

ترجمہ سیل، مجاھدون جو اپنی دولت اور اپنے مال خدا کے مذہب میں لگاتے ہیں"

مجاھدین "جو اپنی دولت اور اپنے مال لگاتے ہیں"

مجاھدین "جو لڑائی لڑتے ہیں"

ترجمہ راڈویل مجاھدون "جو جوانمردانہ لڑائی لڑتے ہیں"

مجاھدین "جو دل سے جنگ کرتے ہیں"

مجاھدین "زور سے"

ترجمہ پامر مجاھدون "زور سے"

مجاھدین "زور سے"

مجاھدین "زور سے"

میں نے اوپر جسمانی اور روحانی دو قسم کی عبادت و پرستش کا ذکر کیا ہے، وہی صورت اس جگہ بھی ہے۔

۲۱- وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ	اور وہ منافق اللہ کی بڑی پکی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں۔

۱۹- النور ۲۴- آیت ۵۲

ترجمہ سیل۔ "بڑی سنجیدہ قسم"۔

ترجمہ راڈویل۔ "بڑی سنجیدہ قسم"۔

ترجمہ پامر۔ "بڑی زور کی قسم"۔

۳۲۔ یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ جَاہِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَ اَغْلُظْ عَلَیْہِمْ

۴۔ التحریم ۶۶۔ آیت ۹

اے پیغمبر کفار اور منافقین کے ساتھ خوب محنت و جفا کشی کرو اور اُن پر سختی رکھو۔

ترجمہ سیل۔ "کفار سے بذریعہ ہتھیار اور منافقین سے حجت و دلیل سے مقابلہ کرو"۔

ترجمہ راڈویل۔ "جنگ کرو"۔

ترجمہ پامر۔ "زور سے لڑائی کرو"۔

۳۳۔ یہ آیت بھی لفظ بہ لفظ وہی ہے جو اُوپر مذکور ہوئی۔

۲۱۔ التوبہ ۹۔ آیت ۷۴

ترجمہ سیل۔ "جنگ کرو"

ترجمہ راڈویل "مقابلہ کرو"

ترجمہ پامر۔ "زور سے کوشش کرو"۔

دونو آیتوں میں وہی لفظ "جاھد" آیا ہے۔ تاہم مترجمین اپنے اپنے ترجموں میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ چونکہ منافقین سے کبھی جنگ نہیں کی گئی۔ لہٰذا اگر اس کے اصلی معنے سے عدول بھی کیا جائے، تاہم وہ معنے نہیں لئے جا سکتے جو انہوں نے سمجھے ہیں۔ ایک موقع پر تو مسٹر سیل اُس کے معنے ہتھیاروں سے حملہ کرنے کے لیتے ہیں، اور دوسری جگہ اُسی لفظ کے معنے دلائل سے حملہ کرنے کے لکھتے ہیں۔

جہاد کا ترجمہ حملہ کرنے کا ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کے معنے کوشش کرنے کے ہیں۔ آیت کے سیدھے معنے اس طرح ہیں، کہ اے پیغمبر وعظ کرنے میں خوب کوشش

کرو، اور کفار اور منافقین کو ملامت کرو، اور اُن سے سختی بھی کرو۔ یعنے اُن کے سامنے نرم نہ پڑجاؤ، اور نہ بے پروائی کرو۔

۳۴۔ یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ وَقَدْ کَفَرُوْا بِمَا جَآءَکُمْ مِّنَ الْحَقِّ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاکُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ رَبِّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِھَادًا فِیْ سَبِیْلِیْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ تُسِرُّوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَیْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ وَمَنْ یَّفْعَلْہُ مِنْکُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ○

۲۲۔ الممتحنہ ۶۱
آیت ۱

مسلمانو میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ لگو اُن کی طرف دوستی کے نامہ و پیام دوڑانے حالانکہ تمہارے پاس جو خدا کی طرف سے دین حق آیا ہے وہ اُس سے انکار کر چکے ہیں۔ وہ تو صرف اتنی بات پر کہ تم اپنے پروردگار اللہ ہی کو مانتے ہو رسول کو اور تم کو گھروں سے نکال رہے ہیں۔ اگر تم ہماری راہ میں کوشش کرنے اور ہماری رضامندی ڈھونڈنے کو نکلے ہو تو تم یہ کیا کرتے ہو کہ چھپکے چھپکے اُن کی طرف دوستی کے پیغام دوڑاتے ہو۔ اور جو کچھ تم چھپا کرتے ہو اور جو ظاہر طور کرتے ہو وہ ہم سب کو خوب جانتے ہیں۔ اور جو تم میں سے ایسا کریگا تو یاد رکھو کہ وہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا ہے۔

ترجمہ سیل۔ ”میرے مذہب کی تائید میں لڑنے کے لیے“

ترجمہ راڈویل۔ ”میرے راستہ میں لڑائی کرنے کو“

ترجمہ پامر۔ ”زور سے لڑائی لڑنے کو“

مترجمین مذکورہ بالا کہتے ہیں کہ حاطب نے اہل مکہ کو اس حملہ کی خبر دیدی تھی، جو رسول اللہ اُن پر کرنے والے تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنے خاندان کی خلاصی کے لئے اُن سے میل جول کرے جو اس وقت وہاں پڑا تھا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ کی لشکرکشی ”جہاد“ کہلائی جائے۔ لیکن سر ولیم میور اس کو نہیں مانتے، وہ ایک فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں :۔

"کہتے ہیں کہ سورۂ ممتحنہ کی ابتدائی آیتیں حاطب کی نسبت ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ "مہلت جنگ میں قریش سے کوئی بڑا میل جول اور سازش ہوگئی تھی جو اُن کے عام بیان "سے معلوم ہوتی ہے، اس واسطے یہ آیتیں اس سے پہلے زمانہ کی ہوں گی"[1]

۳۵۔ یہ قصّہ کہ رسول اللہ نے مکّہ پر حملہ کا ارادہ کیا تھا، حاطب نے اہل مکّہ کو اُس سے خبردار کردیا، اُس کا حال رسول اللہ کو وحی سے معلوم ہو گیا، صحیح اور معتبر احادیث سے ثابت نہیں ہوتا۔ بخاری[2] کی صحیح حدیث میں صرف اس قدر ہے کہ یہ آیت حاطب کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ لیکن اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ اُس وقت نازل ہوئی ہے جب کہ مکّہ کو جارہے تھے، نہ اس کا ذکر ہے کہ یہ مخبری اس حملہ مجوزہ کی نسبت تھی۔ صحیح حدیث میں صرف اسی قدر ہے کہ اس خبر میں رسول اللہ کی کوئی بات تھی۔

حاطب کا قصّہ

علاوہ بریں "اِنْ کُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِیْ سَبِیْلِیْ" کا یہ ترجمہ کرنا کہ "اگر میرے مذہب کی حمایت کی غرض سے لڑائی کرنے کو جاتے ہو، یا میرے راستہ میں لڑائی لڑنے کو نکلے ہو، یا میرے واسطے خونریز لڑائی کرنے کو جاتے ہو، بالکل غلط ہے۔ اس کے سیدھے سادے معنے ہیں کہ اگر تم میرے کام میں کوشش کرنے کی غرض سے نکلے ہو، اور یہ جملہ آیت کا ایک تتمّہ یا نتیجہ ہے اُس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم مکّہ سے یا یں غرض نکلے ہو کہ میرے منشاء میں کوشش کرو، اور ہجرت کی دقّتیں جھیل رہے ہو، بے خانمانی کے مصائب اور پریشانیاں برداشت کررہے ہو۔ اپنے گھر اور مال و متاع کو غیر محفوظ چھوڑ آئے ہو، اور یہ سب (جہاد) درد و رنج ابتغاءً لمرضاۃ اللہ اُٹھا رہے ہو، تو تمہیں چاہیئے کہ تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، جو اُس صداقت کے منکر

[1] سیرت محمدی جلد ۴ صفحہ ۱۱۴۔

[2] کتاب المغازی صفحہ ۶۱۲ - و کتاب التفسیر صفحہ ۷۲۶ - مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۰۵ھ۔

ہیں جس پر تم ایمان لائے ہو، اور انہوں نے تمہیں اور پیغمبرؐ کو صرف اس وجہ سے تمہارے گھر (مکہ) سے بے گھر کیا ہے کہ تم خدا پر ایمان لائے ہو۔

۲۶۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝

۲۳۔ الحجرات ۴۹۔ آیت ۱۵۔

سچے مسلمان تو وہی ہیں جو اللہ اور رسول پر ایمان لائے پھر کسی طرح کا شک و شبہ نہیں کیا۔ اور اللہ کے راستہ میں اپنے جان و مال سے کوشش کی۔ حقیقت میں یہی سچے مسلمان ہیں۔

ترجمہ سیل۔ "وہ جو اپنے مال اور جانیں خدا کے سچے مذہب کی تائید میں لگاتے ہیں۔"

ترجمہ راڈویل۔ "جو اپنے مال اور جانوں سے لڑائی کرتے ہیں۔"

ترجمہ پامر "جو اپنے مال اور جان سے خوب زور سے لڑتے ہیں۔"

دیکھو میری رائے مصرحہ نمبر ۷ انفقرۂ ۲۹۔ ضمیمۂ ہٰذا۔

۲۷۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

۲۴۔ التوبہ ۹۔ آیت ۱۶۔

مسلمانو! کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ مفت میں چھوٹ جاؤ گے۔ حالانکہ اللہ نے اُن لوگوں کو تم میں سے ابھی جانچا نہیں جنہوں نے کوششیں کیں اور اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے سوا کسی کو اپنا دوست نہیں بنایا اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب خبردار ہے۔

ترجمہ سیل۔ "اس کے مذہب کے واسطے لڑائی کی۔"

ترجمہ راڈویل۔ "دلاورانہ لڑائی کی۔"

ترجمہ پامر "خوب زور سے لڑائی کی"

۳۸۔ اَجَعَلْتُمْ سِقَایَۃَ الْحَآجِّ وَعِمَارَۃَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰھَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰہِ وَ اللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ٥

(۲۵۔ ایضاً آیت ۱۹)

کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانے اور حرمت والی مسجد خانہ کعبہ کے بنانے کو اُس شخص کے برابر سمجھ لیا ہے جو اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان لایا۔ اور اللہ کے رستہ میں اُس نے کوشش کی ہے۔ اللہ کے نزدیک تو یہ لوگ ایک دوسرے کے برابر نہیں۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو راہ راست نہیں دکھایا کرتا۔

ترجمہ سیل:۔ "لڑائی کی"

ترجمہ راڈویل:۔ "لڑائی کی"

ترجمہ پامر:۔ "کوشش کرتا ہے"

۳۹۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ ھَاجَرُوْا وَ جَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَ اَنْفُسِھِمْ اَعْظَمُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰہِ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ

(۲۶۔ التوبہ ۹ آیت ۲۰)

وہ مسلمان جو ایمان لائے اور ہجرتیں کیں اور اپنے مال اور جانوں سے اللہ کے رستہ میں کوششیں کیں اللہ کے نزدیک درجہ میں بہت بڑے ہیں۔ اور وہی لوگ ہیں جو منزل مقصود کو پہنچنے والے ہیں۔

ترجمہ سیل:۔ "اپنے مال اور جانیں اللہ کے سچے مذہب کی تائید میں لگاتے ہیں"

ترجمہ راڈویل:۔ "خدا کے راستہ میں اپنے مال اور جان سے کوشش کرتے ہیں"

ترجمہ پامر:۔ "خدا کے راستہ میں اپنی دولت اور جان سے محنت کرتے ہیں"

۴۰۔ قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَ اَبْنَآؤُکُمْ

(۲۷۔ التوبہ ۹۔ آیت ۲۴)

اے پیغمبر مسلمانوں کو کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ تمہارے بیٹے × × × × × × × × ×

وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝	تمہارے بھائی۔ تمہاری بیبیاں۔ تمہارے خاندان والے مال جو تم نے کمائے ہیں۔ اور سوداگری جس کے مندا پڑنے کا تم کو اندیشہ ہے اور مکانات جس میں رہنے کو تمہارا جی چاہتا ہے اللہ اور اُس کے رسول اور اللہ کے رستہ میں کوشش کرنے × × سے تم کو زیادہ عزیز ہیں تو ذرہ صبر کرو۔ یہاں تک کہ جو کچھ کہ خدا کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لا موجود کرے۔ اور اللہ اُن لوگوں کو جو اُسکے حکم سے سرتابی کریں ہدایت نہیں کرتا

ترجمہ سیل:۔ ”اُس کے مذہب کی ترقی ہیں“

ترجمہ راڈویل:۔ ”اُس کے راستہ میں کوشش“۔

ترجمہ پامر:۔ ”خوب زور سے لڑائی لڑنا“۔

۲۸۔ التوبہ ۹ آیت ۴۱	۴۱۔ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝	مسلمانو! ہلکے (بے ہتھیار) اور بھاری (مسلح) خدا کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے کوشش کرنے کو نکل کھڑے ہوا کرو اگر تم اس کے مصلحتوں سے واقف ہو تو تمہارے حق میں بہت بہتر ہے۔

ترجمہ سیل:۔ خدا کے سچے دین کی ترقی کے واسطے اپنے مال اور اپنی جان لگا دو“۔

ترجمہ راڈویل:۔ ”اپنے مال اور اپنی جان سے لڑائی کرو“

ترجمہ پامر:۔ ”اپنی دولت اور اپنی جان سے خوب زور سے لڑائی کرو“۔

۲۹۔ التوبہ ۹۔ آیت ۴۴	۴۲۔ لَا یَسْتَاْذِنُکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ	اے پیغمبر! جو لوگ اللہ کا اور روز آخرت کا یقین رکھتے ہیں وہ تو تم سے اس بات کی رخصت مانگتے نہیں

وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یُّجَاہِدُوْا بِاَمْوَالِہِمْ وَ اَنْفُسِہِمْ وَ اللّٰہُ عَلِیْمٌۢ بِالْمُتَّقِیْنَ ۝

کہ اپنی جان و مال سے شریک محنت نہ ہوں۔ اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔

ترجمۂ سیل:۔ "خدا کے دین کی ترقی کے واسطے اپنے مال اور اپنی جانیں لگا دو۔"

ترجمۂ راڈویل:۔ "اپنے مال اور جان سے لڑائی لڑنا۔"

ترجمۂ پامر۔ "خوب زور سے لڑائی لڑنا۔"

۴۳۔ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِہِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَ کَرِہُوْٓا اَنْ یُّجَاہِدُوْا بِاَمْوَالِہِمْ وَ اَنْفُسِہِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ قَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَہَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوْ کَانُوْا یَفْقَہُوْنَ ۝

۳۰۔ التوبہ ۹ آیت ۸۲

جو منافق اُن کے اپنے اصرار سے پیچھے چھوڑ دئے گئے۔ وہ رسول خدا کی خلاف رائے اپنے گھروں میں بیٹھ رہنے سے بہت خوش ہوئے اور راہ خدا میں اپنی جان و مال سے (یُجَاھِدُوْا) کوشش کرنا اُن کو ناگوار گزرا اور لوگوں کو بھی سمجھانے لگے کہ ایسی گرمی میں گھر سے نہ نکلنا۔ اے پیغمبر ان لوگوں سے کہدو کہ گرمی تو دوزخ کی آگ کی بہت سخت ہے۔ کاش انکو اتنی سمجھ ہوتی

ترجمۂ سیل:۔ "اپنے جان و مال کو خدا کے سچے دین کی ترقی میں لگانا۔"

ترجمۂ راڈویل:۔ "اپنے مال و دولت اور جان لگا کر جھگڑنا۔"

ترجمۂ پامر:۔ "اپنی دولت اور اپنی جان لے کر خوب زور سے لڑائی کرنا۔"

۴۴۔ وَ اِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَۃٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَ جَاہِدُوْا مَعَ رَسُوْلِہِ اسْتَاْذَنَکَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْہُمْ وَ قَالُوْا ذَرْنَا نَکُنْ مَّعَ الْقٰعِدِیْنَ ۝

۳۱۔ التوبہ ۹ آیت ۸۶

اور اے پیغمبر جب کوئی سورۃ نازل کی جاتی ہے اور اُس میں حکم ہوتا ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ۔ اور اُس کے رسول کے ساتھ رہ کر کوشش کرو۔ تو جو اُن میں سے صاحب مقدور ہیں وہی تم سے اجازت مانگنے لگتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم کو چھوڑ جاؤ کہ گھر بیٹھنے والوں کے ساتھ ہم بھی گھروں میں بیٹھ رہیں

ترجمۂ سیل:۔ "جاؤ لڑائی کے واسطے۔"

ترجمۂ راڈویل:۔ "جھگڑا کرو۔"

ترجمہ پامر:۔ "خوب لڑائی لڑو"۔

۳۲ - ایضاً آیت ۸۸۔	۴۵ ۔ لٰكِنِ الرَّسُولُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ٥	لیکن پیغمبر اور جو اُن کے ساتھ اللہ پر ایمان لائے ہیں ان سب نے اپنے مال و جان سے خدا کی راہ میں کوششیں کیں۔یہی لوگ ہیں جن کے لئے یہ خوبیاں انتظار کر رہی ہیں۔ اور یہی لوگ ہیں ۔جو فلاح پانے والے ہیں۔

ترجمۂ سیل:۔ "اپنی جان و مال اُن کے لئے لا کر ڈال دئے"۔

ترجمۂ راڈویل:۔ "اپنی تھیلی اور اپنی جان سے جھگڑتے ہیں"۔

ترجمۂ پامر:۔ " اپنی دولت اور اپنی جان سے خوب زور لگاتے ہیں"۔

۳۳- المائدہ ۵ آیت ۳۹	۴۶۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ	مسلمانو! اللہ سے ڈرتے رہو اور نیز اُس تک پہنچنے کے ذریعہ کی جستجو کرتے رہو۔ اور اُس کے رستہ میں کوشش کرو۔تاکہ تمہیں فلاح مل جائے۔
۳۴- المائدہ ۵ آیت ۵۸۔	۴۷۔ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ	تو مسلمان کہیں گے کیا یہ وہی لوگ ہیں جو ظاہر میں بڑے زور سے اللہ کی قسمیں کھاتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اُن کی کوششیں سب بیکار ہیں ۔ اور سراسر نقصان میں آگئے ۔ . . . .

ترجمۂ سیل:۔ "نہایت پختہ"

ترجمۂ راڈویل:۔ "نہایت سنجیدہ"

ترجمۂ پامر:۔ "خوب زور کی"

۴۸- یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ٘ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىٕمٍؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۝ (۳۵- ایضاً آیت ۵۹)	مسلمانو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین (اسلام) سے پھر جائے تو خدا (کو اس کی ذرہ بھی پروا نہیں وہ) ایسے لوگ موجود کر دے گا جن کو وہ دوست رکھتا ہوگا۔ اور وہ اُس کو دوست رکھتے ہوں کے مسلمانوں کے ساتھ نرم اور کافروں کے ساتھ کڑے ہوں گے اللہ کی راہ میں خوب کوشش کریں گے اور کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت کا اندیشہ نہ رکھیں گے۔ یہ بھی خدا کا ایک فضل ہے جس کو چاہے وہ دے۔ اور اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے۔ اور وہ سب کے حال سے واقف ہے۔

ترجمۂ سیل:- ”وہ خدا کے دین کے لئے لڑیں گے“۔

ترجمۂ راڈویل:- ”وہ خدا کے کام کے لئے جھگڑیں گے“۔

ترجمۂ پامر:- ”خدا کے واسطے کوشش کریں گے“۔

۴۹- ”جہاد“ کے معنے جنگ کرنے کے نہیں ہیں۔ یہ وہ کل آیات قرآن ہیں جن میں لفظ **جہد** یا **جہاد** یا اُس کے مشتقات آئے ہیں۔ میں نے یہاں خوب غور سے مترجمین و مفسرین اور قرآن کی اصلی عبارتوں کا مقابلہ کیا ہے کہ لفظ ”**جہد یا جہاد**“ عرب کی قدیم زبان اور نیز قرآن میں جنگ کرنے کے معنوں میں نہیں آیا ہے۔ بلکہ اُس کے معنے صرف اپنی وسعت بھر کوشش کرنے اور محنت مشقت کرنے کے ہیں۔ وہ معنے جو اس لفظ کے بیان کئے جاتے ہیں یقیناً وہ ایک اصطلاحی معنے ہیں۔ اور نزول قرآن سے بہت بعد اس میں پہنائے گئے ہیں۔

قتل و قتال

۵۰- میں اس کی نسبت بحث نہیں کرتا کہ قرآن میں جنگ کرنے کا حکم نہیں ہے۔ قرآن میں بہت سی آیات ایسی ہیں جن میں متبعین

رسول کو دفاعی جنگ کی اجازت دی گئی ہے۔ لیکن اقدامی لڑائی کے لئے کوئی حکم نہیں ہے۔ اس حکم کے لئے لفظ قتل اور قتال بالکل جدا طریق پر مستعمل ہوئے ہیں +

۵۱۔ میں نے اس کتاب میں ان آیات کی بھی بخوبی تشریح کر دی ہے، جن میں الفاظ "قتل وقتال" آئے ہیں۔ اس ضمیمہ میں میرا

خاتمہ

مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ جو مصنّفین ومفسّرین قرآن کی بعض آیات کو جن میں لفظ جہد یا جہاد اور اُس کے مشتقات آئے ہیں، اپنے دعوے کی تایید میں پیش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے جنگ و جدل کرنے اور خون بہانے کو جائز قرار دے رکھا ہے، اُن کا یہ دعوےٰ بالکل غلط ہے +

ضمیمۂ اوّل ختم ہوا

ضمیمۂ دوم

غلامی اور حرم بنانا جنگ کی لازمی خرابیاں

قرآن میں غلام اور حرم بنانے کی اجازت نہیں

(۱) قرآن پر یہ غلط اتہام لگایا گیا ہے کہ اس میں اسیرانِ جنگ کو غلام بنانے کی اجازت دی گئی ہے، اور فاتحین کو قیدی عورتوں سے ہم آغوشی کا اختیار دیا گیا ہے، یا بالفاظ دیگر، قیدی عورتیں عین میدان جنگ میں حرم بنالی جاتی ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں ان دعووں کے ثبوت میں کوئی ایک جملہ بھی موجود نہیں ہے۔ سرولیم میور اپنی کتاب "سیرت محمدی" میں قرآن مجید کی ایک آیت بھی پیش نہ کرسکے، جس میں اسیران جنگ کو غلام یا باندی بنالینے کی اجازت دی گئی ہو، اور نہ وہ اُن متعدد لڑائیوں میں سے کسی ایک لڑائی میں بھی کوئی ایسی مثال پیش کرسکے، تاہم اپنی ایک نوتصنیف کتاب میں بڑے زور سے مگر مبہم طور پر، قرآن کا ایک حوالہ دیا ہے، اور جنگ ولجہ[1] کی نسبت جو ۱۲ ہجری میں خالد اور اہل فارس سے ہوئی تھی، خالد کی فاتحانہ تقریر نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ :-

" اب اُس نے قرآن کی اُس فیلسوفانہ تزویر کو بیان کرنا شروع کیا جو عورتوں کی
" نسبت کہی گئی ہے۔ بے شمار ایرانی عورتیں جس میں باندیاں اور بیبیاں دونوں
" شریک تھیں، اور جو اُن کے دہنے ہاتھ کی گرفتار کردہ تھیں، باہر لائی گئیں۔ اور

[1] ابن اثیر۔ جلد ۲ صفحہ ۱۹۶۔ مطبوعہ یورپ۔

"فتح مندوں کی ہم آغوشی کے لئے جائز کر دی گئیں۔ اور اس حق سے متمتع ہونے
"کے لئے اُنہوں نے اس تحریری فیصلہ کی نسبت کفار کے ساتھ عمل کرنے میں کچھ بھی
"سستی نہ کی"۔[1]

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب صورت واقعہ یہ تھی، تو خالد نے مسلمانوں سے قرآن کی اُس مفروضہ "فیلسوفانہ تزویر" کا کیوں ذکر نہ کیا؟ قرآن کی اس خیالی تزویر کے ذکر سے کہ "قیدی عورتیں فاتحوں پر حلال ہیں" وہ ایسا جوش پیدا کر سکتے تھے کہ ہر ایک بدو کا دل خوشی سے اُچھلنے لگتا، لیکن اُنہوں نے بجائے اس کے صرف وہاں کی زرخیز زمینوں اور لہلہاتے کھیتوں کا ذکر کیا۔ واقعی بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں کسی ایسی تحریک و ترغیب کا نام و نشان تک نہیں پایا جاتا۔

قرآن میں غلامی کے انسداد کی تدابیر

۲ اتنا تو صحیح ہے کہ قرآن میں غلاموں کا ذکر موجود ہے، لیکن آیندہ اُن کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ قرآن میں ہر طرح کی اخلاقی، قانونی، مذہبی اور ملکی تدابیر سے اُس کے قلع قمع کی کوشش کی گئی ہے۔ غلاموں کا آزاد کرنا اخلاقی حیثیت سے زہد و راستبازی کا کام بتایا گیا ہے،[2] قانوناً غلام

[1] ارلی خلافت مصنفہ سر ولیم میور، صفحہ ۷۵، طبع لندن ۱۸۸۳ء۔

[2] فَكُّ رَقَبَةٍ (البلد ۹۰ - آیت ۱۳) کسی کی گردن کا غلامی سے چھڑا دینا۔

لَيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ ۔ (البقرہ ۲ - آیت ۱۷۷)

نیکی یہی نہیں ہے کہ نماز میں اپنا منہ مشرق کی طرف کرو یا مغرب کی طرف۔ بلکہ اصل نیکی تو اُن کی ہے جو اللہ اور روز آخرت اور فرشتوں اور آسمانی کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے۔ اور مال عزیز اللہ کی حب پر رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیا۔ اور غلامی کی قید سے اُن کی گردنوں کے چھڑانے میں لگایا۔

کے آزاد کئے جانے کا حکم ہے، بشرطیکہ وہ فدیہ دینے کو راضی ہوں[1]، قتل خطا کی سزا میں یہ حکم دیا گیا۔ کہ غلام آزاد کیے جائیں[2]۔ طلاق ناجائز کے کفارہ میں بھی اُن کی آزادی کا حکم دیا گیا[3]۔ وہ بیت المال کے روپیہ سے فدیہ دے کر آزاد کئے جاسکتے تھے[4]، وہ

[1] وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْۤ اٰتٰىكُمْ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (النور ۲۴ - آیت ۳۳)

اور تمہارے ہاتھ کے مال یعنے غلاموں میں سے جو مکاتبت کے خواہاں ہوں تو تم اُن کے ساتھ مکاتبت کر لیا کرو بشرطیکہ اُن میں تم بہتری کے آثار پاؤ۔ اور مال خدا میں سے جو اس نے تم کو دے رکھا ہے اُن کو بھی دو۔ اور تمہاری لونڈیاں جو پاکدامن رہنا چاہتی ہیں۔ اُن کو دُنیا کی زندگی کے عارضی فائدہ کی غرض سے حرامکاری پر مجبور نہ کرو۔ اور جو اُن کو مجبور کرے گا تو اللہ اُن کے مجبور کئے گئے پیچھے بخشنے والا مہربان ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو عورتیں گناہ پر مجبور کی جائیں اُن کے لیے بخشش کی امید ہے۔

[2] وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهْلِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۔ (النساء ۴ - آیت ۹۴)

کسی مسلمان کو روا نہیں کہ کسی مسلمان کو جان سے مار ڈالے اگر نادانستہ مار ڈالا ہو تو دوسری بات ہے۔ اور جو مسلمان کو نادانستہ بھی مار ڈالے۔ تو ایک مسلمان بردہ آزاد کرے۔ اور وارثان مقتول کو خون بہا دے۔ یہ الگ ہے مگر یہ کہ وارثان مقتول خون بہا معاف کردیں

[3] وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۔ (المجادلہ ۵۸ - آیت ۴)

اور جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کرتے یعنی اُن کو اپنی ماں کہہ دیتے ہیں پھر لوٹ کر وہی کام کرنا چاہتے ہیں جس کو کہہ چکے ہیں کہ نہیں کریں گے تو ایکدوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے مرد کو ایک بردہ آزاد کرنا چاہیے۔

[4] اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (التوبہ ۹ - آیت ۶۰)

خیرات کا مال تو بس فقیروں کا حق ہے اور محتاجوں کا اور اُن کارکنوں کا جو صدقات کے وصول کرنے پر تعینات ہیں اور اُن لوگوں کا جن کے دلوں کا راضی کرنا منظور ہے۔ اُن مصارف میں زکوٰۃ کو خرچ کیا جائے اور نیز قید غلامی سے غلاموں کی گردنوں کے چھڑانے میں۔ اور نیز حق ہے قرضداروں کا اور خدا کی راہ میں کام کرنے والوں کا اور مسافروں کا۔

ایمان لغو (یعنے بیہودہ قسموں) کے کفارہ میں رہا کیئے جاتے تھے[1]

یہ وہ تدبیریں تھیں جو اُس زمانہ کی موجودہ اور مروجہ غلامی کے موقوف کرنے کے لئے اختیار کی گئی تھیں۔ لیکن قرآن نے آیندہ انسداد غلامی کی غرض سے اس کی جڑ میں ایسی گلہاڑی ماری کہ اس کا قلع و قمع ہو گیا، اور اس سرچشمہ ہی کو مسدود کر دیا۔ سورۂ محمدؐ میں، قیدیان جنگ کے بارہ میں، یہ صاف اور صریح حکم دیا گیا ہے کہ وہ یا تو احساناً چھوڑ دئے جائیں یا فدیہ لے کر۔ اس سے نہ تو آیندہ اُن کے غلام بنانے کی اجازت رہی اور نہ قتل کرنے کی۔

(۱) فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ۔

(محمد ۴۷۔ آیت ۴)

(۱) مسلمانو! جب لڑائی میں کافروں سے تمہاری مٹ بھیڑ ہو تو اُن کی گردنیں مار چلو یہاں تک کہ جب خوب اچھی طرح اُن کا زور توڑ لو تو اُن کی مشکیں کس لو۔

(۲) فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا۔

(محمد ۴۷۔ آیت ۵)

(۲) پھر قید کئے پیچھے یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دو یا معاوضہ لیکر، یہاں تک کہ دشمن لڑائی میں ہتھیار رکھ دیں۔ (محمد ۴۷۔ آیت ۵)

یہ آیتیں نہایت صراحت سے آیندہ انسداد غلامی کا ایک دائمی فرمان ہیں، اس میں اَور کسی تصریح کی ضرورت نہیں ہے۔ علاوہ بریں اس کے بعد حین حیات رسول مقبولؐ کا اسی پر عمل درآمد رہا[2]۔

---

[1] لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْۤ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ (المائدہ ۵۔ آیت ۹۱)۔

[1] قسموں پر جو بے فائدہ ہیں اُن پر اللہ تم سے مواخذہ نہیں کرتا۔ ہاں پختہ قسم کھالو اور پھر اُس کے خلاف کرو تو خدا تم سے اس کا مواخذہ کرے گا۔ تو قسم توڑنے کا کفارہ دس مسکینوں کو بیچ کی راس کا کھانا کھلا دینا ہے جیسا کہ تم اپنے بال بچوں کو کھلایا کرتے ہو یا اُنہی دس مسکینوں کو کپڑے بنا دینا یا ایک غلام آزاد کر دینا

[2] ملاحظہ ہو زرقانی شرح مواہب لدنیہ جلد ا صفحہ ۴۴۳ و ۴۴۴ مطبوعہ مصر۔

۳ اور یہی وجہ تھی کہ جنگ بدر (سنہ ۲ھ) یا جنگ قرقرہ القدر (سنہ ۳ھ) یا جنگ	
قطن (بمقام نجد سنہ ۴ھ) یا جنگ ذات الرقاع[1] (سنہ ۵ھ) یا جنگ بنی مصطلق (سنہ ۵ھ) یا جنگ قریظہ (سنہ ۵ھ) یا	قیدیان جنگ میں سے ایک شخص بھی غلام نہیں بنایا گیا۔

جنگ بطن مکہ[2] (سنہ ۶ھ) اور جنگ حنین[3] (یا ہوازن، سنہ ۸ھ) میں سے کسی ایک جنگ کے قیدی بھی غلام نہیں بنائے گئے، وہ سب کے سب بلا استثنائے احدے، باتباع فرمان سورۂ محمد (آیت ۵) یا تو احساناً چھوڑ دئے گئے یا فدیہ لے کر، بصورت نقد یا بمعاوضہ مسلمان قیدیان جنگ۔ اب رہیں جنگ ہائے اُحد (سنہ ۳ھ) احزاب

[1] سیرت محمدی مصنفہ سر ولیم میور، جلد ۳ صفحہ ۲۲۳۔

[2] بقول ہشامی (صفحہ ۷۴۵ مطبوعہ یورپ) کوئی پچاس یا چالیس قریشی رسول اللہ کی لشکرگاہ کے گرد باین غرض گھومتے تھے کہ کوئی بھولا بھٹکا مسلمان مل جائے تو اُسے قتل کر ڈالیں۔ اس کے بعد انہوں نے مسلمانوں پر حملہ کیا، اور پتھر اور تیر برسائے۔ جس کی وجہ سے وہ گرفتار کر کے رسول اللہ کے پاس لائے گئے۔ آپ نے اُنہیں معاف فرما کر چھوڑ دیا۔ (سیرۃ محمدی مصنفہ میور، جلد ۴ صفحہ ۳۱ نٹ نوٹ اور صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر باب التنفیل والفدیہ)

[3] بنی ہوازن کے تمام اسیران جنگ حنین بلا اخذ فدیہ، احساناً چھوڑ دئے گئے۔ اور اُن میں سے ایک شخص بھی غلام نہیں بنایا گیا (سیرت محمدی مصنفہ میور، جلد ۴ صفحہ ۱۴۸ و ۱۴۹)۔ سر ولیم میور کا یہ بیان کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ رسول اللہ نے اسیران بنی ہوازن میں سے تین لونڈیاں حضرت علی، عثمان اور عمر کو تحفۃً دی تھیں، کیونکہ ان میں سے ایک قیدی بھی غلام نہیں بنایا گیا تھا، وہ صرف قیدی تھے چنانچہ خود سر ولیم میور نے اس بات کا اقرار کیا ہے (صفحہ ۱۴۸-۱۴۹)، اور پھر بھی وہ ان تینوں قیدی عورتوں کو "لونڈیوں" ہی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

یہ قیدی اور تمام سامان لشکرگاہ بانتظار تکمیل معاہدہ وادی جعرانہ بھیج دیا گیا تھا (صفحہ ۱۴۲)۔ جب معاہدہ مکمل ہو چکا تو تمام اسیران جنگ چھوڑ دئے گئے۔ جب صورت واقعہ یہ تھی تو بھلا قیدی کس طرح تقسیم کئے جا سکتے تھے۔ یہ تمام تفصیل ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۰۸ تا ۱۱۳ مطبوعہ یورپ سنہ ۱۹۰۹ء میں موجود ہے۔

(۶ھ) اور خیبر (۷ھ)، ان میں سے کسی ایک میں بھی کوئی قیدی نہیں پکڑا گیا۔[۵]

۴۔ بعض لوگ بنی قریظہ کی نسبت یہ اعتراض کریں گے کہ اُن کی عورتیں اور بچے لونڈی غلام بنا کر نجد کے بازار میں فروخت کئے گئے۔ سر ولیم میور نے بنی قریظہ کے بارے میں سعد کا یہ فیصلہ نقل کیا ہے

بنی قریظہ غلام نہیں بنائے گئے۔

[۵] سر ولیم میور لکھتے ہیں:-

ہشامی کہتا ہے کہ جنگ خیبر کے زمانہ سے مسلمانوں میں غلاموں کی کثرت ہو گئی تھی (صفحہ ۳۴۳) مگر مجھے بنی کنانہ کے سوا خیبر کے غلاموں میں کسی اَور کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ البتہ یہ ممکن تھا کہ خیبر کے مال غنیمت سے، فاتحین، ملک عرب میں جہاں سے چاہتے ارزاں نرخ پر غلام خرید کر سکتے تھے۔ (سیرت محمدی جلد ۴ صفحہ ۷۲-۷۰۔ اور اس کا فٹ نوٹ)

ہشامی نے جو لفظ "سبایا" استعمال کیا ہے، اُس کے معنے "مال و غلام" دونوں ہیں، جو غنیمت میں ہاتھ آئے ہوں، نہ کہ صرف غلام۔ اگرچہ قیدیوں کے بارہ میں عربوں کے قومی قوانین کی رو سے یہ دستور تھا کہ اگر فدیہ نہ دیا جائے تو غلام بنا لئے جائیں۔ لیکن بنی کنانہ ہرگز غلام نہیں بنائے گئے۔ کنانہ قید کے بعد قتل کر دیا گیا تھا کیونکہ اُس نے محمود بن مسلمہ کو قتل کر ڈالا تھا (دیکھو کتاب ہذا کا فقرہ ۷۵) اب رہی یہ کہانی کہ کنانہ کے قتل کے بعد رسول اللہ نے اس کی بی بی کو بلا کر اُس پر اپنی چادر کا پلو اُڑھا اور گویا اُسے اپنے لئے منتخب کیا، اور پھر اُس سے نکاح کیا، اور اُس کا مہر یہ قرار دیا کہ وہ آزاد کر دی جائے (سیرت محمدی مصنفہ سر ولیم میور، صفحہ ۶۸ و ۶۹) یہ بالکل صحیح اور مستند نہیں ہے۔ اس کا خاندان یعنی صفیہ اور اس کا ابن عم، غلام نہیں بنائے گئے تھے، اس بارہ میں کوئی صحیح اور موضوع حدیث موجود نہیں ہے، جس سے اس کی تصدیق کی جا سکے۔ میں یہاں وہ تقریر لکھتا ہوں جو رسول اللہ نے صفیہ، بیوۂ کنانہ، سے کی تھی، اور جس کو ابو المعتمر سلیمان بن طرخان (متوفی ۱۴۳ھ) نے اپنی مغازی الرسول میں نقل کیا ہے۔ رسول اللہ نے صفیہؓ سے فرمایا "میری طرف سے تجھے اجازت ہے کہ چاہے تو اسلام قبول کر اور چاہے یہودی رہ۔ اگر تو مسلمان ہو گئی تو شاید میں تجھے آزاد کر دوں گا، اور تجھے یہ اختیار ہوگا کہ تو اپنے قبیلہ میں چلی جائے" (مغازی الرسول واقدی صفحہ ۳۹۳، مطبوعہ کلکتہ، (۱۸۵۶ء) اس گفتگو سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ رسول اللہ کو صفیہ کا لونڈی بنانا منظور نہیں تھا۔

اب رہا اس قصہ کا دوسرا رُخ کہ صفیہ دحیہ کو حوالہ کر دی گئی تھی، اور پھر اُس سے خریدی گئی، یہ انس سے منقول ہے، جن پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ انس اُس زمانہ میں جب رسول اللہ خیبر کو جا رہے تھے، چند ہی روز ہوئے تھے کہ آپ کی خدمت میں داخل ہوئے تھے' (دیکھو صفحہ ۲۲۹)

کہ" اُن کی عورتیں اور بچے قیدی غلاموں کی طرح فروخت کر دئے جائیں ، اور رسول اللہ نے اسے منظور بھی کر لیا تھا" اس کے بعد وہ لکھتے ہیں :-

"غنیمت کا خمس معمولی طور پر رسول اللہ کے لئے نکال کے باقی مال تقسیم کر دیا گیا۔ رسول اللہ" نے اس خمس میں سے کچھ لونڈیاں اور خدمتگار اپنے دوستوں کو تحفۃً دئے ، اور باقی عورتیں

(بقیہ حاشیہ گزشتہ) اور اُس وقت اُن کی عمر صرف بارہ برس کی تھی۔ بخاری نے انسؓ سے یہ روایت کی ہے، "وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ نے خیبر پر چڑھائی کے وقت ابو طلحہ سے کہا کہ ایک لڑکا ہماری خدمت کے لئے لا دو، وہ مجھے لے گئے، میں اُس وقت صرف ایک لڑکا تھا اور مراہق ہو چکا تھا" (بخاری، کتاب الجہاد)

انسؓ سے اس بارے میں دو متضاد روایتیں منقول ہیں۔

ایک یہ ہے کہ دحیہ نے رسول اللہ سے ایک قیدی لڑکی مانگی، اور صفیہ کو لے گیا۔ جب رسول اللہ کو صفیہ کا حال معلوم ہوا تو آپ نے دحیہ سے کہا کہ کوئی دُوسرا قیدی لے لو۔ اس کے بعد صفیہ کو آزاد کرکے اُس سے نکاح کر لیا، اور اُس کی آزادی ہی اُس کا مہر قرار دیا گیا۔ دُوسری روایت یہ ہے کہ صفیہ، دحیہ کے حصہ میں آئی، رسول اللہ نے سات اُونٹ کے عوض اُس کو مول لے لیا۔ وہ کہتے ہیں کہ لوگوں کو یہ نہیں معلوم ہوا کہ آپ نے اُس سے نکاح کیا یا لونڈی بنایا، لیکن جب وہ ایک اُونٹ پر سوار ہوئیں اور رسول اللہؐ نے اُن پر پردہ اُٹھایا تو اُس وقت لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ صفیہ آپ کی بی بی ہیں۔ یہ دونو حدیثیں مسلم نے انسؓ سے روایت کی ہیں (کتاب النکاح) جلد اول صفحہ ۴۰۳ مطبوعہ مصر اور بخاری صفحہ ۵۴ کتاب الصلوۃ۔

اس خیال کی پوری تصدیق نہیں ہوتی کہ رسول اللہؐ نے حالات مذکورۂ بالا میں صفیہ سے نکاح کیا۔ یہ صرف لوگوں کا یا انسؓ کا خیال ہی خیال تھا۔ اس پر سر ولیم میور کا رسول اللہ کی نسبت یہ لکھنا سراسر ہٹ دھرمی ہے کہ "واقعی وہ اس شبہ سے بری نہیں کئے جا سکتے کہ کنانہ کی بربادی میں آپ کا قدم تھا، اور آپ نے اس کی بی بی کے لے لینے کی خواہش کی تھی" (سیرۃ محمدی جلد ۴، صفحہ ۶۸ کا فٹ نوٹ)۔ کنانہ محمود بن مسلمہ کے قصاص میں قتل کیا گیا تھا، اور صفیہ نہ رسول اللہؐ کے نکاح میں آئی اور نہ لونڈی بنائی گئی۔ اگر یہ بھی ثابت کر دیا جائے کہ رسول اللہ نے دوسرے حالات میں اُس کے بعد شادی ہی کر لی تھی تو (سر ولیم کی تحریر کے موافق) وہ صرف ایک قیاس ہوگا، اور کسی حجت قطعی پر مبنی نہ ہوگا۔

انس وغیرہ راویوں نے غالباً صفیہ کی نسبت مغالطہ کھایا ہے، صفیہ رسول اللہ کی ایک پھوپھی کا بھی نام تھا، جو اُس وقت خیبر کے حملہ میں آپ کے ساتھ تھیں (سیرت محمدی جلد ۴، صفحہ ۶۶ فٹ نوٹ)، اور یہی نام کنانہ کی بی بی کا بھی تھا، جس کی نسبت خیال کیا گیا کہ شاید رسول اللہؐ نے اُس سے نکاح کر لیا ہے، اور اپنے ساتھ اُونٹ پر بٹھا لیا ہے، اور وہ بی بی جن کے واسطے رسول اللہؐ نے اپنا گھٹنا جھکا دیا تھا، کہ وہ اُونٹ پر چڑھ جائیں (دیکھو صفحہ ۷۰) غالباً وہ آپ کی پھوپھی صفیہ تھیں۔

+ + +

"اور بچے بدوؤں کے ہاتھ نجد میں بیچنے کے لئے بھیج دئے گئے، تاکہ اُن کے عوض میں
"گھوڑے اور ہتھیار خرید لائیں[1]"۔

میں اس کتاب کے فقرہ ۲۰ میں یہ ثابت کر چکا ہوں کہ رسول اللہ نے سعد بن معاذ کے فیصلہ کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ اب مجھے یہ اور کہنا ہے کہ یہ فیصلہ صحیح روایتوں کی بنا پر اس بات پر حاوی نہیں ہے کہ بنی قریظہ کی عورتیں اور بچے خلاف حکم شرع لونڈی غلام بنا لئے جائیں کیونکہ یہ فیصلہ قرآن کے نص صریح اور رسول اللہ کے عمل درآمد کے خلاف ہے۔ صحیح بخاری میں (کتاب الجہاد، باب بنی قریظہ) اس مضمون کی دو حدیثیں آئی ہیں، ان دونو حدیثوں میں سعد کے الفاظ یہی ہیں کہ "ان عورتوں اور بچوں کو قید کیا جائے"۔ یہی مضمون بخاری کے دوسرے ابواب سے ثابت ہوتا ہے (کتاب الجہاد، صفحہ ۴۲۷، اور مناقب صفحہ ۵۳۶ مطبوعہ ۱۳۰۵ھ)۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ رسول اللہ نے بنی قریظہ کے قیدیوں میں سے کچھ لونڈیاں اپنے دوستوں کو تحفۃً دی تھیں، کیونکہ یہ قیدی سرے سے غلام ہی نہیں بنائے گئے، لہٰذا قیدیوں کو غلاموں کے ساتھ خلط ملط کر دینا غلط ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ وہ غلام بنائے گئے، قرآن میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ وہ قیدی تھے۔

وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا۔

(الاحزاب ۳۳۔ آیت ۲۶)

اور اہل کتاب میں سے جو لوگ (یہودی) مشرکین کے مددگار ہوئے تھے خدا اُن کو اُن کی گڑھیوں سے نیچے اُتار لایا۔ اور اُن کے دلوں میں ایسی دھاک بٹھا دی کہ تم لگے بعض کو قتل کرنے اور بعض کو قید کرنے۔

[1] جلد سوم، صفحات ۲۷۸ و ۲۷۹۔

اصل بات یہ ہے کہ عورتیں اور بچے نہ تو غدر کے مرتکب ہوئے تھے، اور نہ سزا کے مستوجب ٹھیرے، یا تو اُن کی نسبت سعد کا یہ فیصلہ غلط تھا، یا صرف اُن لوگوں کی نسبت تھا جنہوں نے غدر کیا۔ سر ولیم میور کے قول کے موافق صرف ایک عورت قتل کی گئی تھی، جس نے چھت پر سے چکّی کا پتھر نیچے گرایا تھا (سیرۂ محمدی جلد سوم، صفحہ ۲۷۷)۔ اس سے میری یہ رائے ہے کہ بالآخر تمام عورتیں اور بچے چھوڑ دئے گئے، جن میں سے بعض نے فدیہ دیا، اور بعض احساناً آزاد کیے گئے۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوا کہ ایک متنفس بھی غلام کے طور پر فروخت کیا گیا ہو۔ لہٰذا سر ولیم میور نے ہشامی کا جو یہ قول نقل کیا ہے۔ کہ "بنی قریظہ کے عورت بچے بدووں کے ہاتھ بازار نجد میں فروخت کرنے کے لئے بھیجے گئے اور اُن کے معاوضہ میں گھوڑے اور ہتھیار منگائے گئے" بالکل صحت سے عاری، اور اس روایت کے منافی ہے جو ابو المعتمر سلیمان بن طرخان (متوفی ۱۴۳ھ) نے ہشامی سے پہلے بیان کی ہے، اور جس کا بیان زیادہ تر قرین قیاس معلوم ہوتا ہے، وہ کہتا ہے کہ :-

"رسول اللہ نے بنی قریظہ کے گھوڑے شام اور نجد کو نسل بڑھانے کے لئے بھیج دئے تھے، اور انہوں نے بڑے گھوڑے لے لئے تھے (مغازی الرسول واقدی، صفحہ ۳۷۷، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۶ء)۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف گھوڑے نجد کو بھیجے گئے تھے، نہ کہ عورتیں اور بچے۔ ہشامی کے الفاظ ہیں۔

"سَبَایَا مِنْ سَبَایَا بَنِیْ قُرَیْظَۃَ" (صفحہ ۶۹۳)۔ "سبایا" سبی کی جمع ہے، اس کا اطلاق جس طرح آدمی پر ہوتا ہے اُسی طرح مال غنیمت پر بھی ہوتا ہے۔ محاورہ میں "سَبَی الْعَدُوَّ وَغَیْرَہٗ" کہا جاتا ہے، یعنے اُس نے دشمن وغیرہ کو قید کر لیا، یا پکڑ لیا، یا قیدی بنا لیا (مد القاموس مصنفہ لین، صفحہ ۱۳۰۲)۔ غالباً

ہشامی نے اس سے صرف گھوڑے مُراد لئے ہیں، جو بنی قریظہ سے چھین کر نجد بھیجے گئے تھے، نہ کہ اُن کی عورتیں اور بچے۔

۵ - سر ولیم میور کہتے ہیں کہ اُنہیں اسیرانِ بنی قریظہ میں ریحانہ ایک عورت تھی، جسے رسول اللہ صلعم نے اپنی حرم بنالیا تھا۔ اُن کی ہمیشہ یہ عادت ہے کہ مرد قیدیوں کو غلام اور عورت قیدیوں کو لونڈی اور حرم کہہ دیا کرتے ہیں

ریحانہ

ریحانہ کے بارہ میں کئی مبہم اور متضاد حدیثیں آئی ہیں۔ محمد بن سعد کاتب واقدی نے عمرو بن الحکم اور محمد بن کعب وغیرہ سے کئی حدیثیں اس مضمون کی روایت کی ہیں کہ رسول اللہؐ نے ریحانہ سے نکاح کیا تھا۔ ابن سعد کاتب واقدی کا بیان ہے کہ "اس حدیث کو اہل علم نے تسلیم کرلیا ہے، لیکن اُس نے یہ بھی سُنا تھا کہ ریحانہ آپ کی حرم تھی"[1] لیکن سر ولیم میور نے اُس قول کو لیا ہے جو مشتبہ اور غیر مستند ہے۔ چنانچہ وہ ایک فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں:-

"جب آپ نے اُس سے شادی کا ارادہ ظاہر کیا اور کہا کہ اُس کے وہی حقوق ہوں گے
"جو آپ کی دوسری بیبیوں کے ہیں، تو اس کی معذرت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے
"نہیں یا رسول اللہ مجھے اپنی حرم ہی کی طرح رہنے دیجئے، میرے اور آپ کے دونو کے
"کے لئے زیادہ سہل ہے"[2]

اگر یہ حدیث صحیح بھی تسلیم کرلی جائے تب بھی اُن کا وہ بیان، جو اُنہوں نے متن میں لکھا ہے، صحیح نہ ہوگا۔ اُن کا بیان یہ ہے کہ:-

"آپ نے ریحانہ سے اپنی بیوی بننے کی خواہش کی، مگر اُس نے انکار کیا، (جب کہ

---

[1] دیکھو ابن حجر کی وہ کتاب جس میں اُس نے اُن لوگوں کے تذکرات لکھے ہیں جو رسول اللہ کو جانتے تھے یعنی الاصابہ جلد ۴، صفحہ ۵۹۱، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۶ء - یا ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۹۲ مطبوعہ یورپ۔

[2] سیرت محمدی، جلد ۳ صفحہ ۲۷۸ - یا الاصابہ جلد ۴ - صفحہ ۵۹۱ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۷۳ء

❖ ❖ ❖ ❖ ❖

"اُس نے نکاح سے انکار کیا تھا تو اُسے اَور کسی بات کا اختیار نہ تھا" اور صرف لونڈی یا
"حرم رہنا ہی پسند کیا۔"

لیکن دراصل نہ تو وہ لونڈی بنائی گئی، اور نہ حرم۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ "سیرت محمدی" کا مصنف ایک لغو طور پر غلامی اور حرم بنانے کو خلط ملط کر دیتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے تمام عرب غلاموں کو آزادی بخش دی۔

۶۔ چونکہ رسول اللہؐ نے غلامی موقوف کرنے کا حکم دے دیا تھا، لہٰذا حضرت عمرؓ کی خلافت میں تمام موجودہ غلام آزاد کر دئے گئے تھے۔ لیکن یہ آپ کو معلوم ہوگا، کہ جناب رسالت مآبؐ کی خواہش کے صرف ایک حصّہ کی تعمیل ہوئی تھی۔ آپ کے بعد مخلوق نے اس پر توجہ نہ کی، اور متاخرین فقہا نے تو عربوں کو بھی غلام بنانے کا فتوٰے دے دیا تھا۔ سر ولیم میور اپنی آخری کتاب "سنین خلافت اولیٰ" میں لکھتے ہیں:۔

"اس پر بھی عربوں کی ایک بڑی تعداد غلام تھی۔ جو بزمانہ ارتداد یا اُس سے پیشتر باہمی
"جنگوں میں گرفتار ہو گئے تھے، اور اپنے اہل ملک کے ہاتھوں میں گرفتار چلے آتے تھے۔
"حضرت عمرؓ کو یہ بات اچھی نہ معلوم ہوئی، اور یہ مناسب بھی نہ تھا کہ کسی شریف شخص کے
"گلے میں طوق غلامی پڑا رہے۔ لہٰذا اُنہوں نے اپنے زمانہ خلافت میں اس مضمون کا
"ایک فرمان جاری کیا کہ 'اللہ نے ہمارے عربوں کو غلبہ دیا ہے' اور ممالک غیر پر تمہیں بڑی
"بڑی فتوحات حاصل ہوئی ہیں۔ لہٰذا یہ مُناسب نہیں ہے کہ ہم میں سے ایک شخص بھی جو
"زمانہ جاہلیت میں، یا اُس زمانہ میں جب کہ مرتدین سے لڑائی جاری تھی گرفتار رہوا ہو، غلام
"بنا رہے"۔ اس پر عربی النسل غلام فدیہ لے کر رہا کر دئے گئے؛ البتّہ وہ لونڈیاں آزاد
"نہیں کی گئیں جو اپنے آقاؤں سے اُمّ الولد ہو چکی تھیں۔ لہٰذا وہ سب لوگ تلاش کو نکل
"کھڑے ہوئے، جن کے زن و فرزند گم ہو گئے تھے۔ تاکہ اگر اتفاقات سے وہ مل جائیں تو
"اُن کا دعوٰی کر سکیں۔ ان حسرت ناک سفروں کی بعض عجیب و غریب کہانیاں بیان کی جاتی

"ہیں۔ اشعث نے بنی نجیر میں اپنی دو بیبیوں کو قید پایا۔ لیکن بعض عورتیں جو قید ہو کر مدینہ
"میں چلی گئی تھیں، اُنھوں نے اپنے فاتحوں کے پاس ہی رہنا پسند کیا[1]"

حضرت عمرؓ کے اس فرمان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ رسول کی لڑائیوں میں کوئی شخص غلام نہیں بنایا گیا، کیونکہ اُنھوں نے صرف اسیران زمانہ جاہلیت (قبل رسول) اور قیدیان جنگ ہائے قبائل مرتدین (بعد رسول) ہی کا ذکر کیا ہے، اور صرف یہی غلام بنائے گئے تھے۔

۷۔ قرآن میں کسی جگہ یہ اجازت نہیں دی گئی ہے کہ قیدی عورتیں حرم بنالی جائیں۔ اور جب قرآن نے آیندہ غلامی کا قلع قمع کر دیا ہے تو پھر حرم بنانے پر بحث کرنا ہی فضول ہے، کیونکہ اس کا وجود غلامی کے جواز اور عدم جواز پر منحصر ہے۔ قرآن نے ابتداءً اُس کی خرابی کا انسداد صراحتہً وکنایتہً اور سلباً و ایجاباً ہر طرح سے کیا۔ سب سے اوّل صرف نکاح کو عورت و مرد کے میل ملاپ کا قانونی وشرعی ذریعہ ٹھیرایا، اور یہ تاکید کی گئی کہ موجودہ لونڈیوں سے نکاح کر دسورۂ نساء اور نور میں صراحتہً اس کا ذکر موجود ہے۔ اور سورۂ مائدہ (آیت ۷) میں توصاف صاف حرم بنانے کی ممانعت کی گئی ہے۔

حرم بنانا

(۱) وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً	(۱) اور اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف قائم نہ رکھ سکو گے تو اپنی مرضی کے مطابق دو دو اور تین تین اور چار چار عورتوں سے نکاح کر لو۔ لیکن اگر تم کو اس

[1] ان میں سے طبری نے دو کا نام لیا ہے (جلد اول، صفحہ ۲۴۴۸)۔ عرب غلام کے لئے بہت ہی خفیف فدیہ مقرر کیا گیا تھا، سات اُونٹ اور چھ بچے۔ اور جن قبائل کو بہت نقصان پہنچا تھا (جیسے بنی حنیف، بنی کندہ، اور عمان کے باشندے جن کو دبا کے مقام پر شکست ہوئی تھی۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۸۶) اُن سے یہ بھی نہیں لیا جاتا تھا۔ (سنین خلافت اولی مصنفہ سر ولیم میور، صفحہ ۶۲ و ۶۳ مطبوعہ لندن ۱۸۸۳ء)۔

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ۝

(النساء ۴ - آیت ۳)

بات کا اندیشہ ہو کہ کئی بیبیوں میں برابری کے ساتھ برتاؤ نہ کرسکوگے تو اُس صورت میں ایک ہی بی بی کرنا یا جو لونڈی تمہارے قبضے ہو اُسی پر قناعت کرنا۔ نا منصفانہ برتاؤ سے بچنے کے لئے یہ تدبیر زیادہ ترقرینِ مصلحت ہے، اور اُن عورتوں کو اُن کے مہر خوشدلی کے ساتھ دے ڈالو۔ پھر اگر وہ خوشدلی سے اُن میں سے کچھ تم کو چھوڑ دیں تو وہ تمہارے لئے مال طیب ہے اُسے مزہ سے کھاؤ۔

(۲) وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۭ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ

(النساء ۴ - آیت ۲۵)

(۲) اور تم میں سے جس کو مسلمان بیبیوں سے نکاح کرنے کا مقدور نہ ہو تو خیر لونڈیاں ہی سہی جو کافروں کی لڑائی میں تم مسلمانوں کی قید میں آجائیں۔ بشرطیکہ وہ لونڈیاں ایمان رکھتی ہوں۔ اور اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے۔ آدم زاد ہونے کے اعتبار سے تم ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔ پس بے تامل لونڈی والوں کے اذن سے اُن کے ساتھ نکاح کرلو۔ اور دستور کے مطابق اُن کے مہر دو۔ مگر شرط یہ ہے کہ قید نکاح میں لائی جائیں۔ اور نہ تم سے بازاری رنڈیوں کا سا تعلق رکھنا چاہتی ہوں اور نہ خانگیوں کا سا۔

(۳) وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى

(۳) اور اپنی رانڈوں کے نکاح کردو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں میں سے بھی اُن کے جو نیک بخت ہوں اگر یہ لوگ محتاج ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے اُن کو غنی کردیگا۔ اور اللہ گنجائش والا اور سب کے حال سے واقف ہے۔ اور جو لوگ نکاح کا

يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (النور ۲۴ - آیت ۳۲)	مقدور نہیں رکھتے اُن کو چاہیئے کہ ضبط کریں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اُن کو غنی کردے (النور ۲۴ آیت ۳۲)
(۴) وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ۔ (النور ۲۴ - آیت ۳۳)	(۴) اور تمہارے ہاتھ کے مال (غلاموں) میں سے جو مکاتبت کے خواہاں ہوں تو تم اُن کے ساتھ مکاتبت کرلیا کرو بشرطیکہ تم اُن میں بہتری کے آثار پاؤ۔ اور مال خدا میں سے جو اُس نے تم کو دے رکھا ہے اُن کو بھی دو (النور ۲۴ - آیت ۳۳)۔
(۵) اُحِلَّ لَكُمُ... الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ (المائدہ ۵ - آیت ۵)	(۵) مسلمان بیاہتا بیبیاں، اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی جاچکی ہے، اُن میں کی (بھی) بیاہتا بیبیاں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں، بشرطیکہ اُن کے مہر اُن کے حوالے کرو، (اور) تمہارا ارادہ (اُن کو) نکاح میں لانے کا ہو، نہ کہ کھلم کھلا بدکاری کرنے کا اور نہ چوری چھپے آشنا بنانے کا۔ (المائدہ ۵ - آیت ۵)

سورۂ نساء کی اٹھائیسویں آیت سے کسی طرح حرم بنانے کی اجازت نہیں نکلتی، اُس کا اُس سے کوئی تعلق نہیں ہے، اُس میں صرف نکاح کا ذکر ہے۔ اُس میں اور اُس کے پیشتر کی آیت میں اس مسئلہ کا ذکر ہے کہ ہم کس عورت سے نکاح کر سکتے ہیں اور کس سے نہیں۔ اُس کے بعد کی آیت میں، جس میں موجودہ لونڈیوں سے نکاح کرنے کا حکم ہے، حرم بنانے کی ممانعت کی گئی ہے۔

۸۔ اب میں ماریہ قبطیہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں، جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ رسول اللہ کی ایک حرم اور لونڈی تھی، اگرچہ وہ اُن قیدیوں کی فہرست میں داخل نہیں ہے، جو غلام بنائے گئے تھے۔ سر ولیم میور کے قول

ماریہ قبطیہ

کے مطابق مصر کے رومی حاکم نے رسول اللہ ؐ کو لکھا تھا کہ "میں آپؐ کی خدمت میں دو ناکتخدا لڑکیاں بھیجتا ہوں جو قبطیوں میں بڑی شریف اور معزز ہیں"[1] مصنف موصوف نے فوراً ان لڑکیوں کو "لونڈیوں" کا خطاب دے دیا ہے، اور اُن کو "عیسائی حاکم کی طرف سے ایک عجیب تحفہ" لکھا ہے، حالانکہ نہ تو وہ قیدی تھیں اور نہ لونڈیاں۔ اور نہ اُس حاکم کے خط میں ان الفاظ سے اُن کا ذکر کیا گیا ہے میں نہیں سمجھ سکتا، کہ رسولؐ کے سوانح نگاروں نے اس کو کس طرح لونڈی یا حرم بنا دیا۔ اوّل تو مجھے اس میں ہی بہت کچھ شبہ ہے کہ مقوقس حاکم مصر نے رسول اللہ ؐ کو دو لڑکیاں بھیجی بھی تھیں، اور اگر بالفرض بھیجی بھی تھیں تو ان میں ماریہ بھی تھی یا نہیں! دوسرے یہ خلاف حقیقت ہے کہ وہ لونڈی تھی، تیسرے یہ کہ وہ رسول اللہ کی ملک یمین تھی اور چوتھے یہ کہ اس طرح اس سے آپؐ کے کوئی بیٹا پیدا ہوا تھا۔ اور پانچویں سب سے آخری بات یہ ہے کہ یہ مشہور کہانی جس کا یورپین مصنفین نے غل مچا رکھا ہے، صرف ایک مصنوعی قصّہ ہے۔

یہ تو سخت دشوار اور جنجال کی بات ہے کہ اس مضمون کی تمام احادیث نقل کر کے اُن کی صحت کو جانچا جاوے۔ اور فن حدیث کے مقرّرہ اصول کے مطابق اُن کی صحت کو کسوٹی پر پرکھا جائے، اور درایت کی بُنیاد پر اُن کا کھرا کھوٹا دکھایا جائے۔ لہٰذا میں صرف مختصر طور پر اس واقعہ کے ہر ایک پہلو پر نظر ڈالتا ہوں۔

مقوقس کے ساتھ مراسلت

۹ اوّل تو یہ بات کہ رسول اللہ ؐ نے مصر کے رُومی حاکم مقوقس کو ایک خط بھیجا، اور اس کے جواب میں اُس نے آپ کے پاس دوسرے تحائف کے ساتھ ماریہ قبطیہ بھیجی، یہ واقعہ اُن احادیث میں مذکور نہیں ہے جو مستند محدّثین بخاری اور مُسلم نے روایت کی ہیں، اور جنہوں نے احادیث

[1] سیرت محمدی، مصنفہ میور، جلد چہارم، صفحہ ۵۶۔

کے صحیح اور غلط اخبار کو خوب چھانا اور جانچا ہے اور اُس میں سے بہت ہی تھوڑا حصّہ منتخب کیا ہے، جو اُن کے اصول کے مطابق قریب بصحت نظر آیا ہے۔ اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں۔ کہ ایسی احادیث جو دوسرے غیر مبصّروں اور قصّہ گویوں نے بیان کی ہیں، اور جنہوں نے رطب و یابس ہر ایک روایت کو جمع کر دیا ہے اور صحیح و غیر صحیح کا کچھ خیال نہیں کیا ہے، جیسے واقدی اور ابن سعد، وہ ان امامان فن حدیث کے نزدیک یقیناً نامقبول ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ ان میں صحت کا نام تک نہیں ہے۔ ابن اسحاق (متوفی سنہ ۱۵۰ھ)[1]، ہشام بن عبد الملک (متوفی سنہ ۲۱۳ھ)[2] اور ابو المعتمر سلیمان (متوفی سنہ ۱۴۳ھ)[3] نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا کہ ماریہ قبطیہ کو رومی حاکم نے رسول اللہ کے پاس بھیجا تھا۔ ابن سعد[4] نے جو روایت لکھی ہے، اُس کا پہلا سلسلہ واقدی اور عبد الحمید سے جعفر کے واسطہ سے، اور دوسرا سلسلہ عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن صعصعہ کے واسطہ سے ہے، اور یہ روایت بلاشبہ موضوع ہے۔ واقدی اور عبد الحمید کی صداقت پر الزام لگایا گیا ہے، اور اُن کے قول کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ ابن خلکان نے اپنی کتاب وفیات میں، جس کا ترجمہ مسٹر سلین نے اصل عربی سے انگریزی زبان میں کیا ہے، واقدی کی نسبت لکھا ہے کہ "وہ احادیث جن کی روایت واقدی سے ہو ضعیف سمجھی جاتی ہیں، اور اُن کی صداقت مشتبہ ہے[5]"۔ ابن حجر عسقلانی نے تقریب میں واقدی کی نسبت لکھا ہے کہ "اس کی ثقاہت قابل اعتبار نہیں، باوجود اس کے کہ وہ بہت بڑا عالم ہے"۔ (تقریب صفحہ ۳۳۲ مطبوعہ دہلی سنہ ۱۳۰۸ھ)۔ ذہبی اپنی کتاب میزان الاعتدال

[1] ہشامی صفحہ ۲۷۹ مطبوعہ یورپ۔ [2] ہشامی ۹۷۱۔ [3] تقریب ابن حجر۔ اور تاریخ مغازی الرسول واقدی۔ مصحح وان کریمر، مطبوعہ کلکتہ، سنہ ۱۸۵۶ء، از صفحہ ۳۲۶ تا آخر۔ [4] ابن سعد، جلد ۸، صفحہ ۱۵۳ و جلد اول صفحہ ۸۶ تا ۹۳ مطبوعہ یورپ سنہ ۱۹۰۹ء۔ [5] ابن خلکان، جلد ۳، صفحہ ۶۲۔ ترجمہ انگریزی یا اصل عربی جلد اول صفحہ ۶۴۰ مطبوعہ مصر۔

میں واقدی کی نسبت کہتا ہے کہ "احمد بن حنبل کا قول ہے کہ وہ بہت بڑا کذاب تھا" بخاری اور ابو حاتم کہتے ہیں کہ اُسے کوئی مستند نہیں مانتا"

ذہبی عبد الحمید کی نسبت لکھتا ہے "کہ ابو حاتم کا قول ہے کہ اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے، اور سفیان کا قول ہے کہ اس کی روایت ضعیف ہوتی ہے"

جعفر اور عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن ابی صعصعہ تابعین کے متوسط زمانہ میں ہوئے ہیں، اور اس بارہ میں وہ کسی کا حوالہ نہیں دیتے۔

ماریہ لونڈی نہیں تھی

۱۰- دوسرے، فرض کرو کہ حاکم مصر نے رسول اللہ ؐ کو دوسرے تحائف کے ساتھ دو قبطی لڑکیاں بھیجی تھیں، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ لونڈیاں تھیں، اور نہ تاریخ سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ لڑائی میں گرفتار ہوئی تھیں، اور اگر اسیران جنگ میں بھی شمار کرلی جائیں، تو اُن کے لونڈی بنانے کی سند نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ اس قیاس کی بھی کوئی گنجایش نہیں ملی کہ وہ لڑکیاں لونڈیاں تھیں۔

ماریہ حرم نہیں تھی

۱۱- تیسرے، اگر فرض بھی کرلیا جائے کہ ماریہ قبطیہ ایک لونڈی تھی، تو اس کا ثبوت کیا ہے؟ یہ وضاعین حدیث کی کارستانیوں کا کرشمہ ہے، اور اس بارہ میں یوروپین مصنفین بھی غلط راستہ اختیار کرتے ہیں، کہ وہ ہمیشہ لونڈیوں اور جنگ کے قیدیوں کو حرم لکھ دیتے ہیں۔ صحاح ستہ میں، جو اعلےٰ درجہ کے نقادان فن کی تصانیف ہیں، امام بخاری (متوفی ۲۵۶ھ) مسلم (متوفی ۲۶۱ھ)، ابو داؤد (متوفی ۲۷۵ھ)، ترمذی (متوفی ۲۷۹ھ)، نسائی (متوفی ۳۰۳ھ) اور ابن ماجہ (متوفی ۲۷۳ھ) نے کسی ایک کتاب میں بھی یہ نہیں لکھا کہ ماریہ قبطیہ رسول اللہ ؐ کی حرم تھی۔ اس سے پہلے کے سوانح نگار ابن اسحاق (متوفی ۱۵۱ھ) اور ابن ہشام (متوفی ۲۱۳ھ) نے بھی مطلق اس کا ذکر نہیں کیا، فقط محمد بن سعد کاتب واقدی اس کا

ذکر کرتا ہے۔ اول تو بواسطہ واقدی، عبدالحمید او رجعفر، اور پھر بواسطہ واقدی، یعقوب بن محمد او رعبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی صعصعہ، یہ دونو سندیں بالکل ناقابل اعتبار ہیں۔ میں نے واقدی اور عبدالحمید کی ثقاہت کی نسبت پہلے ہی ذکر کیا ہے، یعقوب بن محمد کی نسبت، علم رجال کا بڑا نقاد، ابوزرعہ کہتا ہے کہ "جعفر اور عبداللہ دونو پہلی صدی کے بعد ہوئے ہیں، اس بارہ میں اُن کی شہادت ایک صدی کے بعد کبھی قابل قبول نہیں ہوسکتی"۔

زمانہ رسول کے تذکرہ نویسوں نے اپنی کتابوں میں تین عورتوں کو ماریہ کے نام سے موسوم کیا ہے، ان میں سے ایک کو آپ کے گھر کی لونڈی بتایا ہے، دوسری وہ لڑکی ہے جس کی کنیت ام رباب تھی، اور تیسری ماریہ قبطیہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایک ہی ماریہ تھی، اور یہ ممکن ہے کہ وہ رسول اللہ کے خانگی کام کرنے والی ہو۔ تذکرہ نویسوں نے علیحدہ علیحدہ ان کے حالات لکھے ہیں، اور انہیں مستقل تین آدمی بنادیا ہے، اور ان میں سے ایک کو حرم ٹھیرا دیا ہے، کیونکہ اُن کے خیال میں کوئی گھر بغیر ایک حرم کے پورا گھر ہی نہیں ہوسکتا تھا۔ سوانح نویس اکثر اس غلطی میں پڑ گئے ہیں کہ جب وہ کسی خاص شخص کے مختلف واقعات لکھتے ہیں تو تعدد واقعات کی نسبت سے وہ اُنہیں اشخاص بھی متعدد متصور کرلیتے ہیں۔ ان تینوں ماریاؤں میں سے ایک بھی لونڈی نہ تھی، یہ فقط ایک قیاس ہے، یا یُوں کہو کہ حدیثوں میں گہرا مغالطہ ڈال دینے کے لئے ماماؤں کو غلاموں یا لونڈیوں میں شامل کر دیا ہے۔

ماریہ کے کوئی اولاد نہیں تھی

۱۲۔ چوتھے، ایک اور لطف کی بات ہے، کہ جنہوں نے ماریہ کو ایک لونڈی یا حرم بنادیا ہے اُنہوں نے یہ ایک بڑا غضب کیا ہے کہ اُس کا ایک خیالی بیٹا بھی فرض کرلیا ہے۔ رسول اللہ کے بیٹوں کی تعداد اور اُن کے ناموں کی نسبت، جو سب کے سب خردسالی میں راہی عالم بقا ہوگئے تھے، احادیث مختلف البیان

ہیں۔ بعض احادیث میں تو ایک ہی لڑکے کے مختلف نام بیان کئے گئے ہیں، اور بعض مصنفین نے یہ کیا ہے کہ جس قدر نام تھے، اُسی قدر لڑکے مان لئے ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ کے صرف ایک بیٹا ہو، جس کا نام ابراہیم تھا، لیکن یہ کہنا کہ وہ ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوا تھا، یہ صرف ایک ظنی بات ہے۔ اس قصّہ کا یہ حصّہ ابن سعد کی روایتوں کا ایک تتمہ ہے، جن پر میں نے فقرہ ۹، اور ۱۱ میں جرح و قدح کی ہے۔ ابن سعد سے بواسطۂ عمر بن عاصم اور قتادہ ایک اور روایت بھی مروی ہے، اس میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے ایک بیٹا ابراہیم نام ایک قیدی عورت کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ ابو حاتم نے، جو علم الرجال کا بہت بڑا عالم اور نقاد گزرا ہے، عمر بن عاصم پر[۱] اعتراض کیا ہے، اور قتادہ (متوفی ۱۱۷ھ) کی روایت اس واقعہ کی ہم عصر شہادت نہیں ہو سکتی، گویا وہ جو کچھ بیان کرتا ہے اس کی شہادت نہیں دیتا۔ اسی روایت کے ہم پایہ ابن سعد کی دو اور حدیثیں بھی ہیں، یعنی زہری (متوفی ۱۲۴ھ) اور مکحول (متوفی ۱۱۸ھ) کی روایتیں، جو رسول اللہ ﷺ کے ہم عصر نہ تھے؛ بلکہ تابعین کے درجہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر ابراہیم زندہ رہتا تو تمام قبطیوں پر سے فدیہ معاف کر دیا جاتا۔ اور اگر ابراہیم کی حیات وفا کرتی تو اُس کے ماموؤں میں سے کبھی کوئی غلام نہ بنایا جاتا۔" لیکن وہ یہ نہیں بیان کرتے کہ ابراہیم کون تھا۔

ایک اور روایت جو ابن سعد کی اخیر روایت ہے، یحییٰ بن حمید، ابو عوانہ، سلیمان الاعمش، مسلم اور البراء کے واسطہ سے مروی ہے، اُس میں بیان کیا گیا ہے کہ ابراہیم فرزند رسول اللہ ﷺ ایک قبطیہ ماما کے بطن سے پیدا ہوا تھا[۲]۔ اس کا

[۱] دیکھو میزان الاعتدال ذہبی۔
[۲] ابن سعد جلد اول صفحہ ۹۰۔ اور جلد ۸ صفحہ ۱۵۳ مطبوعہ یورپ۔

ایک راوی سلیمان الاعمش مُدلّس ہے (دیکھو تقریب) یا دوسرے الفاظ میں کذاب ہے، اور علاوہ بریں تمام سلسلہ معنعن ہے۔

بخاری اور مسلم کی تصانیف میں جو مذہبی اصول تحقیقات کے بعد جمع کی گئی ہیں، ماریہ کے بطن سے ابراہیم کے پیدا ہونے کا کہیں ذکر نہیں کیا گیا، لہذا ان کی احادیث دربارۂ ابراہیم ہمارے خلاف میں نہیں ہیں۔

صحیح احادیث میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ابراہیم کی وفات کے دن سورج گہن[1] ہوا تھا۔ مورخین نے صرف ایک گہن کا ذکر کیا ہے، جو سنہ ۶ھ میں اُس وقت واقع ہوا تھا جبکہ رسول اللہ حدیبیہ میں تشریف فرما تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم ہرگز ماریہ کا بیٹا نہ تھا۔ ماریہ کا عرب میں آنا اس سے ایک سال بعد ہو سکتا ہے، اس لئے کہ سنہ ۷ھ میں تو بادشاہوں اور سرداروں کو مراسلات بھیجے گئے تھے۔ یافعی نے اپنی تاریخ مرآۃ الجنان میں اس واقعہ کسوف کو سنہ ۶ھ میں بیان کیا ہے، اور دسویں سال کی نسبت لکھا ہے کہ:-

"ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ سورج گہن ابراہیم کی وفات کے روز ہوا۔ اور یہ اوپر بیان
"کیا جا چکا ہے کہ کسوف سنہ ۶ھ میں ہوا تھا۔ یہاں یہ مشکل آپڑی ہے کہ رسول اللہ کے
"زمانہ مبارک میں کسوف کا واقع ہونا صرف ایک مرتبہ بیان کیا گیا ہے۔ اگر یہ واقعہ دو مرتبہ
"ہوا ہوتا، تب تو کچھ دقت نہیں تھی، لیکن جب دو دفعہ وقوع پذیر نہیں ہوا تو ایک
"واقعہ ضرور غلط ہوگا۔ یا تو یہ جھوٹ ہوگا کہ سورج گہن دسویں سال میں ہوا، اور یا
"یہ دروغ ہوگا کہ پیغمبر کے بیٹے کا انتقال سنہ ۶ھ میں ہوا۔"[2]

---

[1] اسی روز سورج گہن ہوا تھا، اور لوگ کہنے لگے تھے کہ یہ پیغمبر کے فرزند کی موت کے سبب سے ہوا ہے۔ اگر کوئی جھوٹا پیغمبر ہوتا تو اس کو فوراً تسلیم کر لیتا، اور اس دعوے کی تصدیق کر بیٹھتا، لیکن رسول اللہ نے اس خیال کو تسلیم نہیں کیا (سیرت محمدی مصنفہ سر ولیم میور جلد چہارم، صفحہ ۱۴۹)

[2] مرآۃ الجنان المعروف بہ تاریخ یافعی قلمی نسخہ نایاب صفحہ ۴ و ۷۔ موجودہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن۔

لیکن تاریخ سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ کسوف صرف ۱۰ھ میں واقع ہوا۔ ابراہیم کی وفات کی مختلف تاریخیں بیان کی گئی ہیں۔ بعض مورخین نے چوتھی، بعض نے دسویں اور چودھویں تاریخ ہلالی بیان کی ہے۔ لیکن ان تاریخوں میں سے کسی ایک تاریخ میں بھی سورج گہن واقع نہیں ہو سکتا۔

۱۳۔ پانچویں، سب سے آخر میں اُس بدنما بہتان کی حقیقت کھولنا چاہتا ہوں

حفصہ اور ماریہ دونوں کے قصے جھوٹے ہیں۔

جو رسول اللہ کے دشمنوں نے آپ پر لگایا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ماریہ کے ساتھ خلوت میں تھے کہ یکایک حفصہ آگئیں اور آپ کو بُری طرح آڑے ہاتھوں لیا، اور ڈرایا کہ میں یہ واقعہ آپ کی تمام بیبیوں میں مشتہر کردوں گی، آپ نے بخوف بدنامی اور ناراض بی بی کو منانے کے لئے ان کی منت وسماجت کی کہ وہ کسی سے اس کا ذکر نہ کریں، اور نیز یہ وعدہ کیا کہ میں آیندہ ماریہ سے کوئی تعلق نہ رکھوں گا۔ لیکن آخر کار آپ نے ایک خاص وحی منگا کر اس سے اپنی گلو خلاصی حاصل کی (التحریم، آیت ۱)[1]۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ:-

"زینب کے واقعہ کی طرح اس وقت بھی پیغمبرؐ نے ایک خاص وحی آسمان سے منگائی، اور "اس سے یہ اجازت حاصل نہ ہوئی کہ وہ حسب وعدہ ماریہ سے علیحدگی اختیار کریں۔[2]

آیت مذکور حسب ذیل ہے:-

"یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ وَ اللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○"	اے پیغمبر جو چیزیں خدا نے تمہارے لئے حلال کی ہیں تم اُن کو اپنی بیبیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیوں حرام کرتے ہو۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

[1] ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۱۵۲ مطبوعہ یورپ۔

[2] سیرت محمدی، مصنفہ میور، جلد چہارم، صفحات ۱۶۱ و ۱۶۲۔ عربوں میں لونڈیوں کے حرم بنانے کا رواج اس وقت تک برابر جاری رہا جبتک کہ رسول اللہ نے موقوف نہ کیا، یہ سب کے (دیکھو صفحہ ۲۴۴)

۱۴- یہ صرف ایک مصنوعی قصّہ ہے، کبھی وجود پذیر نہیں ہوا اور نہ قرآن میں اس واقعہ کا ذکر ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ سر ولیم میور نے اس مسئلہ میں اپنے تمام اصول استناد کو چھوڑ دیا ہے، اور عربی سیر نویسوں میں سے ابن اسحاق، واقدی، کاتب واقدی اور زہری، کسی ایک کا بھی حوالہ نہیں دیا، یہ واقعہ ان مصنفین میں سے کسی ایک نے بھی بیان نہیں کیا، اور نہ احادیث بخاری ومسلم اور ترمذی ہی میں اس واقعہ کا کہیں پتہ ملتا ہے۔ سر ولیم میور نے خود یہ اصول مقرر کیا ہے کہ وہ صرف ابتدائی مصنفین کے بیانات پر انحصار کرتے ہیں، اور مصنفین مابعد کو نہیں مانتے، وہ اپنے اصول کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ:-

(یہ واقعہ قدیم کتب سیر میں مذکور نہیں۔)

"صرف ابن ہشام، ابن سعد، کاتب واقدی، اور طبری سے مضامین لئے جائیں گے، یہ
"مصنفین رسول اللہ کے اولین سیر نویس ہیں۔ تمام باتمیز سیر نویسوں کو ایسا ہی کرنا چاہیے
"اور بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ کی احادیث کو بھی اسی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جائیگا
"لیکن مصنفین مابعد کی تحریرات شہادت میں نہیں لی جائیں گی، اور ان کی روایات کو
"تاریخی درجہ نہ دیا جائے گا"۔[1]

۱۵- لیکن اس موقعہ پر سر ولیم میور نے اس غرض سے کہ اپنے طبعزاد قصّہ سے ایک رسول پر الزام لگائیں، ایک باتمیز سیرت نویس کے درجہ کو چھوڑ دیا ہے، اور اپنے مسلّمہ اصول سے ہٹ گئے ہیں، وہ اس

(سر ولیم میور کی سندیں غیر معتبر ہیں۔)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نزدیک جائز تھا، بلکہ عملاً تو اب تک بھی موقوف نہیں ہوا ہے۔ عربوں کی تمدنی زندگی میں اس قسم کے تعلقات پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا تھا۔ تمام خلفائے عباسیہ بجز سفاح المہدی اور الامین کے سب لونڈی زادے تھے (دیکھو تاریخ الخلفا مصنفہ سیوطی، مترجمہ جیرٹ، صفحہ ۲، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۸۱ء) اگر یہ قصّہ آپ کی نسبت صحیح بھی مان لیا جائے تو اس کے افشا سے کچھ اندیشہ نہ تھا، اور نہ آپ کی بیبیاں آپ سے ناراض ہو سکتی تھیں +

[1] سیرت محمدی، جلد اول مقدمہ، صفحہ ۳۔

قصّہ کو ایک باتمیز اور منصف مصنّف کی حیثیت سے رد نہیں کرتے جیسا کہ اُنہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ انہوں نے جن ابتدائی تحقیقات کا ذکر کیا ہے اُن میں سے کسی ایک میں بھی اس واقعہ کا پتہ نہیں ملتا، بلکہ برخلاف اس کے وہ درجہ دوم اور مصنّفین مابعد کا حوالہ دینے پر آمادہ ہوگئے ہیں۔ وہ اپنے ایک فٹ نوٹ میں، بغیر اس کے کہ مصنّفین طبقہ اوّل کا حوالہ دیں، لکھتے ہیں کہ:۔

"متن میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے، اُس کو جلال الدین، یحیٰی، بیضاوی اور زمخشری وغیرہ مستند "سمجھتے ہیں۔" (جلد سوم، صفحہ ۱۶۳)

یہ مصنّف نہ تو سیرت نویس ہیں اور نہ مؤرّخ، اس لئے اُن کا بیان استناد کے لائق نہیں ہو سکتا۔ زمخشری اور بیضاوی نے جو چھٹی اور ساتویں صدی کے مفسّرین شمار کئے جاتے ہیں، دو کہانیاں بیان کی ہیں، ایک ماریہ کی نسبت، اور دوسری کہانی میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے ایک خاص قسم کے شہد کے استعمال سے قسم کھائی تھی جس کی بو بڑی تیز ہوتی ہے، اور جسے آپ کی ازواج مطہرات ناپسند کرتی تھیں۔ جلال الدین محلی نویں صدی ہجری میں ایک مفسّر گزرا ہے، اور یحیٰی کا شمار مفسّرین میں نہیں ہے، وہ شاید متاخرین مصنفین میں ہے۔

مفسّرین علی العموم احادیث کے بارہ میں مستند نہیں سمجھے جاتے۔

"تلمیحات قرآنیہ کو مثل اور واضح کرنے کی غرض سے کوئی نہ کوئی چسپان قصّہ بیان کرنے کے "لئے مفسّرین ہمیشہ تیار رہتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ تقریباً ہمیشہ کی تلمیح کے متعلق جو قصّے "بیان کئے جاتے ہیں وہ نہ صرف مختلف بلکہ تلمیح زیر بحث سے بھی مغایر ہوتے ہیں اور درحقیقت "تلمیح ہی قصّہ کے بیان کئے جانے کا باعث ہوا کرتی ہے۔ اور اصل میں پہلے جو کسی آیت کے "شان نزول کے متعلق مفروضہ واقعات کا محض ایک تصور یا بعض آیات کی تفسیر کے متعلق "صرف ایک خیال تھا اصلی واقعہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ احادیث

"یا واقعات بھی جن کی توثیق مقصود ہوتی ہے بمقابلہ اصل آیت مفسرہ کے کسی اعلےٰ درجہ کی سند
"پر مبنی نہیں ہوتے"۔[1]

۱۶۔جو مفسرین فن حدیث کے بھی ماہر ہیں، اور جو علمائے سلف کے نقاد ہیں، وہ سورۂ التحریم میں ماریہ کے قصّہ کو مصنوعی سمجھ کر مردود ٹھہراتے ہیں۔

اعلےٰ درجہ کے مفسرین و محدثین نے اس قصّہ کی تغلیط کی ہے۔

بغوی مصنف مصابیح (متن مشکوٰۃ جلد ۴ صفحہ ۲۲۴ مطبوعہ لاہور) کہتا ہے کہ "یہ سورت شہد کے بارہ میں نازل ہوئی تھی، ماریہ سے اسے کوئی تعلق نہ تھا"۔ماریہ کا قصّہ نہ تو صحیحین میں ہے، اور نہ کسی مستند روایت میں اس کا ذکر ہے۔
حافظ اسمٰعیل بن کثیر القرشی قسطلانی کے بیان کے بموجب (شرح بخاری جلد ہفتم، صفحہ ۳۱۲ مطبوعہ کانپور) کہتا ہے کہ "یہ سورت یقیناً شہد کے بارہ میں نازل ہوئی تھی"۔
امام نووی اپنی منہاج شرح مسلم (جلد اول، صفحہ ۴۶۳ مطبوعہ دہلی) میں لکھتے ہیں کہ "یہ سورت درحقیقت شہد کی نسبت نازل ہوئی تھی نہ کہ ماریہ کے معاملہ میں"۔

۱۷۔سر ولیم میور خود اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔کہ متقدمین سیرت نویس نے اس قصّہ کو بیان نہیں کیا۔لیکن وہ اس کا ایک جھوٹا عذر کر کے اُن کی تقلید نہیں کرتے، وہ لکھتے ہیں کہ :۔

قرآن سے اس قصّہ کی تصدیق نہیں ہوتی۔

"سیرۃ نویس اس میدان سے نہایت سلیقہ کے ساتھ چپ چاپ گزر جاتے ہیں، میں بھی خوشی سے
"اُن کی تقلید کرتا، اگر قرآن خود ان واقعات کی تصدیق نہ کرتا اور اُن کی لاعلاج بدنمائی
"پر اور مُہر نہ لگا دیتا"۔[2]

یہ دعویٰ بالکل غلط ہے، ہر ایک شخص قرآن کو دیکھ کر اپنا اطمینان کر سکتا ہے، جس میں اس افسانہ اور جھوٹی کہانی کا ذکر تک نہیں۔

---

[1] کلکتہ ریویو، بابت ماہ فروری ۱۸۶۸ء صفحہ ۳۴۷۔
[2] سیرت محمدی، جلد چہارم، صفحہ ۱۶۰۔

۱۸- یہ قصہ نہ تو رسول اللہ کے زمانہ میں گھڑا گیا، جو اس کا عین وقت ہوسکتا

یہ قصہ کب وضع کیا گیا

تھا، اور نہ آپ کے صحابہ کی زندگی میں۔ یہ کہانی دوسری صدی میں بنائی گئی،[1] اور کسی ضعیف تابعی کی طرف منسوب کر دی گئی ہے، اس میں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں ہے کہ یہ تمام قصہ اوّل سے آخر تک محض بناوٹی ہے

۱۹- اخیر میں مَیں چاہتا ہوں کہ سرسری طور پر اس واقعہ پر روشنی ڈالوں جو

واقعہ زینب

سر ولیم میور نے زینب کی نسبت لکھا ہے، اُن کے الفاظ یہ ہیں :-

" اتفاقاً ایک روز پیغمبر کی عاشقانہ نظر زینب کے حُسن پر پڑ گئی، وہ زید کی بی بی تھیں، زید

---

[1] زید بن اسلم نے (طبرانی میں) جس نے اس کہانی کو لکھا ہے۔ اس نے بھی ماریہ کا نام نہیں لیا ایک تابعی ہے (متوفی ۱۳۶ھ) اس نے اپنی سند نہیں بیان کی علاوہ بریں وہ خود بھی مطعون ہے۔ (کامل)، بیان ابن عدی مسروق (سعید بن منصور میں) رسول اللہ کی وفات کے بہت زمانہ بعد مدینہ میں آیا تھا، اس لئے اس کا بیان اگرچہ صحیح بھی ہو، قابل اعتبار نہیں ہو سکتا۔

ضحاک بن مزاحم (طبرانی میں) بھی ایک تابعی ہے، مگر مطعون ہے، اس نے یہ قصہ ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے، لیکن نہ اس نے ابن عباسؓ کو کوئی حدیث سُنی اور نہ کبھی انہیں دیکھا (میزان الاعتدال ذہبی اور انساب مصنفہ سمعانی) لہذا اس کا بیان غیر مستند سمجھا جائے گا +

ابن عمر کا قصہ بھی بے موقع اور نا قابل اعتبار ہے۔ ابو ہریرہ کا بیان بھی غیر مستند تسلیم کیا گیا ہے (الدر المنثور سیوطی جلد ۶ صفحہ ۲۳۹ مطبوعہ مصر)۔

ان تمام احادیث کا ذکر سیوطی نے اپنی کتاب الدر المنثور میں کیا ہے۔ جو حدیث نسائی (متوفی ۳۰۳ھ) نے انس (متوفی ۹۰ھ) سے ایک غلام کے بارہ میں روایت کی ہے، وہ حضرت عائشہ کی اس حدیث کے تضاد ہے، جس کو نسائی نے اس مقام پر اپنی کتاب میں روایت کیا ہے۔ یہ کہانی شہد کے متعلق ہے (فقرہ ۱۶ کتاب ہذا) حضرت عائشہ کی روایت انسؓ کی روایت سے زیادہ قابل اعتبار ہے۔ انس کے سلسلہ رواۃ میں حماد بن سلمہ اپنے آخر زمانہ عمر میں، ضعف حافظ کی وجہ سے مطعون ہے (تقریب صفحہ ۱۰۱ مطبوعہ دہلی ۱۳۰۸ھ) اس سلسلہ کا ایک دوسرا راوی، ثابت، ایک پیشہ ور قصہ گو تھا (طبقات ذہبی) اس کا بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ نسائی نے خود انس کی حدیث کو رد کر دیا ہے اور اس کا یہ قول بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ کی سند ٹھیک ہے، اور اُس میں ماریہ کی نسبت کوئی پختہ بات نہیں ہے۔ (کمالین حاشیہ جلالین صفحہ ۴۶۳ مطبوعہ دہلی ۱۳۰۱ھ)۔

"آپ کے متبنےٰ تھے، لیکن جو آگ زینب کے حُسن وجمال سے آپ کے دل میں بھڑک چکی تھی،"
"وہ فروتر ہوئی، اور بالآخر آپ نے وحی نازل کرکے زینب سے شادی کرلی"[1]

یہ قصّہ ابتدا سے انتہا تک بالکل غلط ہے۔ رسول اللہ زینب کو بچپن سے جانتے تھے، وہ آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں، اور آپ نے ہی زید سے ان کی شادی کی تھی جس وقت زید نے زینب کو طلاق دی تو اُن کی عمر پینتیس سال کی تھی، اور وہ غالباً اُس وقت اس قابل نہیں ہوسکتی تھیں کہ کسی غیر آدمی کو اپنا فریفتہ بنا سکیں۔ اگر وہ خوب صورت اور دلکش ہوتیں تو زید کبھی اُن کو نہ چھوڑتے۔ اس قصّہ کے کسی جزو کی نسبت کوئی تاریخی ثبوت موجود نہیں ہے۔ قرآن میں جہاں اس واقعہ کا ذکر ہوا ہے وہاں مطلق ان کہانیوں کا پتہ نہیں چلتا جو بعد میں گھڑ لی گئی ہیں کہ رسول اللہ زید کے گھر گئے اور اتفاقاً ایک کواڑ کے کُھلنے پر آپ نے زینب کی صورت دیکھ لی، یا یہ کہ ہوا سے زینب کے کمرہ کا پردہ اُٹھ گیا اور اُن کے برہنہ بدن پر آپ کی نظر جا پڑی۔[2]

واقعۂ زینب کی بے سروپائی

۲۰۔ اگر ان کہانیوں اور نیز چند اور مختلف بیانات کو، جو بالکل ماریہ کے قصّہ کے مشابہ ہیں، قصّہ گویوں اور دشمنان اسلام کی دیدہ دانستہ افترا پردازیاں نہ بھی کہا جائے، جنہیں یورپین مصنّفین نے واقعات کا لباس پہنا دیا ہے، تو بھی میرے نزدیک اتنا یقینی ہے کہ وہ ابتدا میں صرف ایسے قیاسات تھے جن کی وجہ سے قرآن میں کچھ ذکر کرنے کی ضرورت معلوم ہوئی۔

قرآن کے وہ الفاظ جن پر ان کہانیوں کی بُنیاد ہے یہ ہیں:-

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ	اے پیغمبر اس بات کو یاد کرو، کہ تم اُس شخص کو سمجھاتے تھے (یعنے زید بن حارثہ کو) جس پر اللہ نے اپنا

[1] سیرت محمدی، مصنفہ سر ولیم میور، جلد چہارم، صفحہ ۲۴۰۔
[2] سیرت محمدی، مصنفہ سر ولیم میور، جلد سوم، صفحہ ۲۸۸۔ فٹ نوٹ صفحہ ۲۲۹ و ۲۳۰

کیا، اور تم بھی اس پر (یہ سمجھا کر) احسان کرتے رہے کہ اپنی بی بی (زینب) کو اپنی زوجیت میں رہنے دو اور اللہ سے ڈرو (اسکو چھوڑو نہیں) اور تم اُسکو اپنے دل میں چھپاتے تھے جسکو آخر کار اللہ ظاہر کرنیوالا تھا اور تم اس معاملہ میں لوگوں سے ڈرتے تھے اور خدا اسکا زیادہ حقدار ہے کہ تم	وَاتَّقِ اللّٰهَ ۔ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشٰهُ ۔ (التحریم ۶۶ - آیت ۳۷)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ؐ نے زید کو یہ سمجھایا تھا کہ وہ ... بی بی کو طلاق نہ دیں، باوجود اس کے کہ اُس زمانہ کی رسوم کے مطابق عرب میں طلاق دینا بہت آسان کام تھا۔

سر ولیم میور نے طبری[1] سے یہ کہانیاں نقل کی ہیں، جو معقولیت سے بالکل دور ہیں متقدمین سیر نویسوں نے کسی معتبر ذریعہ سے انہیں نہیں لکھا۔ × × × × انہیں چاہیئے تھا کہ وہ اسے ایک موضوع قصہ سمجھ کر رد کر دیتے، جس طرح اُنہوں نے ان دوسری احادیث پر تاریخی اعتراض کئے ہیں، جو ان جھوٹی کہانیوں سے کہیں اعلےٰ حیثیت رکھتی تھیں۔

سر ولیم میور کے قیاسات صحیح دلائل پر مبنی نہیں

۲۱ - سر ولیم میور اُس حد سے بہت متجاوز ہو گئے ہیں، جو خود اُنہوں نے رسول اللہ کے ذی شعور مؤرخوں کے لئے مقرر کی ہے۔ چنانچہ وہ اپنے پُر جوش خیالات کی رو میں لکھتے ہیں کہ :-

”زید سیدھے رسول اللہ ؐ کے پاس گئے اور آپ نے زینب کے طلاق دینے پر اپنی مستعدی ظاہر کی، آپ نے اس سے اختلاف کیا، اور کہا کہ اپنی بی بی کو رکھو، اور خدا سے ڈرو۔ لیکن زید

”یہ بات خوب سمجھ سکتے تھے کہ یہ الفاظ ناراضی کے ساتھ آپ کی زبان سے نکل رہے ہیں،

”اور آپ کے دل میں زینب کا اشتیاق جاگزین ہے[2]۔“

---

[1] طبری جلد اول صفحہ ۱۴۶۰ واقعات ۵ ہجری کے ذیل میں مطبوعہ بریل ۱۸۸۱ء۔
[2] سیرت محمدی مصنفہ سر ولیم میور، جلد سوم، صفحہ ۲۲۸۔

یہ صرف ایک حقارت آمیز توہم ہے، وہ اور آگے بڑھ کر اس سے بھی زیادہ تحقیر آمیز قیاسات کرتے ہیں اور لکھتے ہیں :۔

"اس پر بھی زینب کی محبت فرو نہ ہوئی، آپ کے دل میں آگ بھڑک رہی تھی، آخر کار یہ شعلہ
"بھڑکا، اور اس سے دوسری اُمنگیں روشن ہوئیں[1]"۔

آپ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ مجھے خدا کی طرف سے زینب سے نکاح کرنے کا حکم ہوا ہے، اور یہ کہنے کی آپ کو ضرورت بھی نہ تھی۔ اور اس واقعہ پر غیر مسلم عربوں کے شور وغوغا کی یہ وجہ نہیں تھی کہ آپ کے جوڑ توڑ سے یہ طلاق واقع ہوئی، بلکہ اس کا اصلی سبب یہ تھا کہ اُن کے نزدیک ایک متبنّٰی بیٹا اصلی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا، اور اسی وجہ سے زید کے طلاق دینے کے بعد زینب سے آپ کا نکاح حرام تھا۔ قرآن نے پہلے ہی اس قسم کے تبنّیتی رشتہ کو کالعدم قرار دیا تھا۔

وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ (احزاب ۳۳ - آیت ۴)	اور نہیں کیا تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے یہ تمہاری بات ہے اپنی منہ کی۔

سر ولیم میور نے اپنے بیان میں بہت بڑی غلطی کی ہے جہاں وہ کہتے ہیں :۔

"یہ نکاح سخت الزام اور لعنت ملامت کا باعث ہوا، اور پیغمبر اسلام کو اپنی آبرو بچانے
"کی غرض سے رندانہ بے باکی کے ساتھ خاص وحی کے ذریعہ اس کے جواز کے آسمانی حکم
"کا اظہار کرنا پڑا، جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خداوند جل وعلا نے باضابطہ اس ازدواج
"کے لئے ربانی منظوری عطا فرمائی[2]"۔

انہوں نے الاحزاب ۳۳ کی آیت ۲۰۷، اپنے اس بیان کی سند میں پیش کی ہے لیکن وہ خود اس بات کو تسلیم کرتے ہیں (جلد سوم صفحہ ۲۲۹، فٹ نوٹ) کہ "اس

---

[1] سیرت محمدی مصنفہ سر ولیم میور، جلد سوم صفحہ ۲۲۹۔

[2] سیرت محمدی مصنفہ سر ولیم میور، جلد سوم صفحہ ۲۳۰۔ مطبوعہ لندن

آیت کا طرز بیان کسی گزشتہ واقعہ کے ذکر کا پیرایہ لئے ہوئے ہے" اور زینب کو نکاح کرنے کا ربانی حکم نہیں ہے۔ آیت کے یہ الفاظ کہ ہم نے تمہارے ساتھ اس عورت کا نکاح کردیا نکاح کے لئے کوئی حکم نہیں ظاہر کرتے ہیں۔ ان کا صرف یہ مطلب ہے کہ نکاح ہوچکا تھا۔ یہ جملہ کہ "ہم نے تمہارے ساتھ اس عورت کا نکاح کردیا" محض ایک طرز ادا ہے۔ قرآن میں تقریباً تمام انسانی کاموں کو خدا کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ قدرت کے عام قوانین کی رو سے دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اور انسان اپنی مرضی سے جو کچھ کرتا ہے، سب قرآن میں خدا کی خاص مرضی کی جانب منسوب کیا گیا ہے۔

ترجمہ میں سر ولیم میور کی غلطی۔

۲۲۔ دوسری آیت "مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ" (الاحزاب ۳۳۔ آیت ۳۸) میں اُنہوں نے غلطی سے "فَرَضَ" کا ترجمہ "تاکید اور حکم کیا" لکھا ہے، اور اس طرح ایک ربانی حکم کا خیال اس میں پیدا کیا ہے۔ "فَرَضَ" کے معنے ہیں" اس نے (کسی چیز کو) جائز یا روا کیا"۔ (ملاحظہ ہو لین کی لغت عربی، یعنے مد القاموس کتاب اول، حصہ ششم صفحہ ۲۳۷۲)۔ مذکورہ بالا معنے بیان کرتے ہوئے مسٹر لین نے یہی آیت سند میں لکھی ہے[1]۔ اس قسم کے ازدواج صرف پیغمبر اسلام ہی کے لئے جائز نہیں کئے گئے تھے، بلکہ تمام مسلمانوں کے واسطے، اور آپ کے لئے کوئی خاص حق نہیں رکھا گیا۔ ان آیتوں کے ذریعہ کوئی مخصوص حکم نہیں صادر کیا گیا ہے۔ آپ کے خاص منشاء اور مطلب کو پورا کرنے کے لئے کوئی فرمایشی وحی عالم بالا سے نہیں منگائی گئی اور نہ آپ کو مخصوص اور مستثنےٰ حقوق عطا کئے گئے۔ صرف یہی کہا گیا۔ کہ کسی جائز بات کے کرنے میں پیغمبر کے لئے کوئی الزام کی بات نہیں ہے۔

---

[1] یعنے الاحزاب ۳۳۔ آیت ۳۸۔

الاحزاب ۳۳ کی آیات ۳۷ و ۳۸ میں لفظ "امر" کا ترجمہ سر ولیم میور وغیرہ نے "حکم" اور "فرمان" کیا ہے، حالانکہ حقیقت میں اس موقع پر اور اسی قسم کے دوسرے مقامات پر (مریم ۱۹، آیت ۲۱- النساء ۴، آیت ۵۰- ہود ۱۱، آیت ۷۶- اور الانفال ۸، آیت ۴۲ و ۴۴)- اس کا مطلب آئندہ واقعات کے متعلق خدائے تعالےٰ کا پیشگی علم ہے- کسی قسم کا شرعی حکم اس سے مراد نہیں- اور الاحزاب ۳۳، آیت ۳۸، الحجر ۱۵، آیت ۶۰- اور المزمل ۷۳، آیت ۲۰ میں لفظ "قدر" کا بھی یہی حال ہے- اس سے خدا کی غیب دانی مراد ہے- پہلے سے مقرر کیا ہوا کوئی حکم اس کے معنے نہیں ہیں-

۲۳- آخر میں سر ولیم میور بیان کرتے ہیں :-

زینب کے معاملہ میں کوئی مخصوص حق حاصل نہیں ہوا-

"ہمیں سب سے زیادہ تعجب محض اس بات پر ہے کہ اس کے "بعد بھی پیغمبر اسلام کے پیرو آپ کی وحی کو ویسی ہی منزل "من اللہ خیال کرتے تھے حالانکہ وہ اس طرح صریحاً آپ کے ذاتی مقاصد کے حاصل کرنے "اور فاسد خواہشات کے پورا کرنے کے لئے گھڑی ہوئی ہوتی تھیں کسی اعتراض یا شک "شبہ کا کہیں ہمیں پتہ نہیں ملتا- آپ کے پیروؤں کے اس اطمینان و بھروسہ اور اس "جوش اعتقاد کو ہم صرف آپ کے زبردست دل و دماغ کی طرف منسوب کرتے ہیں جس "کی بدولت اپنے تمام زیر اثر لوگوں پر آپ کو پوری فوقیت حاصل تھی"[1]

الاحزاب ۳۳، آیات ۳۷ و ۳۸ میں کہیں بھی کسی طرح "پیغمبر اسلام کے مقاصد کو پورا نہیں کیا گیا ہے- آپ کی فاسد خواہشات کی تکمیل تو دور کی بات ہے" کیونکہ ان آیتوں کے نزول سے بہت پہلے آپ کا نکاح زینب سے ہو چکا تھا لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان سے کوئی خاص استثنا یا حق آپ کو عطا ہوا *

[1] سیرت محمدی مصنفہ سر ولیم میور، جلد سوم، صفحہ ۲۳۱-

۴۲- آنحضرت ﷺ کے زینب کو اتفاقاً دیکھ لینے اور ان پر شیدا ہو جانے کے

اس غلط کہانی کے بیان کرنے کا سلسلہ مقاتل تک پہنچتا ہے۔

کی کہانی کو مفسرین کے نقل کرنے کا سلسلہ مقاتل[1] تک پہنچتا ہے۔ جو دوسری صدی ہجری میں قرآن کا ایک مفسر گذرا ہے اور جس نے ۱۵۰ھ میں بمقام بصرہ وفات پائی۔ ابن خلکان نے اپنی کتاب "وفیات الاعیان" میں جس کا ترجمہ سلین نے عربی سے انگریزی میں کیا ہے، لکھا ہے کہ "مقاتل کے متعلق علماے حدیث کو اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ بحیثیت ایک راوی ہونے کے وہ قابل بھروسہ تھا اور بعض اس پر کذب و دروغ بیانی کا الزام لگاتے ہیں۔ . . . . احمد بن سیار کا بیان ہے:-

"مقاتل بن سلیمان جو بلخ کا باشندہ ہے مر گیا اور وہاں سے عراق پہنچا۔ اس کی صداقت
"میں شبہ ہے۔ اس کی بیان کی ہوئی حدیثوں کو چھوڑ دینا چاہیئے اور اس کی روایتوں کو
"رد کر دینا چاہیئے۔ خدا کی صفات کا بیان کرتے ہوئے اس نے بعض ایسی باتیں کہی ہیں کہ
"ان کو دُہرانا تک گناہ ہے۔"

ابراہیم بن یعقوب جوزجانی نے مقاتل کو ایک بیباک دروغ گو کہا ہے۔ ابو عبد الرحمٰن النسائی نے بیان کیا ہے:-

"ایسے کذاب جو غیر متعلق حدیثوں کو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کرنے میں بہت مشہور ہیں،
"کل چار تھے۔ ابن ابی یحیٰی مدینہ میں، الواقدی بغداد میں، مقاتل ابن سلیمان خراسان میں
"اور محمد بن سعید المعروف بہ المصلوب شام میں۔"

وکیع بن الجراح نے مقاتل کے متعلق کہا ہے کہ وہ ایک پکا جھوٹا تھا۔ ابو بکر الآجری نے بیان کیا ہے:-

"میں نے مقاتل کے بارہ میں ابوداؤد سلیمان ابن اشعث سے دریافت کیا تھا۔ انہوں نے

[1] سیرت حلبی یا انسان العیون، جلد دوم، صفحہ ۴۰۲، مطبوعہ مصر۔

"کہا۔کہ" تمام حدیثیں جو اس نے بیان کی ہیں رد کردی جانی چاہئیں"۔ عمر بن فلاس کے "قول کے مطابق بھی مقاتل بن سلیمان کاذب تھا اور اس کی حدیثیں اور روایتیں ترک "کردی جانے کے قابل تھیں"۔

البخاری نے کہا ہے :۔

"مقاتل بن سلیمان کے متعلق یہ ہے کہ اس کو چپ چاپ نظرانداز کردو"۔

ایک دوسرے موقع پر وہ یہ کہتے ہیں کہ :۔

"وہ کوئی چیز ہی نہیں ہے"۔

یحییٰ بن معین نے بیان کیا ہے کہ مقاتل کی بیان کی ہوئی حدیثیں کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔ احمد بن حنبل نے فرمایا ہے :۔

"مقاتل بن سلیمان مؤلف تفسیر کے متعلق یہ ہے کہ میں اس کی سند پر کسی بات کو کبھی بیان "نہیں کروں گا"۔

ابوحاتم الرازی نے کہا ہے کہ :۔

"اس کی حدیثیں اور روایتیں رد کردی جانے کے قابل ہیں"۔

زکریا بن یحییٰ الساجی کے بیان کے مطابق مقاتل بن سلیمان باشندہ خراسان کے متعلق لکھتے ہیں کہ :۔

"وہ دروغ بیان ہے اور اس کی روایتیں اور حدیثیں ترک کردی جانی چاہئیں"۔[۱]

عکرمہ

مقاتل سے پیشتر ایک دوسرے دروغ گو عکرمہ (المتوفی ۱۰۶ھ) نے صرف اس گمان کا اظہار کیا تھا کہ آنحضرت ؐ کو زینب کا اشتیاق ہوا ہوگا۔ عبد بن حمید اور ابن المنذر راویوں نے عکرمہ کے خاص الفاظ یہ بیان کئے ہیں :۔

---

[۱] ابن خلکان، جلد سوم، صفحہ ۴۰۹ و ۴۱۰۔ ترجمہ انگریزی مطبوعہ پیرس ۱۸۴۳ء۔ یا اصل عربی جلد دوم صفحہ ۱۴۷ مطبوعہ مصر۔

"آنحضرت ؐ کے دل میں زینب کے اشتیاق کا گہرا نقش مرتسم ہو گیا تھا۔"[1]

لیکن مقاتل نے اس اٹکل پچو توہم کو ایک حقیقی واقعہ بنا دیا۔

عبداللہ بن الحارث کا بیان حسب ذیل ہے:۔

"میں عبداللہ ابن عباس کے فرزند علی کی ملاقات کو گیا اور عکرمہ کو دیکھا کہ وہ بیت الخلا

"کے دروازہ سے بندھا ہوا ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ کیا تم اسی طرح اپنے غلام کے ساتھ

"سلوک کرتے ہو۔" علی نے یوں جواب دیا کہ "تمہیں معلوم نہیں کہ اس شخص نے میرے والد

"کے متعلق جھوٹی باتیں کہی ہیں۔"[2]

محمد بن یحییٰ

محمد بن یحییٰ بن حبان[3] (متوفی ۱۲۱ھ) نے بھی آنحضرت ؐ کے زینب پر زید کے مکان میں گرویدہ ہونے کا واقعہ بیان کیا ہے لیکن اس کی کوئی سند نہیں دی ہے۔ وہ کوئی ہمعصر راوی نہیں تھا اس لئے اس کی روایت غیر معتبر اور اصطلاح میں مرسل ہے۔

قتادہ کی قیاسی تشریح غیر معتبر ہے

۲۵۔ یہ تمام نادانی کی بناوٹی کہانیاں، ناشائستہ افسانے اور تہتک آمیز توہینی قیاسات قتادہ کی اس غلط توضیح پر مبنی ہیں جو اس نے ان الفاظ۔

وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ (الاحزاب ۳۳۔ آیت ۳۷)	اور تم اس کو اپنے دل میں چھپاتے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا۔

کی کی ہے۔ قتادہ (المتوفی ۱۱۸ھ) نے قیاس کیا کہ پیغمبر اسلام ؐ نے یہ خواہش چھپا رکھی تھی کہ زید زینب کو طلاق دے۔ لیکن تمام دوسرے مصنفین نے قتادہ کے اس

[1] ملاحظہ ہو الدر المنثور سیوطی جلد ۵، صفحہ ۲۰۱ مطبوعہ مصر۔ و کمالین برجلالین صفحہ ۳۵۴، مطبوعہ دہلی ۱۳۱۰ھ۔
[2] ابن خلکان جلد دوم صفحہ ۲۰۷۔ ترجمہ انگریزی مطبوعہ پیرس ۱۸۴۳ء یا اصل عربی جلد اول صفحہ ۴۰۲ مطبوعہ مصر حرف العین۔ میزان ذہبی جلد دوم؛ صفحہ ۱۸۷ مطبوعہ لکھنؤ۔
[3] ابن سعد اور حاکم نے روایت کیا ہے الدر المنثور جلد ۵ صفحہ ۲۰۱ مطبوعہ مصر۔

طرح گمان کرنے پر الزام لگایا ہے[1]۔ اس قیاس کی آیت کے کسی لفظ یا کسی ہم عہد بیان یا شہادت سے تایید نہیں ہوتی۔ قتادہ کی اس تعبیر کا بطلان خود آنحضرت کے ان الفاظ سے ہوتا ہے جو زید کو کہے گئے ہیں اور جو اسی آیت میں ہیں کہ :-

اَمۡسِکۡ عَلَیۡکَ زَوۡجَکَ وَاتَّقِ اللّٰہَ (الاحزاب ۳۳- آیت ۳۷)	اپنی بی بی کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر۔

۲۶- اس بات کے متعلق کہ آنحضرت ؐ نے اپنے دل میں کون سی بات چھپا رکھی تھی بہت سے قیاسات قائم کئے گئے ہیں۔ قتادہ کا گمان تو ابھی بیان کردیا گیا ہے۔ ایک دوسرا قیاس یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کو معلوم تھا کہ زید اپنی بی بی کو طلاق دیں گے لیکن اس کو پوشیدہ رکھ کر آپ نے زید کو ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ ایک تیسرا گمان یہ ہے کہ آنحضرت ؐ نے یہ بات اپنے دل میں چھپائی کہ اگر زید باوجود آپ کی نصیحت کے زینب کو طلاق دیدیں گے تو آپ اُن سے نکاح کرلیں گے۔ یہ تمام قیاسات بالکل دور از کار اور بے ڈھنگے ہیں۔ لیکن یہ بات قرین قیاس ہے کہ آنحضرت ؐ نے اپنے مخالفین کی بدگوئی کے اندیشہ سے زید اور زینب کے خانگی مناقشات اور باہمی ناموافقت کو عام لوگوں پر ظاہر نہ ہونے دیا تھا۔ یہی وہ رازِ عظیم ہے جس کی طرف اُس آیت میں اشارہ ہے جو بار بار مخالفین کی طرف سے پیش کی جاتی ہے۔

دوسرے قیاسات

ضمیمۂ دُوم ختم ہوا

[1] ملاحظہ ہو عبدالرزاق- عبد بن حمید- ابن جریر- ابن المنذر- ابن ابی حاتم- اور طبرانی کی تالیفات- یا الدر المنثور جلد ۵ صفحہ ۲۰۲ مطبوعہ مصر

ضمیمہ سوم

خاص خاص واقعات اور حالات کے حوالے حفاظتی لڑائیوں کی نسبت جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے اور میں نے اُنھیں نقل کیا یا اُن کا اس کتاب میں ذکر کیا ہے، حسب ذیل طور پر اُن کی درجہ بندی کی جاسکتی ہے :-

(الف) قریش مکہ کی ایذائیں

سنہ ہجری کے دس سال قبل سے سنہ تک

النحل، ۱۶- آیت ۴۳ و ۴۴ و ۱۱۱-

البقرہ ۲ - آیت ۲۱۰ و ۲۱۴ و ۲۱۵-

آل عمران، ۳- آیت ۱۹۴-

النساء ۴ - آیت ۷۹ و ۹۹ و ۱۰۰-

الحج ۲۲ - آیت ۵۷-

الممتحنہ، ۶۰- آیت ۸ و ۹-

محمد ۴۷- آیت ۱۴-

الاحقاف ۴۶- آیت ۲۵ -

التوبہ، ۹- آیت ۴۰ و ۴۸ و ۹۵-

(ب) قریش کے اور آور وہاں کے باشندوں کے حملہ مدینہ پر

سنہ ۱ ہجری

البقرہ ۲ - آیت ۲۱۴ -

الاعراف ۷ - آیت ۷۲ -

التوبہ ۹ - آیت ۱۳ و ۴۸ و ۷۲ -

(ج) حفاظتی لڑائیاں قریش اور دوسرے عربوں وغیرہ سے اور نیز اُن کے چند حملوں کے حوالے

سنہ ۱ ہجری سے سنہ ۵ تک

الحج ۲۲ - آیت ۳۹ تا ۴۲ -

البقرہ ۲ - آیت ۱۸۶ تا ۱۸۹ - ۲۱۴ و ۲۱۵ و ۲۴۵ و ۲۴۷ و ۲۵۲ -

النساء ۴ - آیت ۷۶ تا ۷۸ - ۸۶ و ۹۱ و ۹۳ -

الاعراف ۷ - آیت ۱۹ و ۳۹ تا ۴۱ و ۵۸ تا ۶۶ و ۷۲ و ۷۴ -

التوبہ ۹ - آیت ۱۰ و ۱۳ -

(د) متفرق لڑائیاں وغیرہ

(۱) جنگ بدر سنہ ۲ ہجری۔

آل عمران ۳ - آیت ۱۱ و ۱۱۹ - الانفال ۸ - آیت ۵ تا ۱۹ - ۳۹ تا ۵۲ - ۶۶ تا ۷۲ -

محمد ۴۷ - آیت ۴ و ۱۵ -

(۲) جنگ احد سنہ ۳ ہجری۔

آل عمران ۳۔ آیت ۱۱۷ تا ۱۲۲۔ ۱۳۴ تا ۱۵۴۔ ۱۵۹ تا ۱۶۲۔

(۳) بدر کی دوسری لڑائی سنہ ۴ ہجری اور جلاوطنی بنی نضیر سنہ ۴ ہجری۔

آل عمران ۳۔ آیت ۱۶۷۔ الحشر ۵۹۔ آیت ۲ تا ۱۴۔

(۴) جنگ احزاب سنہ ۵ ہجری۔

الاحزاب ۳۳۔ آیت ۹ تا ۲۵۔

(۵) یہودیان بنی قریظہ وغیرہ سنہ ۵ ہجری

الانفال ۸۔ آیت ۵۸ تا ۶۶۔ الاحزاب ۳۳۔ آیت ۲۶ و ۲۷۔

(۶) حدیبیہ تک حج میں جانا سنہ ۶ ہجری۔

ن ۴۸۔ آیت ۱ تا ۳ و ۱۰ و ۱۱ و ۲۴ و ۲۵۔ الممتحنہ ۶۰۔

(۷) تاخت خیبر سنہ ۷ ہجری۔

الاحقاف ۴۶۔ آیت ۱۷ و ۲۰ تا ۲۲۔

(۸) قریش کا صلح حدیبیہ کو توڑنا سنہ ۸ ہجری۔

(الف) قبل فتح مکہ۔

التوبہ ۹۔ آیت ۱ تا ۱۵۔

(ب) بعد فتح مکہ۔

التوبہ ۹۔ آیت ۱۶ تا ۲۴۔

(۹) جنگ حنین سنہ ۸ ہجری۔

التوبہ ۹۔ آیت ۲۵ تا ۲۷۔

(۱۰) بعد جنگ حنین سنہ ۹ ہجری۔

التوبہ ۹۔ آیت ۲۸۔

(۱۱) تبوک کو جانا عیسائیوں (رومیوں) اور اُن کے حلیف یہود ۹ سنہ ہجری

الف۔ نصیحت اپنی حفاظت کی غرض سے لڑائی کے واسطے۔

التوبہ ۹۔ آیت ۲۹ تا ۴۱۔ ۱۲۴۔

ب۔ توقف پر ملامت۔

التوبہ ۹۔ آیت ۴۲ تا ۵۲۔ ۵۶ و ۵۷۔ ۸۲ تا ۹۰۔

ج۔ امداد کی نصیحت۔

التوبہ ۹۔ آیت ۵۳ تا ۵۵۔ ۵۸ تا ۶۰ و ۸۱۔

د۔ منافقوں کو تنبیہ۔

التوبہ ۹۔ آیت ۶۵ تا ۶۷ و ۱۲۱ و ۱۲۲ و ۱۲۵ تا ۱۳۰۔

ھ۔ بدوں سے بیزاری۔

التوبہ ۹۔ آیت ۹۱ تا ۱۰۲۔

و۔ نادموں کو معاف کرنا۔

التوبہ ۹۔ آیت ۱۰۳ تا ۱۰۷ و ۱۱۸۔

ضمیمۂ سوم ختم ہوا

قرآن حکیم کی کوئی آیت منسوخ نہیں
قرآن کی ہر آیت دوسری آیت سے اور ہر سورت دوسری سورت سے مربوط ہے۔
رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علیؒ
کی شہرہ آفاق تفسیر
بلغة الحیران
فی
ربط آیات الفرقان
اس کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔
تقدیم
محمد علی فارق
مصنف کے مختصر حالات زندگی اور علمی آثار کے تعارف کے ساتھ
قرآن کے طالب علموں، درس نظامی کے پڑھنے اور پڑھانے والوں کیلئے ایک انمول تحفہ
اعلیٰ سفید کاغذ۔ چار رنگہ ٹائٹل مع ڈسٹ کور
ہدیہ
-/250 روپے

Life of Mohammad (PBUH)

الخطبات الاحمدية في العرب والسيرة المحمدية

اعلیٰ سفید کاغذ

چار رنگہ خوبصورت ٹائیٹل ڈسٹ کور کے ساتھ

قیمت عام ایڈیشن -/250 اعلیٰ ایڈیشن -/390

تحقیق الجہاد کے مصنف مولوی چراغ علی مرحوم لکھتے ہیں کہ:

اس کتاب کو شائع کرنے سے میرا خاص مقصد یہ ہے کہ یورپین اور عیسائی مورخوں کے دلوں سے اسلام کی بابت اس عام اور غلط خیال کو دور کیا جائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش و دیگر قبائل عرب اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ جو جنگیں کیں وہ حصول فتح، استیصال نیز جبراً مسلمان بنانے کی غرض سے تھیں، آپؐ نے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں تلوار لے کر لوگوں سے زبردستی اپنی رسالت کو منوایا، میں یقین کرتا ہوں کہ میں نے اس کتاب میں بہ وجوہات کافی یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ نہ تو آپؐ کی لڑائیاں حملہ آوری کی حیثیت رکھتی تھیں اور نہ آپ نے ایمان کے معاملہ میں کسی جبر و اکراہ سے کبھی کام لیا، آنحضرتؐ کی تمام جنگیں دفاعی تھیں۔

مستشرقین نے لفظ جہاد کا مفہوم جنگ و پیکار لے کر اس کا غلط اطلاق کیا ہے۔

آپؐ کی جنگی مہمات کی نوعیت اور تعداد بیان کرنے میں اکثر سیرت نگاروں نے مسامحت کی ہے اور ان کے بیان کرنے میں عقلی تنقید اور اصولِ درایت کا لحاظ نہیں رکھا۔''

الجہاد فی الاسلام، اشاعت اسلام اور تلوار، اسیران جنگ سے سلوک کی نوعیت اور حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بارے میں تفسیر تفہیم القرآن اور شیعہ مسلک کی تفسیر انوار النجف، تفسیر المتقین اور دیگر کتب کے چند حیرت انگیز حوالہ جات کا عکسی اضافہ، تقدیم میں ملاحظہ فرمائیں۔